دین و دُنیا کے آداب

اس کتاب میں دین و دُنیا سے متعلّق آداب، علمِ نفس، عقل
خواہشات، خودداری وغیرہ کے بارے میں ان کے آداب عوارض،
مختلف صفات پر ابھارنے والی وجُوہات وغیرہ سے اچھّی بحث کیگئی ہے

مصنّف
امام ابوالحسن علی بن محمّد بن حبیب ماوردی بصری رحمۃ اللہ علیہ
سنہ ۳۶۴ھ تا سنہ ۴۵۰ھ

ترجمہ وتہذیب
مولانا مفتی ثناء اللہ محمود
اُستاذ جامعہ احتشامیہ کراچی

بیتُ العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷-۳۵۲۲۸۳

دین و دُنیا
کے
آداب

دین و دُنیا کے آداب

اس کتاب میں دین و دُنیا سے متعلق آداب، علم نفس، عقل
خواہشات، خودداری وغیرہ کے بارے میں ان کے آداب، عوارض،
مختلف صفات پر ابھارنے والی وجوہات وغیرہ سے اچھی بحث کی گئی ہے

مصنف
امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی بصری رحمۃ اللہ علیہ
سنہ ۳۶۴ھ تا سنہ ۴۵۰ھ

ترجمہ و تہذیب
مفتی ثناء اللہ محمود
و اراکین لجنۃ التالیف والترجمہ کراتشی

بیت العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۲۴۸۳

کتاب	دین ودنیا کے آداب
مولف	علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی بصری رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	مفتی ثناء اللہ محمود
باہتمام	مولانا محمد ناظم اشرف
ناشر	بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبۂ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ از مترجم

الحمد للہ رب العالمین!

تمام حمد وستائش تمام جہانوں کے پالنے والے رب کے لئے ہیں جس نے انسان کو اعتدال کے ساتھ پیدا کیا اسے ایمان کا نور الہام کیا اور اس ایمان سے اسے مزین وآراستہ کیا اور اسے بیان سکھا کر اس کے ذریعے اسے سب پر مقدم اور بافضیلت بنایا اسے علوم کے خزانوں پر دسترس دیکر کامل بنایا پھر اس پر اپنی رحمت کا پردہ لٹکا دیا۔ پھر اسے ایسی زبان سے تقویت دی جو اسکے مافی الضمیر اور عقل کے معانی اور راز بیان کرتی ہے پھر اپنا لٹکایا ہوا پردہ ہٹا کر اس کی زبان پر حق جاری کروایا اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا عطا کیا اور اسے علم بخشا اور انسان کو گویائی عطا فرمائی۔

اور میں درود وسلام پیش کرتا ہوں ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' ان کی آل، ان کے اصحاب اور اتباع اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں پر۔ ایسی رحمت کی دعا (درود) کے ساتھ جس سے میری زبان میرا دل اور میرے تمام جوارح کبھی نہ رکیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

امابعد۔ اسلام کا ایک تربیتی منہج ہے جو دنیا کے تمام ان مناہج سے ''جن تک گذشتہ تمام زمانوں سے لیکر اب تک انسانی عقول کی رسائی ہوئی ہے'' ممتاز ہے۔ اور یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں کیونکہ ہمارے اس دین کی تعلیمات اور مبادی عنایت الہیہ کے ان ہاتھوں نے لکھا ہے جن سے انسان کی تخلیق ہوئی اور اسے عدم سے وجود بخشا اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ خود جانتے ہیں کہ اس بناء انسانی کو کس طرح مضبوط بنایا جا سکتا ہے وہی اس کی اصلاح کرتا اور اپنے دست قدرت سے اسے نجات کے راستے کی طرف لیجاتا ہے وہ خود جانتا ہے کہ نفس انسانی کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟ کس طرح وہ برائی اور شیطانی وسوسوں سے بچ سکتا ہے اور کس طرح انسان کے دل میں بھلائی کا ارادہ مضبوط ہو سکتا ہے۔

رسالت خاتمیہ (آخری) میں تشریع احکام کا بڑا حصہ موجود ہے اور اس کی شان بہت بڑی اور اعلیٰ ہے چنانچہ قرآن کریم نے شرائع اور مضبوط سیدھے اسلامی منہج کی طرف تنبیہ فرمائی اور سنت نبویہ (علیٰ صاجہا الصلوۃ والسلام) نے انسانی فہم کے ادراک میں آنے والی مشکلات کی وضاحت کی اور اجتہاد اس لئے آیا تا کہ وہ تشریعی معجزہ اور اسلامی معاشرے کے لئے دین ودنیا کے ادب کا ایک پاکیزہ وآراستہ نمونہ تخلیق کرے۔

شریعت اسلامیہ کے مقاصد اور احکام دین ودنیا کے بارے میں بے شمار کتب و تالیفات موجود ہیں اور اس موضوع پر لکھنے والوں کی پہلی صف میں ماہر اسلامی قانون و عدلیہ علامہ ماوردی (یعنی ادب الدنیاوالدین کے مصنف) بھی ہیں۔

کتاب۔ ''ادب الدنیاوالدین'' کا اخلاق وفضائل دینیہ اور آداب اجتماعیہ سے معمور تربیت اسلامی کی کتب میں شمار ہوتا ہے۔

علامہ ماوردی نے اس کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے؟

پہلا باب۔ عقل کی فضیلت اور خواہش کی مذمت

دوسرا باب۔ علم کے ادب کا بیان

تیسرا باب ۔ دین کے ادب کا بیان

چوتھا باب۔ دنیا کے ادب کا بیان

پانچواں باب۔ نفس کے ادب کا بیان

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تمام انسانوں کے لئے بڑے فائدے کی کتاب ہے ہر مسلمان مرد وعورت کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اور کیوں نہ ہو کیونکہ اس کے مولف ''امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب بصری ماوردی'' ہیں۔

امام ماوردیؒ کا سوانحی خاکہ

یہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب بصری ماوردی ہیں جو اپنے دور میں سب سے بڑے قاضی بے شمار بڑی مشہور اور نافع کتب کے مصنف ہیں فقیہ، حافظ، فقہ شافعی کے بڑے فقیہ جنہوں نے فقہ شافعی میں ایک عظیم موسوعہ تیار کی تھی جو بیس سے زائد جلدوں پر مشتمل ہے۔

علامہ ماوردی ۳۶۴ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اس کے بعد ''بغداد'' منتقل ہو گئے اور کئی شہروں میں قاضی کے عہدے پر فائز رہے اور پھر عباسی خلیفہ ''القائم بامر اللہ'' کے دور میں سب سے بڑے قاضی (چیف جسٹس) مقرر ہوئے۔

حدیث کی تعلیم بصرہ میں بڑے علماء سے حاصل کی جن میں حسن بن علی بن محمد الجبلی المحدث، محمد بن عدی بن رحر المقری، محمد بن معلیٰ ازدی اور جعفر بن محمد بن فضل بغدادی شامل ہیں

علامہ ماوردی پر ایک وقت معتزلی ہونے کا الزام لگ گیا تھا مگر ان کے شاگرد علامہ خطیب بغدادی نے ایسے میں ان کی مدد کی اور انکا خوب دفاع کر کے ان کے سر سے یہ الزام اتار دیا۔

امام ماوردی رحمۃ اللہ کی تصنیفات:

(۱) الحاوی الکبیر: یہ کتاب فقہ شافعی میں ہے اور بیس سے زائد جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۲) الاحکام السلطانیہ

(۳) نصیحۃ الملوک

(۴) قوانین الوزارۃ وسیاسۃ الملک

(۵) کتاب التفسیر

(۶) الاقناع (یہ الحاوی کا خلاصہ ہے)

(۷) کتاب ادب القاضی

(۸) کتاب اعلام النبوۃ

(۹) تسھیل النظر وتعجیل الظفر

(۱۰) کتاب فی النحو

(۱۱) کتاب الامثال والحکم

(۱۲) البغیۃ العلیا فی ادب الدنیا والدین۔

آخر الذکر کتاب وہی ہے جس کا ہم ترجمہ کر رہے ہیں اور آج کل یہ کتاب ''ادب الدنیا والدین'' کے نام سے مشہور ہے۔

وفات:

علامہ ماوردیؒ کی وفات بروز منگل ماہ ربیع الاول کے آخر میں ۴۵۰ھ میں ہوئی اور انہیں دوسرے دن باب حرب کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر چھیاسی سال تھی۔ نماز جنازہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے پڑھائی۔[۱]

کتاب کے نسخے و مطابع:

یہ کتاب متعدد بار مصر میں شائع ہوئی۔ اسی طرح کئی بار یورپ میں بھی شائع ہوئی۔ خاص طور سے مطابع امیریہ مصریہ سے شائع ہونے والی کتاب مدارس ثانویہ کے طلبہ کے لئے خاص اور درسی کتاب کی طرح ہے۔

اس کتاب کے مخطوطات مصر، اسکوریل، جامع قرویین فاس، موصل، اور ہندوستان کے شہر رام پور کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

دار الکتب المصریہ کی لائبریری میں اس کا مخطوطہ تصوف م کے تحت نمبر ۱۸ پر موجود ہے اور دوسرا نسخہ ادب تیمور کے تحت ۸۷۷ نمبر پر موجود ہے۔

جس نسخے کا ہم نے ترجمہ کیا ہے یہ نسخہ ''مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ'' بیروت نے شائع کیا ہے جس کے ناشر کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے کئی نسخوں کو سامنے رکھ کر اس کی تصحیح کی ہے۔

---

[۱] علامہ ماوردی کی سوانح کے لئے مزید ملاحظہ کریں۔ طبقات الشافعیہ علامہ سبکی ص ۳/۳۰۳

[۲] الوفیات (ص ۱/۳۲۶) [۳] شذرات الذھب (ص ۳/۲۸۵)

[۴] آداب اللغۃ (ص ۲/۳۳۳) [۵] مفتاح السعادۃ ص ۲/۱۹۰

[۶] تواریخ آل سلجوق ص ۲۴ [۷] الاعلام ص ۴/۳۲۷

بہر حال یہ کتاب علماء طلبہ سالکین اور ہر خاص و عام کے لئے بڑی مفید ہے اور ہر گھر میں اس کی موجودگی یقیناً مطالعہ کرنے والوں کے لئے بڑی رہنما ثابت ہوگی جس میں علم، دنیا دین اور نفس کے آداب پر ایسا مواد موجود ہے جو یقیناً خیر القرون کی کتاب ہونے کی وجہ سے اور زیادہ نافع ہے۔

اصل کتاب میں علامہ نے بڑی فصاحت و بلاغت سے کام لیا ہے جو کہ عربی جاننے والوں کو بڑا ہی لطف لیکن انتہائی صبر آزما کیفیات کے ساتھ دیگا انتہائی مشکل اور فصیح الفاظ اور علم معانی کی خصوصیات سے مزین اس کتاب کا ترجمہ کرنے میں کافی وقت لگ گیا۔ غیر ضروری اشعار حذف کر دیئے گئے ہیں پھر بھی سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کے ترجمے کا حق ادا نہیں ہوا۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ اگر وہ کسی غلطی پر مطلع ہوں تو مترجم یا ناشر کو اس کی اطلاع ضرور فرمائیں۔

آخر میں درخواست ہے کہ احقر، ناشر اور اس کتاب کا ترجمہ کرنے والے اراکین ''لجنتہ التالیف و الترجمہ'' اور ان کے والدین اور اہل خانہ کے حق میں دعائے خیر ضرور فرمائیں۔

وما علینا الا البلاغ۔

ثناء اللہ محمود
لیکچرر گورنمنٹ اسلامیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج کراچی
ریسرچ اسکالر کراچی یونیورسٹی
خادم۔ لجنتہ التالیف والترجمہ

مقدمہ کتاب

خطبہ از مصنف:

قاضی ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب بصری الماوردی رحمہ اللہ نے فرمایا

تمام حمد وستائش نعمتوں اور انعامات والے اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور درود وسلام ہو ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو خاتم الرسل ہیں اور ان کی آل اور صحابہ کرامؓ پر جو سب کے سب صاحب تقویٰ تھے۔

امابعد!

مطلوبہ شئی کا شرف اس کے نتائج وثمرات کے شرف پر منحصر ہے اور اس کے خطرات کی عظمت اس کے منافع کی کثرت پر منحصر ہے جتنا منافع زیادہ ہوتا ہے توجہ وعنایت بھی اسی قدر ہوگی اور جس قدر عنایت وتوجہ ہوگی اس کے ثمرات بھی اسی قدر حاصل ہوتے ہیں۔

حساسیت اور قدر کے اعتبار سے سب سے زیادہ پرخطر نفع اور فوائد کے اعتبار سے سب سے زیادہ عام وہ امور ہیں جن پر دین ودنیا قائم ہیں اور جن سے دنیا وآخرت کی درستگی جڑی ہوئی ہے کیونکہ دین پر استقامت سے عبادات درست ہوتی ہیں اور دنیا کی درستگی سے خوش بختی مکمل اور تام ہوتی ہے۔

چنانچہ میں نے اس کتاب میں دین ودنیا کی بھلائی پر مبنی امور کی طرف رہنمائی کی ہے اور ان کے اجمالی احوال کو کچھ تفصیل سے بیان کیا ہے اور بے جا تفصیل اور بے حد اختصار کے بجائے اعتدال سے کام لیا ہے۔

فقہاء کی تحقیق اور ادیبوں اور داناؤں کی حکمت بھری باتیں جمع کی ہیں جو نہ فہم سے بالاتر ہیں اور نہ ہی دقیق نہ ہونے کی وجہ سے دشوار ہیں اور انہیں قرآن کریم کے مقتضی سے ثابت کیا ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس پر شواہد پیش کئے ہیں پھر ان کے بارے میں داناؤں کے اقوال اور بلغاء کے آداب شعراء کے کلام بھی پیش کئے ہیں کیونکہ مختلف پیرایوں کی گفتگو دلوں کو بھلی لگتی ہے اور لوگ تو ایک ہی طرح کی گفتگو سے اکتا جاتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجھہ کا ارشاد ہے کہ دل بدن انسانی کی طرح تھک جاتے ہیں اس لئے انہیں حکمت بھرے لطائف پیش کرو۔

گویا کہ یہ اسلوب اپنے مطلوب کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں رغبت محسوس کرتا ہے ابوالعتاھیہ نے کیا خوب کہا ہے کہ

لا یصلح النفس اذ کانت مدبرة الا التنقل من حال الی حال

نفس جب مدبر ہوتو اسے ایک حال سے دوسرے میں منتقل ہونا "بدلنا" درست کرسکتا ہے۔

اس کتاب کے مضامین کو میں نے پانچ ابواب پر تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب۔ عقل کی فضیلت اور خواہشات کی مذمت کے بیان میں ہے

دوسرا باب۔ علم کے آداب کا بیان

تیسرا باب۔ دین کے ادب کا بیان

چوتھا باب۔ دنیا کے ادب کا بیان

پانچواں باب۔ نفس کے ادب کا بیان

میں اللہ تعالیٰ سے ہی اچھی مدد کا خواستگار ہوں اور اسے اس کی دی ہوئی نعمتوں کی حفاظت اس کی قدرت اور مشیت پر چھوڑتا ہوں وہی میرے لئے کسی دوسرے معین اور حفاظت کرنے والے کے بجائے خود کافی ہے۔

پہلا باب

عقل کی فضیلت اور خواہشات کی مذمت

جان لیجئے کہ ہر فضیلت کی کوئی نہ کوئی بنیاد اور ہر ادب کا کچھ نہ کچھ سرچشمہ ضرور ہوتا ہے چنانچہ فضائل کی بنیاد اور ادب کا سرچشمہ ''عقل'' ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی بنیاد اور دنیا کے لئے ستون قرار دیا ہے اور عقل کے کامل ہونے پر مکلّف ہونے کو لازم قرار دیا ہے، دنیا کو اسے احکامات سے باتدبیر بنایا اور اسی کے ذریعے مخلوق کو آپس میں جوڑا ہے حالانکہ لوگ اپنی ہمت خیالات اور مقاصد میں بہت مختلف ہیں اور عقل کے ذریعے ان کو تابعدار بنانے کی دو اقسام بنائیں۔

(۱) وہ جو عقل کے ذریعے لازم ہو۔ اسے شریعت سے موکد کر دیا۔

(۲) وہ جو عقل میں جائز قرار پائے۔ اسے شریعت نے واجب قرار دیا۔ لہٰذا عقل کو ان دونوں کے لئے ستون قرار دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''انسان اس عقل کی طرح کچھ اور حاصل نہیں کر سکتا جو اسے صحیح راستے کی رہنمائی کر دے یا ھلاکت کے راستے سے لوٹا دے۔

ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ ''ہر چیز کے لئے سہارا بنایا جاتا ہے اور انسان کا ستون (سہارا) عقل ہے''

چنانچہ ہر انسان کی عقل کے مطابق ہی اس کی رب کے لئے بندگی ہوتی ہے۔ آپ (قارئین) نے فاجروں کا قول جو کہ قرآن میں منقول ہے سنا تو ہوگا کہ ''اگر ہم کچھ سنتے اور سمجھتے تو جہنم والوں میں سے نہ ہوتے'' (سورۃ الملک)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''انسان کی اصل اور جڑ اس کی عقل ہے اس کا حسب ''دین'' ہے اور اس کی جوانمردی (**شخصیت کا معیار**) اس کا ''اخلاق'' ہے''

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو عقل عطا کرتے ہیں اسے

کسی دن اس کے ذریعے بچا بھی لیتے ہیں۔

بعض داناؤں کا قول ہے کہ ''عقل سب سے افضل خواہش ہے اور جہالت سب سے بڑا قاتل دشمن ہے۔

بعض ادیبوں کا قول ہے کہ عقل ہر شخص کی دوست ہے اور اس کا دشمن جہل ہے۔ ایک فصیح ادیب کا قول ہے عقل بہترین عطیہ خداوندی اور جہالت بدترین مصیبت ہے۔

ایک شاعر ابراہیم بن حسان کہتا ہے۔

يزين الفتى فى الناس صحة عقله	و ان كان محظوراً عليه مكاسبه
يشين الفتى فى الناس قلة عقله	و ان كرمت اعراقه و مناسبه
يعيش الفتى بالعقل فى الناس انه	على العقل يجرى علمه و تجاربه
افضل قسم الله للمرء عقله	فليس من الاشياء شئى يقاربه
اذا اكمل الرحمن للمرء عقله	فقد كملت اخلاقه و مآربه

(ترجمہ) انسان کو لوگوں میں اس کی عقل کی صحت خوبصورت بناتی ہے اگر چہ اس کے آلات کسب اس پر ممنوع ہو چکے ہوں۔ انسان کو لوگوں میں اس کی عقل کی کمی عیب دار بناتی ہے اگر چہ اس کی نسل ونسب بہت ہی معزز ہوں۔ انسان لوگوں میں اپنی عقل کے ذریعے زندگی گذارتا ہے کیونکہ اس کا علم اور تجربہ عقل کی بنیاد پر ہی جاری ہوتے ہیں۔ کسی بھی شخص کے لئے اس کی عقل اللہ تعالیٰ کا بہترین عطیہ ہے کیونکہ دنیا کی کوئی چیز عقل کے ہم پلہ نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی عقل کامل کر دیتے ہیں تو اس کے اخلاق اور مہارت کامل ہو جاتے ہیں۔

عقل کی اقسام:

جان لیجئے کہ عقل کے ذریعے ہی معاملات کے حقائق کی پہچان ہوتی ہے اور اچھائی اور برائی کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے عقل کی دو قسمیں ہیں۔

غریزی، اکتسابی۔

(غریزی کا مطلب ہے سرشت میں شامل وداخل لہٰذا) غریزی ہی حقیقی عقل ہے اور اس کی حد سے مکلّف ہونا متعلق ہے، یہ عقل نہ اضافہ پذیر ہوتی ہے اور نہ ہی کمی اس میں آتی ہے۔ اسی عقل کے ذریعے انسان دوسرے جانداروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ جب یہ عقل انسان میں تام ہوتی ہے تو اسے عاقل عقلمند کہا جاتا ہے اور اسی کے ذریعے انسان کاملیت کی حد کی طرف نکلتا ہے۔

صالح بن عبدالقدوس نے اس بارے میں کہا ہے:

اذا تم عقل المرء تمت اموره وتمت امانیه و تم بناوه

(ترجمہ) جب کسی شخص کی عقل تام ہو جاتی ہے اس کے معاملات تام ہو جاتے ہیں اس کی امیدیں تام اور اس کی بنیاد بھی تام (مکمل) ہو جاتی ہے۔

عقل کی تعریف اور وصف:

عقل کی تعریف اور وصف کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں چنانچہ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ

عقل ایک جوہر لطیف ہے جس کے ذریعے معلومات کے حقائق کی تفصیل حاصل ہوتی ہے۔

جن حضرات کا یہ قول ہے ان کا عقل کے مرکز کے بارے میں اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات اس کا رکز دماغ کو بتاتے ہیں کیونکہ دماغ حس کا محل و مرکز ہے۔ دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ اس کا مرکز دل ہے کیونکہ دل زندگی کا معدن اور حواس کا مادہ ہے۔

عقل کو جوہر لطیف کہنا دو وجہ سے فاسد ہے ایک تو یہ کہ جواہر ایک دوسرے کے مماثل ہوتے ہیں لہٰذا بعض ایسے جواہر کو واجب کرنا جو دوسرے تمام کو واجب نہ کرتا ہو صحیح نہیں اور اگر ان تمام جواہر کو واجب (لازم) کیا جائے جسے بعض جواہر نے واجب کیا ہے تو عقل والے شخص کا اپنے نفس کے وجود کی وجہ سے عقل سے بے پرواہ ہونا (مستغنی بے ضرورت ہونا) لازم آئے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے جوہر کا بذات خود قائم ہونا درست ہے اس لئے (عقل اگر جوہر ہے تو) اس کا عاقل کے بغیر قائم ہونا (وجود ہونا) لازم آئے گا جس طرح جسم کا عقل کے بغیر وجود جائز ہے۔

لہٰذا ان دونوں وجھوں سے عقل کا جوہر ہونا ممنوع قرار پایا۔

دوسرا قول:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ عقل اشیاء اور ان کے حقائق کا ادراک کرنے والی ہے۔ یہ قول اگر چہ پہلے قول سے قریب ہے لیکن صحیح ہونے سے بہت دور ہے اور اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ "ادراک کرنا" جانداروں کی صفات میں سے ہے اور عقل عرض (بے جان) ہے اور اس سے جاندار کی صفت کا صادر ہونا محال ہے جس طرح اس کا لذت حاصل کرنا تکلیف دینا خواہش کرنا محال ہے۔

بعض متکلمین کا کہنا ہے کہ عقل علوم ضروریہ (جن کے بغیر چارہ کار نہیں) کا مجموعہ ہے۔ مگر یہ تعریف اجمال ہونے کی وجہ سے غیر محصور ہے یعنی جامع نہیں ہے اور اس میں بعض دوسری چیزوں کے داخل ہو جانے کا احتمال بھی ہے حالانکہ تعریف اپنے دائرہ کار کا بیان ایسا ہوتی ہے جس میں اجمال اور احتمال ختم ہو جائے (تعریف جامع مانع ہو جائے)

بعض دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ عقل لازمی مدرکات کے علم کا نام ہے (یہ تعریف درست تعریف ہے) اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) حواس کے ذریعے جو چیز حاصل ہو۔ (۲) جو کہ دلوں میں شروع سے ہو۔

پہلی صورت:

لہٰذا جو حواس کے ذریعے حاصل ہو اس کی مثالیں یہ ہیں۔ نظر کے ذریعے دکھائی دینے والی اشیاء کا علم وادراک سماعت کے ذریعے سنی جانے والی آوازوں کا ادراک۔ چکھنے کے ذریعے حاصل ہونے والے ذائقے سونگھنے کے ذریعے حاصل ہونے والی بوئیں۔ لمس کے ذریعے محسوس ہونے والے اجسام۔

چنانچہ اگر انسان ان لوگوں میں سے ہے کہ اپنے حواس سے ان اشیاء کو حاصل کر سکے تو جان جائے گا (علم حاصل ہو جائیگا) تو یہ قسم اس کے لئے جو کہ علم کی ایک قسم ہے ثابت ہو جائے گی کیونکہ اگر وہ اپنی آنکھیں اس سے بند کر لے کہ اسے ادراک ہو اور علم حاصل ہو (یا نہ ہو) تو اس وجہ سے وہ کامل عقل ہونے سے نہیں نکلے گا اس طرح کہ اس کے حال اور کیفیت سے یہ بات معلوم ہو کہ اگر وہ ادراک کرے تو جان جائے۔

دوسری صورت:

البتہ جو بات شروع سے ہی دلوں اور نفوس میں ہو اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے انسان کے علم میں یہ بات فطرتاً داخل ہوتی ہے کہ کوئی بھی چیز عدم اور وجود سے خالی نہیں یا جو چیز بھی دنیا میں موجود ہے وہ جدید یا قدیم ہونے کی صفت سے متصف ہوتی ہے اور یہ کہ ایک چیز دو چیزوں سے کم ہوتی ہے۔ علم کی اس قسم کا عقلمند سے منتفی ہونا جائز نہیں ہے جب کہ اس کی کیفیت درست اور عقل کامل ہو۔

چنانچہ جب انسان ان دونوں قسم کے ان لازمی مدرکات کو جانتا ہو تو وہ شخص کامل عقل ہے۔

عقل کی اس کاملیت کو "عقل ناقہ" اونٹنی کی رسی اور مہار سے تعبیر کیا گیا ہے کہ عقل انسان کو بری خواہشات کے عملی اقدام سے روکتی ہے جیسے کہ اونٹنی کی رسی اسے بگڑنے کی صورت میں بھاگنے سے روکتی ہے۔ اسی لئے عامر بن عبدالقیس نے کہا تھا کہ جب تیری عقل تجھے بیکار باتوں سے دور باندھے رکھے تو عقلمند ہے۔

سنت نبویہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام سے بھی ایک ارشاد عقل کے بارے میں کہے گئے مذکورہ قول کی تائید کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عقل دل میں نور (روشنی) ہے جو حق اور باطل میں فرق رکھتی ہے۔

بہرحال جن حضرات نے عقل کے جوہر ہونے سے انکار کیا ہے انہوں نے اس کا مرکز دل کو ثابت کیا ہے اس لئے کہ دل تمام علوم کا مرکز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِهَا. الآیة.

''کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں تا کہ ان کے لئے دل (ایسے ہو جائیں) جن کے ذریعے یہ سمجھا کریں''

یہ آیت دو باتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے ایک تو یہ کہ عقل ''علم'' ہے اور دوسری یہ کہ اس کا مرکز دل ہے ''یعقلون بھا'' کی دو تاویلیں ہیں۔(۱) یہ کہ یہ اس کے ذریعے جانیں (علم حاصل کریں)۔ (۲) اس کے ذریعے غور کریں۔

مذکورہ تمام بحث عقل غریزی (سرشت میں داخل عقل) کے بارے میں تھی۔

عقل مکتسب: (حاصل کی جانے والی عقل)

یہ عقل غریزی کا نتیجہ ہے اور یہ عقل معرفت کی انتہا اور تدبیر کی درستگی غور وفکر کے تیر بہدف ہونے کا نام ہے۔ اس عقل کی کوئی اصطلاحی تعریف نہیں ہے کیونکہ اسے جتنا استعمال کیا جائے یہ بڑھتی ہے اور اگر اسے یوں ہی بیکار چھوڑ دیا جائے تو کم ہو جاتی ہے اس عقل کا بڑھنا مندرجہ ذیل دو وجہوں میں سے ایک وجہ سے ہوتا ہے۔

(۱) کثرت استعمال سے۔ جب کہ اس کے سامنے خواہشات کی رکاوٹ نہ ہو اور نہ ہی کسی شہوت وخواہش کا شکار ہو کر کام کرے۔ جیسے کہ ناخن والے کو کھجانے سے جو لذت آتی ہے۔

غور وفکر کی درستگی تجربے کی کثرت اور معاملات میں مہارت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اسی لئے عرب بوڑھوں کی رائے کو پسند کرتے اور ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔

حتی کہ بعض عرب کا یہ قول ہے کہ بوڑھے وقار کا درخت اور خبروں کا منبع ہیں۔ ان کا کوئی تیر خطا نہیں ہوتا اور ان کا کوئی خیال پرواز سے نہیں گرتا۔ اگر تجھے کسی برے موقف یا رستے پر دیکھیں گے تو روک دیں گے اور اگر کسی اچھائی پر دیکھیں گے تو خوب آگے بڑھائیں گے۔ بعض عرب نے کہا کہ بوڑھوں سے رائے لینا ضروری ہے کیونکہ اگرچہ وہ طبعی ذکاوت کھو چکے مگر ان کی آنکھوں کے سامنے سے عبرتیں گذر چکی ہیں اور زمانے کے

تغیرات کی کہانیاں ان کی سماعتوں سے ٹکرا چکی ہیں۔

''منثور الحکم'' میں لکھا ہے کہ جسکی عمر طویل ہو جائے اس کی قوت بدن کم اور قوت عقل بڑھ جاتی ہے''۔ اسی بارے میں کہا گیا ہے کہ حالات جاھل کو ادب سکھائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ ادب وعقل سکھانے کے لئے تجربہ کافی ہے اور حالات نصیحت کے لئے کافی ہیں۔

ایک بلیغ شخص کا کہنا ہے کہ تجربہ عقل کا آئینہ ہے اور دھوکا جھل کا پھل ہے ایک ادیب کا قول ہے کہ گذرا وقت آنے والے حالات کی خبر ہونے کو کافی ہے اور عقلمندوں کے لئے عبرت کو تجربہ ہی کافی ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

الم تران العقل زین لاهله

ولکن تمام العقل طول التجارب

(ترجمہ) کیا تو نہیں جانتا کہ عقل اھل عقل کے لئے زینت ہے لیکن عقل کی کاملیت طویل تجربات کا ہونا ہے۔

دوسری وجہ:

عقل مکتسب کا بڑھنا کبھی کبھار بہت زیادہ سمجھ داری، حسن ذہانت کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور یہی بہترین دانائی اور زیرکی ہے یہ اس زمانے میں جب دانائی کو یونہی بیکار نہ چھوڑا ہو۔ جب یہ دانائی عقل غریزی کے ساتھ ملتی ہے تو اس کا نتیجہ عقل مکتسب کے اضافے اور نمو کی صورت میں نکلتا ہے۔ جیسے کہ کوئی مختلف حالات و واقعات میں اپنی بھر پور عقل اور بہترین رائے کے ساتھ ہو (تو اس کے تجربات وعقل مکتسب میں اضافہ ہوتا ہے)

ہرم بن قطبہ کے پاس جب عامر بن طفیل اور علقمہ بن علاثہ فیصلے کے لئے آئے تو انہوں نے کہا کہ تم کسی نو عمر جوان سے فیصلہ کراؤ جس کا ذہن بہترین ہوتا ہے۔ شاید ھرم نے یہ بات ان دونوں کو خود سے دور کرنے کے لئے کہی تھی لہٰذا ان سے اپنے اس قول کے

ذریعے معذرت کی لیکن ان دونوں نے ھرم کی بات پر نکیر نہیں کی کیونکہ بات ان کی سچ اور حق تھی اس لئے ان کی بات کو مان لیا اور ابوجہل کے پاس گئے جو اس وقت نوجوان اور تیز ذہن شخص تھا لیکن ابوجہل نے ان کے درمیان فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ وہ دونوں دوبارہ ہرم کے پاس آئے اور اس نے ان کے درمیان فیصلہ کیا۔

عرب کہتے ہیں کہ جوانوں سے مشاورت کیا کرو کیونکہ وہ اپنی رائے نکالیں گے جسے زیادہ زمانہ نہیں ہوا ہوگا۔ اور نہ ہی بڑھاپے کی رطوبت اس پر چھائی ہوگی۔

اصمعی نے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک عربی نوجوان سے کہا جو مجھ سے بات چیت کر رہا تھا اور بہت فصاحت اور مزے کی گفتگو کر رہا تھا کہ "کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہارے پاس ایک لاکھ درہم ہوں اور تم احمق ہو؟ تو اس نے جواب دیا نہیں واللہ۔ میں نے پوچھا "وہ کیوں؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے ڈر ہے کہ میری حماقت کوئی حرکت کر کے میرا مال ختم کر دے گی اور صرف میری حماقت میرے پلے باقی رہ جائے گی۔۔۔ چنانچہ اصمعی کہتے ہیں کہ اس نوعمر لڑکے نے اپنی ذہانت اور سمجھ داری سے کتنی اچھی بات کہی اور کتنا اچھا نتیجہ نکالا اور شاید یہ جواب بہت زیادہ عمر اور زیادہ تجربے والے لوگوں کے لئے مشکل ہوتا۔

ذہانت اور سمجھ داری کا ایک واقعہ ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے کہ

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ چند کھیلتے ہوئے بچوں کے قریب سے گذرے ان میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے بچے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بھاگ گئے لیکن ابن زبیر نہیں بھاگے تو حضرت عمر نے انہیں کھڑا دیکھ کر پوچھا ارے بھئی تم اپنے دوستوں کے ساتھ کیوں نہیں بھاگے؟ تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ "امیر المومنین میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا جو میں آپ کو دیکھ کر بھاگتا اور نہ ہی راستہ اتنا تنگ ہے کہ میں آپ کے لئے گذرنے کی جگہ چھوڑنے کے لئے ہٹ جاتا"

اس جواب میں ذہانت خود اعتمادی اور حاضر جوابی کو دیکھئے کہ ننھے ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے خود سے ملامت کو کس طرح نفی کیا اور دلیل بھی ثابت کر دی بہرحال ذہانت کی کوئی حد نہیں ہے اور نہ ہی جودت طبع کی کوئی انتہا ہے۔

فرزدق کی ذہانت اور حاضر جوابی:

مروی ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے بعض رومی قیدیوں کی گردن اڑانے کا فرزدق کو حکم دیا۔ فرزدق نے پہلے تو معذرت کی مگر خلیفہ نے تسلیم نہ کی اور اسے ایک ایسی تلوار دی جو کچھ کاٹ نہ سکتی تھی۔ (اسے دیکھ کر) فرزدق نے کہا کہ میں تو بہادر ابی رغوان کی تلوار سے گردن اڑاؤں گا (ابی رغوان سے مراد خود فرزدق ہے) چنانچہ اس نے ایک اٹھ ایک آدمی کی گردن پر وار کیا تو تلوار اچٹ گئی۔ یہ دیکھ کر سلیمان اور اس کے درباری ہنسنے لگے۔ یہ دیکھ کر فرزدق نے برجستہ یہ شعر کہا۔

ایعجب الناس ان اضحکت سید هم خلیفة الله یستسقی به المطر

لم ینب سلیفی من رعب ولا دهش عن الاسیر و لکن اخر القدر

ولن یقدم نفسا قبل میتها جمع الیدین ولا الصمصامة الذکر

(ترجمہ) کیا لوگوں کو اس بات سے حیرت ہوئی کہ میں نے ان کے سردار ''جو کہ اللہ کا خلیفہ ہے اور اس کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے'' کو ہنسایا۔ قیدی سے میری تلوار رعب اور دھشت کی وجہ سے نہیں اچٹی لیکن تقدیر نے اس کی موت موخر کردی ہے۔ کسی کی موت کے وقت مقررہ سے پہلے ہاتھوں کا جمع کرنا اور نہ ہی کاٹنے والی مذکر تلوار اسے موت نہیں دے سکتے''

اس کے بعد فرزدق نے تلوار نیام میں ڈالی اور کہا۔

ما ان یعاب سید اذا صبا ولا یعاب صارم اذا نبا

ولا یعاب شاعر اذا کبا

(ترجمہ) سردار اگر عاشق ہو جائے تو اسے عیب نہیں لگایا جاتا اور نہ ہی تلوار کو جب وہ اچٹ جائے عیب لگایا جاتا ہے اور نہ ہی شاعر کو جب وہ منہ کے بل گر جائے عیب لگایا جاتا ہے پھر یہ کہتے ہوئے وہ بیٹھ گیا کہ گویا میں ابی مراغہ (یعنی شاعر جریر کے) سامنے ہوں میری ہجو میں وہ یہ کہے گا۔

بسیف ابی رغوان سیف مجاشع ضربت ولم تضرب سیف ابن ظالم

(ترجمہ) تو نے ابی رغوان بہادر کی تلوار سے مارا حالانکہ تو ابن ظالم کی تلوار سے مار نہ سکا۔

اس کے بعد فرزدق وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ تو سلیمان کی مجلس میں جریر آیا تو اسے پورا واقعہ بتایا مگر اس کی طرف سے جو شعر فرزدق نے کہا تھا وہ نہیں بتایا تو جریر نے بالکل ویسے ہی الفاظ سے شعر کہا۔

بسیف ابی رغوان سیف مجاشع ضربت ولم تضرب سیف ابن ظالم

پھر جریر کہنے لگا اے امیر المومنین گویا کہ میں ابن القین (فرزدق) کے سامنے ہوں وہ میرے اس شعر کے جواب میں ان الفاظ میں شعر کہے گا۔

ولا نقتل الاسری ولکن نفکھم اذا اثقل الاعناق حمل المغارم

(ترجمہ) ہم قیدیوں کو قتل نہیں کرتے لیکن انہیں چھوڑ دیتے ہیں جب کہ تاوان کے بوجھ نے گردنوں کو بھاری کر دیا ہو۔

سلیمان نے جب یہ شعر سنا تو فرزدق کے انداز ے اور اس کی مہارت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا کہ اس نے جریر کے جواب کا بہترین اندازہ لگایا تھا۔ چنانچہ اس نے فرزدق کو پورا واقعہ کہلوا دیا مگر جریر نے جو فرزدق کی طرف سے شعر کہا تھا وہ نہیں کہلوایا۔ تو فرزدق نے جواب میں یہ اشعار کہے۔

کذاک سیوف الھند تنبو ظباتھا وتقطع احیانا مناط التمائم

ولن نقتل الاسری ولکن نفکھم اذا اثقل الاعناق حمل المغارم

اسی طرح ہندی تلواروں کی دھار بھی اچٹ جاتی ہیں اور کبھی تعویذ کے مدار (گردن) کو کاٹ کے رکھ دیتی ہیں اور ہم قیدیوں کو ہرگز قتل نہیں کرتے جب کہ تاوان کے بوجھ نے گردنوں کو جھکا رکھا ہو۔

فرزدق کا یہ واقعہ (اور تلوار اچٹنے کا واقعہ) بہت عام اور مشہور ہو گیا۔ حتی کہ حکایت ہے کہ خلیفہ مہدی کے پاس رومی قیدی آئے تو اس نے شبیب بن شیبہ کو کہا کہ اس رومی کی گردن مار

دے تو اس نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین آپ کو تو معلوم ہے کہ فرزدق کو بھی یہی کہا گیا تھا اور اس کے ساتھ کیا ہوا؟ آج تک اس کی قوم اسے عار دلاتی ہے۔ خلیفہ مہدی نے کہا کہ میں نے تو آپ کو عزت دینے کے لئے حکم دیا تھا اور اب میں اس حکم کو واپس لیتا ہوں۔

اسوقت شاعر ابوالہول حاضر تھا اس نے فوراً شعر کہہ دیا۔

جزعت من الرومی و هو مقید فکیف ولو لاقیته وهو مطلق

دعاک امیر المومنین لقتله فکاد شبیب عندذلک یفرق

(ترجمہ) تو بندھے ہوئے رومی سے ڈر گیا اس وقت تک کیا ہوگا جب تو اس سے اس حال میں ملے کہ وہ آزاد ہو؟ تجھے امیر المومنین نے اس کے قتل کے لئے بلایا تو اس وقت شبیب ڈرنے لگ گیا۔

فرزدق کا یہ واقعہ اگر صحیح ہے تو اس میں تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس میں اس کے اندازے اور فہم کی عمدگی ظاہر ہوتی ہے اور سب سے زیادہ اس میں دو دلوں اور دو سوچوں کا یکساں ہو جانا اہم ہے۔

اسی طرح کے پیرائے میں حکماء نے کہا ہے کہ عقلمندی کی دلیل جلدی سمجھنا (سرعت فہم) ہے اور اس کی انتہا خیال کا درست اور ٹھیک بیٹھنا ہے۔

جس شخص کو دانائی اور سریع الفہمی حاصل ہو وہ مشکل سے مشکل سوال کا جواب دینے سے عاجز نہیں ہوتا۔ جیسا حضرت علی رضی اللہ سے کسی نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کا حساب کیسے لے گا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جس طرح وہ اتنی بڑی تعداد کو رزق مہیا کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ جب جسم سے روح الگ ہوتی ہے تو کہاں چلی جاتی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تیل ختم ہونے پر چراغ سے آگ کہاں چلی جاتی ہے؟

یہ دونوں جواب مسکت ہیں اور تسلیم کی دلیل کی بنیاد اور الزامی جواب کو متضمن ہیں۔

اس طرح کے فن کے علاوہ میں دوسرے مسکت جواب بھی ہیں۔ مثلاً

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ابلیس نے آ کر سوال کیا کہ کیا آپ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ تمہیں صرف وہ تکلیف پہنچے گی جو رب تعالیٰ نے لکھ دی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کیوں نہیں؟ میں تو اسی کا قائل ہوں۔ تو ابلیس نے کہا کہ تو چلو خود کو پہاڑ کے اوپر سے گرادو اگر آپ کی قسمت میں بچنا ہوا تو آپ بچ جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ''اے ملعون'' صرف اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ بندوں کا امتحان لے مگر بندے کو اللہ تعالیٰ کا امتحان لینے کا حق نہیں ہے''

اس قسم کا جواب انبیائے کرام سے مستبعد نہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور وحی کی مدد حاصل تھی حیرت انگیز تو وہ جوابات ہیں جو انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں کے دل میں فی البدیہہ آئے۔

حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا گیا کہ ''آسمان اور زمین میں کتنا فاصلہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ صرف ایک قبول ہونے والی پکار (دعائے مستجاب) کا۔ اس نے پھر سوال کیا کہ مشرق ومغرب میں کتنا فاصلہ ہے؟ آپ نے جواب دیا سورج کے ایک دن سفر کی مدت کا''

یہ سوال سائل کی جانب سے امتحان کے لئے تھا یا خود آگاہی کے لئے؟ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے یہ جواب صادر ہوا جس نے سائل کو چپ کرادیا۔

بہرحال جب عقل مکتسب میں یہ دونوں وجہیں جمع ہو جائیں (اور عقل مکتسب کی صفت یہ ہے کہ اس کو مہارت کی بناء پر سمجھ داری کا زیادہ ہونا بڑھاتا ہے اور اچھی مہارت حسن بداھت سے طویل زمانے کے تجربوں میں اسے استعمال کرنے سے حاصل ہوتی ہے) تو یہی چیز ایک فاضل شخص میں عام لفظوں میں ''عقل کامل'' بجا طور سے کہی جاسکتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کی عقل کیسی ہے؟ جواب ملا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عبادت اس اس طرح ہے اس کے اخلاق اس طرح کے ہیں ادب اس طرح کا ہے وغیرہ وغیرہ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر

پوچھا کہ اس کی عقل کیسی ہے؟ تو صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس کی عبادت اور مختلف کاموں کی تعریف کر رہے ہیں؟ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عقل کے بارے میں سوال فرما رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بے وقوف عبادت گذار اپنی جہالت کی وجہ سے فاجر کے فجور سے بھی بڑا کام کر گذرتا ہے اور لوگ رب تعالیٰ کا قرب اپنی عقلوں کے حسب مراتب حاصل کرتے ہیں۔

عقل مکتسب باعث فضیلت ہے یا نہیں؟

علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ عقل مکتسب جب بڑھ کر زیادہ ہو جائے تو فضیلت کا باعث ہے یا نہیں؟ بعض حضرات نے کہا کہ فضیلت کا باعث نہ ہوگی اس لئے کہ فضائل دو ناقص فضیلتوں کے درمیان کی حالتیں ہیں جس طرح کہ خیر دو برائیوں کے درمیان کی حالت ہے چنانچہ یہ جب بھی توسط (درمیان اعتدال) سے آگے بڑھے گی فضیلت سے خارج ہو جائے گی۔

دانشوروں نے اسکندر کو کہا تھا کہ تجھے لازم ہے کہ تمام معاملات میں اعتدال (درمیانی حالت) کو لازم پکڑ اس لئے کہ زیادتی عیب ہے اور کمی عجز ہے یہی بات حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مروی ہے کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''تمام کاموں میں درمیان اعتدال بہتر ہے'' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''درمیانی چال ہر معاملے میں بہتر ہے''۔ کیونکہ درمیان کی طرف ہی پہلے آنے والا لوٹتا ہے اور اسی سے تالی (اس کے بعد آ کر پہنچنے والا) آ کر ملتا ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ زیادہ عقل آدمی کو چالبازی اور مکاری کی جانب لیجاتی ہے اور یہ بات قابل مذمت ہے ایسا شخص ملامت کا نشانہ ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو حکم دیا تھا کہ وہ زیاد کو گورنری سے معزول کر دیں۔ تو زیاد نے عرض کیا کہ امیر المومنین میری معزولی کسی بدعت کی وجہ سے ہے یا کسی خیانت کی وجہ سے؟ تو حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی وجہ نہیں ہے لیکن میں اس بات سے ڈر گیا تھا کہ لوگوں پر تیری زائد عقل کا بوجھ نہ ڈال دوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس ارشاد کی وجہ سے بہت پہلے یہ بات کہی گئی ہے کہ عقل کی زیادتی جسم کے لئے مضر ہے۔ بعض دانشوروں نے کہا ہے کہ ”تیرے لئے اتنی عقل کافی ہے جو تیری ہدایت کے راستے کی تجھے نشاندھی کر دے۔“

ایک بلیغ کا کہنا ہے کہ تھوڑی عقل جو کفایت کرے بہتر ہے اس زائد عقل سے جو سرکش بنادے۔

دوسرا قول:

دوسرے فریق کا کہنا ہے اور یہی زیادہ صحیح قول ہے کہ عقل میں زیادتی فضیلت ہے اس لئے کہ جو چیز خود حاصل کی جائے وہ غیر محدود ہوتی ہے اور صرف محدود فضائل کی زیادتی قابل مذمت عیب شمار ہوتی ہے اس لئے کہ جو چیز حد سے بڑھ جائے اسے فضیلت نہیں کہا جاتا جیسا کہ بہادری اگر بہادری حد سے بڑھ جائے تو ظلم میں شمار ہونے لگتی ہے۔ سخی کی سخاوت حد سے بڑ جائے تو فضول خرچ (تبذیر) شمار ہوتی ہے۔ لیکن عقل مکتسب کا معاملہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ اس میں اضافہ اور زیادتی معاملات کے علم میں اضافہ اور زیادت ہے گمان اور رائے اور خیال کے صحیح ہونے کا حسن ہے اور انجانے معاملات و امور کا جاننا ہے اور یہ تو یقیناً فضیلت ہے کوئی عیب نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں میں سب سے افضل شخص زیادہ عقل مند انسان ہے ایک اور ارشاد ہے کہ عقل جہاں بھی ہوتی ہے لوگوں کو جوڑتی ہے اور اس سے الفت کی جاتی ہے اسی طرح قرآن کریم کا ارشاد کہ

”قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ.“

میں شاکلہ کا ترجمہ عقل کے ساتھ کیا گیا ہے کہ ”آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک اپنی عقل کے مطابق عمل کرتا ہے“

قاسم بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عرب یہ بات کہا کرتے تھے کہ جس شخص کی عقل خیر کے تمام خصال پر حاوی نہ ہو اس کی موت اس پر حاوی خیر کی کسی خصلت میں ہو گی۔

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ ہر چیز ایسی ہے کہ جب زیادہ ہو جائے سستی ہو جاتی ہے لیکن عقل ایسی نہیں بلکہ جب وہ زائد ہوتی ہے اور مہنگی ہو جاتی ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے عقلمند اپنی عقل کی وجہ سے ہدایت پر رہتا ہے اسے اپنی رائے کی وجہ سے مدد حاصل ہوتی ہے چنانچہ اس کا قول راستی والا اور فعل قابل تعریف ہوتا ہے اور جاہل اپنی جہالت کی وجہ سے گمراہی میں رہتا ہے، اپنی خواہش کی وجہ سے دھوکے میں رہتا ہے۔ لہٰذا اس کا قول کمزور اور فعل مذموم ہوتا ہے۔ ابن لنکک نے اپنے والد کا مجھے شعر سنایا۔

من لم یکن اکثرہ عقلہ　　　اھلکہ اکثر ما فیہ

جس شخص کا اکثر سرمایہ اس کی عقل نہ ہو تو وہ اپنے اکثر حصے کو تباہ کر بیٹھتا ہے۔

البتہ چالبازی اور مکاری مذموم صفت ہے اس لئے مکار شخص اپنی عقل کی اس زیادہ دولت کو شر کے لئے خرچ کر چکا ہوتا ہے اگر وہ اسے خیر کے لئے خرچ کرتا تو یقیناً قابل تعریف ہوتی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ خدا کی قسم وہ شخص اس بات سے بافضیلت تھا یعنی اس کی شان ایسی نہ تھی کہ وہ کسی کو دھوکہ دے اور اتنا عقلمند تھا کہ اسے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا تھا''۔۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں فریبی نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی فریبی مجھے دھوکہ دے سکتا ہے۔

شریر شخص کو عقلمند کہنا کیسا ہے؟

اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ اس دانا شخص کو جس نے اپنی عقل کو شر کی طرف موڑ رکھا ہو مثلاً زیاد وغیرہ اسے عقلمند کہنا درست ہے یا نہیں؟ تو بعض حضرات نے کہا کہ اس میں عقل ہونے کی وجہ سے اس کو عقلمند کہیں گے۔ مگر دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ جب تک وہ نیک اور دیندار نہ ہو اسے عقلمند نہیں کہا جائے گا۔ اس لئے کہ نیکی اور دینداری عقل کے موجبات میں سے ہے۔ لیکن شر پسند شخص کو عقلمند نہیں کہا جائے گا۔ البتہ اسے غور وفکر والا

(صاحب رویۃ وفکر) ضرور کہا جائے گا۔

بعض حضرات کا قول ہے عقلمند وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو سمجھ لیا ہو حتی کہ امام شافعی کے اصحاب نے تہائی مال کی وصیت کرنے والے شخص کو سب سے زیادہ عقلمند کہا ہے کیونکہ یہ شخص زھاد کی طرف راغب ہے اور زاھدین عقل کے تابع ہوتے ہیں امید سے دھوکہ نہیں کھاتے۔

حضرت لقمان بن ابی عامر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے عویمر عقل بڑھاؤ تمہارے رب سے تمہارا قرب بڑھے گا۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ میری عقل کون بڑھائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ (باتوں اور اشیاء) سے اجتناب کرو اور اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرو عقلمند بن جاؤ گے اور پھر نیک اعمال سے اس میں اضافہ کرو دنیا میں عقل کے اعتبار سے بڑھ جاؤ گے اور رب تعالیٰ سے تمہارا قرب بھی بڑھ جائے گا اور اسی کے ذریعے عزت بھی بڑھے گی"۔

ایک ادیب نے مجھے مندرجہ ذیل اشعار سنائے اور کہا کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ کے اشعار ہیں۔

ان المكارم اخلاق مطهرة   فالعقل اولها والدين ثانيها
والعلم ثالثها والحلم رابعها   والجود خامسها والعرف ساديها
والبر سابعها والصبر ثامنها   والشكر تاسعها واللين عاشيها

بیشک عزت اور نیکی والے کام پاکیزہ اخلاق ہیں۔ عقل ان میں سے پہلا اخلاق دین دوسرا ہے علم تیسرا، بردباری چوتھا، سخاوت پانچواں، عطیہ چھٹا ہے نیکی ساتواں، صبر آٹھواں شکر نواں ہے اور نرمی دسواں اخلاق ہے۔

جان لو کہ عقل مکتسب، عقل غریزی سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ یہ اسی کا نتیجہ ہے البتہ کبھی کبھی عقل غریزی عقل مکتسب سے جدا ہو جاتی ہے اور اس صورت میں ایسا شخص سلوب الفضائل (جس کے فضائل چھن گئے ہوں) اور برائیوں کی کثرت والا شخص ہوتا ہے جیسے کہ

وہ عاجز و جاہل شخص جس کی کوئی فضیلت نہیں ہوتی اسی طرح احمق جو خالی خالی ہی کسی برائی سے خالی ہوتا ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

''احمق اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ مبغوض ہے کیونکہ اس نے سب سے زیادہ عزت والی چیز (عقل) کو خود پر حرام کر رکھا ہے۔ ایک اور ارشاد ہے کہ

''احمق ٹھیکری کی طرح ہے کہ نہ اس کی اصلاح ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی اصلاح کی گنجائش ہے''

بعض حکماء کہتے ہیں کہ کسی کا عقل کا ضرورت مند ہونا مال کی ضرورت مند ہونے سے زیادہ برا ہے''۔ ایک بلیغ کا قول ہے کہ جاہل کی حکومت عقلمند کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔

نوشیرواں عادل نے بزرجمہر سے پوچھا کہ انسان کے لئے سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ عقل، جس کے ذریعے وہ زندہ رہتا ہے۔ نوشیرواں نے پوچھا کہ اگر نہ ہو تو؟ بزرجمہر نے کہا کہ ''اس کے بھائی'' جو اس کی عیوب پوشی کریں۔ اس نے پوچھا کہ اگر بھائی نہ ہوں تو؟ اس نے جواب دیا کہ ''مال ہو'' جس کے ذریعے لوگ اس سے محبت کریں۔ نوشیرواں نے پوچھا کہ اگر مال بھی نہ ہو تو اس نے کہا یہ عاجز خاموش شخص کی طرح رہے۔ اس نے کہا اگر ایسا نہ ہو تو؟ اس نے کہا کہ پھر اس کے لئے یکدم مٹا دینے والی موت بہتر ہے۔

سابور بن اردشیر کا قول ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں طبعی اور مسموع اور یہ دونوں قسمیں ایکدوسرے کے بغیر کسی کے لئے درست نہیں ہیں۔ (دونوں ساتھ ہونی ضروری ہیں)

بعض ادیبوں نے عقلمند کا وصف بیان کیا ہے کہ جس میں فضائل ہوں وہ عقلمند ہے اور احمق وہ ہے جس میں رزائل (بری باتیں) ہوں۔

پھر کہا کہ عقلمند جب دوست بنتا ہے تو محبت میں اپنی مدد خرچ کرتا ہے۔ جب دشمن بنتا ہے تو ظلم سے اپنی طاقت کو دور رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے دوستوں کو اپنی عقل سے خوش بخت بناتا ہے اور اپنے دشمنوں سے اپنے عدل کے ذریعے انتقام لیتا ہے۔ کسی پر احسان کرتا ہے تو شکریئے کا مطالبہ چھوڑ دیتا ہے اور اگر کوئی شخص اس کے ساتھ برائی کرتا ہے تو اس کے لئے

عذر کے اسباب مہیا کرتا ہے یا اس پر احسان کر کے عفو ودر گذر سے کام لیتا ہے۔

احمق خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر اس سے محبت کی جائے تو وہ تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اگر اس کو تنہا چھوڑ دیا جائے تو گندا ہو جاتا ہے۔ اگر اس سے بات کرنے کو کہا جائے تو اعراض کرے اگر چھوڑ دیا جائے تو تکلف کرے، اس کے ساتھ مجلس میں بیٹھنا مشکل اور اسے سرزنش کرنا مصیبت ہوتا ہے۔ اس سے بات چیت فریب دیتی ہے اس سے دوستی نقصان دیتی ہے، اس کی قربت اندھی اور اس کے ساتھ رہنا بدبختی ہے۔ فارس کے بادشاہوں کی عادت تھی کہ اگر کسی عقلمند سے ناراض ہوتے تو اسے جاہل کے ساتھ قید کر دیتے۔ احمق شخص دوسرے کے ساتھ برائی کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کے لئے اچھا کام کیا ہے اور اس پر شکریئے کا بھی خواستگار ہوتا ہے۔ اس کی نظر کسی انتہا پر نہیں رکتی الا یہ کہ اسکے پیچھے کوئی اس انتہا سے ادنی اور کم قیمت مصیبت کی چیز چمک رہی ہو۔ لہٰذا اسے غور کرنے کا فائدہ نہیں پہنچتا۔

حضرت احنف بن قیس کا قول ہے کہ ''احمق ہر چیز سے بچ سکتا ہے مگر اپنے آپ سے نہیں بچ سکتا ایک بلیغ کا قول ہے کہ کبھی کبھی دنیا اتفاق سے کسی جاہل کو مل جاتی ہے اور کبھی عقلمند سے استحقاقاً واپس ہو جاتی ہے۔ اگر تیرے پاس جہالت کے ہمراہ دنیا کا کوئی بڑا حصہ بھی آئے یا کوئی معمولی سی چیز عقل کے ہوتے ہوئے ضائع ہو جائے تب بھی یہ بات تجھے جہالت میں رغبت پر نہ اکسائے۔ نہ عقل سے بے گانگی کی ترغیب دے۔ کیونکہ جاہل کی حکومت وسلطنت ممکنات میں سے ہے اور عقلمند کی حکومت وسلطنت واجبات میں سے ہے۔ اور وہ شخص جسے اس کی ذات سے کوئی چیز ممکن ہوئی ہو اس شخص کی طرح نہیں ہے جو اسے اپنے آلات اور اوزار کے ذریعہ حاصل کرے۔

پھر جاہل کی سلطنت اجنبی مہمان کی طرح ہے جو واپس جانے پر تلا ہوا ہو اور عقلمند کی سلطنت اس قریبی رشتہ دار کی طرح ہے جو ملنے پر تلا ہوا ہو۔ لہٰذا کوئی شخص ملنے والی بہترین حالت اور منصب سے جو عقل اور صلاحیت کے بغیر ملا ہو خوش نہ ہو۔ کیونکہ جہالت اسے اس منصب سے اتار دے گی اور اس حالت کو زائل کر دے گی اس کا رتبہ گھٹا کر اس کی قیمت کم کر

دے گی۔ اس کے بعد کہ اس کے عیوب ظاہر ہو جائیں غلطیاں بکثرت ہوں اور اس کی مدح کرنے والے برائی کرنے لگے اور دوست دشمن ہو جائے۔ (اور یہ سب کچھ جہالت کی وجہ سے ضرور ہو جائے گا)

یہ بات بھی یاد رکھو کہ جس طرح عقلمند کی خوبیاں مشہور ہوتی ہیں اسی طرح جاہل کی برائیاں بھی خوب مشہور ہوتی ہیں وہ ناکام لوگوں میں مثال بن جاتا ہے اور بعد میں اس کے قصے مشہور ہو جاتے ہیں اور اپنے زمانے میں بھی بے عزتی ہوتی ہے اور اس کا ذکر برائی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسے وہ مثال جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک احمق شخص کے پاس گدھا تھا وہ کہنے لگا کہ اے اللہ اگر تیرا بھی کوئی گدھا ہوتا تو میں اسے اپنے گدھے کے پاس چراتا'' تو اسے وقت کے نبی نے سزا دینی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا اور ارشاد فرمایا کہ انسان کو جزاء اس کی عقل کے بقدر ملتی ہے''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنو کلب کے ایک شخص کو ایک جگہ گورنر بنایا۔ اس شخص کے سامنے مجوسیوں کا ذکر کیا گیا تو کہنے لگا کہ اللہ مجوسیوں پر لعنت کرے وہ اپنی ماؤں سے نکاح کرتے ہیں اگر کوئی مجھے دس ہزار درہم بھی دے تب بھی میں اپنی ماں سے شادی نہ کروں'' یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے بدصورت کرے دیکھو (اس نے ایسا جملہ کہا ہے) کہ اگر اسے دس ہزار سے زائد دیئے جائیں گے تو وہ ایسا کرلے گا چنانچہ آپ نے اس کی اس حماقت پر اسے معزول کر دیا اور ربیع عامری نامی شخص کو پورے یمامہ کا گورنر بنا دیا۔ لیکن اتفاق سے یہ بھی احمق نکلا۔ چنانچہ گویا ایک کتے کے ذریعے دوسرے کتے کو بھگا دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ جہالت کے عیب کی کوئی انتہا نہیں ہے اور نہ ہی حماقت کے نقصان کی کوئی انتہاء ہے۔

لکل داء دواء یستطب بہ   الا الحماقۃ اعیت من یداویھا

(ترجمہ) ہر بیماری کی دواء ہے جس سے اسکا علاج کیا جاتا ہے سوائے حماقت کے کہ اس کا علاج کرنے والے عاجز آ گئے۔

فصل

خواہشات (ھویٰ) کا بیان

خواہش (نفس پرستی) نیکی سے روکتی ہے اور عقل کی ضد ہے کیونکہ اس کا نتیجہ برے اخلاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور افعال سے اس کی فضیحت ظاہر ہوتی ہے۔ شخصیت کی پردہ دری ہو جاتی ہے اور شر کو داخلے کا راستہ مل جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خواہش نفس پرستی اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا جانے والا جھوٹا خدا ہے۔ یہ فرما کر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔

''کیا تم اسے نہیں دیکھتے جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔''

عکرمہ قرآن کریم کی ایک آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

آیت (وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ)

(ترجمہ) تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈال لیا ہے۔ (تفسیر عکرمہ) یعنی خواہشات کے ذریعے۔ (وَتَرَبَّصْتُمْ) اور تم رکے رہے (قال عکرمہ) یعنی توبہ سے رکے رہے۔ (وَارْتَبْتُمْ) اور تم نے شک کیا (قال عکرمہ) یعنی اللہ کے حکم میں شک کیا''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خواہشات کی پیروی ''بیماری'' ہے اور خواہشات کے برخلاف چلنا اس کا علاج ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ان دلوں کو ان کی خواہشات سے باز رکھو کیونکہ خواہش بیج کی طرح ہیں وہ شر تک پہنچنے کا راستہ نکال لیتی ہے۔ بیشک یہ حق بڑا بھاری اور کڑوا ہے اور باطل بہت ھلکا اور مزیدار ہے۔ بار بار توبہ کرنے سے گناہ کو چھوڑ دینا بہتر ہے اور بعض نظریں شہوت بو دیتی ہیں اور ایک گھڑی کی شہوت بڑا طویل غم دے دیتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ مجھے تم پر دو چیزوں کا خوف ہے۔

(۱) خواہشات کی پیروی (۲) لمبی امیدیں۔ کیونکہ خواہشات کی پیروی حق سے

روکتی ہے اور لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔

حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خواہش (ھویٰ) کو ھویٰ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ خواہش کرنے والے کو (یہوی) بہکا دیتی ہے۔ ایک اعرابی کا قول ہے کہ ھویٰ دراصل ''ھوان'' (کمزوری) ہے لیکن غلط طور سے ''ھویٰ'' کا لفظ مشہور ہو گیا۔

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ جس شخص نے خواہش کی پیروی کی اس نے اپنے دشمن کو اپنی آرزو حوالے کر دی۔ ایک دانشور کا قول ہے عقل پیچھے رہ جانے والا دوست ہے اور خواہش وہ دشمن ہے جس کے پیچھے بھاگا جائے۔ ایک بلیغ کا قول ہے کہ لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی خواہشات کی نافرمانی کرے اور اس سے بھی بہتر وہ شخص ہے جو خواہشات کی دنیا کو ہی چھوڑ دے۔

ھشام بن عبدالملک کا شعر ہے۔

اذاانت لم تعص الھویٰ قادک الھویٰ

الی کل مافیہ علیک مقال

(ترجمہ) جب تو خواہش کی نافرمانی نہ کرے تو خواہش تجھے ہر اس چیز کے پاس ہنکا کر لے جائے گی جس میں تیرے خلاف باتیں ہوں گی۔

بہرحال جب خواہش غالب ہو اور ھلاکت خیز جگہوں پر لیجانے والی ہو تو اس وقت عقل کو مزاحمت کرنے والا نگہبان بنا دیا جائے جو اس کی غافل لغزشوں کو دیکھتا رہے اور اس کے اچانک حملوں کا دفاع کرے اس کے فریبی حیلوں کا توڑ کرے اس لئے کہ خواہش کی دلیل اور گرفت طاقتور ہے اور اس کی مکاری کا داخلہ خفیہ ہے۔ یہ دو وجہیں ہیں کہ جس کی وجہ سے عقلمند پر خواہش کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یعنی ان دو میں سے ایک کا۔ (۱) دلیل کی قوت۔ (۲) اس کے مکر کا خفیہ ہونا۔

(۱) اس کی دلیل اور گرفت خواہش کے دواعی کی کثرت سے مضبوط ہو جاتی ہے حتی کہ عقلمند پر خواہش اور شہوات کا غلبہ مکمل ہو جاتا ہے اور عقل اس کا توڑ کرنے سے اکتا جاتی ہے اور دفاع میں کمزور ہو جاتی ہے باوجود اس کے کہ عقل میں اس کا قبح بڑا واضح ہوتا ہے۔

ایسا نوعمر اور جوانوں میں بہت زیادہ ہوتا ہے اور ان کی شہوات کی قوت کے باعث غالب آجاتا ہے ان پر خواہشات کے دواعی بھی زیادہ مسلط ہوتے ہیں اور تو اور وہ کبھی کبھی اپنی جوانی کا عذر بھی پیش کرتے ہیں۔

محمد بن بشیر کا شعر ہے۔

کل یری ان الشباب فی کل مبلغ لذة عذر

(ترجمہ) ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ جوانی کو ہر لذت کے حصول میں ''عذر'' حاصل ہے۔

اسی لئے بعض دانشوروں کا قول ہے کہ خواہش بڑا ظالم اور غاصب مسلط بادشاہ ہے۔

ایک ادیب کا قول ہے کہ خواہش نک چڑھی اور عدل ''مانوس'' ہے۔

خواہش کا توڑ:

اس کا توڑ یہ ہے کہ عقل بدکنے والے نفس سے مدد حاصل کرے اور اسکو خواہش کے انجام بد کا احساس دلائے اس کے سخت نقصان، برے اثر، جرائم کی کثرت اور گناہوں کے ڈھیر کا شعور پیدا کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''جنت کو تکلیفوں سے ڈھانک دیا گیا اور جہنم کو خواہشات سے ڈھانکا گیا ہے''۔

اس ارشاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ جنت کا راستہ تکلیفوں کو برداشت کرنے سے طے ہوگا اور جہنم کا راستہ خواہشات کی پیروی کرنے سے طے ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ خبردار اپنے دلوں پر خواہشات کو حاکم بنانے سے بچو اس لئے کہ خواہش کے نتیجے میں فوری ملنے والی چیز مذموم اور بعد میں ملنے والی چیز گندی (سڑی ہوئی) ہے۔ اگر تم دیکھو کہ دل ڈرانے دھمکانے سے مطیع نہیں ہو رہا تو اسے امیدیں دلا کر اور رغبت دلا کر ٹالو۔ کیونکہ ترغیب وترھیب دونوں جب کسی دل پر جمع ہو جاتی ہیں تو وہ ان دونوں کا تابع اور فرمانبردار ہو جاتا ہے۔

ابن سماک کا قول ہے۔ کہ اپنی خواہش کو ٹالنے والے بن جاؤ اور اپنی عقل کے بہت

زیادہ قریب ہو جاؤ اور خواہش کے انجام بد کو دیکھو اور اپنے دل کو اس سے بچنے پر آمادہ کرو۔ اس لئے کہ نفس اور اس کی خواہش کو یونہی چھوڑ دینا اس کو بیمار کر دینا ہے اور صرف نفس کی خواہش کو چھوڑ دینا دل کا علاج ہے۔ چنانچہ اس علاج کو صبر سے برداشت کرو بالکل اس طرح جیسے کہ بیماری سے ڈرتے ہو۔

صبرت علی الایام حتی تولت　　　والزمت نفس صبرها فاستمرت

وما النفس الاحیث یجعلها الفتی　　　فان اطمعت ناقت والا اتسلت

(ترجمہ) میں نے مصائب پر صبر کیا حتی کہ وہ لوٹ گئے اور میں نے اپنے نفس پر صبر کو لازم کر دیا تو وہ صبر پر مستقل ہو گیا اور دل ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا جوان اسے بناتا ہے کہ اگر اسے لالچ دلائے تو وہ بے تاب ہو جاتا ہے ورنہ پرسکون ہو جاتا ہے۔

چنانچہ جب نفس عقل کے تابع ہو جائے خواہش کے انجام بد کا احساس کر لے تو خواہش تھوڑی ہی دیر میں عقل کے ذریعے کافور ہو جائے گی اور نفس کے ذریعے اس پر عتاب ہو جائے گا اور اسے خالق کائنات کی طرف سے ثواب کا حصہ اور مخلوق کی تعریف کا انجام ملے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور وہ شخص جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے نفس کو خواہشات سے روکا تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے'' (النازعات)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے ''سب سے افضل جہاد خواہشات سے جنگ ہے''۔ ایک دانشور کا قول ہے ''سب سے بڑی عزت خواہش کا غلام بننے سے بچ جانا ہے۔ ایک بلیغ کا قول ہے کہ سب سے بہتر انسان وہ ہے جو اپنے دل سے خواہش کو نکال دے اور اپنے رب کی فرمانبرداری میں اپنی خواہشات کی نافرمانی کرے۔ ایک ادیب کا قول ہے کہ ''جس نے اپنی خواہش کو مار دیا اس نے اپنی شخصیت کو زندہ کر دیا''۔

بعض علماء کا قول ہے کہ رب تعالیٰ نے فرشتوں کو عقل ''جس میں خواہش نہیں۔'' عطا فرمائی اور جانوروں کو خواہش بغیر عقل کے عطا فرمائی لیکن انسان کو دونوں چیزیں عطا کیں۔ لہٰذا جس کی عقل اس کی خواہش پر غالب آ جائے وہ فرشتوں سے بھی بہتر انسان ہے اور جس

کی خواہش اس کی عقل پر غالب آ جائے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ایک ادیب سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ اور اپنے مجاہدے میں کامیابی کا زیادہ حقدار کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ جو شخص اپنے رب کی فرمانبرداری میں اپنی خواہشات سے جہاد کرے اور اپنے مجاھدے میں اپنے دل پر وارد ہونے والے برے خیالات وارادوں سے حفاظت کرے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے خواہشات اپنے مکر کو خفیہ رکھتی ہیں حتی کہ اس کے افعال اس کی عقل میں گھل مل جاتے ہیں اس طرح اسے قبیح اور بدصورت چیز حسین نظر آنے لگتی ہے نقصان نفع دکھائی دیتا ہے اور یہ حالت دو باتوں میں ایک بات کو اس کی طرف لے آتی ہے۔(۱) یا تو اس کے دل میں اس چیز کی طرف میلان پایا جائے گا۔تو اس کی بدصورتی اس سے چھپ جائے گی کیونکہ یہ اسے اپنے میلان کی بناء پر حسین تصور کر رہا ہے اور اچھا گمان کرتا ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

تمہارا کسی چیز سے محبت کرنا تم کو اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے"۔یعنی ہدایت کی طرف سے آنکھیں بند کر دیتا اور نصیحت سننے سے معذور کر دیتا ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ خواہش اندھاپن ہے۔ایک شاعر کہتا ہے۔

حسن فی کل عین من تود.

(ترجمہ) ہر آنکھ کو اس کا محبوب حسین نظر آتا ہے۔

دوسرا سبب مشتبہ ہو جانے والی بات میں فکر کا بھاری ہو جانا اور آسانی کی پیروی میں آرام کی تلاش کرنا۔حتی کہ اسے یہ گمان ہو جاتا ہے کہ یہی حکم اور راستہ میرے لئے زیادہ موافق اور مناسب ہے۔کیونکہ اس وقت وہ آسانی کو اچھا سمجھ کر دھوکا کھا رہا ہے اور مشکل کو برا سمجھ رہا ہے۔لہٰذا اس صورت میں اس کا خواہش کے دھوکے میں آ کر پھنس جانا یقینی ہے اور خواہش کا مکر اور دجل ہر خوفناک اور ناپسندیدہ بات میں موجود اور قابل احتراز ہے۔

اس لئے عامر بن ظرب نے کہا تھا کہ "خواہش جاگتی ہوئی ہے اور عقل سو رہی ہے اسی طرح وہ غالب آ جاتی ہے۔سلیمان بن وھب کا قول ہے کہ خواہش زیادہ برتی جانے والی

اور رائے زیادہ نفع والی ہے۔ ایک ضرب المثل ہے کہ عقل خیر خواہ وزیر اور خواہش رسوا کرنے والا وکیل ہے۔

پہلے سبب کا توڑ:

پہلے سبب یعنی خواہش کے مکر کے خفیہ ہونے کا توڑ یہ ہے کہ اپنے دل کی فکر کو اپنی آنکھ کی نظر کا حکم (ثالث) بنا دیا جائے (کیونکہ آنکھ ہی شہوت (میلان) کا ہرکارہ (ایجنٹ) ہے اور شہوت خواہش کے دواعی میں سے ہے اور دل حق کا نمائندہ ہے اور حق عقل کے دواعی میں سے ہے۔

ایک ادیب کا کہنا ہے کہ جاھل کی نظر اپنی آنکھ اور چوکیدار سے ہے اور عقلمند کی نظر اپنے دل اور ارادے سے ہے اور پھر اپنے نفس کو اس کی پسندیدہ چیز کے صحیح ہونے کی تہمت دے اور اس کی چاہت کی تحسین کرے تاکہ صحیح درست بات کی تصحیح ہو جائے اور نفس کے سامنے حق ظاہر ہو جائے (کیونکہ حق برداشت میں بھاری اور سوار ہونے میں بڑا مشکل ہے) پھر جب دونوں باتیں سامنے آکر کھڑی ہو جائیں تو ان میں سے دل کی پسند والے معاملے سے اجتناب کرے (اور اس کے ناپسند معاملے کو اختیار کرے) اور دل کی نظر میں آسان معاملے کو چھوڑ دے کیونکہ نفس ''حق'' سے دور بھاگتا ہے اور کھیل کود کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب تمہارے سامنے دو معاملے مشتبہ ہو جائیں تو ان میں سے پسندیدہ معاملے (حکم) کو چھوڑ دو اور اپنی نظر میں مشکل معاملے کو اختیار کرلو۔

اس ارشاد کی علت یہ ہے کہ ''مشکل'' نفس کو اس کی طرف فوراً جانے میں ذرا سست کر دیتی ہے لیکن وہ اپنی سستی کے باوجود صحیح ہوتا ہے اور اس میں زمانہ زیادہ لگنا بھی (صحیح ہونے کی وجہ سے) نہ سمجھ آنے والی بات کو ظاہر کر دیتا ہے اور دشوار آزمائش پر درست ثابت کر دیتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''جو غور وفکر کرے گا بصیرت سے سمجھ لے گا۔

آسانی پسندیدہ ہوتی ہے نفس اس کی طرف فوراً جاتا ہے اور آگے بڑھنے پر جلدی کرتا ہے چنانچہ زمانہ بھی سوچنے سمجھنے کے لئے کم پڑ جاتا ہے استدراک گم ہو جاتا ہے تاکہ وہ اپنے کام کو سرانجام دے دے پھر کر گذرنے کے بعد سوچ بچار کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا اور گم ہونے کے بعد پانے کی طلب کرنا بے فائدہ رہتا ہے۔۔۔ایک دانشور کا قول ہے جو چیز تم سے منہ پھیر کر جارہی ہو اس کے سامنے مت آؤ۔

ایک بلیغ نے خواہش اور اس سے ملحق دنیاوی مشقتوں کا منظر کچھ یوں بیان کیا ہے کہ

خواہش ایک فتنہ پرور سواری ہے اور دنیا ''دار المصائب'' ہے لہٰذا خواہش کو چھوڑ دو محفوظ رہو گے دنیا سے منہ موڑے رہو مزے میں رہو گے۔ تمہیں تمہاری خواہش کھیل کود اور رنگینی کے مزوں سے دھوکے میں نہ ڈال دے اور تمہاری دنیا تمہیں عاریت کی ان اشیاء کے حسن سے فریب نہ دے دے ''سنو اس کھیل کی مدت ختم ہو جائے گی اور زمانے کی عاریت واپس ہو جائے گی اور تیرے ذمے صرف وہی باقی رہ جائے گا جو تو نے حرام کاموں کا ارتکاب کیا تھا اور گناہ کمائے تھے۔

علی بن عبداللہ جعفری کہتے ہیں میں طواف کے دوران یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

اھوی ھوی الدین و اللذات تعجبنی فکیف لی بھوی اللذات و الدین

(ترجمہ) میں دین کی خواہش کرتا ہوں اور دنیاوی لذتیں مجھے اچھی لگتی ہیں دین اور لذتیں میرے لئے کس طرح ہونگی۔ (ان دونوں لذتوں کے درمیان پھنس گیا ہوں کیا کروں؟)

تو یہ اشعار ایک عورت کے کان میں پڑ گئے تو وہ کہنے لگی کہ (دین اور لذت دنیاوی) یہ دونوں سوکنیں ہیں ان میں سے ایک کو اختیار کر دوسری کو چھوڑ دے۔

ھوی اور شہوت کے درمیان فرق:

علت اور معلول میں ھوئی اور شہوت کے معنی کے اجتماع اور دلالت اور مدلول میں اتفاق کے باوجود شہوت اور ھوئی میں کچھ فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ لفظ ''ھوی'' آراء اور

اعتقادات کے ساتھ مختص ہے اور ''شہوت'' لذت کے پانے کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ شہوت ھویٰ کے نتائج میں سے ہے اور ''اخص'' ہے لفظ ''ھویٰ'' اصل ہے اور عام ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ھویٰ کے ''دواعی'' سے ہماری حفاظت کرے اور ھلاکت کے راستوں کو ہم سے دور کرے۔ توفیق کو ہمارا قائد اور عقل کو ہمارا رہنما بنادے۔ (آمین ثم آمین)

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اپنے آپ کو نصیحت کیجئے۔ اگر آپ نے خود کو نصیحت کر لی تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے حیا کرو''۔

مروی ہے کہ خالد بن عبداللہ قسری کا مصاحب طارق ایک مرتبہ ابن شبرمہ کے قافلے میں شامل تھا تو اس کے پاس سے گذرا اور یہ شعر کہا۔

اراھا وان کانت تحب کانھا سحابة صیف عن قریب تقشع

(ترجمہ) میں اسے دیکھتا ہوں ''اگر چہ اس کو اس طرح چاہا جاتا ہے گویا کہ وہ گرمیوں کا بادل ہے'' وہ عنقریب چھٹنے والی ہے۔

اے اللہ میرے لئے میرا دین اور ان کے لئے ان کی دنیا ہے۔ اس کے بعد ابن شبرمہ نے طارق کو قاضی مقرر کر دیا۔ تو طارق کے بیٹے ابوبکر نے اسے کہا ''ابا جان آپ کو قافلے میں کہا گیا اپنا شعر یاد ہے؟ تو طارق نے جواب دیا کہ میرے بیٹے ان کو تو تیرے باپ جیسا شخص مل گیا مگر تیرے باپ کو ان جیسے لوگ نہ مل سکے اور تیرے باپ نے ان کا حلوہ کھایا تھا اور ان کی خواہشات میں کمی ہو گئی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس اچھے دین نے کتنی جلدی سرزنش کی اور توبیخ (ڈانٹ) کو قبول کروایا وہ بھی خاص لوگوں سے اور شاید کہ وہ اس کے نیک بیٹوں میں سے ہو۔ تو ہمارا کیا حال ہو گا ہم اس سے بھی زیادہ مطلق العنان ہیں اور دل میں زیادہ قلق رکھتے ہیں۔ جب ہم تلاش کرنے والوں کی آنکھوں میں جھانکیں اور طعن کرنے والوں کی زبانوں کو پکڑیں تو کیا ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق کے سوا چھپنے کی جگہ پاسکیں گے اور اس کی پناہ کے سوا کوئی پناہ گاہ ہمیں مل سکے گی؟

دوسرا باب

علم کا ادب

جان لیجئے کہ علم سب سے زیادہ عزت والا ہے کہ جس کی طرف راغب رغبت کرے اور جن چیزوں کو حاصل کرنے کی تگ ودو کی جائے اور طلبگار خوب محنت کرے ان میں سب سے افضل علم ہے اور محنت کرنے اور کمانے والوں کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش کمائی ہے کیونکہ اس کی عزت وشرف صاحب علم کو ثمرہ عطا کرتے ہیں اور اس کا فضل اس کے طلبگار کے پاس بڑھتا پھلتا پھولتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے "آپ کہہ دیجئے کہ علم والے اور علم سے بے بہرہ لوگ برابر نہیں ہوسکتے"۔ (الآیۃ)

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے عالم اور جاہل کے درمیان مساوات کو روک دیا ہے کیونکہ عالم کو علم کی فضیلت سے خاص کردیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا سوائے علماء کے"

(وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ.)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی فرمادی ہے کہ غیر عالم اس کے کسی معاملے کو سمجھے یا اس کی ناراضگی کو محسوس کرسکے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں علیم ہوں اور ہر علیم کو پسند کرتا ہوں"۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو افراد کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان میں کون افضل ہے۔ ایک عالم دوسرا عبادت گذار۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنیٰ شخص پر ہے"

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ لوگ جو اچھا کام کریں اس کے بیٹے سمجھے جاتے ہیں۔ (یعنی جس کام کو اچھی طرح جانتے ہوں اسی کی طرف منسوب

ہوتے ہیں)۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت فرمائی کہ علم حاصل کرو کیونکہ تیرے پاس مال و دولت بھی ہوا تو یہ تیرا جمال ہوگا اور اگر مال نہ ہو تو یہی تیرا مال ہوگا۔

عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ ''میرے بچو۔ علم حاصل کرو کیونکہ اگر تم سردار بنے تو سب سے فائق ہو گے اور اگر معتدل انسان ہوئے تو سردار بن جاؤ گے اور اگر تم عام آدمی ہوئے تو عیش کرو گے۔

ایک دانشور کا قول ہے کہ علم اس شخص کے لئے باعث شرف ہے جسکا کوئی مرتبہ و منصب نہ ہو، اور ادب ایسا مال ہے جس کے ضیاء کا خوف نہیں۔

ایک ادیب کا قول ہے علم بہترین نائب ہے اور اس پر عمل کرنا کامل ترین شرف ہے''

ایک بلیغ کا قول ہے کہ علم حاصل کرو یہ تمہیں قیمتی بناتا ہے اور بچپن میں درست کرتا ہے اور جوانی میں آگے بڑھاتا اور سردار بناتا ہے تمہاری کجی اور خرابی کو دور کرتا ہے تمہارے دشمن اور حاسد کو خاک میں لوٹنے پر مجبور کرتا ہے۔ تمہارے ٹیڑھ پن کو سیدھا کرتا ہے تمہاری ہمتوں کو اور امیدوں کو صحیح کرتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ آدمی جس چیز کو اچھی طرح کرنا جانتا ہو وہی اس کی اصل قیمت ہوتی ہے۔

علم کی فضیلت سے جاہل ہی لاعلم ہوتا ہے:

علم کے فضل و شرف سے صرف جاہل ہی لاعلم ہوتا ہے کیونکہ علم کا فضل بھی علم ہی کے ذریعے معلوم ہوتا ہے۔ یہ علم کی فضیلت میں سب سے زیادہ بلیغ قول ہے۔ کیونکہ علم کا فضل و شرف بھی علم ہی کے ذریعے معلوم ہوتا ہے تو جب علم کے فضل تک پہنچنے والا علم جہال کے پاس نہیں ہے تو اس کے فضل و شرف سے بھی انجان و لاعلم ہیں، اھلیان علم کو بے کار سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیاوی اموال جن کی طرف ان کے دل مائل ہیں اور من چاہے

اطراف ان ہی کی طرف آگے بڑھنا بہتر ہے اور ان ہی میں مشغول ہونا زیادہ لائق ہے۔

عالم جاہل کو جانتا ہے مگر جاہل عالم کو نہیں:

ابن المحقر نے منثور الحکم میں لکھا ہے کہ عالم جاہل کو جانتا ہے کیونکہ وہ بھی پہلے جاہل تھا اور جاہل شخص عالم کو نہیں جانتا کیونکہ جاہل عالم نہیں رہا اور نہ ہے اور یہی بات صحیح ہے۔ جہلاء اسی بناء پر علم سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور اس کی چاہت نہ کرتے ہوئے اعراض کئے ہوئے ہیں لہٰذا یہ علم سے اور علم ان سے دور ہو گیا ہے بالکل ایسے جیسے دو معاند ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ اور اس لئے بھی وہ علم کے قریب نہیں جاتے کہ جو شخص جس چیز سے ناواقف ہو اس کا دشمن ہوتا ہے۔

اہل علم مالداروں کے در پر کیوں؟

مشہور دانشور بزرجمہر سے کسی نے پوچھا کہ علم افضل ہے یا مال؟ جواب دیا کہ علم تو کہا گیا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ اہل علم حضرات مالداروں کے دروازوں پر جاتے ہیں حالانکہ مالداروں کو ہم نے ان کے دروازے پر نہیں دیکھا؟ تو بزرجمہر نے جواب دیا کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ اہل علم مال کی منفعت کو جانتے ہیں اور مالدار جاہل فضیلت علم سے ناواقف ہیں۔

ایک دانشور سے پوچھا گیا کہ "علم اور مال ایک ساتھ جمع کیوں نہیں ہوتے؟ اس نے جواب دیا کہ کاملیت کی عزت ومرتبے کی وجہ سے"

طالب علم کی صدا:

ایک طالب علم نے عالم کے دروازے پر کھڑے ہو کر صدا لگائی کہ ہمیں وہ چیز دیدو جو نہ ڈاڑھوں کو تھکائے اور نہ نفس کو بیمار کرے تو عالم نے اس کے لیے کھانا اور جیب خرچ بھیجا تو اس نے کہا کہ میرا آپ کے کلام سے فاقہ (محرومی) میرے کھانے کی ضرورت سے زیادہ شدید ہے اور میں ہدایت کا طالب ہوں مہمانداری کا نہیں۔ یہ سن کر عالم نے اسے گھر میں بلایا اس کے ہر سوال کا جواب دیا چنانچہ وہ وہاں علم سے بھرپور اور خوش وخرم نکلا اور یہ کہتا ہوا گیا کہ علم سب سے زیادہ بہترین لباس ہے اور اس مال سے بہتر ہے جو کسی کو غنی کردے۔

فصل

جان لیجئے کہ تمام علوم عزت والے ہیں اور ہر علم کی فضیلت ہے اور تمام کا احاطہ کرنا محال ہے۔ایک دانشور سے پوچھا گیا کہ تمام علوم سے کون واقف ہے؟اس نے جواب دیا کہ تمام لوگ۔(سب اہل علم مل کر ہی وہ مجموعہ ہیں جو تمام علوم سے واقف ہیں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو یہ سمجھتا ہے کہ علم کی کوئی انتہا ہے تو یہ شخص علم کے حق میں کمی کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اس کے مرتبے سے گھٹا رہا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''تمہیں علم کا بہت کم حصہ دیا گیا ہے''۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اگر ہم علم کی اس لئے تلاش کریں کہ ہم اس کی انتہاء تک پہنچ جائیں تو ہم نے علم کو یقیناً کمی کے ساتھ شروع کیا ہے لیکن ہم اسے تلاش اس لئے کر رہے ہوں گے تاکہ ہر دن جہالت سے کچھ کمی کر دیں اور ہر دن علم میں کچھ اضافہ کر لیں۔

ایک عالم کا قول ہے کہ علم کی گہرائی میں جانے والا شخص سمندر میں تیرنے والے کے مشابہ ہے اسے زمین نہیں ملتی اور نہ ہی وہ اس کے طول وعرض سے واقف ہو پاتا ہے۔

حماد راویہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا تمہارا علوم سے پیٹ نہیں بھرتا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی بھرپور کوشش خرچ کر چکے ہیں پھر بھی معمولی سے محدود علم تک نہیں پہنچ سکے۔ہم ایسے ہی ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے کہ

اذا قطعنا علما بدا علم.

(ترجمہ) جب بھی ہم کسی علم کو طے کرتے ہیں دوسرا علم شروع ہو جاتا ہے۔

چنانچہ جب تمام علوم کی معرفت کا کوئی راستہ نہیں ہے تو لازم یہ ہوا کہ ان میں سب سے زیادہ اہم علم کو جاننے میں تمام محنت خرچ کی جائے اور سب سے بہتر اور افضل کی طرف توجہ کی جائے اور سب اولیٰ اور افضل علم ''علم دین'' ہے۔کیونکہ اس کی معرفت سے لوگ ہدایت پاتے ہیں اور اس سے ناواقفیت کی بناء پر گمراہ ہو جاتے ہیں کیونکہ جس عبادت کی ادائیگی کی صفات اور شرائط اجزاء سے عبادت کرنے والا ناواقف ہو اس کی ادائیگی صحیح نہیں

ہوتی اسی لئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے''

مذکورہ حدیث کی دو تاویلیں ہیں۔ایک یہ کہ یہ وہ علم عبادات ہے جس سے لاعلم رہنے کی گنجائش نہیں۔دوسری یہ کہ پورا علم اس وقت جبکہ کفایت کرنے والا کوئی بھی شخص اس کے حصول کے لئے کھڑا نہ ہوا اور جب علم دین کے بعض حصے کو اللہ تعالیٰ نے خاص لوگوں پر فرض قرار دے دیا ہے اور مکمل علم کو کفایت کی طرز پر لازم فرمایا ہے تو یہ علم اس علم سے بہتر ہوا جو خاص لوگوں پر فرض نہیں اور نہ ہی کفایت کرنے کی شرط پر فرض ہوا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے اور کیوں نہ ہوا ہر قوم میں سے کوئی گروہ تا کہ دین میں سمجھ حاصل کرے''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے تو وہاں دو مجلسیں قائم تھیں ایک مجلس ''ذکر اللہ'' کر رہی تھی اور دوسری مجلس فقہ کی قائم تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں مجلسیں خیر پر ہیں اور ان میں سے ایک مجلس مجھے دوسری مجلس سے زیادہ پسند ہے یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس سے دعا کر رہے ہیں اگر وہ چاہے گا تو انہیں عطا کر دیگا اور اگر چاہے گا تو نہیں دے گا البتہ دوسری مجلس والے یہ فقہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور جاہل کو سکھا رہے اور میں تو معلم بنا کر ہی مبعوث کیا گیا ہوں''۔یہ فرما کر آپ مجلس اھل فقہ میں تشریف فرما ہو گئے۔

مروان بن جناح نے یونس بن میسرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خیر عادت ہے اور شر لجاجت (جھگڑا) ہے اور اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بہترین لوگ علماء ہیں اور امت کے علماء میں بہترین لوگ فقہاء ہیں۔

معاذ بن رفاعہ نے ابراہیم عدوی سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ اس علم کا بوجھ ہر نسل میں سے اس کے عادل لوگ برداشت کریں گے دین سے غلو کرنے والوں کی تحریف کا ازالہ کریں گے اور باطل پرستوں اور جاہلوں کی غلط تاویلوں کو رد کریں گے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی بخلفائی (مجھے میرے خلفاء دیدو) تو کسی نے پوچھا آپ کے خلفاء کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ جو میری سنتوں کو زندہ کریں گے اور اللہ کے بندوں کو سنتیں سکھائیں گے۔

حمید بن انس سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ سنو! اس لئے علم حاصل کرو یا سکھاؤ اور جاہل حالت میں مت مر جانا''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت دین میں (فقہ) سمجھ بوجھ حاصل کرنے والے کی طرح اور کسی چیز سے نہیں کی جاسکتی اور یقیناً ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے اور ہر چیز کا ستون ہوتا ہے دین کا ستون ''فقہ'' ہے۔

کبھی کبھار بعض دین میں سستی کرنے والے (بے عمل) لوگ علوم عقلیہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اسی کو فضیلت کے زیادہ لائق اور مقدم سمجھتے ہیں۔ وہ دین سے واجب ہونے والے اعمال کو مشکل سمجھ کر، ور شریعت کی لائی ہوئی بندگی اور فیصلوں کو کم درجہ اور بیکار سمجھ کر ایسا کرتے ہیں اور اس بارے گفتگو کی اس فصل میں گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہ بات تم ان لوگوں میں ہرگز نہیں دیکھو گے جن کی ذہانت اور سمجھ سلامت اور غور وفکر کی صلاحیت درست ہے کیونکہ عقل اس بات سے روکتی ہے کہ لوگ مہمل اور بے کار ہو جائیں اور مختلف آراء کی پیروی کرتے رہیں اور ان لوگوں کی ہوس پرست خواہشات کے تابع ہو جائیں۔ کیونکہ ان کے معاملات اختلاف وتنازع کی طرف لوٹائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کے احوال تباین اور قطع تعلق تک پہنچ جاتے ہیں لہٰذا لوگ دین سے کسی طرح مستغنی نہیں ہو سکتے جس دین کی وجہ سے وہ جڑے رہتے ہیں اور اسی کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے ہیں۔

پھر عقل یا تو دین واجب سمجھے گی یا اس کے تابع ہوگی چونکہ اگر اس مختل قسم کی بات کو

متصور کیا جائے دین عقل میں لازمی ہے اور یہ کہ عقل دین کے لئے اصل اور بنیاد ہے تو تقصیر میں کمی کرے گی اور حق کو مان لے گی لیکن خود کو مہمل کر بیٹھے گی لہٰذا گمراہ ہو کر گمراہی بھی پھیلائے گی۔

دین سے کچھ علوم متعلق ہیں حضرت امام شافعیؒ نے ان میں سے ہر ایک کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قرآن کی تعلیم حاصل کی اس کی قیمت بڑھ گئی اور جس نے فقہ کو سیکھا اس کا مرتبہ بڑھ جائے گا جو حدیث لکھے (حدیث کا علم حاصل کرے) اس کی حجت (دلیل) قوی ہوگئی' جو حساب کا علم سیکھے اس کی رائے عمدہ ہو جائے گی، جس نے لغت کا علم حاصل کیا اس کی طبیعت میں رقت آئے گی اور جو شخص اپنے نفس کو (گناہوں سے) نہ بچا سکے گا اسے اس کا علم فائدہ نہ دے گا۔

میری عمر کی قسم، نفس کی حفاظت کرنا ہی فضائل کی اصل ہے کیونکہ جس نے اپنے نفس کی حفاظت کو بے کار سمجھا (یا یونہی چھوڑ دیا) فقط اپنے علم وفضل پر بھروسہ کیا اور لوگوں کی حفاظت پر بھروسہ کرتے ہوئے (غفلت برتی) تو لوگ اس کے علم کی فضیلت سلب کر لیں گے اور اسکو بے وقار کر دیں گے اور بے وقاری کے سلب ہونے سے جو کچھ جائے گا وہ علم اسے واپس دے نہ سکے گا کیونکہ بری بات اچھی بات سے زیادہ چغلی کھاتی ہے اور برائی فضیلت سے زیادہ مشہور ہوتی ہے کیونکہ لوگوں کی طبیعت میں بغض حسد اور آگے بڑھنے کا جھگڑا بھرا ہے ان کی آنکھیں اس کی اچھائیوں سے پھر کر اس کی برائیوں پر جا ٹھہریں گی اس لئے وہ اچھائی کرنے والے سے انصاف نہیں کر سکیں گے اور برے آدمی سے محبت نہ کر سکیں گے خاص طور پر اس شخص سے جو علم سے موسوم ہو اور اس کی طرف منسوب ہو۔ کیونکہ عالم کی لغزش کی معافی نہیں اور اس کی بکواس کا عذر تسلیم نہیں کیا جاتا اور یہ یا تو اس بات کے برے اثر کی وجہ سے یا لوگوں کے اس قسم کے بہت زیادہ موقع کی تلاش میں رہنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

منثور الحکم میں لکھا ہے عالم کی لغزش اس کشتی کی طرح ہے جو غرق ہو رہی ہو اور اس کے ساتھ بہت سارے لوگ بھی غرق ہو رہے ہوں۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ فتنہ کس سے ہوتا

ہے؟ فرمایا کہ عالم کی لغزش سے کیونکہ اس کی لغزش سے بہت سا جہاں بھی لغزش کھا جاتا ہے۔

ایک تو یہ وجہ ہے اور اس لئے بھی جہلاء علماء کے خلاف موقع کی تلاش میں رہتے ہیں اس کی تنقیص (کیڑے نکالنے) کے درپے رہتے ہیں تاکہ اس کے بڑے پن کی فضیلت کو سلب کر سکیں اور اسکو خاص ہونے سے روک سکیں کیونکہ جس چیز (علم) سے وہ جاہل ہیں اس سے عناد رکھتے ہیں اور جس چیز کے خلاف چلتے ہیں اس سے بغض رکھتے ہیں۔ کیونکہ جاہل علم کو تکلف (بوجھ) اور ملامت کی نظر سے دیکھتا ہے بالکل اسی طرح جیسے عالم جہالت کو مذمت اور عیب سمجھتے ہیں۔

یحییٰ بن خالد نے اپنے بیٹے کو کہا تھا۔ تجھے چاہئے کہ ہر قسم کا کچھ علم حاصل کر کیونکہ انسان جس چیز سے ناواقف ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے اور مجھے یہ ناپسند ہے کہ تو کسی علم کا دشمن بنے۔

جب عالم اپنے نفس کی حفاظت کما حقہ کر لے اور اس کے لئے جو کام ضروری ہے وہ لازم کر لے تو دوستوں کی عار اور دشمنوں کی تنقیص سے محفوظ ہو جاتا ہے اور فضیلت علم کے ساتھ بہترین حفاظت نفس میں جمع کر لیتا ہے تو وہ اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو ان فضائل کا حقیقتاً مستحق ہو۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''علماء انبیاء کے وارث ہیں اس لئے کہ انبیاء دینار یا درھم وراثت میں نہیں چھوڑتے وہ تو محض علم ہی وراثت میں چھوڑتے ہیں''

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''انبیاء کرام کو علماء پر دو درجے فضیلت حاصل ہے اور علماء کو شہداء پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے''

ایک بلیغ کا قول ہے کہ شریعت کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ اہل شریعت (علماء) بڑی شان

والے ہیں اور عمدگی میں یہ بات بھی ہے کہ عمدگی پیدا کی جائے۔ تو اس شخص کے لئے جو اپنی ذہانت سے فضائل کے حسن اور رذائل کے قبح پر رہنمائی لیتا ہے ضروری ہے کہ وہ خود سے جہالت کے رذائل کو علم کے فضائل کے ذریعے دور کرے۔ بیکاری کی غفلت کو محنت کی بیداری سے دور کرے۔ اور علم میں اس کے فضائل کو حاصل کرنے کے لئے رغبت کرے اس کے فوائد کا وثوق رکھے اور مال کی کثرت اسے علم کے حصول سے دور نہ رکھے نہ سرداری اور نہ ہی کوئی اونچا مرتبہ حائل ہو اگر وہ حکمرانوں میں سے ہے تو پھر تو علم کا اور زیادہ محتاج ہے اور جسکا مرتبہ اونچا ہو وہ علم کا زیادہ حقدار ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ

''حکمت معزز شخص کی عزت بڑھاتی ہے اور غلام کو بلند مرتبت کرتی ہے حتی کہ وہ بادشاہوں کی مجالس میں بیٹھتا ہے''۔

ایک ادیب کا قول ہے کہ ہر وہ عزت جسے علم پائیدار نہ کرے وہ حقیقت میں ذلت ہے اور ہر وہ علم جس کو عقل کی تائید حاصل نہ ہو وہ گمراہی ہے۔

علماء سلف میں سے کسی کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو حکمرانوں کو علم عطا کر دیتا ہے اور حکومت ان کے علماء کے حوالے کر دیتا ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے علم حکمرانوں بادشاہوں کا قلعہ (پناہ گاہ) ہے کیونکہ وہ انہیں ظلم کرنے سے روکتا ہے اور بردباری کی طرف لیجاتا ہے تکلیف دینے سے روکتا اور رعیت سے شفقت کرنے پر لگاتا ہے لہٰذا ان پر یہ حق ہے کہ وہ علم کے حق کو پہچانیں اور اسے اہل علم سے حاصل کریں۔

رہا مال وہ تو زائل ہونے والی چھاؤں اور لوٹائی جانے والی عاریت ہے اور مال کی کثرت میں کوئی فضیلت نہیں اور اگر اس میں کوئی فضیلت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ضرور اپنے رسولوں کو مال کے ساتھ خاص کر دیتے اور نبوت کے لئے اسکا بھی انتخاب فرماتے مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر انبیائے کرام علیھم السلام باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ عزت وکرامت اور تمام مخلوق پر ان کی فضیلت کے غریب لوگ تھے اور گذارے کے قابل

مال کے مالک بھی نہ تھے کچھ مال پلے نہ ہوتا تھا حتی کہ وہ غربت وفقر میں ضرب المثل بنے۔

شاعر بحتری نے کہا۔

فقر کفقر الانبیاء و غربة وصبابة لیس البلاء بواحد

(ترجمہ) فقر انبیاء کے فقر جیسا اور پردیسی پن اور عشق کوئی ایک مصیبت نہیں ہے۔

چونکہ مال و دولت کی کوئی فضیلت نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے کافر کو زیادہ عطا کیا اور مومن کو اس سے محروم رکھا۔

کم کافر باللہ امواله تزداد اضعافا علی کفره

و مومن لیس له درهم یزداد ایمانا علی فقره

(ترجمہ) کتنے اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے (کافر) ہیں کہ ان کے اموال کفر کے باوجود کئی گنا بڑھتے ہیں اور کتنے ہی مومن ہیں کہ جن کے پاس ایک درہم بھی نہیں اور انکا ایمان فقر کے باوجود بڑھتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے علم اور مال کے درمیان فرق فضیلت بیان فرمایا کہ "علم مال سے بہتر ہے تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی حفاظت کرتا ہے علم حاکم ہے اور مال محکوم علیہ ہے (جس پر حکومت کی جائے) مال کا خزانہ رکھنے والے مر گئے علم کا خزانہ رکھنے والے باقی ہیں ان کے جسم مفقود مگر شخصیت دلوں میں موجود ہے"۔

ایک عالم سے پوچھا گیا کہ مال افضل ہے یا علم؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کا جواب بتاؤ کہ عقل افضل ہے یا مال؟"۔

کبھی کبھار انسان عمر زیادہ ہونے اور بچپن میں علم حاصل نہ کر سکنے پر شرم کی وجہ سے بڑی عمر میں علم حاصل کرنے سے رک جاتا ہے اور جہالت سے موسوم ہونے سے راضی رہتا ہے جہالت کو علم پر ترجیح دیتا ہے اور یہ کہ وہ مبتدی کہلائے۔ یہ بات جہالت کا دھوکا اور سستی کا فریب ہے اس لئے کہ علم اگر فضیلت ہے تو انسان کی اس میں رغبت بہتر ہے اور فضیلت کی ابتداء بھی فضیلت ہے لہٰذا وہ بوڑھا جو طالبعلم ہو اس بوڑھے سے بہتر ہے جو جاہل ہو۔

ایک دانشور نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ علم کی طرف محبت کی نظروں سے دیکھتا تھا

مگر حصول سے شرماتا تھا تو اس نے کہا اے شخص کیا تو اس بات سے شرمارہا ہے تو اپنی آخر عمر میں اول عمر سے افضل شخص بن جائے؟؟''

حکایت ہے کہ ابراہیم بن مہدی خلیفہ مامون کے پاس آیا تو اس کے پاس لوگ بیٹھے فقہ کی باتیں کررہے تھے۔ اسے مامون نے مخاطب کر کے کہا کہ چچا! یہ لوگ جس علم کی بات کررہے ہیں آپ کے پاس بھی اس میں سے کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بچپن میں ہمیں لوگوں نے مشغول رکھا اور جوانی میں ہم مصروف ہوگئے۔ مامون نے کہا تو اب حصول علم سے کیا مانع ہے؟ تو ابراہیم نے کہا کیا مجھ جیسے شخص کو تعلیم حاصل کرنا زیب دیگا؟ تو مامون نے کہا جی ہاں۔ خدا کی قسم اگر آپ طالب علم ہونے کی حالت میں انتقال کریں تو یہ اس حالت سے بہتر ہے جب آپ جہالت پر قانع زندگی گذار رہے ہوں۔ ابراہیم نے پوچھا مجھے علم حاصل کرنا کب تک بہتر رہے گا؟ مامون نے کہا جب تک زندگی آپ کے لئے اچھی ہے کیونکہ بچہ زیادہ قابل عذر ہے اگرچہ جہالت میں کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ ابھی تک تفریط کا زمانہ اس پر نہیں گذرا اور نہ ہی ابھی بےکاری کے ایام گذرے ہیں''۔

منثور الحکم میں لکھا ہے بچے کی جہالت قابل عذر ہے اور اسکا علم حقیر سمجھا جاتا ہے لیکن بڑے کے لئے جہالت بدصورتی ہے اور علم کا نقص اس پر زیادہ رسوا کن ہے کیونکہ زیادہ عمر کا گذر جانا جبکہ اس کے لئے فضیلت حاصل نہ کی ہو نہ ہی اسے علم کا فائدہ پہنچایا ہو اس کے ایام جہالت میں گذرے اور فضیلت سے خالی تھے'' (برا ہے) اور اس وقت اس سے چھوٹا بچہ افضل ہوگا کیونکہ اس کے لئے امید بہت ہے اور آرزو ظاہر ہے اور اس شخص کی رسوائی کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ چھوٹا بچہ جو جہالت میں اس شخص کے برابر ہے''۔ اس سے افضل ہے۔

کبھی کبھار انسان دنیاوی مشکلات کی وجہ سے علم کے حصول سے رک جاتا ہے اور دنیاوی مادے کا حصول اور اس پر محنت اسے علم کی طلب کی فرصت نہیں دیتی۔ یہ وجہ دوسری وجوہات سے زیادہ غلط ہے کیونکہ یہ وجہ بہت ایسا ہوتا ہے کہ شریر عیب دار اور دور کی خواہشات رکھنے والے لوگوں کے علاوہ میں پائی جائے اس لئے ضروری ہے کہ اپنے اوقات کا کچھ حصہ علم کے حصول کے لئے ضرور خرچ کیا جائے کیونکہ ہر وقت کمانے کا وقت

نہیں ہوتا کیونکہ کمانے والے کے لئے بھی آرام کا وقت چھٹیوں کے ایام درکار ہوتے ہیں اور جو شخص اپنا سارا وقت کمانے کے لئے لگا دے اور دوسری چیزوں کے لئے ذرا سی فرصت بھی نہ رکھے تو وہ دنیا کا غلام اور حرص کا قیدی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے ہر چیز کا انقطاع ہوتا ہے اور جس شخص کا دوسری اشیاء سے انقطاع علم کی خاطر ہو تو وہ شخص نجات پا گیا۔

ایک اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ نیک علماء بن جاؤ اگر علماء صالحین نہیں بن سکتے تو علماء کی صحبت اختیار کرو اور ان سے علم کی باتیں سنو جو تمہیں ہدایت تک رہنمائی دیں گی اور ہلاکت خیز جگہوں سے دور کر دیں گی''۔

بعض علماء کا قول ہے کہ ''جو شخص علم سے محبت کرتا ہے اسے علم کے فضائل گھیر لیتے ہیں۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ جو شخص علماء کی صحبت اختیار کرے باوقار ہو جاتا ہے اور جو بے وقوفوں کی صحبت اختیار کرے کینہ اور حسد کی نگاہوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

کبھی کبھار انسان کو (اس کے خیال کے مطابق) علم کی مشکلات اور غایت کی دوری علم کے حصول سے روک دیتی ہیں اور وہ اپنی کم ذہنی سے خوف کھا جاتا ہے ذہانت کی کمی ڈراتی ہے۔ اس طرح کا گمان نقص (کمی) والے لوگوں کا بہانہ اور عاجزین کا خوف ہے کیونکہ امتحان اور آزمائش سے پہلے ہی نتیجہ اخذ کر لینا جہالت ہے اور آزمائش سے پہلے ہی ڈر جانا عجز ہے۔

لا تکونن للامور هیوبا　　فابی خیبة یصیرا لهیوب

(ترجمہ) معاملات سے کبھی ہرگز مت ڈرنا کیونکہ ڈرنے والے ناکام ہو جاتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں علم حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن ڈرتا ہوں کہ اسے ضائع نہ کر بیٹھوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ علم کے ضائع ہونے کے لئے اسے ترک کر دینا ہی کافی ہے''

اس لئے اگرچہ ذہن انسانی آپس میں کم وبیش اور ذہانت کم زیادہ ہے انسان کو تھوڑے بہت علم کے بھی حصول سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے جو اسے جہالت کی حد سے نکال

کر تخصیص کے کسی ادنی مرتبے تک لے آئے کیونکہ پانی اپنی نرمی ولطافت کے باوجود اگر مسلسل ٹپکتا ہوتو چٹان میں بھی سوراخ کردیتا ہے تو پاکیزہ علم اثر کیوں نہیں کرے گا اور وہ بھی ایک رغبت رکھنے والے مشتاق دل میں اور جبکہ قدرت طالب علم کی مدد بھی کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ بیشک فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں یہ اس کے مطلوب سے راضی ہونے کی وجہ سے ہے۔

اور کبھی کبھار علم خود بھی بے وقوف لوگوں کو روک دیتا ہے کہ وہ اپنے دل میں اہل علم کی مہارت اور علم سے اشتغال کی مشکلات کا تصور کرتا ہے تو علم اسے بھاگنے پر مجبور کردیتا ہے اور انہیں محروم کردیتا ہے۔ چنانچہ ایسا شخص اگر کتاب قلم دیکھتا ہے تو وہاں سے رفو چکر ہوجاتا ہے منہ موڑ لیتا ہے کسی عالم کو دیکھتا ہے تو اس کے پاس سے بھاگ جاتا ہے۔

میں نے خود بڑے مراتب اور عہدے والوں کو اس طبقے کا دیکھا ہے میں خود اپنے پاس کتاب ودوات ہونے کے باعث ان سے چھپا رہتا تھا کہ کہیں ان کو گراں نہ گذروں اگرچہ ان سے دوری انس پیدا کرنے والے اور اصلاح کرنے والی اور ان کا قرب وحشت والا اور مفسد نہ تھا۔

بزرجمہر کا قول ہے کہ جہالت دل میں زمین میں نیزے کی طرح گڑی ہوتی ہے جو اپنے ماحول کو خراب کردیتی ہے۔ لیکن بزرجمہر کے اس قول کے خلاف حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ملتی ہے فرمایا ''لوگوں کے اخلاق ورویئے کے ساتھ ان میں میل جول رکھو لیکن ان کے برے اعمال میں ان کے خلاف عمل کرو''

اسی لئے ایک بلیغ کا یہ کہنا ہے کہ بہت سے جہل ایسے ہیں کہ میں نے ان سے علم کو بچایا اور بہت سے بے وقوف ایسے ہیں کہ ان سے بردباری کو بچایا ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جس کی اصلاح کی کوئی امید نہیں اور نہ انکی کامیابی کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ کیونکہ جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ علم برائی اور اس سے جہالت زینت ہے جہالت پر یوں لپکتے ہیں جیسے بکری کا بچہ ماں کی طرف اور علم سے باز رہتے اور دور بھاگتے ہیں تو ان لوگوں کی گمراہی بہت مضبوط اور ہدایت بہت مشکل اور مستبعد ہے یہ طبقہ پانچواں طبقہ ہے اور ہلاکت میں پڑا ہوا ہے۔

پانچواں طبقہ بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ یوں ہے کہ آپ نے فرمایا عالم بنو یا متعلم علم کو غور سے سننے والے بنو یا اس سے محبت کرنے والے بنو (ان چار کے علاوہ) پانچواں طبقہ مت بننا ورنہ ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ اسی قسم کی حدیث خالد الحذاء نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے مسند مرفوع بھی روایت کی ہے۔

بہر حال جن لوگوں کا حال یہ ہو ان کے لئے نہ تو عدل میں کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی اصلاح کی کوشش میں کوئی امید۔ بزرجمہر سے پوچھا گیا کہ آپ حضرات جاہلوں کو سرزنش کیوں نہیں کرتے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہم اندھے کو دیکھنے کا اور بہرے کو سننے کا مکلّف (مجبور) نہیں کر سکتے۔

یہ طبقہ جو کہ علم سے اس طرح بھاگتا اور اہل علم سے اس طرح کا عناد رکھتا ہے یہ عقل کو بھی اسی طرح سمجھتا اور عاقلوں سے دور بھاگتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ عقلمند محروم ہے اور احمق کو خوب ملتا ہے۔ آپ اس طبقہ کی گمراہی میں کیا شبہ کر سکتے ہیں جس کا عقل اور علم کے بارے میں یہ اعتقاد ہو؟ کیا یہ طبقہ کسی بھلائی کے لائق اور کیا کسی فضیلت کا مستحق ہے؟؟؟؟

ایک بلیغ کا قول ہے لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہے جو اچھوں اور بروں میں سے زیادہ حقیر ہو (اور اس جیسے بہت سارے ہوں) اس کے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ

جب یہ لوگ عقلمندوں کو محروم اور علماء کو بے زر دیکھتے ہیں تو انکا خیال یہ ہو جاتا ہے کہ علم اور عقل مال و دولت کی کمی کی اصل وجہ ہیں لیکن ان لوگوں کی نظریں بے کار لوگوں کی جو کہ بے شمار ہیں محرومی کی طرف سے ہٹ جاتی ہیں اور اکثر جاہلوں کی بربادی ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے کیونکہ علماء کم تعداد میں ہوتے ہیں اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے مشہور اور نظروں میں ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جاہلوں کی کثرت کی وجہ سے علماء اجنبی کی طرح ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب ان کی فضیلت کی چمک واضح ہوتی ہے اور ان میں کچھ لوگ مال و دولت میں کم نظر آتے ہیں الگ ہی نظر آتے ہیں اور متعین طور پر مشہور ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ طعن و تشنیع کرنے والوں کے اشاروں کا نشانہ بنتے اور مصیبت پر خوش ہونے والوں کی آنکھوں کا مرکز بن جاتے ہیں۔

جاہل اور احمق لوگ تعداد میں زیادہ ہونے کی وجہ سے خاص ہو کر نظر نہیں آتے اس لئے ان سے نظریں ہٹی رہتی ہیں لہٰذا عیب جوئی کرنے والوں کے اشاروں اور مصائب پر خوش ہونے والوں کی نظروں سے محفوظ رہتے ہیں اس لئے جاہل دولت مند کا گمان یہ ہو جاتا ہے کہ فقر اور تنگدستی علم اور عقل کے ساتھ ہی مختص ہیں جہالت اور حماقت کے ساتھ نہیں۔

حالانکہ اگر علماء اور عقلاء کے احوال کی تفتیش کی جائے تو ان میں اکثر کا حال بلند نظر آئیگا اور جہال اور احمقوں کے احوال کو چھانا جائے تو ان میں سے اکثر محروم حضرات ہی نکلیں گے اور ان میں سے اچھے حال اور مال والے مشہور زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ ایسے لوگوں کا مال و دولت زیادہ رکھنا عجب ہوتا ہے اور ان کا بلند حال ہونا حیرت انگیز اور بالکل اسی طرح اھل علم اور عقلمندوں کا بے زر اور محروم ہونا عجیب ہوتا ہے تو وہ زیادہ مشہور ہو جاتا ہے اور زمانہ گذرنے کے باوجود لوگ اس بات سے متعجب اور عبرت پکڑتے رہتے ہیں۔ اسی لئے تو کسی نے بزرجمہر سے پوچھا تھا کہ سب سے حیرت انگیز کیا بات ہوتی ہے؟ اس نے کہا ''جاہل کی کامیابی اور عقل مند کی ناکامی''۔۔۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ رزق کوشش اور نصیب سے حاصل ہوتا ہے علم اور عقل سے نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جس سے وہ اپنی قدرت پر رہنمائی کرتا ہے اور معاملات کو اپنی مرضی سے چلاتا ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ اگر رزق کی تقسیم عقل کی بنیاد پر ہوتی تو جانور زندہ نہیں رہتے۔۔۔

ابوتمام طائی نے اس بات کو شعر میں بیان کیا ہے کہ

ینال الفتی من عیشه و هو جاهل ۔۔۔ ویکدی الفتی من دهره وهو عالم

ولو کانت الارزاق تجری علی الحجا ۔۔۔ هلکن اذن من جهلهن البهائم

(ترجمہ) ایک نوجوان اپنی زندگی (کا سامان) پالیتا ہے حالانکہ وہ جاہل ہوتا ہے اور ایک نوجوان زمانے میں ناکام ہو جاتا ہے حالانکہ وہ اھل علم ہوتا ہے۔ اگر رزق قابلیت کے اعتبار سے ملا کرتا تو ایسے میں اپنی جہالت کی بناء پر جانور ہلاک ہو جاتے۔

لہٰذا یاد رکھئے کہ علم اور عقل خوش بختی و سربلندی ہیں چاہے ان کے ساتھ مال و دولت کم

ہواور تنگدستی وتنگ حالی ہواور جہالت وحماقت، محرومی و بربادی ہیں چاہے ان کے مال خوب ہواور خوشحالی ہو۔ اس لئے کہ خوش بختی مال کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہوتی کیونکہ بہت مالدار بد بخت اور بہت سے کم مال والے خوش بخت ہوا کرتے ہیں اور ایک جاہل مالدار خوش بخت ہو بھی کیسے سکتا ہے حالانکہ اس کی جہالت خود اسے ضائع کر رہی ہوتی ہے اور ایک عالم بد بخت ہو کیسے سکتا ہے حالانکہ اس کا علم اس کی شان بلند کر رہا ہوتا ہے۔

''منثور الحکم'' میں لکھا ہے کہ بہت سے کم تر نیچی شان والے ایسے ہیں جنہیں علم نے عزت عطا فرمائی اور بہت سے عزت والے ایسے ہیں جنہیں جہالت نے ذلیل اور نیچ بنا دیا۔

عبداللہ بن معتز کہتے ہیں کہ جاہل کی نعمت کی مثال یوں ہے جیسے کوئی باغیچہ کچرے پر بنا ہو۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ'' جاہل کی نعمت جس قدر اچھی ہوگی اس قدر بدصورتی میں اس کی اضافہ ہوگا۔

ایک عالم نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ میرے بچو علم حاصل کرو اگرچہ تمہیں علم کے ذریعے دنیا میں سے حصہ نہ مل سکے اور اگر زمانے کی تمہارے لئے مذمت کی جائے تو مجھے یہ اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ تمہاری وجہ سے زمانے کی مذمت کی جائے۔ (یعنی زمانے کو برا بھلا تمہاری بے مائیگی پر کہا جائے تو یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ تم جاہل ہو اور تمہاری وجہ سے زمانہ برا کہلائے کہ تم جیسے لوگ زمانے میں موجود ہیں)۔ ایک ادیب کا قول ہے جو علم کے ذریعے مال نہ کما سکے تو اس کے ذریعے جمال تو حاصل کر ہی لیگا۔

میں گمراہ کرنے والی حماقت اور ذلیل کرنے والی جہالت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور اس سے ایسی موثر عقل کا سوال کرتا ہوں جو لغزش کھانے والے کو سیدھا کر دے اور ایسا علم مانگتا ہوں جس سے گمراہ شخص ہدایت کا راستہ تلاش کر سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو حقیر کرنا چاہے تو اس سے علم کو دور روک دیتا ہے''

چنانچہ علم سے دور ہونے والوں کو چاہئے کہ وہ علم میں رغبت کریں اور جو رغبت رکھتے ہیں انہیں چاہئے کہ اسے حاصل کریں اور جو حاصل کر رہے ہیں انہیں چاہئے کہ خوب زیادہ حاصل کریں اور جو خوب زیادہ حاصل کر رہے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اس پر بخوبی عمل کریں

اوراس کوترک کرنے کا کوئی بہانہ نہ ڈھونڈیں اور نہ کوتاہی کا کوئی عذر تلاش کریں۔

شاعر کہتا ہے۔

فلا تعذرانی فی الاساءة انه شرار الرجال من یسیئی فیعذر

(ترجمہ) تم دونوں مجھ کو برائی کا عذر پیش مت کرو کیونکہ وہ بدترین لوگ ہیں جو گناہ کر کے اسکا عذر پیش کرتے ہیں۔ (عذر گناہ بدتر از گناہ)

علم کے حصول کے لئے اپنے آپ سے جھوٹی ٹال مٹول نہ کرے نہ ہی اسے مسلسل مصروفیت سے فراغت کا بہانہ کر کے امید دلائے کیونکہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کام ہوتا ہے اور ہر وقت کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ پر آسانی کا یقین اور اعتماد کرتے ہوئے علم حاصل کرنے کا ارادہ کرے اور نیت اللہ کی رضا کی کرے نیت خالص ہو اور سچا عزم ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم غیر اللہ کے لئے حاصل کرے اور اس سے غیر اللہ کا ارادہ کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ علم کو اس کے اٹھ جانے اور اہل علم کے اٹھ جانے سے پہلے پہلے حاصل کرلو کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اسے علم کی کب ضرورت پڑ جائے اور کب کوئی اور اس کے علم کا محتاج ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ علم کو اس لئے حاصل مت کرو کہ اس کے ذریعے بے وقوفوں پر بڑائی ظاہر کرو مناظرہ کرو۔ یا اس کے ذریعے علماء سے جھگڑا کرو۔ جو شخص اس مقصد سے ایسا کرے گا اسکا ٹھکانہ جہنم ہے"

مناظرہ کرنے سے وہ مناظرہ مراد نہیں جو حق کی طلب میں (دلیل کے ذریعے حاصل) کیا جائے۔ لیکن وہ مناظرہ مراد ہے جو اپنے اوپر ہونے والے اعتراض کا محض رد کرنا چاہتا ہو۔ چاہے اعتراض غلط ہو یا صحیح"۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس بارے میں ارشاد ہے کہ جھگڑا کرنے والا یا تو منافق ہوتا ہے یا وہ جسے شک ہو"۔ امام اوزاعیؒ کا قول ہے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے برے کا ارادہ کرلیں تو انہیں جھگڑا عطا کر کے عمل

سے روک دیتے ہیں“

ایک عالم نے اس بات کی وضاحت اپنے ساتھی کو یوں بیان کی کہ تجھے اچھا مناظرہ کرنے سے ریا کاری کا خوف روک نہ دے کیونکہ ریا کاروہ ہوتا ہے جو یہ نہیں چاہتا کہ اس سے کوئی سیکھے یا وہ خود کسی سے کچھ سیکھے“

یاد رکھئے کہ جس چیز کو حاصل کرنے کی طلب کی جائے طلب کا کوئی نہ کوئی باعث اور وجہ ضرور ہوتی ہے اور یہ باعث دو چیزیں ہوتی ہیں۔ یا تو رغبت ہو یا خوف ہو۔ اس لئے طالب علم کو راغب اور راہب ہونا چاہئے۔ رغبت اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ثواب اور اس کی رضا حاصل کرے اور اس کے فرض کئے ہوئے اعمال کی حفاظت کرے۔ خوف اس لئے کہ اللہ کے عذاب سے اس کے احکام کو چھوڑنے اور اس کے وعدہ وعید کو نظر انداز کرنے پر ڈرے چنانچہ جب رغبت وخوف دونوں جمع ہو جائیں گے تو اسے علم کی اصلیت اور زہد کی حقیقت کی طرف لے آئیں گے اور چونکہ رغبت علم کا قوی ترین باعث ہے اور رہبت (خوف) زہد کا قوی ترین سبب ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ علم کی اصل رغبت ہے اس کا ثمرہ سعادت ہے۔ اور زہد کی اصل رہبت ہے اور اس کا ثمرہ عبادت ہے۔ چنانچہ جب علم اور زہد مل جائیں تو سعادت مکمل ہو جاتی ہے اور فضیلت عام ہو جاتی ہے اور جب یہ دونوں جدا ہو جائیں تو جدا ہونے والوں پر افسوس ان کی جدائی کس قدر مضر اور ان کا الگ الگ ہونا کس قدر قبیح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص کو علم سے ہدایت ورہنمائی بڑھے مگر وہ دنیا میں زہد (بے رغبتی) کو نہ بڑھائے تو اس کی اللہ تعالیٰ سے صرف دوری بڑھے گی“

مالک بن دینارؒ کا قول ہے ”جس شخص کو اس کا علم جوتے نہ مارے اسے اس علم سے کوئی فائدہ نہ ہوگا“۔ ایک دانشور کا قول ہے ”فقیہ بغیر تقویٰ کے اس چراغ کی طرح ہے جو گھر کو تو روشن کرتا ہے مگر خود کو جلا دیتا ہے“

علوم کو ابتداء سے پڑھیں:

جان لیجئے کہ ہر علم کی مبتدیات ہوتی ہیں جو اسکے آخر تک لیجاتی ہیں اسی طرح اس علم میں داخلے کی جزئیات ہوتی ہیں جو اس علم کے حقائق سے روشناس کراتی ہیں۔ چنانچہ طالبعلم کو علم کی مبتدیات سے شروع کرنا چاہیئے تاکہ آخر تک جا پہنچے اور اس میں داخل ہونے کی جزئیات واصول سے شروع کرے تاکہ اس علم کے حقائق سے روشناس ہو سکے اور ابتدائی باتوں سے پہلے پہلے اس کے آخر کو نہ حاصل کرے اور نہ ہی مدخل سے پہلے حقائق کو حاصل کرنے کی تگ و دو کرے اگر ایسا کرے گا تو نہ اس کا آخر جان پائے گا اور نہ ہی حقیقت جان سکے گا کیونکہ عمارت بنیاد کے بغیر نہیں بنتی اور نہ ہی پھل درخت کے اگے بغیر توڑے جاسکتے ہیں۔

علم کو بیچ سے پڑھنے اور شروع ہی حقائق سے آگاہی چاہنے والوں کو چند امور کی وجہ سے ایسا کرنا پڑ جاتا ہے جو کہ فاسد اسباب اور واہی قسم کی وجوہات ہیں۔

ان میں سے ایک تو یہ ہے دل میں علم کے کسی خاص باب یا نوع سے کوئی غرض وابستہ ہو اور اس کی غرض اسے ایسا کرنے پر مجبور کرے اور علم کے مقدمات ومبتدیات کو چھوڑنے پر مجبور کرے۔ مثلاً ایک شخص عہدہ قضاء سے دلچسپی رکھتا ہو تو وہ فقہ کی کتب میں باب ادب القاضی اور دعویٰ اور گواہوں سے متعلق ابواب پڑھے گا۔ اور کتاب الشھادات پڑھے گا تاکہ وہ جو کچھ چاہتا ہے اس سلسلے میں وہ جہالت سے موسوم نہ ہو جائے۔

پھر جب وہ یہ مسائل جان لیتا ہے تو اسے گمان ہو جاتا ہے کہ اس نے اکثر علم حاصل کرلیا اور مشہور باتیں سیکھ لی ہیں اور باقی ابواب سے آنکھیں بند کر لیتا ہے کہ خواہ مخواہ اس میں جھک کیوں مارے؟ کیوں تھکے؟ کیوں کہ اتنا حاصل کر کے ہمت کم ہوگئی اور باقی سے اعراض کرلیا۔ اگر وہ اپنے آپ کی خیر خواہی چاہے تو اسے یقیناً معلوم ہو جائے گا جو اس نے چھوڑا ہے وہ حاصل کئے ہوئے علم سے اہم ہے۔ کیونکہ علم کا بعض دوسرے علوم سے قدم بقدم تعلق ہوتا ہے اور ہر باب کو اس سے پہلے باب سے تعلق ہوتا ہے لہٰذا علم کا آخر اس کے

اول کے بغیر قائم نہیں ہو سکے گا اور کبھی اول حصہ خود آخر کے بغیر تو قائم ہو سکتا ہے لیکن اسکا الٹ صحیح نہیں۔ چنانچہ اول کو چھوڑ کر آخر کو حاصل کرنے کی طلب اول (متبدیات) اور آخر دونوں کو ترک کرنے کے مترادف ہوگا اور اس وقت وہ شخص ملامت سے بچ نہ سکے گا اور پھر اگر پورے علم کا تارک ہو تو ملامت کا اور زیادہ مستحق ہوگا۔

ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ علم کے ساتھ موسوم ہو کر مشہور ہونا چاہتا ہو چاہے کمائی کے لئے یا زینت و تجمل کے لئے ہو تو وہ ایسا علم حاصل کرے گا جو جھگڑے اور مناظرے میں کام آئے گا اور اختلافی مسائل کے علم پر بھی توجہ دے گا اتفاقی علم کو چھوڑ دے گا تاکہ وہ مناظرہ کر سکے حالانکہ وہ مرکز سے ناواقف ہوگا اور فریق مخالف سے جھگڑے گا لیکن مذہب مخصوص کچھ پہچانتا نہ ہوگا۔

میں نے اس طبقے کے کئی لوگوں کو دیکھا ہے جو علم کو متکلمین کی تحقیق کی طرح جانتے تھے اور بڑے ماہر علم کے طور پر مشہور تھے اور جب مناظرے میں آئے تو ان کا کلام ظاہر ہو گیا جب ان سے ان کے واضح مذہبی مسائل کا سوال کیا گیا تو ان کی سمجھ بھٹک گئی اور حتی کہ جواب بغیر سوچے سمجھے الٹے سیدھے دینے لگے انہیں صحیح جواب دینا نہ آیا اور نہ ہی پکا جواب دے سکے پھر اس میں انہیں اپنے اندر کوئی کمی بھی نظر نہیں آئی۔ مجالس میں بیکار جواب اور مشہور باتیں کرتے رہتے ہیں انہیں وہ ابتدائی باتیں اپنے مذہب کی نہیں معلوم ہوتیں جو متبدی طالبعلم تک کو معلوم ہوتی ہیں اور حصول علم میں شروع ہونے والا انہیں معمول کی باتیں سمجھتا ہے۔ چنانچہ یا تو ہمیشہ گمراہ کن میدان میں رہتے ہیں یا ذلت آمیز غلطی میں مبتلا رہتے ہیں۔

اور میں نے بعض ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو تکلفاً مذاہب کے اشتغال میں رہتے ہیں اور پیچھے رہنے کے لئے بہت زیادہ مذہبی بنے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ مجھ سے کسی نے ان کے بارے میں سوال بھی کیا کہ مذاہب کے ایک حافظ کا علم کیسے چھپا رہ سکتا ہے اور مناظر کا علم کیسے مشہور ہو سکتا ہے؟ تو میں نے کہا کہ مذاہب کے حافظ کا علم چھپا رہ کیسے سکتا ہے جب کہ وہ حاضر جواب اور صحیح بات کرنے والا ہو؟ اس لئے کہ اگر اس سے سوال پوچھا نہ جائے تو

وہ چپ رہے گا اور جان نہ سکے گا اور مناظر تو ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس سے سوال نہ پوچھا جائے تو وہ خود سوال کر کے جان لیتا ہے۔

میں نے مزید کہا۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر حافظ سے کوئی سوال کرے اور جواب میں صحیح بات تک وہ پہنچ جائے تو اس کا فضل ظاہر ہو جائے؟ اس نے کہا ہاں ظاہر ہوگا۔ میں نے پوچھا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر مناظر سے سوال کیا جائے اور وہ جواب نہ دے سکے تو اس کی کمی کوتاہی ظاہر ہو جائے گی؟ اور امتحان کے وقت ہی کسی شخص کو عزت ملتی ہے یا وہ ذلیل ہوتا ہے۔ یہ سن کر اس نے میری بات کا جواب نہ دیا۔

کیونکہ اگر وہ انکار کرتا تو معقول بات سے انکار کرتا اور اگر اعتراف کرتا تو اس پر دلیل لازم ہو جاتی۔ جواب دینے سے رک جانا مخالف بات کو تسلیم کرنا ہے خاموش رہنا رضامندی ہے اور حق کے تابع ہو جانا باطل کے ہاتھوں ذلیل ہونے سے بہتر ہے۔

بہر حال یہ ہے ان لوگوں کا طریقہ جو کہتے ہیں کہ مجھے پہچانو حالانکہ وہ غیر معروف اور کچھ بھی نہ جاننے والے ہوتے ہیں اور ایسا ہونا بعید ہے کہ جو شخص جس چیز کو نہیں جانتا ہو اس کے حوالے سے معروف ہو جائے۔

حصول علم میں کوتاہی کی ایک اور وجہ:

حصول علم کی کوتاہی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ بچپن میں حصول علم سے غافل رہا ہو اور جوانی میں فرصت نہ پا سکا ہو۔ تو اب اسے اس بات سے شرم آئے کہ وہ ایسی چیزیں سیکھے جو مبتدی طالبعلم سیکھتا ہے اور وہ چھوٹے بچوں کے برابر ہونے سے گھبرا کر رک جائے اور پھر علوم کے اواخر اور ان کے اطراف کی اور مشہور باتیں سیکھنے لگے علوم کے کناروں پر خوب محنت کرے تا کہ چھوٹے مبتدی طالبعلم سے آگے بڑھ سکے اور علوم کے منتہی بڑے طالبعلم کے برابر ہو جائے۔

یہ وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو دھوکا دینے سے راضی ہے اور اپنے احساس سے مداہنت پر قانع ہے اور یقیناً اگر یہ محسوس کرے تو اس کی عقل اور ہر احساس والے کی عقل اس

تصور کی خرابی کی گواہی دے گی اور اس تخیل کی خرابی کو بتائے گی اس لئے کہ یہ ایسی چیز ہے جو خیال میں قائم نہیں ہو سکتی اور یقیناً مبتدی طالبعلم کے علم سے جہالت (لاعلمی) منتہی عالم کے علم کی ناواقفیت اور جہالت سے بری ہے۔

اس طرح کے لوگوں کے لئے بچپن میں علم کا حصول محمود ہے۔ (احادیث میں اس کی بہت تعریف آئی ہے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس شخص کی مثال جو اپنے بچپن میں علم حاصل کرتا ہے ایسی ہے جیسے پتھر پر کوئی بات لکھدی جائے اور جو بڑی عمر میں علم حاصل کرے اس کی مثال پانی پر لکھنے کی طرح ہے"

جوان دل کی مثال:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جوان دل کی مثال خالی زمین کی طرح ہے کہ اس میں جو کچھ ڈالا جائے وہ قبول کر لیتی ہے"۔۔۔۔اور بات بھی اسی طرح ہے کہ بچے کا دل بالکل کورا ہوتا ہے اس کے مشاغل کم ہوتے ہیں اس دل کو استعمال کرنا آسان ہے اور وہ دل بہت جلد مان لیتا ہے۔ (دل میں تواضع زیادہ ہوتا ہے)

تواضع علم میں اضافہ کرتا ہے:

"منثور الحکم" میں لکھا ہے کہ متواضع طالب علم سب سے زیادہ علم والا بنتا ہے جیسا کہ نشیبی جگہ میں پانی زیادہ جمع ہوتا ہے اور چھوٹا بچہ بڑے سے زیادہ اچھی طرح یاد رکھ سکتا ہے جب کہ وہ ان موانع سے عاری ہو اور علم قطع کرنے والی چیزوں سے خالی ہو تو وہ زیادہ علم حاصل کر سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

حکایت ہے کہ احنف بن قیس نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ بچپن میں علم حاصل کرنا پتھر پر لکیر کی طرح ہے۔ تو احنف نے کہا کہ بڑا زیادہ عقل والا ہوتا ہے لیکن اس کا دل مشغول زیادہ ہوتا ہے"۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ احنف بن قیس نے بات تحقیقی ارشاد فرمائی ہے اور اس میں اور بھی وجوہات ہیں کیونکہ بڑوں کو علم سے قطع کرنے والی چیزیں زیادہ ہیں جیسے ہم نے "شرم وحیاء" کے بارے میں بتایا"۔۔ "منثور الحکم" میں لکھا ہے کہ جسکا چہرہ نرم ہوگا اس

کا علم بھی رقیق ہوگا۔۔۔خلیل بن احمد نے کہا ہے کہ ’’علم سے حیا کرنا اور تکبر برتنا جہالت کو بڑھاتا ہے‘‘۔۔۔ بڑوں کے علم سے دور رہنے کی وجہوں میں خواہشات کا زیادہ ہونا اور فکر کا بہت زیادہ تقسیم ہونا بھی ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ دل جب کسی کی محبت میں لگ جائے تو وہ ایسا ہے جیسے رہن رکھی چیز مرتہن کے قبضے میں چلی جائے۔

ان وجوہات میں تنگ کرنے والے مصائب ومسائل اور پریشان کن غم بھی ہیں۔ ’’منثور الحکم‘‘ میں لکھا ہے کہ غم حواس کی زنجیر ہے۔ایک بلیغ عالم کا قول ہے جو شخص جوانی کو پہنچ جائے وہ زندگی کی سختیاں بھی دیکھتا ہے۔

ان وجوہات میں مشاغل کی کثرت اور مختلف حالات کا ہونا بھی ہے حتی کہ اس میں اس کی ساری عمر اور سارے ایام بیت جاتے ہیں۔اگر ان مسائل کا شکار شخص رئیس ہو تو وہ اسے غافل کر دیتے ہیں اگر کاروباری ہو تو اسے کاروبار سے کاٹ دیتے ہیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ سردار بننے سے پہلے پہلے سمجھ بوجھ اور علم حاصل کرلو۔

بزرجمہر کا قول ہے۔’’مصروفیت محنت طلب ہے اور فرصت خراب کن ہے‘‘

اس لئے طالبعلم کو چاہئے کہ علم کی طلب سے سستی نہ کرے اور اس کے لئے فرصت کو غنیمت جانے کیونکہ کبھی کبھار زمانہ دیتے ہوئے بھی کنجوسی کر جاتا ہے اور سخاوت میں تنگی کر دیتا ہے۔اور اس شخص کو چاہئے کہ وہ علم کو شروع سے حاصل کرے اور اس میں داخل ہونے کے راستے سے اس میں داخل ہو اور ایسے علوم کے حاصل کرنے کے پیچھے نہ پڑے جن سے لاعلمی نقصان دہ نہیں ہے ورنہ اس قسم کے علوم اسے ان علوم سے روک دیں گے جن سے جاہل رہنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ہر علم میں کچھ باتیں دماغ خراب کرنے اور مصروف کرنے والی ہوتی ہیں اگر ان پر دل لگائے گا تو وہ اہم باتوں سے اسے روک دیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ علم شمار سے باہر ہے اس لئے ہر علم میں سے اس کی اچھی چیزیں حاصل کرلو‘۔بعض حکماء کہتے ہیں کہ لایعنی باتوں کو چھوڑنا بامعنی باتوں کو تمہارے لئے کر دیگا۔

لیکن یہ باتیں اسے علم کے مشکل مراحل کو چھوڑنے پر نہ اکسا دیں کہ وہ یہ سمجھے کہ یہ اس علم کی زائد باتیں ہیں اور اس میں مشغول نہ ہونے کے بہانے بنا دیں کیونکہ اس طرح کرنا بیکار لوگوں کا کام ہے اور کام چوروں کا بہانہ ہے۔ اور جو شخص آسان علم کو حاصل کرے اور مشکل کو چھوڑ دے وہ شکاری کی طرح ہے کہ جب شکار مشکل ہو جائے تو وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور پھر ناکام ہی لوٹتا ہے کیونکہ اس نے شکار کو ناممکن سمجھ لیا تھا۔ علم بھی اسی طرح ہے اسے حاصل کرنا اس سے جاہل کے لئے مشکل ہے اور جاننے والے کے لئے آسان ہے کیونکہ اس کے وہ مطالب جن تک وہ پہنچنا چاہتا ہے وہ اس علم سے سمجھ آنے والے کلام ہی میں مضمر ہیں۔

استعمال میں آنے والا ہر کلام دو قسم کی چیزیں رکھتا ہے لفظ مسموع اور معنی مفہوم۔ لفظ وہ ہے جو سماعت سے سمجھ میں آتا ہے اور معنی وہ ہے جو لفظ کے نیچے دل سے سمجھا جاتا ہے۔ بعض دانشوروں کا کہنا ہے کہ علوم تین وجہوں پر ظاہر ہوتا ہے سوچنے سمجھنے والے دل پر تعبیر کرنے والی زبان پر اور تصویر پیش کرنے والے بیان پر۔ چنانچہ جب سماعت سے کلام سمجھ لیا جائے تو دل سے اس کے معانی سمجھ لئے جائیں گے اور جب معانی سمجھ لئے جائیں گے تو اس کے استخراج کی محنت و مشکل ساقط ہو جائے گی اور اس پر اسے یاد رکھنے اور برقرار رکھنے کی محنت باقی رہ جائے گی۔ کیونکہ معانی تو بدکتے اونٹوں کی طرح ہیں غفلت سے راستہ بھٹک جاتے ہیں اور علوم وحشی کی طرح ہیں جو چھوڑنے سے بھاگ جاتے ہیں۔ چنانچہ جب اسے سمجھنے کے بعد یاد رکھا جائے تو وہ مانوس ہو جاتے ہیں اور جب مانوس ہونے کے بعد یاد کیا جائے دہرایا جائے تو وہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جو شخص علم کا مذاکرہ کثرت سے کرتا ہے وہ اپنے علم کو بھولتا نہیں اور جو معلوم نہیں وہ حاصل کر لیتا ہے۔

اگر کچھ سمجھ نہ آئے تو کیا کریں؟:

اگر سنے جانے والے الفاظ کے معانی سمجھ نہ آئیں تو سمجھ سے مانع سبب کو دور کرے تا کہ سمجھ نہ آنے کی علت معلوم ہو سکے۔ کیونکہ چیزوں کے اسباب و علل کی معرفت سے رہ جانے والے کاموں اور باتوں کی تلافی اور خراب ہو جانے والی اشیاء (کام، بات، جملے

وغیرہ) کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔

اس قسم کے موانع تین قسم کے ہوتے ہیں:

یا تو مانع اس سے ترجمہ ہو کر آنے والے کلام میں علت کی وجہ سے ہوتا ہے یا اس لفظ میں موجود معنی میں علت کی وجہ سے یا اس کو سن کر معنی نکالنے والے (سامع) میں علت کی بناء پر ہوتا ہے۔

(۱) جب ترجمہ ہو کر آنے والے کلام میں علت کی بناء پر ہو تو وہ تین احوال سے خالی نہیں ہوگا۔

(الف) معنی سے آنے والے لفظ کی تقصیر سے ہوگا تو اس صورت میں اس معنی کو بتانے والے لفظ کی کوتاہی اس معنی کو سمجھنے سے مانع ہوگی۔ یہ دو وجہ سے ہوتی ہے۔ یا تو متکلم اسے صحیح ادا نہیں کر پاتا یا پھر وہ سامع خود کم سمجھ اور کند ذہن ہوگا۔

(۲) مانع الفہم ہونے کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ معنی پر کوئی اور لفظ زائد ہو جائے تو اس صورت میں لفظ کا زائد ہونا مقصود کے فہم میں مانع ہونے کی علت ہوگی اور یہ بھی دو وجہوں سے ہو سکتی ہے۔

(الف) یا تو بات کرنے والے کی بکواس کرنے اور زیادہ بولنے کی وجہ سے۔

(ب) یا پھر اسے سامع کے ناسمجھ ہونے کا سوءِ ظن ہوگا۔

(۳) تیسری وجہ مواضعت ہے وہ یہ ہو سکتی ہے کہ متکلم اپنی بات میں کوئی رائے یا اس کا حوالہ دینا چاہتا ہو اور اس کو سامع جانتا نہ ہو تو اس کے معنی بھی نہیں سمجھے گا۔

چنانچہ لفظ کی کمی یا زیادتی خاص اسباب میں سے ہے عام میں سے نہیں ہے کیونکہ آپ اسے ہر ایک گفتگو میں نہیں پائیں گے بلکہ یہ بعض لوگوں کی گفتگو ہی میں ملے گی۔

چنانچہ اگر آپ گفتگو میں مختصر کلام سے بچیں اور ضرورت سے زائد کلام سے بھی احتراز کریں تو اپنے آپ کو دل میں کوفت پیدا کرنے والے تکلف سے نجات دلا دیں گے۔

اور اگر آپ معنی کو کسی پیش آنے والی ضرورت کے تحت نکالنا چاہیں جس وقت کوئی تنگی

پیش آئے یا گفتگو نہ سمجھنے کی وجہ سے دل میں حمیت سی پیدا ہو تو اس وقت اضافہ اور کمی کے اسباب پر غور کریں چنانچہ اگر تقصیر کسی حصر (عجز) یا اضافہ کسی بکواس کی بناء پر ہو تو آپ کے لئے معنی نکالنا بڑا آسان ہو جائے گا کیونکہ اسے کلام سے کچھ حاصل ہوا نہیں ہے۔ جو کلام مختل ہوا ہے اس کا صحیح کلام سے زیادہ ہونا جائز نہیں ہے اور زیادہ ہونے میں کم پر دلیل ہے۔

اور اگر لفظ میں اضافہ متکلم کی جانب سے سامع کے سوء فہم کے گمان کی وجہ سے ہوا ہے اس کا استخراج بھی بڑا آسان ہوگا۔

اور اگر معنی کے بیان میں لفظ کی کمی متکلم کے سوء فہم کی بناء پر ہو تو اس صورت میں استخراج معنی بڑا ہی مشکل ہے کیونکہ جب متکلم خود نہیں سمجھ پایا ہے تو آپ کے لئے اسے سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ آپ کی ذہانت بہت زیادہ ہو اور محض اشارے سے آپ کی جودت طبع اسے سمجھ لے کہ متکلم کیا بات بیان کرنے سے عاجز رہا ہے اور آپ اس کمی کو فوراً نکال لیں تو کلام کے مکمل ہونے کی فضیلت آپ کو ملے گی اور تقدم و ابتداء کا حق متکلم کا ہوگا۔

مواضعت:

اگر کلام میں کسی رائے یا شرط کا ارادہ کیا گیا ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ عام اور خاص عام تو وہ ہے جو علماء کی مواضعت ہو کہ علماء نے کچھ معانی کے لئے القابات رکھے ہوں جس سے متعلم مستغنی نہیں ہوسکتا اور ان کی گفتگو سے ان کے بغیر واقف نہیں ہوسکتا (مثلاً) جب کہ متکلمین نے جواہر اعراض، اور اجسام کے لئے القابات وضع کئے ہیں اور ایسے معانی کے لئے کئے ہیں جن پر وہ متفق ہیں آپ علوم میں کسی علم کو اس قسم کے القابات سے خالی نہیں پائیں گے اس مواضعت عامہ کو ''عرف'' کہا جاتا ہے۔

البتہ مواضعت خاصہ یہ کسی ایک شخص کی مواضعت ہوتی ہے جو اپنے کلام کے باطن میں غیر ظاہر بات کا ارادہ کر لیتا ہے چنانچہ اگر ایسا گفتگو میں ہو تو وہ ''رمز'' کہلاتا ہے اگر شعر میں ہو تو ''لغز'' کہلاتا ہے۔

رمز کو آپ علم معنوی میں نہیں پائیں گے اور نہ ہی کلام لغوی میں ملے گا یہ غالب طور سے دو چیزوں میں سے ایک میں ملتا ہے۔

(۱) یا تو کسی شنیع قسم کے مذہب میں جسے اسکا معتقد چھپانا چاہتا ہو اور رمز کو وہ اس بات کا سبب بناتا ہے تاکہ دل اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور تاویل کا احتمال اس میں اس پر سے تہمت دور کرنے کا سبب ہو جائے۔

(۲) یا پھر کسی علم کے جاننے والے یہ دعویٰ کریں کہ یہ علم بڑا مشکل ہے اسکا حصول ''معجز'' ہے جیسا کہ علم کیمیاء کے لئے اہل کیمیاء نے کچھ رموز مقرر کر لئے ہیں اس کے معانی کو خفیہ رکھا ہے تاکہ وہ اسے بتانے سے بخل کا وہم پیدا کریں اور لوگ افسوس ظاہر کریں تاکہ ناسمجھ عقلوں اور فاسد آراء کو دھوکا دے سکیں۔

منعت شيئا فاكثرت الولوع به وحب شئى الى الانسان مامنعا

(ترجمہ) مجھے کسی چیز سے روکا گیا تو میں اس سے محبت زیادہ کرنے لگا اور انسان کو جس چیز سے روکا جاتا ہے اس سے محبت زیادہ ہو جاتی ہے (یا یہ کہ انسان کے لئے کسی چیز کی محبت منع نہیں ہے)

پھر وہ لوگ جب آزمائے جائیں تو وہ اپنے کہے کے مطابق اس سے عہدہ برء آ ہوسکیں۔ اگر ان دونوں قسم کے اور ان جیسے دوسرے رموز صحیح معنی اور فائدہ دینے والے علم کو متضمن ہوں تو یہ رمز خفی سے نکل رمز جلی بن جائیں گے۔ کیونکہ لوگوں کی اغراض ان کی خواہشات کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں جو کسی محفوظ ستر اور فائدہ مند اخفاء پر متفق نہیں ہوتیں۔

کبھی کبھار رمز اور اشارے کلام کے معانی کے بھاری پن اور عظمت الفاظ کی بناء پر استعمال کئے جاتے ہیں تاکہ دل میں زیادہ مزے سے بات اترے اور اس کی اہمیت محسوس کی جائے چنانچہ وہ بات رمز کے ساتھ چلتی ہے اور کتابوں میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی ہے۔ فیثاغورث کے رمزیہ وصایا میں بات اسی طرح مروی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ

''اپنے ترازو کو جھکاؤ سے بچاؤ اور اپنے اوزان (باٹوں) کو زنگ سے بچاؤ''

اس کا پہلی بات سے مطلب یہ ہے کہ اپنی زبان کو لغزش سے بچاؤ اور عقل کو خواہشات سے بچاؤ چنانچہ اس کا وصیت نامہ ان رموز کے ساتھ مستحسن سمجھا اور مدون کرلیا گیا اگر وہ صریح الفاظ اور فصیح معنی میں یہ بات کہہ دیتا تو اس کی بات اتنی مشہور نہ ہوتی اور نہ ہی تحسین کی نگاہوں سے دیکھی جاتی۔

اس اسلوب کی علت یہ ہے جو بات نفوس میں تعظیم اور دلوں میں بھاری محسوس ہونے کے لئے فہم سے چھپی ہو (چھپائی گئی ہو) تو وہ عظمت میں آنکھوں سے چھپی اور دور کی چیز کی طرح قابل اشتیاق اور عظیم ہوتی ہے اور جو چیز ظاہر ہو اس میں کوئی حجاب نہ ہو اسے بیکار اور عام سمجھا جاتا ہے اور اس کا مزہ بھی اس وقت ہوتا ہے جب وہ بات کم ہو اور یہ لفظ صریح سے کم سمجھی جاتی ہے۔ البتہ وہ مشہور علوم جن کی طرف دل مائل ہوتے ہیں وہ اپنی طرف اٹھنے والے داعیہ کی قوت کی بناء پر اس بات سے مستغنی ہوتے ہیں کہ انہیں مزیدار رموز میں ڈھال دیا جائے یا انجانے الفاظ میں بیان کیا جائے بلکہ ان علوم میں یہ بات دوری اور تنفر پیدا کرتی ہے کیونکہ اس کے رموز کو سمجھ کر معنی نکالنا اس کے حصول اور معنی سمجھنے کے سلسلے میں رکاوٹ اور تاخیر پیدا کرتا ہے۔

لغز:

لغز (شعر میں غامض کلام یا اشارے میں بات لانا) تو فارغ اور ٹھالے بیٹھے لوگوں کا کھیل اور بیکار لوگوں کا مشغلہ ہے تاکہ وہ لوگ اپنی اشعار وغیرہ کہنے کی مہارت اور ملکہ کے تفاوت کا مقابلہ کریں اور سرعت فہم پر فخر کریں تاکہ لوگ اپنی صحت مند عطا کی جانے والی فکروں سے ایسی چیز پر محنت کریں جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں اور نہ ہی کسی علم کا فائدہ ملے یہ لوگ کشتی کرنے والے پہلوانوں کی طرح ہیں جو اپنی ساری جسمانی صحت کو محنت کرنے والے پہلوان کو پچھاڑنے پر صرف کر دیتے ہیں۔ شعراء لوگوں کی عقلوں کو پچھاڑتے ہیں جس سے انہیں کوئی تعریف اور نہ ہی کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ شاعر کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے۔

رجل مات و خلف رجلا ابن ام ابن ابی اخت ابیہ

معہ ام بنی اولادہ وابا اخت بنی عم اخیہ

مجھے ان دو اشعار کے بارے میں بتایئے اس شعر میں چھپے سوال کی مشکل نے آپ کو خوفزدہ کر دیا ہے اگر آپ اس کے معنی کے استخراج میں خوب محنت سے سوچ و بچار کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ شاعر کی مراد صرف اتنی سی ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے اپنے پیچھے باپ ماں اور چچا کو چھوڑا ہے۔

اس بات سے آپ کے علم میں کیا اضافہ ہوا؟ کتنی جہالت دور ہوئی۔ اس شعر سے پہلے آپ جن علوم اور باتوں سے ناواقف تھے ناواقف ہی رہے۔ اگر سوال کرنے والا الفاظ کو الٹا کر کے سوال کرے پہلے الفاظ کو آخر میں اور آخر کے الفاظ کو پہلے کہدے تو اس کا سوال سمجھنے کے لئے محنت کرنے سے پہلے آپ جہالت ہی میں رہیں گے پھر آپ نے خود کو تھکایا بھی پریشان بھی کیا مگر اس کے باوجود آپ کی اس سے جان نہیں چھوٹی کہ آپ کے سامنے ایسا سوال پھر کر دیا جائے چنانچہ آپ جس حالت میں پہلے تھے اب بھی رہیں گے۔

چنانچہ خود کو دور ہٹایئے آپ کو اللہ تعالیٰ ان فضول لوگوں کے علوم اور کاہلوں کے تکلف سے بچائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”کسی شخص کے اچھا مسلمان ہونے کی یہ بات بھی ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے“

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی مہارت اور فکر کی تیزی کو ایسے علم میں مصروف کر دیجئے جس میں فکر کو لگانا دھتکارا نہیں جاتا اور فکر کی محنت لائق تحسین ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ

”دو نعمتیں ایسی ہیں جن کو بہت سے لوگ غلط استعمال کرتے ہیں صحت اور فراغت“

ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے کہ ہم اس کی نعمتوں کے فضل کا غلط استعمال کریں اور اس کے ہم پر کئے ہوئے احسان کے فائدے کو نہ پہچانیں۔

”منثور الحکم“ میں لکھا ہے کہ فراغت سے عشق کی بیماری لگتی ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ جس شخص نے اپنا دن کسی کا حق ادا کرنے فرض کی ادائیگی،

بزرگی فضیلت حاصل کرنے کسی خیر کی بنیاد رکھنے یا علم کے حصول کے علاوہ کسی اور چیز میں لگایا اس نے اپنے دن کی حق تلفی کی اور خود پر ظلم کیا۔

لقد هاج الفراغ عليك شغلا　　و اسباب البلاء من الفراغ

(ترجمہ) فراغت نے کاموں کو تجھ پر چڑھائی کروادی اور مصیبت کے اسباب فراغت سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ کلام کے معانی سمجھنے میں رکاوٹ اور مانع بننے والے اسباب کی علتوں کا بیان تھا جس میں ہم طویل گفتگو اور اغماض کی وضاحت میں بھی پڑ گئے۔

دوسری قسم:

معانی کے سمجھنے میں رکاوٹ بننے والے اسباب میں سے دوسری قسم یہ ہے کہ اس لفظ کے معنی میں کسی علت کی بناء پر سامع کو بات سمجھنے میں رکاوٹ ہو۔ ایسا معنی تین حال سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) یا مستقل بنفسہ ہو۔ (۲) یا کسی دوسرے لفظ کا مقدمہ ہو۔ (۳) کسی غیر لفظ کا نتیجہ ہو

جو لفظ مستقل بنفسہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں جلی اور خفی۔ ''جلی'' وہ لفظ ہے جو پہلی مرتبہ ہی میں اپنے متصور و مقصود کے فہم کی طرف پہنچ جائے اور ایک سمجھ دار شخص کے لئے اس قسم کے الفاظ مشکل پیدا کرنے والے نہیں۔

''خفی'' وہ ہے جو سمجھ میں آنے کے لئے زیادہ غور و فکر اور زائد محنت کا محتاج ہوتا ہے تا کہ اخفاء کو دور کیا جا سکے۔

تیسری قسم:

فہم سے مانع سبب مستمع (غور سے سننے والے) میں کسی علت کی وجہ سے ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) ایک تو یہ کہ علت ذاتی ہو۔ (ب) دوسری یہ کہ علت اس پر طاری ہوگئی ہو چنانچہ جو علت ذاتی ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو معنی کے تصور اور اس کے فہم ہی

سے ''مانع'' ہو اور دوسری وہ جو اس کے تصور اور فہم کے بعد اس کو یاد رکھنے سے مانع ہو۔ پہلی چیز بلادت (کند ذہنی) اور کم فہمی ہے اور یہ عاجز کر دینے والی بیماری ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ عالم ذہن گم کر دے تو اضداد سے اس کا دلیل قائم کرنا کم ہو جاتا ہے اور کتب کی جانب اس کی احتیاج بڑھ جاتی ہے اور جو شخص اس میں مبتلا ہو اس کے لئے صرف صبر اور کمی ہی باقی رہ جاتی ہے کیونکہ وہ کمی پر ہی قادر ہے اور کامیابی و کامرانی کے بجائے صبر ہی اس کے لائق ہے۔

بعض حکماء کہتے ہیں کہ اپنی ضرورت کے لئے کچھ اصرار کو آگے بڑھاؤ اور جس کی یہ حالت ہو وہ صبر پر قادر نہیں ہو سکتا سوائے یہ کہ وہ خواہشات سے مغلوب ہو اور ہمت بھی اس میں نہ ہو تو اس کا دل خواہش کے طاقتور ہونے کی وجہ سے صبر کا احساس کر لیتا ہے اور ہمت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا جسم تھکاوٹ کا بوجھ برداشت کر لیتا ہے اور پھر جب اس کے سامنے تمنا و خواہش کے سہارے کے لئے کوئی بات ظاہر ہوتی ہے تو وہ آرزو رکھنے والوں کی سی محنت اور حاصل کر لینے والوں کی سی نشاط پا لیتا ہے۔ بہت زیادہ لگنے والی محنت اسے کم لگتی ہے اور ہر مشکل آسان لگتی ہے۔

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

تم اپنی پسندیدہ چیزیں ناگوار باتوں کو برداشت کرنے سے ہی حاصل کر سکتے ہو اور اپنی مراد کو اسی وقت پہنچ سکتے ہو جب تم اپنی خواہشات کو ترک کر دو۔

''منثور الحکم'' میں لکھا ہے کہ اپنے قدموں کو تھکا دے کیونکہ کچھ تھکاوٹیں ہی آگے بڑھاتی ہیں۔۔۔ ایک بلیغ کا قول ہے کہ جب تکلیف بڑھتی ہے تو آسان ہو جاتی ہے۔

ایک ادیب نے یہ شعر بیان کیا اور کہا ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

لا تعجزن ولا تدخلک مضجرة   فالنجح یهلک بین العجز و الضجر

(ترجمہ) عاجز ہو کے ہرگز مت بیٹھ اور نہ تجھ میں تنگدلی آئے کیونکہ عجز اور تنگدلی کے درمیان کامیابی ہلاک (برباد) ہو جاتی ہے۔

رہا وہ مانع جو معنی کے تصور و فہم کے بعد اس کے یاد رکھنے کی رکاوٹ ہے۔ یہ مانع

کوتاہی کی غفلت اور سستی سے پیدا ہونے والا نسیان ہے۔ چنانچہ جو شخص اس کا شکار ہوا سے چاہئے کہ وہ اپنی کوتاہی کو یاد دہانی کی کثرت سے دور کرے اور اپنی غفلت کو مستقل غور و فکر کے ذریعے بیدار کرے۔ کیونکہ کسی نے کہا ہے کہ جو شخص یاد دہانی زیادہ نہیں کرتا اور خود محنت نہیں کرتا وہ علم کو حاصل نہیں کر سکتا۔

درس کی کثرت ایک محنت ہے جس پر صرف وہی شخص صبر کر سکتا ہے جو علم کو غنیمت سمجھتا ہو اور جہالت کو عیب سمجھتا ہو چنانچہ یہ درس کی تھکاوٹ کو برداشت اس لئے کرتا ہے تاکہ علم کی راحت حاصل کر سکے اور جہالت کی مصیبت کو خود سے دور کر سکے۔ کیونکہ عظیم چیز کو پانا بھی عظیم محنت کے ذریعے ہوتا ہے اور طلب بھی رغبت کے بقدر ہوتی ہے اور راحت بھی مشکل اور تھکاوٹ کے بقدر حاصل ہوتی ہے۔

کسی نے کہا ہے کہ راحت و آرام کی علت کم آرام کرنا ہے۔ ایک دانشور کا کہنا ہے کہ سب سے زیادہ کامل راحت خوب تھکنے والی محنت کے بعد حاصل ہوتی ہے اور سب سے زیادہ معزز علم وہ ہے جو ذلت جیسی محنت سے حاصل ہوا ہو۔

جو طالب علم درس اور یاد کرنے کو بوجھ سمجھتا ہے اور معانی کے فہم کے بعد سست ہو کر کتب سے رجوع اور ضرورت کے تحت مطالعے سے جی چراتا ہے تو وہ بالکل اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنا شکار پکڑ کر اس لئے چھوڑ دیا ہو کہ یہ میرے قابو میں آ ہی چکا ہے چنانچہ اس کی یہ خود اعتمادی اسے شرمندگی کے سوا کچھ نہ دیگی اور یہ غلطی ندامت پر منتج ہوگی۔

اس طرح کی کیفیت پر تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز اسے بلاتی ہے۔

(۱) یاد کرنے اور اس کی محنت سے تنگدلی۔ (۲) نشاط کے وقت لمبی امیدیں لگانا کہ میں خوب زیادہ حاصل کرلوں گا۔ (۳) اس کی نیت میں رائے کا فساد ہونا۔

اسے شاید معلوم نہیں کہ تنگدل ہونے والا ناکام ہوتا ہے لمبی امیدوں والا شخص دھوکا کھاتا ہے اور فاسد رائے والا شخص اوندھے منہ گرتا ہے۔

عرب اپنی ضرب الامثال میں کہا کرتے ہیں کہ تیرے دل میں ایک حرف کا ہونا تیری کتابوں میں موجود ہزار حرفوں سے بہتر ہے۔ اس علم میں کوئی خیر نہیں جو تیرے ساتھ کوئی

وادی طے نہیں کر سکے اور نہ کسی مجلس میں تمہیں بڑا بنا سکے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کا شعر ہے۔

علمی معی حیثما یممت یتبعنی قلبی وعاء لہ لابطن صندوق

ان کنت فی البیت کان العلم فیہ معی اوکنت فی السوق کان العلم فی السوق

(ترجمہ) میرا علم میرے ساتھ ہے میں جہاں جاتا ہوں تو وہ میرے پیچھے آتا ہے۔ میرا دل اس کے لئے برتن کی طرح ہے صندوق کا پیٹ نہیں۔ اگر میں گھر میں ہوتا ہوں وہ اس میں میرے ساتھ ہوتا ہے اور اگر میں بازار میں ہوتا ہوں تو علم بھی بازار میں ہوتا ہے۔

کبھی یوں ہوتا ہے طالب علم یاد کرنے کی محنت بغیر مضمون کو سمجھے اور تصور کیے کرتا ہے حتی کہ وہ ان الفاظ کے معانی کے الفاظ کا حافظ بن جاتا ہے۔ ان الفاظ کو پڑھتا رہتا ہے حالانکہ اس کا تصور نہیں کر رہا ہوتا اور نہ ہی اس کے مضمون کو سمجھتا ہے بغیر سمجھے روایت کرتا ہے اور بغیر معلوم کیے خبر دیتا رہتا ہے تو یہ اس کتاب کی مانند ہے جو کسی شبہے کو دور کرتی ہے اور نہ ہی کسی دلیل کی تائید کرتی ہے۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بے وقوفوں کا کام روایت اور علماء کا کام رعایت (نگہبانی) ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ علم کے نگہبان بنو محض راوی مت بنو، کیونکہ جو روایت نہیں کرتا وہ نگہبانی کرتا ہے اور جو روایت کرتا ہے وہ نگہبانی نہیں کرتا۔

حضرت حسن بصریؒ نے ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص نے سوال کیا کہ یہ روایت کس سے ہے؟ تو حسن بصریؒ نے جواب دیا کہ ''کس سے ہے؟'' جان کر کیا کرے گا تجھے تو اس حدیث کی نصیحت حاصل ہو چکی اور اس کی حجت تجھ پر قائم ہو گئی''۔

اور کبھی طالبعلم اپنی یادداشت اور تصور پر اعتماد کر کے علم کو لکھنے سے کوتاہی کر جاتا ہے وہ اپنے ذہن کے استقرار پر اعتماد کر لیتا ہے حالانکہ یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ شک آڑے آتا رہتا ہے اور نسیان طاری ہو جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ''علم

کو لکھ کر مقید کر دو"۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نسیان کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کو استعمال کرو یعنی لکھو تا کہ بھولنے کے وقت تم اپنے لکھے ہوئے سے رجوع کر سکو۔

خلیل بن احمد کا قول ہے کہ کتاب میں جو لکھا ہے اسے "راس المال" بنالو اور تمہارے دل میں جو ہے اسے نفقہ بنالو"۔

مہوذ کا قول ہے کہ اگر پہلے لوگوں کے تجربے کتابوں میں لکھے نہ ہوتے تو بعد والوں کے معاملات نسیان کے ساتھ حل نہ ہو پاتے۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ یہ آداب بھاگنے والوں میں سے ہیں جو ذہنوں کی گرفت سے چھوٹ کر بھاگ جاتے ہیں لہٰذا لکھ کر انہیں کھونٹے سے باندھ دو اور حکموں کو ان کا نگہبان بنا دو۔

نسیان طاری:

نسیان طاری کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) کوئی شبہ معنی کے آڑے آجائے اور اس کے تصور سے روک دے اور حقیقت کے ادراک سے دور کر دے۔ اس صورت میں اس شبہہ کو سوال اور غور و فکر کے ذریعے خود سے دور کرے تا کہ معنی کے تصور اور حقیقت تک رسائی ہو سکے۔ اسی لئے بعض علماء کا کہنا ہے کہ "اپنے دل کو مذاکرے سے خالی مت رکھو ورنہ دل پھر سے بانجھ ہو جائے گا اور اپنی طبیعت کو مناظرے (غور و فکر) سے دور نہ رکھو ورنہ یہ بیمار ہو جائے گی۔

(۱) کچھ فکریں خیالوں سے ٹکرائیں اور معنی کے تصور سے ذہول ہو جائے۔ یہ سب ایسا ہے کہ شاید ہی کوئی اس سے بچ پاتا ہے۔ خاص طور سے وہ شخص جس کی امیدیں زیادہ اور تمنائیں وسیع ہوں اور اس شخص میں کہ علم کے سوا کسی اور چیز میں اس کا لگاؤ اور کام نہ ہو یہ سبب کم پایا جاتا ہے۔

لیکن اگر یہ کسی پر طاری ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو فہم پر قادر نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنے دل کو اس کے تصور پر حاوی کر سکتا ہے اس لئے کہ دل جہاں ناگواری محسوس کرے وہاں سے بہت زیادہ دور ہوتا اور بھاگتا ہے اور قبول کرنے سے دور رہتا ہے۔ منقول ہے کہ دل جب ناگواری کراہت محسوس کرے تو اندھا ہو جاتا ہے۔ لیکن طالبعلم کو چاہئے کہ وہ طاری ہونے والے غافل کر دینے والے خیال اور علم سے کاٹنے والے حیلے کو دور کرنے کے لئے کچھ کرے تاکہ اس کا دل اس کے تابع فرماں ہو جائے۔

ایک دانشور کا قول ہے کہ ان دلوں کے لئے بھی وحشی جانوروں کے بدکنے جیسی وجوہات ہوتی ہیں چنانچہ ان دلوں کو تعلیم میں اعتدال کے ذریعے مانوس کرو اور آگے بڑھانے میں درمیانی رفتار رکھو تاکہ یہ اچھی طرح مطیع ہو اور اس کی چستی دائمی ہو جائے۔

یہ مستمع میں موجود اسباب مانعہ کا علاج ہے۔

ایک اور قسم مانع:

یہاں بات کو سمجھنے سے روکنے والی رکاوٹوں کی ایک اور قسم ہے لیکن یہ کبھی کبھار بعض کلام سے عاری ہوتی ہے اس لئے یہ موانع کی باقی ماندہ اقسام میں شامل نہیں اور ہم نے بھی اس کو ذکر کر کے کلام میں خلل پیدا نہیں کیا۔ یہ ہے ''خط'' لکھائی (Writing) کیونکہ جو بات سنی جاتی ہے اسے سمجھنے کے لئے اس کی لکھائی پر غور کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو اقسام موانع ہم نے ذکر کی ہیں اس میں (ایک گونہ) یہ بھی شامل ہے۔

چنانچہ ایک قسم وہ ہے جو خط (لکیر) کے ذریعے رکھی گئی اور کتابت کے ذریعے محفوظ کی گئی ہو اور استخراج سے اخذ کی جاتی ہو خط اس کی حفاظت اور تعبیر کرتا ہے۔

مجاہد سے مروی ہے کہ قرآن کریم کی آیت (یُؤتِی الْحِکْمَةَ مَن یَّشَاءُ وَ مَن یؤتَ الْحِکمَةَ فَقَد اُوتِیَ خَیراً کَثِیراً) کے ذیل میں حکمت سے مراد ''خط'' ہے۔

عرب کہتے ہیں کہ خط دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے اسی کے ذریعے اس کے الجھے ہوئے اور اجمال کی تفصیل کی جاتی اور بکھرے کو سمیٹا جاتا ہے۔

ابن مقفع کہتے ہیں کہ زبان حاضر اور قریب پر اکتفا کرتی ہے اور قلم حاضر اور غائب کے لئے ہے اور یہ باقی ماندہ اخلاد اور موجود کی طرح ہے اس کی مثل قائم اور دائم جیسی ہے۔

رومی دانشور کا قول ہے ''خط'' روحانی مہارت ہے اگرچہ وہ ظاہری آلے کے ذریعے ظاہر ہو جائے۔ عرب کے دانشور کا کہنا ہے کہ خط روح میں اترا ہوا ہے اگرچہ وہ جسم کے حواس سے ظاہر ہو جائے۔

سب سے پہلے کس نے لکھا:

سب سے پہلے کس نے لکھا؟ کعب احبار کا قول ہے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے لکھا انہوں نے اپنی وفات سے تین سو سال پہلے مٹی کی کیچڑ میں تمام لکھائیاں (زبانیں) لکھیں اور پھر اس مٹی کو پکایا۔ پھر جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں زمین پانی میں غرق ہو گئی تھی تو لکھائی باقی رہ گئی تھی ہر قوم کو اس کی زبان کی تحریر مل گئی اور عربی تحریر باقی رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے خاص حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عطا فرمائی جو انہیں ملی اور انہوں نے اسے سیکھا۔

ابن قتیبہ نے حکایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ادریس علی نبینا وعلیہ السلام نے لکھا عرب تحریر کی قدر و مرتبے کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اسے عظیم منفعت گردانتے حتیٰ کہ عکرمہ کہتے ہیں کہ اسیران بدر کا فدیہ چار ہزار تک پہنچ گیا تھا لیکن پھر بھی بعض لوگوں کا یہ فدیہ رکھا گیا کہ اگر وہ لکھنا جانتا ہے تو وہ کچھ مسلمانوں کو لکھنا سکھا دے یہ اس لئے تھا کہ اس کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں بہت بڑی تھی مرتبہ عظمت والا اور اس کا فائدہ اور اثر واضح تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ (سورہ العلق)

تیرے کریم رب کی قسم! پڑھ ''جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا''

خود اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف بیان کیا کہ اس نے قلم کے ذریعے پڑھنا سکھایا۔ جس

طرح اس نے خود کو کرم کی صفت سے موصوف کیا ہے اور اس (قلم کے ذریعے تعلیم) کو اپنی عظیم نعمتوں اور بھاری نشانیوں میں سے بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

"نٓ وَ الْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ"

ن قسم ہے قلم اور اس کی تحریر کی۔ (سورۃ ن والقلم)

چنانچہ اس نے قلم کی قسم کھائی اور اسی طرح اس سے لکھی جانے والی (تحریر) کی قسم بھی کھائی۔

عربی کس نے پہلے لکھی:

سب سے پہلے عربی کی تحریر کس نے لکھی؟ کعب احبار رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے عربی تحریر حضرت آدم علیہ السلام نے لکھی اور پھر طوفان نوح کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ تحریر حاصل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ عربی کے اول محرر اور واضع حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جنہوں نے اس کے الفاظ تحریر اور نطق وضع کئے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ پہلوں میں سے کچھ لوگ تھے جنہوں نے عربی تحریر لکھی۔ ان لوگوں کے نام۔ ابجد، ھوز، خطی، کلمن، سعفص اور قرشت تھے یہ لوگ مدین کے بادشاہوں میں سے تھے۔

ابن قتیبہ نے معارف میں نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے عربی "مرامر بن مرۃ" نے لکھی جو اہل انبار میں سے تھا اور عربی "انبار" ہی سے پھیلی ہے۔

مدائنی نے نقل کیا ہے سب سے پہلے عربی لکھنے والے مرامر بن مرہ اسلم بن سدرہ، عامر بن جدرہ تھے۔ مرامر نے تو صورت وضع کی اور اسلم نے الفاظ کو جوڑا اور علیحدہ کیا اور عامر نے اعجام (بے نقطہ و بے اعراب حروف) وضع کئے۔

چنانچہ جب "خط" تحریر کا یہ حال ہے تو جو شخص علم یاد رکھنے کا ارادہ کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ دو باتوں کو سمجھے۔

(۱) حرف کی تقویم جس شکل پر اسے وضع کیا گیا ہے۔ (۲) دوسری یہ کہ ملتے جلتے نقطوں اور شکلوں کو ان کے فرق کے ساتھ اچھی طرح ذہن میں محفوظ کر لے۔ پھر ان دو باتوں کے علاوہ اپنی تحریر اچھی خوبصورت کرے اس کے الفاظ کو بہترین بنائے۔ کیونکہ یہ اس کی مہارت میں اضافہ ہوگا لیکن لکھائی کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے۔

علی بن عبیدہ کہتے ہیں کہ اچھی لکھائی ہاتھ کی زبان اور ضمیر کی خوبصورتی ہے۔ ابو العباس مبرد کا قول ہے خط کا برا ہونا ادب کی آفت ہے۔ عبدالحمید کہتے ہیں کہ بیان زبان میں ہے اور خط انگلیوں کے پوروں میں ہے۔

سمجھ میں آنے والی لکھائی میں اضافی خصوصیت حروف کو صحیح لکھنا اور حروف کی اچھی شکل بنانا ہے اور سمجھ میں آنے والی بات میں اضافی خصوصیت الفاظ کی فصاحت اور اعراب کا صحیح ہونا ہے۔ اسی لئے عرب کہتے ہیں کہ لکھائی کا اچھا ہونا دو فصاحتوں میں سے ایک فصاحت ہے جس طرح کلام گفتگو کے فن میں آگے بڑھنے والا شخص فصاحت و بلاغت کو ایک طرف نہیں کرسکتا چاہے کلام سمجھ آ جائے اور یہ سمجھا دے۔ اسی طرح لکھائی کے فن میں آگے بڑھنے والا شخص حروف کی تصحیح اور ان کی اچھی صورت بنانے کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ اگرچہ لفظ سمجھ میں آئے اور اپنا معنی سمجھا دے۔

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ خط (خوشخطی) کے فن میں آگے بڑھنے والا شخص جس کا خط اس کے اہم فضائل اور اچھے خصائل میں سے ہو بڑا نامور مشہور شخص ہو جاتا ہے اور اس معاملہ میں سردار بن جاتا ہے۔ لیکن علماء کرام خوشخطی کی طرف توجہ نہیں کر پاتے کیونکہ خوشخطی میں مصروفی کبھی علم سے دوری پیدا کر دیتی (یا کم از کم مہارت سے دور کر دیتی ہے) اس لئے علماء کرام کی لکھائی عموماً خراب ہوتی ہے اور اس معاملے میں وہی علماء نظر آتے ہیں جن پر قدرت نے رحم کر کے خوش بخت بنا دیا ہو۔

فضل بن سہل کا قول ہے کہ انسان کی خوش قسمتی میں سے ایک ''خراب لکھائی والا'' ہونا بھی ہے اس لئے کہ وہ زمانہ جسے وہ خوش خطی میں فنا کر رہا ہے وہ اسے علم اور نظر (سمجھ) سے دور کر رہا ہے اور خراب لکھائی کوئی خوش بختی والی بات نہیں خوش بختی یہ ہے کہ خوش خطی اسے

علم سے دور نہ کردے اور خوش خطی کے ماہر کاتبین کی عمومی عادت یہ ہے کہ وہ علم سے غافل رہتے ہیں۔اسی لئے (وہ اگر علم سے دور نہ ہوتو) خراب لکھائی اس کے لئے سعادت وخوش بختی ہے ورنہ اس میں خوش بختی والی کوئی بات نہیں ہے۔

خط کو سمجھنے کی رکاوٹیں:

جب یہ معاملہ اس طرح ہے تو لکھائی کے لئے بھی کچھ اسباب ایسے ہیں جو لکھائی کے پڑھنے اور سمجھنے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں جس طرح کہ گفتگو وکلام کے فہم میں کچھ اسباب رکاوٹ ہیں۔

لکھائی کے پڑھے جانے اور اس کے مضمون کے فہم میں رکاوٹوں کے اسباب آٹھ قسم پر ہوتے ہیں۔

پہلی قسم:

تحریر میں چلتی ہوئی بات میں کچھ الفاظ لکھنے سے رہ جائیں اور باقی کلام ادھورا رہ جائے اور اس کا استخراج سمجھ نہ آئے نہ معنی پہچانا جائے۔

اس طرح یا تو کاتب کی بھول سے ہوتا ہے یا نقل کرنے میں خرابی کی بناء پر ہوتا ہے۔
اس قسم کے مانع سے معنی اور لفظ کا استخراج اس وقت آسان ہوتا ہے جب وہ اس قسم کے مانع سے زیادہ واقف ہو تو وہ کلام کے حاشیہ اور ماقبل سے رہ جانے والے الفاظ کو نکال سکتا ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ بہت کم الفاظ رہ گئے ہوں۔ کیونکہ لفظ خود اپنے ساتھ والے لفظ کو مستدعی ہوتا ہے اور معنی کی پہچان اس سے حاصل ہونے والے ترجمے سے ہو جاتی ہے۔

البتہ جو شخص اس قسم کی غلطیوں سے کم واقف ہو اس پر معنی کا استنباط ذرا مشکل ہوتا ہے خاص طور پر جب کہ الفاظ زیادہ چھوٹ گئے ہوں۔اس لئے کہ طالبعلم معنی کے فہم میں غور و فکر کا وہاں محتاج ہوتا ہے جسے اس نے کتابت کے ذریعے نکالا ہو۔ پھر جب کہ وہ معنی سے سمجھ آنے والے پورے کلام اور گفتگو کو نہ پہچانتا ہو تو اس کا فہم اسکے ادراک سے قاصر رہتا

ہے اور اس کی فکر استنباط کرنے میں راہ بھٹک جاتی ہے۔

دوسری قسم:

چلتی گفتگو کے دوران الفاظ بڑھا دینا جس سے غیر زائد اور صحیح الفاظ اور زائد بیکار الفاظ کی پہچان مشکل ہو جائے۔ جس سے پورا مضمون مشکل ہو جائے۔ اس طرح کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ سوائے یہ کہ لکھنے والا اپنی بات کو خفیہ رکھنا چاہے اور اس میں ایسے الفاظ ڈال دے جس سے یہ رمز کی شکل اختیار کر جائے جو کہ مواضعت سے پہچانا جائے۔ اگر اس طرح بھول سے ہو جائے تو پھر یہ ایک یا دو الفاظ سے ہی ہوگا جس کو سمجھنا ماہر آدمی کے لئے چنداں مشکل نہ ہوگا۔

تیسری قسم:

لفظ کے درمیان سے حروف کا ساقط ہو جانا۔ جس کی وجہ وہ صحیح طور پر لفظ نکالنے سے مانع ہو جائے۔ کبھی کبھی ایسا بھول سے ہو جاتا ہے اور ایسا کم ہو جاتا ہے اور کبھی ہجے کی کمزوری سے ہوتا ہے اور ایسا زیادہ ہوتا ہے اس میں بھی بحث پہلی قسم کی طرح ہے۔

چوتھی قسم:

لفظ کے درمیان حروف کا اضافہ کر دینا کہ اس میں صحیح حروف کو پہچاننا مشکل ہو جائے۔ اب کبھی تو کاتب کی بھول سے ہو جاتا ہے اور کم ہوتا ہے اور یہ صحیح لفظ نکالنے سے مانع نہیں ہوتا اور کبھی اس کی عمومیت اور مواضعت (کلام میں اشارے) کی وجہ سے ہوتا ہے جو کہ کاتب اپنی غرض چھپانے کے لئے کر دیتا ہے ایسا تراجم کی طرح زیادہ ہوتا ہے۔ اس میں بحث دوسری قسم کی طرح ہے۔

پانچویں قسم:

جدا حروف کو ملا دینا اور ملے ہوئے حروف کو جدا کر دینا۔ ایسا کرنا بھی اشکال لاتا ہے۔ اس لئے کہ لفظ پر اس کے حروف کا ملا ہونا نشاندھی کرتا ہے اور اس کے حروف کا جدا

ہونا اسے دوسرے الفاظ سے مشارکت سے روکتا ہے اگر ایسا بھول سے ہو۔ کم ہوتا ہے اور اس کا استخراج آسان ہوتا ہے اور اگر ایسا تحریر کی معرفت میں کمی کی وجہ سے ہو یا مشق کے لئے ہو۔

اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میری لکھائی مشق کی لکھائی ہے۔ جس طرح کہ بری پڑھائی (برا پڑھنا) تیز رفتاری سے پڑھنا ہے"۔ اور اگر ایسا غرض چھپانے اور اشارے کے لئے ہو تو وہ اشاروں کی وضاحت کے ذریعے ہی پہچانا جائے گا۔

چھٹی قسم:

حروف کی شکلیں تبدیل کر دینا اور دوسرے حروف لکھ دینا، مثلاً حاء کی جگہ باء یا صاد کی جگہ راء لکھ دیا جائے اس طرح تراجم کے اشاروں میں ہوتا ہے اور ان رموز سے مواضعت (کلام میں اشارہ) کے ذریعے ہی واقف ہوا جا سکتا ہے۔ البتہ وہ شخص جس میں ذہانت زیادہ ہو تو وہ اس معمے کو حل کر سکتا ہے۔

ساتویں قسم:

حروف کو صحیح شکل پر لکھنے کے وقت لکھائی میں کمزوری ہو مگر حروف حقیقی اوصاف پر قائم ہوں (لیکن خط اس قدر کمزور ہو جائے) کہ حروف کی آپس میں تمیز مشکل ہو جائے جیسے کہ لفظ کے درمیان کا عین فاء کی طرح ہو جائے اور لفظ کے آخر کا عین حاء کی طرح نظر آئے۔ اس طرح خراب لکھائی اور ہاتھ کی کمزوری سے ہوتا ہے۔ اس طرح کے حروف کا استخراج بے حد محنت اور خوب غور وفکر کرنے سے ہو سکتا ہے حتیٰ کہ پڑھنے والا کبھی کبھی تنگ بھی ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ خوبصورت تحریر (لکھائی) بات کی حقیقت زیادہ واضح کرتی ہے۔

آٹھویں قسم:

نقطوں اور ملتے جلتے حروف کی شکل (صحیح کرنے) سے غفلت برتنا۔ یہ معاملہ دوسروں کی بہ نسبت آسان اور ہلکا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص حروف کے استخراج کو صحیح

نکالنے میں ماہر ہو لکھائی کو اچھی طرح جانتا ہو نقطوں اور شکلوں کی غفلت کی وجہ سے اس پر لکھائی نہ پہچاننے اور اسکا مضمون نہ سمجھنے کا خوف نہیں کیا جا سکتا۔

کاتبین حضرات کتابت میں اس طرح کرنے کو بدترین غلطی سمجھتے ہیں اور اسے کاتب کی شدید کوتاہی اور سوء شمار کرتے ہیں اور یہ برا سمجھنا اس لئے تھا کہ رئیسوں کے خطوط میں اس طرح کے بہت سے واقعات پیش آئے۔ مثلاً۔

قدامہ بن جعفر نے نقل کیا ہے کہ

کسی دیوان (محکمہ) کے کاتب نے ایک عامل کا محاسبہ کیا تو عامل نے اس کی شکایت عبید اللہ بن سلیمان کو کی اور ایک خط اپنے دعوی کی دلیل میں اسے لکھا۔ تو عبید اللہ بن سلیمان نے اس خط میں صرف اتنا لکھا ''ھذا ھذ ا''۔ عامل نے وہ خط لیکر پڑھا تو اس نے سمجھا کہ عبید اللہ نے ''ھذا ھذ ا'' (اسم اشارہ) لکھا ہے اور یہ اس کے دعوے کی صحت کے اثبات میں ہے اور اس کی بات کو سچا مانا ہے۔ جیسا کہ کسی چیز کے اثبات میں لفظ ''ھوھو'' کہہ دیا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ عامل یہ خط لیکر کاتب محکمہ کے پاس گیا اور اسے عبید اللہ کا لکھا ہوا دکھایا اور کہا کہ عبید اللہ نے میری بات کی تصدیق کی ہے اور میری بات کی تصحیح کر دی ہے۔ عبید اللہ کا لکھا ہوا کاتب کی سمجھ میں نہ آیا چنانچہ وہ خط تمام کاتبین کے پاس گھومتا رہا مگر کوئی بھی عبید اللہ کی بات (''ھذا ھذ ا'') کا مطلب متعین نہ کر سکا چنانچہ وہ خط عبید اللہ کے پاس واپس بھیجا گیا تا کہ وہ اس لفظ سے مراد واضح کرے۔ بالآخر عبید اللہ نے دوسرے ھذا پر تشدید لگا کر اپنی مراد کی وضاحت کر دی۔ (لفظ یوں بنا (ھذا ھذّ ا) اس نے بکواس کی ہے) اور اس کے نیچے خط کی مراد نہ سمجھنے کو ان کی مشکل سمجھتے ہوئے ''واللہ المستعان'' بھی لکھ دیا۔۔۔ تو اسے باقاعدہ لفظ کی شکل کی وضاحت کرنی پڑی۔

خطوط وغیرہ میں کاتبین کا نقطوں اور اشکال میں غفلت کو برا سمجھنا اس وجہ سے ہے۔ البتہ خطوط کے علاوہ تمام علوم میں اس قسم کے اعجام کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اسے مستحسن سمجھا جاتا ہے خاص طور سے ان کتب ادب میں ایسا ہوتا ہے جن میں الفاظ کے مخارج اور صیغوں کی پہچان مقصد ہوتا ہے۔ مثلاً کتب نحو یہ ''لغت'' شعر اور پہلیاں وغیرہ۔ کیونکہ خطوط میں

نقطوں اور اشکال کو صحیح لکھنے کی ضرورت زیادہ ہے بہ نسبت دوسرے علوم کے کہ ان میں آسان ہے۔ثوری کہتے ہیں کہ

نقطوں والی تحریر علامتی جھنڈوں کی طرح ہوتی ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے لکھائی کا نقطوں کے ساتھ ہونا اس کے استعجام (دشواری) سے روکتا ہے اور اس کی شکل کا واضح ہونا اشکال سے امن میں رکھتا ہے۔ایک ادیب کا قول ہے کہ بعض علوم ایسے ہیں کہ جن کی تفصیل دشوار نہیں ہوتی مگر اس سے جو حاصل ہوتا ہے اسے سمجھنا عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

جس طرح کاتبین نقطوں اور اشکال کے غیر واضح ہونے کو برا سمجھتے ہیں اگر چہ علوم میں اسے مستحسن سمجھا گیا ہے کاتبین اسی بات کو کتابت کی مشق وغیرہ میں اسے مستحسن سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اپنی مہارت دکھانے میں بہت زیادہ محنت کرتے ہیں اور کتابت میں آگے بڑھنے کے لئے اشارے پر اکتفاء کرتے اور تلویح پر اقتصار کرتے ہیں (یہ ان کی مہارت اور صنعت سمجھی جاتی ہے) اور ایسے میں یہ کاتبین اس کی وضاحت اور مکمل بیان کی شروط کو بھی تقصیر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اس طرح کی کاریگری کو مہارت گردانتے ہیں۔وہ اسی کتابت کو جس میں کسی چیز کی طرف روشنائی کی سیاہی سے اشارہ کیا گیا ہو اچھا سمجھتے اور فضیلت و تخصیص کی دلیل مانتے ہیں۔

مروی ہے کہ عبیداللہ بن سلیمان نے اپنے کسی کپڑے پر زعفران کا دھبہ دیکھا تو اس نے روشنائی لیکر اس پر اسے مل دیا اور کہا کہ ہمارے کپڑوں پر روشنائی کا دھبہ زعفران کے نشان سے بہتر ہے۔اور یہ شعر کہا۔

انما الزعفران عطر العذاری و مداد الدوی عطر الرجال

(ترجمہ) زعفران تو کنواری لڑکیوں کی خوشبو ہے اور دوات کا رنگ مردوں کا عطر ہے۔

مذکورہ گفتگو کلام کو سمجھنے اور اس کے معنی پہچاننے کی لفظی اور لکھائی میں رکاوٹوں کے بیان کے لئے کافی ہے۔

فصل

طالبعلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ معنی کے فہم میں رکاوٹوں کے اسباب کو دور کرے تا کہ معنی تک اس کی رسائی آسان ہو اور اس کے بعد اپنی خاص دیکھ بھال کرتے ہوئے اپنی طالبعلمانہ حالت درست کرتا رہے کیونکہ نفس میں اکتاہٹ ہے جو اسے کوتاہی کی طرف لیجاتی ہے اور جوش ہے جو اسراف کی طرف لیجاتا ہے اور ان دونوں کو سدھارنا مشکل کام ہے۔

نفس کے تین احوال ہیں ایک حال اعتدال و انصاف کا ہے دوسرا غلو اور اسراف کا ہے اور تیسرا تقصیر اور کمی کوتاہی کا ہے۔

پہلا حال: عدل وانصاف جسمیں تقصیر نہ ہو۔ وہ یہ ہے کہ نفس کے قوی کو دو مقابل سمتوں میں جانے سے مکمل قابو اور خوف کے ساتھ روکے۔ نفس قابو رکھنے سے کوتاہی سے بچے گا اور اسے خوف دلانے سے اسراف سے دور رہے گا۔ یہ نفس کا سب سے بہتر حال ہے کیونکہ جو کوتاہی سے بچا ہو مکمل ہے اور جو اسراف سے بچا ہو دائمی رہتا ہے اور کارکردگی میں اضافہ اگر مستقل ہو تو ایسی چیز کا مکمل ہو جانا قرین قیاس اور یقینی ہے۔

دوسرا حال: غلو و اسراف۔ وہ یہ ہے کہ نفس پر قابو تو ہو لیکن اسے ڈرایا نہ گیا ہو تو ایسا نفس قابو اور فرمانبرداری کی بناء پر خوب محنت کرے گا اور بہت زیادہ محنت ایکدم تھکا دیتی ہے اور اس طرح تھکنا انسان کو بیکار اور مہمل بنا دیتا ہے۔ لہٰذا کسی چیز کی زیادتی بہت نقصان دہ ہوتی ہے اس سے حاصل ہونے والا فائدہ بالآخر خسارے پر منتج ہوتا ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ طالب علم اور نیکی کرنے والا شخص کھانا کھانے والے کی طرح ہیں کہ اگر وہ کھانے میں سے گزارے اور بھوک مٹانے کی مقدار لے تو کھانا اسے بچا لیتا ہے اور اگر اسراف سے کام لے تو اسے بدہضمی کرا دیتا ہے اور کبھی کبھار اس اسراف سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ دوا کا استعمال اگر اعتدال کے ساتھ ہو تو وہ ''شفاء'' ہے اور اگر حد سے تجاوز ہو جائے تو زہر قاتل ہے۔

تیسرا حال: تقصیر اور کمی وہ یہ ہے کہ نفس شفقت خوف کے قوی سے خاص ہو

جائے اوراس پر سے قابو ختم ہو جائے تو ایسے میں یہ خوف اسے غلطی پر لے آئے گا اور غلطی تابعداری سے روکے گی (کہ نفس سے اپنا مطلوبہ کام نہیں لیا جاسکے گا) چنانچہ ایسا نفس نہ تو بھاگنے والے چھوٹنے والے کام (چیز) کو تلاش کریگا اور نہ لوٹ آنے کو قبول کرے گا اور نہ اپنے پاس موجود چیز کی حفاظت کر سکے گا۔

چنانچہ جو شخص ہاتھ سے نکل جانے والے کی طلب نہ کرے۔ پاس آنے والے کو قبول نہ کرے اور اپنے پاس موجود چیز کی حفاظت نہ کر سکے تو وہ اپنے پاس چیزوں کو بھی کھو بیٹھتا ہے اور گم ہو جانے والی کو پا نہیں سکتا۔ چنانچہ جو شخص موجود کو کھودے اور گم شدہ کو پا نہ سکے وہ غمزدہ مصیبت زدہ اور ناکام ہوتا ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ عجز تھکاوٹ اور کمزوری سے کھودینا سستی سے وقوع میں آتا ہے۔

کبھی کبھار نفس پر ان تینوں احوال کے علاوہ ان میں سے کوئی دو احوال کسی ایک کے راجح و غالب ہونے کے ساتھ آجاتے ہیں چنانچہ نفس پر کبھی قابو اور خوف ہوتا ہے مگر کوئی ایک حال غالب ہوتا ہے۔ تو اگر اس پر قابو ہونا غالب ہو تو حد سے بڑھنے والے جوش کی جانب زیادہ مائل ہوتا ہے اور اگر خوف زیادہ غالب ہو تو وہ کوتاہی کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے چنانچہ اگر وہ شخص اپنے نفس پر قابو کی مقدار کو پہچان لے اور اسکے خوف کی حالت وشکل جان لے تو اپنے نفس کو اس پر راضی کر لیتا ہے کہ وہ ان میں سے بہت اچھی حالت پر قائم رہے۔

لیکن اگر وہ اپنے نفس کی دیکھ بھال کرنا چھوڑ دے اور محنت سے غافل ہو جائے اور اس پر راضی ہو کہ اسے سختی سے پکڑے اور ظلم کے ساتھ اس پر سختی کرے تو ایسا نفس تنگ ہو کر بدک جاتا ہے اور ضد پر اتر آتا ہے پھر نہ تو وہ قابو آتا ہے اور نہ ہی غلطی سے رکتا ہے۔

چنانچہ جب اس کے لئے اپنے نفس کو قابو رکھنا مشکل ہو جائے اور دل کا نفور دائمی ہو جائے باوجود اس کی دیکھ بھال اور محنت کے تو اسے چھوڑ دینا آرام کو ترک دینا ہوگا ہاں اسے پھر کچھ آرام دے کر لوٹا کر لایا جائے کیونکہ ایسے میں اس پر قابو کرنے کی کوشش خود اسے پچھاڑ دے گی۔ اور کچھ عرصے بعد نفس تابع ہو جائے گا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "دل مرتا اور زندہ ہوتا رہتا ہے اگر چہ کچھ دیر کے بعد ہی ہو"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دلوں میں چاہت اور شوق اور ٹوٹنا اور روٹھنا بھی ہوتا ہے لہٰذا اس کی چاہت کے دنوں میں دل پر محنت کرو۔ روٹھنے کے دنوں میں مت کرو"۔ کسی کا شعر ہے۔

وما سمی الانسان الا لانسه ولا القلب الا انہ یتقلب

(ترجمہ) انسان کا نام انسان اس کے انس کی وجہ سے ہی رکھا گیا ہے اور دل کا نام (قلب) اس کے الٹنے پلٹنے کی وجہ سے رکھا گیا ہے"

علم میں اضافے کی شرائط:

وہ شروط جن کی بناء پر طالبعلم کا علم زیادہ ہوسکتا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) عقل۔ جس کے ذریعے وہ امور کے حقائق کو پہچان سکے۔

(۲) ذہانت۔ جس کے ذریعے وہ علم کی گہرائیوں کو سمجھ سکے۔

(۳) ذکاء (ذہنی طاقت) جس کے ذریعے اس کی یادداشت اور علم کا فہم مستقل رہ سکے۔

(۴) شوق۔ جس کی وجہ سے طلب دائمی رہے اور تنگ دلی اور اکتاہٹ نزدیک نہ آئے۔

(۵) کچھ اتنے مواد پر اکتفاء جو اسے طلب کی تکلیف اور محنت سے مستغنی کردے۔

(۶) فراغت۔ اتنا وقت ہو تاکہ وہ علم میں اضافہ کرسکے۔

(۷) غافل کرنے والی چیزوں کا نہ ہونا مثلاً، بیکار خیالات، مشاغل، امراض وغیرہ۔

(۸) لمبی عمر۔ اور وقت کی گنجائش ہونا تاکہ علم کی کثرت کی بناء پر کمال کے مراتب کو پہنچ سکے۔

(۹) کسی ایسے عالم کو پانا اس کی مصاحبت اختیار کرنا جو اپنا علم اسے سکھائے اور اس کی تعلیم پر توجہ دے سکے۔

جب یہ نو شرطیں مکمل ہونگی تو طالبعلم خوش بخت وخوش قسمت اور کامیاب طالبعلم ہوگا۔

اسکندر کا قول ہے کہ طالبعلم کو چار چیزوں کی ضرورت ہے۔

(۱) وقت (۲) محنت (۳) طبیعت (۴) شوق اور علم کا نام ہونا پانچویں چیز میں منحصر ہے وہ ہے خیر خواہ استاذ۔

فصل

ہم کچھ اصول لکھتے ہیں جن سے طالبعلم (آراستہ ہونا) سیکھتا ہے اور اسی پر عالم بنتا ہے۔

جان لیجئے کہ طالبعلم کو زمانہ طالبعلمی میں خوشامد (منت و اصرار) اور عاجزی کے اظہار سے کام لینا چاہئے اگر وہ ان سے کام لیگا تو خوب علم حاصل کرے گا۔ کیونکہ عالم سے منتیں کرے گا۔ خوشامد کا اظہار کریگا تو وہ اپنا چھپا علم ظاہر کرے گا اور اس کے لئے اظہار تذلل (بے بسی) اس کے علم پر صبر کے دوام کا سبب ہوگا عالم کے علم کا ظاہر ہونا اس کے لئے فائدہ مند اور صبر کے دوام سے علم بڑھے گا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ

''خوشامد مومن کے اخلاق میں سے نہیں ہے سوائے علم کی طلب میں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے طلب علم میں لاچاری عاجزی اختیار کی تو معزز مطلوب بن گیا۔

حکماء کہتے ہیں کہ جو شخص ایک گھڑی کو بھی طالبعلمی کی ذلت برداشت نہ کرے تو وہ ہمیشہ جہالت کی ذلت میں مبتلا رہتا ہے۔

فارس کے ایک دانشور کا قول ہے کہ اگر تو حالت صغر (بچپن) میں اپنی پسند کی جگہ پر بیٹھتا رہا تو بڑے پن میں اپنی ناپسند جگہ پر بیٹھا کرے گا۔

(مصنف علامہ ماوردی بات کا تسلسل جوڑتے ہوئے فرماتے ہیں کہ)

پھر اسے اس عالم کے علم کی فضیلت کو جاننا چاہئے اور اس کے اچھے سلوک کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نقل کیا ہے کہ

''جس شخص نے عالم کی توقیر کی اس نے رب کی توقیر کی''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

''اہل علم کی فضیلت کو اہل فضیلت ہی جانتے ہیں۔

کسی شاعر کا قول ہے۔

ان المعلم و الطبیب کلاھما لاینصحان اذا ھما لم یکرما

فاصبر لدائک ان اھنت طبیباً و اصبر لجھلک ان جفوت معلما

(ترجمہ) بیشک معلم اور معالج دونوں کی جب عزت نہ کی جائے تو وہ خیر خواہی نہیں کرتے سوتو اپنے مرض پر صبر کر اگر تو نے طبیب کی توہین کی ہو اور اپنی جہالت کو برداشت کر اگر تو نے استاد کی بے عزتی کی ہو۔

اگر چہ طالبعلم بڑے مرتبے والا ہو اسے اسکا مرتبہ استاد کی عزت اور خوشامد سے مانع نہ ہونا چاہئے چاہے استاد گمنام اور بے قدر ہو۔ کیونکہ علماء اپنے علم کی وجہ سے تعظیم کے مستحق ہوتے ہیں طاقت اور مال کی وجہ سے نہیں۔

ابوبکر بن درید کا شعر ہے۔

لاتحقرن عالما و ان خلقت اثوابہ فی عیون رامقہ

و انظر الیہ بعین ذی ادب مھذب الرای فی طلہ ثقر

(ترجمہ) عالم کی تحقیر مت کرو اگر چہ اس کے کپڑے دیکھنے والے کی نظر میں بوسیدہ ہوں اور اس کی طرف دنیا میں ادب والے مہذب رائے کے مالک شخص کی آنکھ سے دیکھو۔

☆ اور طالبعلم کو چاہئے کہ وہ علماء (استاد) کی ان کے اچھے اخلاق میں پیروی کرے اور ان کے تمام افعال میں ان کی مشابہت کرے تاکہ ان سے محبت پیدا ہو اور ان کے اخلاق پر آئے اور اخلاق کے مخالف اعمال سے اجتناب کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''تمہارے بہترین نوجوان وہ ہیں جو اپنے بڑے بوڑھوں کی مشابہت اختیار کریں اور تمہارے بدترین بوڑھے وہ ہیں جو اپنے نوجوانوں کی مشابہت کریں''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے کہ

''جو شخص جن لوگوں کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا''۔

طالبعلم کو اپنے استاد سے کھل کر (فری ہوکر) باتیں کرنے سے بچنا چاہئے اگر چہ اس

سے کتنا ہی مانوس کیوں نہ ہو جائے اور مصاحبت کتنی ہی پرانی ہو جائے اسے اپنی رائے یا اس کی غلطی کی فہمائش نہ کرے۔

کسی دانشور سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ ذلت میں کون ہے؟ اس نے کہا کہ وہ عالم جس پر کسی جاہل کا حکم چلتا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ ایک قیدی خاتون نے بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک سخی شخص حاتم کی بیٹی ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قوم کے اس معزز شخص پر رحم کرو جو ذلت میں مبتلا ہو گیا ہو اور اس مالدار پر رحم کرو جو غریب ہو گیا ہو۔ اس عالم پر رحم کرو جو جاہلوں میں ضائع ہو رہا ہو"

طالبعلم کو استاد کے سامنے کفایت اور استغناء ظاہر نہیں کرنی چاہئے کہ (ہم نے بہت پڑھ لیا اور اتنا علم کافی ہے آپ کی ضرورت نہیں وغیرہ) کیونکہ اس میں کفران نعمت اور اس کے حق کی توہین ہے۔

کبھی کبھار طالبعلم اپنے اندر اپنی ذہانت اور زود فہمی کے باعث قوت محسوس کرتے ہیں تو اپنے استاد کے ساتھ بدتمیزی کرتے اور اس پر اعتراض کرتے ہیں تا کہ اس کی توہین ہو اور وہ تنگ ہو تو وہ ابو بطحاء کی اس مشہور مثل کا مصداق ہوگا۔

اعلمه الرماية كل يوم فلما اشتد ساعده رماني

(ترجمہ) میں اسے روزانہ تیر اندازی سکھاتا تھا تو جب اس کے پٹھے مضبوط ہو گئے تو اس نے مجھ پر ہی تیر چلا دیا۔

یہ سب کچھ علماء کے مصائب اور ان کے نصیب کا الٹ پھیر ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے نزدیک جاہل ٹھہرائے گئے اور جنہیں انہوں نے آگے بڑھایا ان کے سامنے بے عزت ہو گئے۔

وان عناء ان تعلم جاهلا فيحسب جهلا انه منك اعلم

متى يبلغ البنيان يوما تمامه اذا كنت تبنيه و غيرك يهدم؟

متی ینتھی عن سئی من اتی بہ اذا لم یکن منہ علیہ تندم؟

(ترجمہ) جاہل کو تعلیم دینا خود کو تھکانا ہے۔ وہ جہالت کی بناء پر خود کو تم سے بڑا عالم سمجھے گا۔ عمارت کب مکمل ہو سکے گی کہ تم اسے بناؤ اور دوسرا اسے گراتا رہے؟ برا کرنے والا برائی سے کب باز آئے گا جب اسے برائی پر کوئی ندامت ہی نہ ہو"

بہت سارے حکماء نے عالم کے حق کو باپ کے حق سے زیادہ اہم بتایا ہے۔

حتی کہ بعض نے کہا ہے۔

یا فاخرا للسفاہ بالسلف وتارکا للعلاء و الشرف

آباء اجساد ناھم سبب لان جعلنا عرائض التلف

من علم الناس کان خیراب ذاک ابوالروح لاابوالنطف

(ترجمہ) اے بے وقوفی سے آباء پر فخر کرنے والے اور بلندی اور شرف کو چھوڑنے والے ہمارے جسموں کے باپ دادا تو اس کا سبب ہیں کہ ہمیں ضائع ہو جانے والا اسباب بنا دیا گیا۔ جو شخص لوگوں کو علم سکھاتا ہے وہ بہترین باپ ہے وہ روح کا باپ ہے نطفے والا باپ نہیں"

ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ استاد کے حق کی معرفت (پہچان) طالبعلم کو شبہہ والی بات اور قبول کرنے پر اکسادے اور سختی کو چھوڑنے کی روش کہیں استاد کی ہر بات کی تقلید پر آمادہ نہ کر دے کیونکہ بعض علماء کے پیروان کے بارے میں غلو کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا قول دلیل ہے (اگر چہ اس کی دلیل نہ ہو) اور یہ ان کا اعتقاد حجت ہے اگر چہ اس پر حجت قائم نہ کی گئی ہو تو اس طرح کرنا اس کی ہر بات ماننے کی طرف لیجاتا ہے اور اس سے صادر ہونے والی بات میں کوتاہی کا اندیشہ رہتا ہے۔ کیونکہ ایسا عالم اپنے متبعین کے اجتہاد کے اعتبار سے ہی اجتہاد کرتا ہے اس لئے اس کی بات اگر انفرادی ہو تو اس کے بطلان کا قوی اندیشہ ہے۔ یا (کم از کم) یہ ہوگا کہ اس کے ماننے والے علماء کی فہرست سے خارج ہو جائیں گے۔ اس طرح کہ کبھی ان سے مسئلہ لینے والا شخص ان کے لئے وہ کچھ نہیں پاتا جو وہ لوگ خود سے مسئلہ لینے والوں کے لئے سمجھتے ہیں لہٰذا وہ ان سے ان کی تقصیر کی وضاحت کا مطالبہ کرتا ہے اور یہ

اس کی وضاحت سے عاجز ہو جاتے ہیں اور اس کی مدد نہیں کر پاتے اس طرح ضائع ہو جاتے ہیں اور کمزوروں کی دم کی طرح رہ جاتے ہیں۔

میں نے اس طبقے کے ایک شخص کو ایک مجلس میں مناظرہ کرتے دیکھا اس کے مقابل نے اس کو ایک صحیح دلیل دی تو اس نے یہ جواب دیا کہ یہ دلیل فاسد ہے اور فساد کی وجہ یہ بتائی کہ میرے شیخ نے اسے ذکر نہیں کیا اور جس دلیل کو میرا شیخ ذکر نہ کرے اس میں خیر نہیں۔ چنانچہ دلیل دینے والا اس کے جواب پر بڑا حیران ہوا اور اس مناظر کا شیخ بڑا نامور شخص تھا۔ اور میں ایسے بہت سے لوگوں سے مل چکا تھا جو اس شیخ کو ایسا ہی سمجھتے تھے جیسا کہ میں اس جاہل کو دیکھ کر سمجھا تھا۔ اس کے بعد دلیل دینے والا شخص میری طرف متوجہ ہو کر حیرت وطنز سے کہنے لگا کہ اس شخص نے خدا کی قسم اپنی جہالت سے مجھے گنگ کر دیا اور سارے لوگ اس جہالت سے بری ہو گئے۔ کیا آپ نے ایسا کسی عالم کو جہالت میں غالی یا کم عقل دیکھا ہے؟

اگر طالبعلم استاد سے حاصل علم کے بارے میں معتدل رائے رکھتا ہو اس کے علم میں متوسط اعتقاد رکھتا ہو کہ تنگ آ کر اس پر ذلیل کرنے والا اعتراض نہ کرے اور نہ ہی غلو اسے اس کی ماننے والوں کو تسلیم کرنے پر اکسائے تو ایسا طالبعلم دو مذمتوں سے بچ جاتا ہے اور عالم دونوں طرف سے بچتا ہے"۔ زیادہ سوال کرنا شبہ کے وقت تنگ کرنا نہیں ہے اور جو بات دل میں صحیح معلوم ہوتی ہو اسے قبول کرنا تقلید نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"علم خزانے ہیں ان کی چابی سوال ہے لہٰذا پوچھو اللہ تم پر رحم کرے کیونکہ علم میں تین افراد کو اجر ملتا ہے۔ (۱) کہنے والا۔ (۲) سننے والا۔ (۳) علم حاصل کرنے والا۔

ایک اور ارشاد ہے۔

"جب انہیں علم نہیں تو وہ سوال کیوں نہیں کرتے کیونکہ عاجز کی شفا سوال میں ہے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد سے پوچھنے کا حکم دیا اور دوسرے لوگوں کو منع فرمایا اور اس پر سرزنش فرمائی۔

ارشاد فرمایا'

''میں تمہیں قیل وقال زیادہ سوال کرنے اور مال ضائع کرنے سے منع کرتا ہوں''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

خبردار زیادہ سوال کرنے سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے''۔

یہ ارشاد پہلے ارشاد کا مخالف نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں سوال کرنے کا حکم دیا وہاں مقصد یہ ہے کہ جہالت دور ہو علم حاصل ہو اور جہاں منع فرمایا وہاں مقصد یہ ہے کہ جو سنا ہے اس پر اعتراض نہ کیا جائے۔ کیونکہ جب سوال ڈھنگ سے اور صحیح جگہ کیا جائے گا شکوک کو زائل کرے گا اور شبہ کو دور کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ علم کس طرح حاصل کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ پوچھنے والی زبان اور سمجھنے والے دل سے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نقل کیا ہے کہ ''اچھا سوال آدھا علم ہے''

بردنے ابوسلمان غنوی کا شعر کہا ہے۔

فسل الفقیہ تکن فقیھا مثلہ　　لا خیر فی علم بغیر تدبر

واذا تعسرت الامور فارجھا　　وعلیک بالامر الذی لم یعسر

(ترجمہ) تو فقیہ سے پوچھ تو اس کی طرح فقیہ بن جائے گا کسی علم میں بغیر غور وفکر کے کوئی خیر نہیں ہے اور جب بہت سے مسائل تیرے لئے مشکل ہو جائیں تو ان کی امید رکھ اور تجھے اس پر عمل کرنا لازم ہے جو مشکل نہیں۔

طالبعلم کو چاہئے کہ جس کے پاس بھی اس کا مطلوبہ علم موجود ہو اس سے اپنا حصہ حاصل کر لے چاہے کوئی صاحب مرتبہ عالم ہو یا بے قدر ہو اور اس سے ناموری اور شہرت کی تلاش میں بڑے بافضیلت علماء کی تلاش نہ کرے کہ ان سے ہی علم حاصل کرے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ تمام علماء کا فائدہ اس کے لئے بغیر ان کے بھی عام ہو۔ ہاں اگر دو فوائد برابر درجے کے الگ الگ ہوں تو ان میں سے جو زیادہ مشہور اور صاحب قدر و منزلت عالم

ہواس سے حاصل کرے کیونکہ ایسے میں اس عالم کی طرف منسوب ہونا زیادہ اچھا اور اس سے حصول علم زیادہ مشہور ہوگا۔

اذا انت لم یشھرک علمک لم تجد لعلمک مخلوقا من الناس یقبله

و ان صانک العلم الذی قد حملته اتاک له من یجتنیه و یحمله

(ترجمہ) جب تجھے تیرا علم مشہور نہ کرے تو تجھے تیرے علم کو قبول کرنے والے لوگ بھی نہ ملیں گے اور اگر تیرا علم جو تیرے پاس ہے تجھے بچالے تو تیرے پاس اسکو حاصل کرنے اور لینے والے لوگ آئیں گے۔

جب کوئی عالم تمہارے قریب ہو تو دور کے عالم کو تلاش مت کرو اور جب وہ ایک طرح سے آسان ہے تو مشکل کو مت ڈھونڈو اور جس کا تمہیں علم ہو جائے کہ وہ اچھا ہے تو جس کے بارے میں پتہ نہیں اسے مت ڈھونڈو۔ کیونکہ قریب سے دور جانا خود کو تھکانا ہے اور آسانی کو چھوڑ کر مشکل اختیار کرنا بلاء اور مصیبت ہے اور شناسا کو چھوڑ کر دوسرے کے پاس جانا خطرناک ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ بے وقوفی کا انجام تکلیف اور نقصان ہوتا ہے اور مشکل تلاش کرنے والے کے لئے ہمیشہ خوشی نہیں رہتی۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ ارادہ بغیر سوچے سمجھے کسی کام کو اختیار کرنے سے آسان ہے۔ اور کسی چیز کا بار سر پر لینے کے بجائے اس سے رک جانا زیادہ بہتر ہے۔

کبھی کبھار انسان کا دل خود سے دور شخص کو قریب والے کی بے قدری کے باعث اختیار کرتا ہے اور مشکل کو ڈھونڈتا ہے کیونکہ اسے آسان حقیر معلوم ہوتا ہے اور جس کے بارے میں معلوم ہو اس سے تنگ دل ہو کر انجانے کے پاس چلا جاتا ہے تو وہ اپنا مطلوب محبوب (مقصود) حاصل نہیں کر پاتا اور نہ ہی نعمت پاتا ہے۔

اہل عرب ایسے موقع پر یہ مثال دیتے ہیں کہ عالم کی مثال کعبے کی سی ہے کہ دور والے اس کے پاس آتے ہیں اور قریب والے اس سے محروم رہتے ہیں۔۔۔ مسیح بن حاتم کا شعر ہمیں ہمارے ایک استاد نے سنایا۔

لا تری عالما یحل بقوم فیحلوہ غیر دار الھوان

قلما توجد السلامة والصحة مجموعتین فی انسان فاذا حلتا مکانا سحیقا فھما فی النفوس معشوقتان

ھذہ مکة المنیعة بیت اللہ یسعی لحجھا الثقلان

وتری ازھد البریة فی الحج اھلھا لقرب المکان

(ترجمہ) تو کسی عالم کو نہ دیکھے گا جو کسی قوم کے پاس مقیم ہو تو وہ اسے دولت اور ذخیرے کے گھر سے دوسری جگہ ٹھہرا دیتے ہیں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ سلامتی اور صحت ایک انسان میں جمع ہوں جب یہ دونوں کسی ہلاکت کی جگہ میں آ جائیں تو بھی یہ لوگوں کے دلوں کے محبوب ہیں یہ بلند و بالا مکہ جو کہ اللہ کا گھر ہے اس کے حج کے لئے دونوں جہاں کے لوگ کوشش کرتے ہیں اور تو دنیا میں سب سے زیادہ اس سے بے رغبت یہاں کے رہنے والوں کو دیکھے گا باوجود اس کے کہ جگہ قریب ہے۔

فصل:

علماء کے اخلاق وعادات

تواضع کا التزام اور تکبر وخود پسندی سے اجتناب:

یہ فصل ان اخلاق وعادات کے بارے میں ہے کہ جن پر علماء کا ہونا ضروری ہے یہ علماء کی شان کے زیادہ لائق ہیں اور ان کے لئے لازمی ہے کہ وہ ان اخلاق کے ساتھ متصف ہوں، ایک عاجزی اختیار کرنا، دوسرا خود پسندی سے بچنا، اس لئے کہ تواضع انس پیدا کرتا ہے اور خود پسندی نفرتوں کا سبب بنتی ہے اور عیب ہر ایک کے ساتھ برا ہے اور بالخصوص علماء کے ساتھ بہت برا ہے، اس لئے کہ عوام ان کی پیروی کرتی ہے اور بہت سے علماء ایسے ہیں جن میں یہ عیب علم کی فضیلت میں ان کے یکتا ہونے کی وجہ سے داخل ہو چکا ہے۔

اگر وہ حقیقی نظروں سے غور کریں اور علم کے تقاضے پر عمل کریں تو یہ تواضع ان کی شان کے زیادہ مناسب ہے اور خود پسندی سے بچنا ان کے زیادہ لائق ہے، اس لئے کہ خود پسندی ایک ایسا نقص ہے جس کی وجہ سے انسان اعلیٰ مراتب کے حصول سے محروم رہتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ خود پسندی نیکیوں کو اس طرح ختم کر دیتی ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو ختم کرتی ہے۔

چنانچہ علماء خو پسندی کا شکار رہتے ہوئے علم کے شرف وفضل کو حاصل نہیں کر سکتے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تھوڑا علم زیادہ عبادت سے بہتر ہے۔

انسان کے عالم ہونے کے لئے اتنا کافی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے جاہل ہونے کے لئے اتنا کافی ہے جب وہ خود پسندی کرے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں علم سیکھو اور علم کے لئے طمانیت و بردباری بھی سیکھو اور تواضع سے پیش آؤ اپنے اساتذہ کے ساتھ تاکہ تمہارے شاگرد تمہارے

ساتھ تواضع وعاجزی سے پیش آئیں اور متکبر علماء میں سے مت بنو کیونکہ علم جہل کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔

بعض سلف سے منقول ہے: جو اپنے علم کے ذریعے تکبر کرتا ہے اور اونچا ہونا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پستی میں گرا دیتے ہیں جو علم کے ساتھ تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عزت دیتے ہیں۔

عُجب میں مبتلا ہونے کی وجہ:

علماء کا خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے سے کم علم والوں پر نظر رکھتے ہیں اور اپنے سے اعلیٰ علم والوں پر ان کی نظر نہیں ہوتی، بلاشبہ وہ علم کی انتہاء کو نہیں پا سکتا مگر عنقریب اس شخص کو پالے گا جو اس سے بڑا عالم ہے اس لئے کہ علم اس قدر زیادہ ہے کہ انسان اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم جس کو چاہتے ہیں (علم میں) خاص درجات تک بڑھا دیتے ہیں اور تمام جاننے والوں سے بڑھ کر ایک جاننے والا ہے۔

مفسرین حضرات فرماتے ہیں: ہر علم والے سے بڑھ کر ایک بڑا عالم موجود ہے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے علم تک جاتا ہے۔

کسی دانا سے پوچھا گیا: تمام علم کو کون جان سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا تمام لوگ (مل کر) جان سکتے ہیں۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ میں نے اپنے جیسا کسی کو نہیں دیکھا اور میں نہیں چاہتا کہ کسی اپنے سے بڑے عالم سے ملاقات کروں مگر ملاقات ہو جاتی ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بات اپنی فضیلت بیان کرنے کے لئے نہیں بیان کی کہ اس کو برا سمجھا جائے بلکہ انہوں نے علم کی شان بیان کرنے کے لئے یہ بات کی کہ علم کا کامل احاطہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ عالم کے لئے مناسب ہے یہ بات کہ اپنی ذات کی طرف نگاہ کرے کہ اس میں کتنی کوتاہیاں ہیں تا کہ عجب و خود پسندی سے جو اس کے اندر پائی جاتی ہے محفوظ رہے۔

منثور الحکم میں مذکور ہے جب تو علم حاصل کر چکا ہے تو علم میں کم تر لوگوں (جاہلوں) کی کثرت کی طرف مت دیکھ بلکہ اپنا مطمع نظر ان علماء کو بنا جو تجھ سے علم میں اعلیٰ واولیٰ ہیں۔

من شاء عیشا هنیئا یستفید به — فی دینه ثم فی دنیاه اقبالا

فلینظرن الی من فوقه ادبا — ولینظرن الیٰ من دونه مالا

(ترجمہ) جو بابرکت زندگی چاہتا ہے وہ اپنی اسی زندگی سے فائدہ حاصل کر لے اپنے دین کے اعتبار سے پھر اس کی دنیا بھی بھلی ہو جائے گی اور دیکھے اس شخص کی طرف جو ادب میں اس سے اعلیٰ ہے اور اپنا مطمع نظر اس کو بنائے جو مال میں اس سے کم ہو۔

خود پسندی کی مذمت:

علم کے ذریعے خود پسندی کرنے والے لوگ آپ بہت کم پائیں گے اسی طرح علم کو فخر وافتخار کا ذریعہ بنانے والے بھی بہت کم ملیں گے ہاں البتہ وہ لوگ جنہوں نے علم میں کمی و کوتاہی اور سستی برتی ہو (ان میں یہ چیز آپ کو بہت زیادہ ملے گی)

اس لئے کہ وہ علم کی قدر و منزلت سے ناواقف ہوتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے علم میں مشہور ہو کر اس کا بڑا حصہ حاصل کر لیا ہے۔

سو اگر وہ علم حاصل کرنے میں توجہ کرے اور اس کا بڑا حصہ حاصل کر لے تو علم کی انتہا اور اس کی انتہا کے حصول سے عاجزی کو پہچان جاتا ہے جو اسے خود پسندی میں پڑنے سے روک دیتی ہے امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں علم تین بالشت ہیں، سو جس نے ایک بالشت علم حاصل کر لیا وہ تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور گمان کرنے لگتا ہے کہ اس نے کچھ حاصل کر لیا ہے۔

(۲) جس نے دو بالشت علم حاصل کر لیا تو اس میں تواضع پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ہر وقت اس کے خیال میں رہتا ہے کہ اس نے کچھ حاصل نہیں کیا اور بہر حال تین بالشت کا علم تو بہت دور کی بات ہے وہ کسی کو کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

سبق آموز حکایت:

سبق آموز واقعات میں سے ایک واقعہ جو میرے ساتھ ہوا وہ یہ ہے کہ میں نے بیوع کے مسائل میں ایک کتاب لکھی اور میں نے بقدر طاقت لوگوں کی کتابوں سے مسائل تخریج کر کے اس کتاب میں جمع کئے میں نے اس میں اپنی جان صرف کر دی اور بھر پور مشقت اس میں اٹھائی۔ یہاں تک کہ جب وہ سنور گئی اور مکمل ہوگئی تو قریب تھا کہ میں خود پسندی کا شکار ہو جاتا اور میں یہ تصور کرنے لگا کہ میرا علم تمام لوگوں پر بھاری ہے اور قوی علم ہے۔ اچانک میرے پاس میری مجلس میں دو آدمی آئے انہوں نے مجھ سے اپنے ایک معاملے کے بارے میں سوال کیا جو انہوں نے گاؤں میں کیا تھا، یہ معاملہ چند شرائط پر تھا جو کہ چار مسائل پر مشتمل تھیں۔ میں ان مسائل میں سے کسی ایک کا جواب بھی نہیں جانتا تھا، نگاہ جھکا کر زمین کی طرف غور کرنے میں مصروف ہو گیا (میری حالت درماندہ اور ان کی حالت متحیرہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے)

چنانچہ ان دونوں نے کہا: آپ کے پاس ہمارے سوالات کا جواب نہیں ہے حالانکہ آپ اس جماعت کے سردار ہیں۔ میں نے کہا: نہیں!

ان دونوں نے کہا: آپ کا معاملہ عجیب ہے اور یہ کہہ کر وہ دونوں چلے گئے۔

پھر وہ دونوں ایسے عالم کے پاس گئے جس سے علم میں میرے بہت سے ساتھی بڑھے ہوئے تھے انہوں نے اس عالم سے سوال کیا اس نے ان کو اسی لمحہ تسلی بخش جواب دے دیا۔

وہ اس کے جواب سے خوش ہو کر چلے گئے۔ (ان کی مسرت بھری حالت اور میری حالت زار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے) اور ان مسائل سے اب میری واقفیت وہی ہے جو اس وقت تھی چنانچہ یہ واقعہ ڈانٹنے والی نصیحت اور ڈرانے والا وعظ بن گیا ان دونوں دیہاتیوں کی وجہ سے نفس تابع دار ہو گیا اور خود پسندی کے پیر کٹ گئے مجھے اس کی توفیق عطا کی گئی اور میری اس طرف رہ نمائی کی گئی۔ جس شخص نے اپنی کسی مہارت پر خود پسندی ترک کی ہو ایسے شخص پر لازم ہے وہ اس تکلف کو چھوڑ دے جو اسے پسند نہیں ہے کیونکہ لوگوں کو خود پسندی اور

تکلف میں پڑنے سے روکا گیا ہے اور لوگوں نے اللہ کی پناہ ان دونوں کے شر سے مانگی ہے۔

اس کی مزید وضاحت جاحظ کی کتاب البیان میں کی گئی ہے جہاں وہ کہتے ہیں:

اے اللہ! ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں قول کے فتنے سے جیسا کہ ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں عمل کے فتنے سے ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں اس تکلف سے جسے ہم پسند نہیں کرتے جیسا کہ ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں اس خود پسندی سے جسے ہم پسند کرتے ہیں اور ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں مغلوبیت اور جلاوطنی کے شر سے جیسا کہ ہم پناہ مانگتے ہیں عاجزی اور بندش کے شر سے (اور ہم بھی پناہ مانگتے ہیں اللہ کی جیسا کہ جاحظ نے مانگی)

بے علم عالم کا ڈھونگ کرے تو بربادی ہے:

سو اس شخص کے لئے جو ایسی چیز اپنے سر لے لے جس کو وہ اچھی طرح نہیں جانتا کوئی منتہٰی نہیں جس تک وہ رسائی حاصل کرے اور نہ کوئی ایسی حد ہے جس پر وہ ٹھہرے تو جس شخص کا تکلف غیر محدود ہو نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ وہ خود گمراہ ہوگا اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بنے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد مروی ہے فرمایا: جس سے سوال کیا گیا اور اس نے بغیر علم کے فتوی دیا تو وہ خود گمراہ ہوا اور اس نے دوسرے کو بھی گمراہ کیا۔

کسی حکیم کا قول ہے: ایسے کلام کے ذریعے جسے وہ جانتا ہے اس کلام کے متعلق بات نہ کرنا جسے وہ نہیں جانتا یہ بات بھی علم میں سے شمار کی جاتی ہے۔

کسی شخص کی جہالت کے لئے اتنا کافی ہے کہ جس چیز کو وہ جانتا نہیں اس کو بیان کرنے لگے۔ زیادہ بن زید بہت خوب کہتا ہے۔

اذا ما انتهى علمي تناهيت عنده　　　اطال فاملى، اوتناهى فأقصرا

ويخبرني عن غائب المرء فعله　　　كفى الفعل عماغيب المرء مخبرا

(ترجمہ) جب میرا علم ختم ہو جاتا ہے تو میں وہیں رک جاتا ہوں اگر وہ زیادہ ہو تو میں امید کروں یا ختم ہو جائے تو میں رکوں اور مجھے کسی شخص کی بے علمی کی حقیقت اس کا فعل بتا دیتا

ہے اس کا بغیر علم کسی چیز کو بتا نا ہی اس کے لئے کافی ہے۔

ناواقفیت عار نہیں:

جب علم کا مکمل احاطہ کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں تو اس کی علم کے کچھ حصے سے ناواقفیت کوئی عیب کی بات نہیں اور جب علم کے حصے سے ناواقفیت کوئی عار کی بات نہیں تو اس کو جس بات کا علم نہیں اس کے متعلق ناواقفیت کا اظہار کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! زمین کے کونسے حصے خیر والے اور کون سے شر والے ہیں؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نہیں جانتا یہاں تک کہ میں جبریل علیہ السلام سے پوچھ نہ لوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت کس قدر ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے دل کو جب تم سے ایسی چیز کے متعلق دریافت کیا جائے جس کا تمہیں علم نہیں اور تم کہد و اللہ زیادہ بہتر جاننے والے ہیں اور بلاشبہ عالم وہ شخص ہے جو یہ جان لے کہ اس کی معلومات اس کی لاعلمی کے مقابلے میں کم ہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب عالم شخص ''لا ادری'' (میں نہیں جانتا) کہنا چھوڑ دے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔ ایک عالم فرماتے ہیں: ہلاک ہو گیا وہ شخص جو لا ادری (میں نہیں جانتا) کہنا چھوڑ دے۔

ایک دانا کا قول ہے کہ میرے لئے علم کی فضیلت صرف اتنا جاننا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔

کسی بلیغ کا قول ہے: جس شخص نے لا ادری کہا اسے سکھلایا گیا اور وہ جان گیا اور جس نے نہ جانی ہوئی چیز کے جاننے کا دعویٰ کیا وہ بیکار رہا اور برباد ہو گیا۔

اور کسی شخص کے لئے خواہ وہ کبار علماء کے طبقہ کا ہو یہ مناسب نہیں کہ وہ اس علم کو سیکھنے میں تکبر کرے جو اسے نہیں آتا تا کہ اس کے لئے کئے جانے والے تکلفات سے محفوظ رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: اے علم کی طلب کرنے والے! جس چیز کے علم سے تو ناواقف ہے اس کو سیکھ لے اور جو کچھ تو جانتا ہے ناواقفوں کو وہ سکھلا دے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پانچ نصائح:

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: تم مجھ سے پانچ باتیں سیکھ لو! جب تم آسمانوں پر چڑھ جاؤ گے تو میری ان ہی پانچ باتوں کو (ہر جگہ) پاؤ گے۔

(۱) اپنے رب کے سوا کسی سے امید نہ باندھنا۔

(۲) اپنے گناہوں کے سوا کسی کا خوف مت کرنا۔

(۳) عالم شخص اس چیز کو سیکھنے سے دور نہ رہے جسے وہ نہیں جانتا۔

(۴) اور جب تم میں سے کسی سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا اسے علم نہیں تو وہ کہدے میں نہیں جانتا۔

(۵) اور ایمان میں صبر کا رتبہ وہی ہے جو جسم میں سر کا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کسی شخص کو علم کی کوئی بات کافی ہوسکتی ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ فرمان ہے جب انہوں نے یہ فرمایا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ جو علم مفید آپ کو (من جانب اللہ) سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھ کو بھی سکھلا دیں"۔

خلیل بن احمد سے پوچھا گیا: آپ نے یہ علم کیسے حاصل کیا؟

فرمایا: جب میں کسی عالم سے ملاقات کرتا تو کچھ میں اس سے علم حاصل کرتا اور کچھ اس کو سکھلا دیتا۔

علم کی کوئی بات حقیر نہیں:

بزرجمہر کا قول ہے کہ یہ بات علم میں سے ہے کہ علم کی کسی بات کو حقیر نہ سمجھے اور یہ بات بھی علم میں سے ہی ہے کہ تمام علم کو فضیلت دے۔

خلیفہ منصور نے قاضی شریک سے پوچھا: آپ نے یہ علم کیسے حاصل کیا؟

قاضی شریک نے جواب دیا: میں نے کم علم والے سے بھی استفادہ کرنے سے اعراض نہیں کیا اور علم میں زیادہ فائدہ پہنچانے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ اس لئے کہ علم تقاضا کرتا ہے۔ اس چیز کا جو حصول سے رہ جائے اور اس کو طلب کرتا ہے جس سے تاخیر ہو جائے۔ اور علم میں رغبت کرنے والے کے لئے تھوڑے علم پر قناعت کرنا مناسب نہیں ہے۔ (اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہوسکتا کہ میں نے تھوڑے سے علم حاصل کرنے سے......... اعراض نہیں کیا)

حضرت عون بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں: دو حریص ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے۔

(۱) طالب علم (۲) طالب دنیا

بہرحال طالب علم سو وہ رحمٰن سے قرب میں بڑھتا جاتا ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

(ترجمہ) خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔

اور بہرحال طالب دنیا تو وہ تو سرکشی میں بڑھتا رہتا ہے اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی:

(ترجمہ) بیشک آدمی حد آدمیت سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ کو (ابنائے جنس سے) مستغنی دیکھتا ہے۔

انسان کو چاہئے کہ وہ علم کی فضیلت حاصل کرنے میں ثابت قدم رہے تاکہ علم کی فضیلت میں آگے بڑھ جائے اور علم میں کوتاہی کو بڑی کوتاہی سمجھے تاکہ اس سے بچ جائے۔

اور حاصل کئے ہوئے علم پر قناعت نہ کرے اس لئے کہ علم میں قناعت بے رغبتی ہے اور علم میں بے رغبتی علم کو ترک کرنے کا ذریعہ ہے اور اس کا نتیجہ جہالت ہے۔

کسی حکیم نے کہا ہے کہ علم اور اس میں اضافہ کو لازم کرلو کیونکہ علم کا تھوڑا حصہ تھوڑی خیر سے مشابہ ہے اور اس کا زیادہ حصہ زیادہ خیر سے مشابہ ہے، خیر اگر کم ہو تو عیب دار ہے اور خیر کی کثرت کی آرزو کی جاتی ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ اگر آپ اپنے علم کے لئے ثابت قدم ہو جائیں تو یہ آپ کے

علم کا فضل وکمال ہے اور آپ کا اپنی عقل پر غلبہ یہ آپ کی عقل کا کمال ہے۔

کسی کے لئے مناسب نہیں وہ اپنی ذات کے منتہائے علم سے ناواقف رہے اور نہ یہ بھی مناسب نہیں کہ اس کی حقیقی مقدار سے تجاوز کر جائے البتہ اپنے نفس کے منتھی کے پہچاننے سے کوتاہی کر کے اس کے تابع ہو جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس معاملے میں حد سے تجاوز کر جائے اور اپنے علم میں اضافے سے رک جائے۔ جو شخص اپنے آپ سے ناواقف ہو وہ غیروں کے احوال سے زیادہ ناواقف ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! انسان اپنے رب کو کب پہچانتا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب وہ اپنے آپ کو پہچان لے۔

علم اور جہل کے اعتبار سے لوگوں کی تقسیم:

خلیل بن احمد نے علم اور جہل کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں کوئی بھی انسان ان قسموں سے باہر نہیں ہوسکتا۔ فرماتے ہیں: لوگ چار قسم کے ہیں۔

(۱) ایک وہ شخص جو جانتا ہے اور وہ اپنے جاننے کو بھی جانتا ہے سو ایسا شخص عالم ہے اس سے سوال کرو۔

(۲) دوسرا وہ شخص جو جانتا تو ہے لیکن اپنے جاننے کو وہ نہیں جانتا سو وہ بھول گیا ہے اسے یاد دلا دو کہ وہ عالم ہے۔

(۳) تیسرا وہ شخص جو نہیں جانتا اور اپنے نہ جاننے کو وہ جانتا ہے تو ایسا شخص رہنمائی کا طلب گار ہے اس کی رہنمائی کر دو۔

(۴) چوتھا وہ شخص جو نہیں جانتا اور اپنے نہ جاننے کو بھی وہ نہیں جانتا سو یہی شخص جاہل ہے اس سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

اذا کنت لاتدری و لم تک بالذی   لیسائل من یدری فکیف اذن تدری؟

جھلت ولم تعلم بانک جاھل   فمن لی بان تدری بانک لاتدری؟

اذا جئت فی کل الامور بغمة　　　فکن هکذا ارضیطاک الذی یدری
ومن اعجب الاشیاء انک لاتدری　　　و انک لاتدری بانک لاتدری

(ترجمہ) جب تو نہیں جانتا اور ان لوگوں میں سے بھی نہیں جو جاننے والے کو ڈھونڈے تو تو کیسے جانے گا۔ تو جاہل ہے اور تو نہیں جانتا کہ تو جاہل ہے کون ہے جس کے ذریعے تو جان لے کہ تو نہیں جانتا جب تو تمام امور میں غم کو لائے تو اس طرح کی زمین ہو جا کہ ہر جاننے والا (عالم) تجھے روندتا ہوا گذرے اور سب سے عجیب چیز یہ ہے کہ تو نہیں جانتا اور تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تو نہیں جانتا۔

بنا عمل علم عالم کے خلاف حجت ہے:

اپنے علم پر عمل کرنا انسان کی عادت بن جائے اور اپنے نفس کو احکام کے بجالانے پر برانگیختہ کرتا رہے اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جن لوگوں کو تورات پر عمل کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی سی حالت ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول (اور وہ بے شک بڑے عالم تھے اس وجہ سے کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا) کے بارے میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اس سے اپنے علم پر عمل کرنے والا مراد ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: بہت زیادہ باتوں کا جمع کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے اور بہت زیادہ اصرار کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو باتیں سنتے ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن وھبؒ حضرت سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوۃ والسلام سے فرمایا: (اے عمران کے بیٹے!) علم کو سیکھو اس پر عمل کرنے کے لئے اس کو لوگوں میں محض بیان کرنے کے لئے مت سیکھو ورنہ۔ (اگر لوگوں میں بیان کرنے کے لئے سیکھا) تو یہ علم تمہارے لئے ہلاکت اور دوسروں

کے لئے نور و برکت کا ذریعہ ہوگا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: لوگوں نے علم کی طلب میں بے رغبتی اختیار کر رکھی ہے اس لئے کہ وہ ان علماء کو دیکھ رہے ہیں جنہوں نے اپنے علم سے بہت کم نفع اٹھالیا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ جب میں باری تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں گا وہ مجھ سے یہ بات پوچھ لے کہ اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟

اور کہا جاتا ہے: بات کہنے سے اس کا کرنے والا بہتر ہے اور صحیح بات سے اس کا کہنے والا بہتر ہے اور علم سے اس کا اٹھانے والا بہتر ہے۔

منثور الحکم میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ جس نے علم پر عمل چھوڑ رکھا ہے وہ اپنے علم سے فائدہ نہیں حاصل کرسکتا۔

کسی عالم کا قول ہے: علم پر عمل کرنا علم کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور اس عمل کرنے پر اجر کا حصول اس عمل کا نتیجہ ہے۔

ایک نیک صفت شخص فرماتے ہیں: علم عمل کو پکارتا ہے اگر جواب مل جائے (عمل کرلیا جائے) تو بہتر ورنہ علم رخصت ہوجاتا ہے۔

ایک حکیم فرماتے ہیں: بہترین علم وہ ہے جو نفع پہنچائے اور بہترین بات وہ ہے جو تنبیہ کرے۔

کسی ادیب کا قول ہے: معلومات پر عمل کرنا علوم کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

ایک بلیغ کہتے ہیں: علم اس وقت کامل ہوگا جب اس کو استعمال کیا جائے (عمل کیا جائے) اور عمل اس وقت کامل ہوگا جب اس پر ثابت قدم رہا جائے۔ اور جب اپنے علم پر عمل کیا جائے گا تو وہ علم رشد و ہدایت سے خالی نہ ہوگا اور جب عمل پر ثابت قدم رہا جائے تو اس کی مرادوں کے پورا کرنے میں کمی نہ کی جائے گی۔

ابوالتمام الطائی کہتے ہیں۔

ولم یحمدوا من عالم غیر عامل   خلافاً ولا من عامل غیر عالم

راوا طرقات المجد عوجا فظيعة　　　و افظع عجز عندهم عجز حازم

(ترجمہ) اور لوگوں نے عالم بے عمل کے خلاف کرنے کی وجہ سے تعریف نہیں کی اور نہ بے علم عمل کرنے والے کی۔ انہوں نے بزرگی کے راستوں کو بہت ٹیڑھا جانا حالانکہ بدترین عجز ان کے نزدیک سمجھدار کا عاجز ہونا ہے۔

اس لئے کہ جب اس کا علم اس شخص کے خلاف حجت بن رہا ہے جس سے اس نے علم لیا اور حاصل کیا ہے اس بات پر کہ اس کے لئے اس علم پر عمل کرنا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا لازم ہو جائے تو یہ علم اس علم حاصل کرنے والے پر زیادہ حجت بنے گا اور عمل کو اس کے لئے زیادہ لازم کرنے والا ہوگا۔ کیوں کہ علم کا مرتبہ علم کی بات کرنے سے پہلے ایسا ہی ہے جیسا کہ علم کا مرتبہ علم پر عمل کرنے سے پہلے ہے۔ ابوالعتاھیہ شاعر کہتا ہے۔

اسمع الی الاحکام تحملھا الرواۃ الیک عنکا

واعلم ھدیت بانھا　　　حجج تکون علیک منکا

(ترجمہ) ان احکام کو سن جو راوی تجھ سے تیرے لئے اٹھالاتے ہیں اور جان لے کہ تجھے ان کی رہنمائی اس لئے کی گئی ہے کہ یہ تیری طرف سے خود تیرے خلاف حجت ہوں گے۔

پھر عالم کو چاہئے کہ جس بات پر خود کاربند نہ ہو نہ کہے اور جو حکم خود بجا نہ لائے اس کا حکم نہ دے اور جس بات کو ظاہر نہیں کر سکتا اس کو لوگوں کے سامنے نہ چھپائے۔

شاعر کے اس قول:

اعمل بقولی و ان قصرت فی عملی

ینفعک قولی ولا یضررک تقصیری

(ترجمہ) کہ عمل کرو میری بات پر اگرچہ میں کوتاہی کروں اس پر عمل کرنے میں کیونکہ میری بات تم کو نفع پہنچائے گی اور میری کوتاہی سے تمہیں نقصان نہیں ہوگا۔ کو اپنی کوتاہیوں میں اپنے لئے عذر نہ بنائے کیوں کہ اس کو تو عمل نہ کرنے پر نقصان پہنچے گا اگرچہ اس دوسرے کو نہ پہنچے۔ اس لئے کہ نفس کا اصرار اس کو دھوکے میں ڈال دے گا اور اس کے لئے اس کے ہم مثلوں کو اچھا کر کے پیش کرے گا۔ سو جس شخص نے کہی وہ بات جس پر خود عمل پیرا

نہیں تو اس نے مکر کیا اور جس نے اس بات کا حکم دیا جس کو خود بجا نہیں لاتا تو اس نے فریب کیا اور جس نے اپنی کمی کو چھپایا تو اس نے منافقت کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مکروفریب اور ان کے کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔ اس بناء پر کہ ایسی بات کا حکم دینا جسے خود نہ بجالاتا ہو ایسی بات کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور ایسی بات پر نکیر کرنا جس کا اپنی ذات سے منکر نہ ہو برا سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات یہ چیز انسان کو دھوکے میں ڈالنے کا سبب بن جاتی ہے اور احکامات کو ضد کی وجہ سے چھوڑتا چلا جاتا ہے اور جس کا اسے منع کیا گیا ہے اس عمل کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔

ایک دیہاتی کی حکایت بیان کی گئی ہے کہ وہ ابن ابی الذئب کے پاس آیا اور اس سے طلاق کے متعلق مسئلہ پوچھا: ابن ابی الذئب نے اس کی بیوی پر طلاق واقع ہونے کا فتوی دیا، دیہاتی نے کہا: اچھی طرح غور کر لیجئے۔ ابن ابی الذئب نے کہا: میں نے غور کر لیا ہے، تیری بیوی تجھ سے بائنہ ہوگئی۔ وہ دیہاتی یہ اشعار کہتے ہوئے چل پڑا۔

أتيت ابن ذئب ابتغي الفقه عنده فطلق حتى البت تبت انا مله

اطلق في فتوى ابن ذئب حليلتي وعند ابن ذئب اهله و حلائله

(ترجمہ) میں ابن ذئب کے پاس مسئلہ دریافت کرنے آیا اس کی انگلیاں تباہ ہو جائیں اس نے میری جورو پر طلاق کا فتویٰ حتی کہ بائنہ ہونے کا دے دیا۔

کیا میں ابن ذئب کے فتوی پر اپنی جورو کو چھوڑ دوں؟ جبکہ ابن ذئب کے پاس اس کی بیوی اور جورویں ہیں۔

اس دیہاتی نے اپنے جہل کی وجہ سے یہ خیال کیا کہ اس شخص کے کہنے کی وجہ سے اس کو طلاق لازم نہیں ہوگی جس نے خود طلاق نہ دیکر اپنی بیوی اپنے پاس رکھی ہوئی ہو۔

بس تو تیرا کیا گمان ہے اس بات کے متعلق جس کے بجالانے میں آمر و مامور دونوں شریک ہوں؟ اس کی (آمر کی) وہ بات کیسے قبول کی جائے گی جب کہ اس بات پر خود وہ عمل پیرا نہیں اور اس بات کو قبول خود نہیں کرتا؟ ہرگز نہیں (کبھی قبول نہیں کی جائے گی)

احمد بن یوسف کہتے ہیں:

وعامل بالفجور یا مربال بر کھاد یخوض فی الظلم

او کطبیب قد شفه سقم وھو یداوی من ذلک السقم

یا واعظ الناس غیر متعظ ثوبک طھر اولا فلا تلم

(ترجمہ) بہت سے نافرمانیاں کرنے والے نیکی کا حکم دیتے پھرتے ہیں انکی مثال ایسی ہے جیسا کہ راستہ دکھانے والا خود اندھیرے میں غوطہ زن ہو۔ یا انکی مثال اس طبیب کی سی ہے جسے بیماری نے دبلا کر دیا ہو حالانکہ وہ اس بیماری کی لوگوں کو دوا بھی دے رہا ہو۔

اے لوگوں کو نصیحت کر کے خود نصیحت پر عمل نہ کرنے والے پہلے اپنے کپڑوں کو پاک صاف کر اگر نہیں تو پھر ملامت مت کر۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:

عود لسانک قلة اللفظ واحفظ کلامک ایما حفظ

ایاک ان تعظ الرجال وقد اصبحت محتاجا الی الوعظ

(ترجمہ) اپنی زبان کو کم بولنے کا عادی بنا اور اپنی بات کو یاد رکھ جو کچھ کہ یاد رکھنے کا ہے۔

اس بات سے بچ کہ تو لوگوں کو نصیحت کر رہا ہو حالاں کہ تو خود نصیحت کئے جانے کا محتاج ہو۔ بہر حال علم سے قطع تعلق ہو کر عمل کی طرف متوجہ ہونا یا عمل سے قطع تعلق ہو کر علم کی طرف دھیان کرنا جب کہ علم کے مقتضیات پر عمل بھی کر رہا ہو تو اس کے متعلق امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بات کہی ہے جو دوسری باتوں کا تکلف کرنے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ امام زہریؒ فرماتے ہیں: علم عمل سے افضل ہے مگر جاہل کے لئے اور عمل علم سے افضل ہے عالم کے لئے''

بہر حال علم اور عبادت کے درمیان فضیلت کا جو مسئلہ ہے جب کہ کسی واجب کو نہ چھوڑے اور نہ کسی فرض میں کوتاہی کرے تو اس بارے میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بروز قیامت عالم اور عابد کو اٹھایا جائے گا پس عابد سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ اور عالم سے کہا جائے گا ٹھہرو یہاں تک کہ لوگوں کی سفارش کر چکو!

تعلیم دینے میں بخل سے اجتناب:

علماء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ جس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں اس کے سکھانے میں بخل نہ کریں اور جو کچھ جانتے ہیں اس کی افادیت سے محروم نہ کریں۔ کیوں کہ اس میں بخل کرنا کمینگی اور ظلم ہے اور اس سے محروم کرنا حسد اور گناہ ہے۔ ان کے لئے بخل کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے جب کہ ان کو یہ علم دریا دلی کے ساتھ بخل کئے بغیر عطا کیا گیا ہے اور انہوں نے اس علم کو بڑھ چڑھ کر بغیر کچھ خرچ کئے حاصل کیا ہے؟ اور پھر کیوں کر اس علم میں بخل کرنا جائز ہو جب کہ علم خرچ کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور اس کو چھپائیں تو کم ہوتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے؟

اگر ان علماء کے پیش رو بھی یہی طریقہ اختیار کرتے تو علم ان تک بھی نہ پہنچتا اور ہم یہ قرض ان سے وصول نہ کر سکتے جیسا کہ انہوں نے وصول کیا اور ایک عرصہ کے بعد جہلاء میں شمار کیے جاتے اور حالات کی گردش کے ساتھ ساتھ ذلیل وخوار ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا اور اس کو پوشیدہ مت رکھنا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے ارشاد فرمایا: علم کو علم سیکھنے والے سے مت روکو کیوں کہ اس روکنے میں تمہارے دین کا فساد ہے اور تمہاری بصیرتوں کا خلط ملط ہو جانا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(ترجمہ) جو لوگ اخفاء کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں) اور (دوسروں کے لئے) ہادی ہیں بعد اسکے کے کہ ہم ان کو کتاب (الٰہی تورات وانجیل) میں عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت فرماتے ہیں اور (دوسرے بہتیرے) لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے علم کو چھپایا جسے وہ اچھی طرح جانتا تھا تو بروز قیامت اس شخص کے منہ میں اللہ تعالیٰ آگ کی لگام ڈالیں گے"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جاہلوں سے یہ عہد نہیں لیا کہ وہ سیکھیں ہاں! عالموں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ سکھائیں"۔

کسی حکیم کا قول ہے: جب حکمت کے قواعد میں سے یہ بات ہے کہ اس چیز کو خرچ کرنا چاہئے جسے خرچ کرنا کم کر دیتا ہے تو زیادہ لائق قواعد حکمت کے یہ بھی ہے کہ خرچ کیا جائے اس چیز کو جسے خرچ کرنا بڑھا دیتا ہے۔

ایک عالم فرماتے ہیں: جیسے علم حاصل کرنا متعلم کے لئے نفل ہے ایسے ہی علم سے فائدہ پہنچانا عالم پر فرض ہے۔ منثور الحکم میں یہ بات کہی گئی ہے کہ: جس نے علم کی بات چھپائی گویا وہ اس بات سے جاہل ہے۔

خالد بن صفوان کہتے ہیں: سکھانے میں مجھے زیادہ فرحت حاصل ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ میں کسی سے سیکھوں۔

پھر اس عالم کو اس کی تعلیم دینے پر نفع میں دو باتیں حاصل ہوں گی۔

(۱) تعلیم دینا اس کو اللہ تعالیٰ سے ثواب کا امیدوار بنائے گا۔ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تعلیم کو صدقہ فرمایا ہے سو ارشاد ہے:

اپنے بھائی پر صدقہ کرو ایسی تعلیم کے ذریعے جو اس کی رہ نمائی کرے اور ایسی رائے کے ذریعے جو اسے درستگی اور اصلاح تک پہنچائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ عالم اور متعلم اجر میں برابر ہیں، صحابہ رضوان علیہم اجمعین نے دریافت فرمایا: ان دونوں کا اجر کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سو بار مغفرت اور جنت میں سو درجات بلند ہوں گے۔

(۲) تعلیم دینے سے دوسرا نفع علم میں اضافہ اور حفظ میں پختگی ہے۔ خلیل بن احمد فرماتے ہیں: دوسروں کی تعلیم کو اپنے علم کے لئے تکرار بناؤ اور طالب علم کے بحث ومباحثہ کے ذریعے اس علم کے لئے ہشیار ہو جاؤ جو تمہارے پاس نہیں۔

ابن المعتز نے منثور الحکم میں فرمایا: آگ سے جتنا لیا جائے وہ کم نہیں ہوتی لیکن

اس میں لکڑی نہ ڈالنا اسے بجھا دیتا ہے اسی طرح علم ہے کہ اس سے فائدہ حاصل کرنے سے علم کم نہیں ہوتا لیکن طالب علموں کا فقدان اس کے ختم ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس لئے سیکھے ہوئے علم میں بخل کرنے سے بچو!

ایک عالم فرماتے ہیں: اپنا علم دوسرے کو سکھاؤ اور دوسرے کے علم کو سیکھتے رہو۔

تو جس چیز سے آپ جاہل ہیں اس کو جان لیں گے اور جو کچھ جانتے ہیں وہ یاد ہو جائے گا۔

طالب علم کی دو قسمیں:

طالب علم دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جسے علم کے حاصل کرنے کے لئے بلایا گیا ہو دوسرا وہ جو خود طالب بن کر آیا ہو۔ سو جسے تعلیم کے لئے بلایا گیا یہ وہ طالب علم ہے جسے (استاد) عالم بلاتا ہے اس وجہ سے کہ (استاد) عالم کے سامنے اس طالب علم کی بہت زیادہ ذکاوت اور دل جمعی ظاہر ہو جاتی ہے۔

چناں چہ عالم کے بلانے میں اور طالب علم کی رغبت علم میں موافقت ہو جائے (یعنی طالب علم یک سوئی کے ساتھ اس علم کو حاصل کرلے جس کی طرف اسے بلایا گیا ہے) تو اس موافقت کا نتیجہ شرافت کے پالینے اور نیک بختی کے حاصل ہو جانے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس لئے کہ عالم اپنے بلانے کے مقصد کو پوری طرح ادا کرے گا اور طالب علم اپنی رغبت اور ذکاوت کی بدولت زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرے گا (تو نتیجہ بھی پورا پورا ظاہر ہوگا)

اور بہر حال دوسرا وہ طالب علم ہے جسے بلایا نہیں گیا بلکہ وہ خود طالب بن کر آیا ہے تو اس میں علم کی طلب کسی داعیہ اور ترغیب دینے والی چیز کی وجہ سے پیدا ہوئی ہوگی۔

سو اگر اس کے علم کے طلب کرنے کا داعیہ دین داری ہو اور وہ طالب علم ذہین اور فطین ہو تو عالم (استاد) پر واجب ہے کہ اس کی طرف توجہ دے اور اس کو علم سکھانے میں کسی طرح کی کمی نہ کرے نہ کسی مسئلہ کو چھپائے اور نہ ہی کسی مسئلہ کی وضاحت سے اعراض کرے اور اگر وہ طالب علم کند ذہن اور غبی ہے تو اسے تھوڑا علم حاصل کرنے سے نہ روکا جائے کہ وہ

کہیں محروم ہی نہ ہو جائے اور اس پر زیادہ بوجھ بھی نہ ڈالا جائے کہ اس پر ظلم ہو جائے۔ نیز اس کے کند ذہن ہونے کو اس علم سے محروم ہونے کا ذریعہ نہ بنائے اس لئے کہ علم کی رغبت اور شوق نے اسے علم کے حصول کی طرف متوجہ کیا ہے اور (عالم کا اس کی کند ذہنی پر) صبر کرنا موثر ہوگا (اس طالب علم کے اعلیٰ مراتب حاصل کرنے میں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طالب علم کو علم حاصل کرنے سے نہ روکو ورنہ تم ظالم ہو گے اور غیر طالب علم کو علم سکھا کر علم ضائع مت کرو نہیں تو تم گناہ گار ہو گے۔

کسی حکیم کا قول ہے: علم سے کسی کو نہ روکو کیوں کہ خود علم میں نااہل کو روکنے کی طاقت زیادہ ہے۔ البتہ طالب علم کا مقصود دین داری کے سوا کچھ اور ہو تو اس میں یہ دیکھیں گے کہ وہ داعیہ اگر جائز ہے جیسے کوئی شخص شرافت یا حکومتی عہدہ کے حصول کے لئے علم طلب کرے تو اس کے ساتھ تعلیم دینے میں پہلے طالب علم جیسا سلوک کیا جائے گا (عالم پوری توجہ کے ساتھ اسے علم سکھائے گا) اس لئے کہ علم ایک نہ ایک دن اسے دین کی طرف خود موڑ دے گا اگر چہ اس کی غرض اور مقصود اس وقت دین داری کا حصول نہ ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی حکایت ہے وہ فرماتے ہیں: ہم نے علم کو غیر اللہ کے لئے حاصل کیا مگر علم نے انکار کیا سوائے یہ کہ اللہ کے لئے ہو کر رہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: ”ہم نے دنیا کے لئے علم حاصل کیا لیکن اس علم نے دنیا کے چھوڑنے پر ہماری رہنمائی کی“

اگر طالب علم کے طلب علم کا سبب اور داعی کوئی ممنوع اور حرام چیز ہو جیسے آدمی اپنے اندر چھپے شر اور باطنی فریب کی وجہ سے علم کی طرف متوجہ ہو تا کہ اس علم کو دین میں شبہ پیدا کرنے اور فقہی مسائل میں ایسی حیلہ سازیوں کے لئے استعمال کرے کہ سلامتی والے لوگوں کے لئے ان سے چھٹکارہ نہ ہو اور ان کا حل مسدود ہو جائے (کوئی راستہ نہ پاسکیں)

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کو دو شخص ہلاکت میں ڈالنے کا ذریعہ بنیں گے ایک گناہ گار عالم دوسرا شریعت کے احکام سے ناواقف عبادت گزار شخص“۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت فرمایا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم !لوگوں میں بدترین لوگ کون ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علماء جب وہ فساد پھیلانے لگیں۔

تو عالم کے لئے مناسب ہے کہ جب کسی طالب علم کو اس فاسد غرض والا پائے تو اسے علم کی طلب سے محروم کردے اور اس کو اس کی منزل کی جستجو سے دور کردے اور اس کے مکر کے جاری رہنے اور اس کے شر کے کمال تک پہنچنے سے اسے روک دے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نااہل لوگوں کو علم پیش کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ خنازیر کے گلے میں سونے اور جواہرات کا ہار پہنانے والا۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں: خنزیر کے گلے میں موتیوں کی مالامت ڈالو"۔

اور علم افضل ہے موتیوں سے تو جو شخص اس علم کا حق دار نہیں وہ خنزیر سے بھی بدتر ہے۔

ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک طالب علم نے استاذ سے کسی علم کے بارے میں سوال کیا تو استاذ نے اسے جواب نہیں دیا۔ استاذ سے دریافت کیا گیا: آپ نے اسے جواب سے کیوں محروم کیا؟ تو استاذ نے جواب دیا: ہر مٹی کے لئے ایک پود ہوتی ہے اور ہر تعمیر کی ایک بنیاد ہوتی ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے: ہر کپڑے کے لئے پہننے والا ہوتا ہے اور ہر علم کے لئے حاصل کرنے والا ہوتا ہے۔

کسی ادیب نے فرمایا: مرثیہ پڑھ اور نوحہ کر ایسے باغ پر جس میں خنزیر ہو۔ (جس باغ کو خنزیر نے اپنا مسکن بنایا ہو) اور رو ایسے علم پر جس کو غلط لوگوں نے حاصل کیا ہو۔

عالم کے لئے فراست کی اہمیت وضرورت کا بیان:

مناسب ہے کہ عالم ایسی فراست والا ہو جو اسے طالب علم کی پہچان کرادے تاکہ طالب علم کی علمی استعداد کی قوت کے منتہاء اور علمی استحقاق کی قدر ومنزلت کو جان لے اور

طالب علم کے علمی استحقاق کا اندازہ کرنے میں بہت باخبر ہو اور اس کے بعد اسے اتنا علم دے جتنا وہ اپنی ذہانت کی بنا پر حاصل کر سکے یا کند ذہنی کی بناء پر اس سے کم کر دے یہ فراست عالم کے لئے ضروری ہے اس لئے کہ اس میں عالم کو راحت اور طالب علم کے لئے زیادہ کامیابی کا باعث ہے۔

حضرت ثابت نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو فراست کے ذریعے لوگوں کو جان لیتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جس چیز کو میں نے نہیں دیکھا اسے جب تک (بغیر مشاہدہ) نہ جان لوں (اپنی فراست سے) تو میں اسے دیکھ لینے کے بعد بھی نہیں جان سکتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس شخص کی زندگی میں کوئی خیر نہیں جو ان دیکھے معاملے میں اپنی رائے نہ پیش کر سکے جب تک اس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے نہ کر لے۔ ابن الرومی کہتا ہے ؎

الـمـعـی یـری بـاول رای آخر الامر من وراء المغیب

لـوذعـی لـه فـؤاد ذکـی مـالا فی ذکـائـه من ضریب

لایـروی ولا یـقـلـب طـرفـا واکف الـرجـال فی تـقـلیـب

(ترجمہ) المعی معاملہ کی تہہ کو پہلی ہی رائے کے ذریعہ معلوم کر لیتا ہے حالاں کہ معاملہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

لوذعی کے پاس ایسے ذہین آدمی کا دل ہے جس کی ذہانت کی مثال ایسی ہے کہ یہ نہ غور و فکر کرے نہ پلکیں جھپکے جبکہ لوگ ندامت میں پڑے ہوئے ہوں"۔

اور جب عالم ان صفات کے ساتھ طالب علم کو فراست کے ذریعہ جاننے والا اس کے استحقاق کی مقدار جانتا ہوگا تو نہ اس کی توجہ ضائع جائے گی نہ کوئی طالب علم اس کے ہاتھوں ناکام ہوگا۔

اور جب طالب علم کو فراست کے ذریعے جاننے والا نہ ہو اور طالب علم کے احوال اور ان کی علمی استحقاق کا منتہاء اس عالم پر مخفی ہو تو یہ عالم (استاد) اور طالب علم دونوں کے لئے نامرادی اور ایسی تھکن ہے جس کا کوئی نفع نہیں۔ اس لئے کہ یہ بات بعید نہیں ہے کہ ان طالب علموں میں کوئی طالب علم ذہین ہو جو زیادہ علم کی طرف محتاج ہو اور کوئی طالب علم کند ذہن ہو جس کے لئے تھوڑا علم کافی ہو تو ذہین طالب علم اس عالم سے تنگ ہو جائے گا اور کند ذہن اس سے عاجز آ جائے گا۔ جس استاذ کے شاگرد عجز اور تنگی کا شکار ہو جائیں وہ استاذ سے اکتا جاتے ہیں اور استاذ ان سے اکتا جاتا ہے۔

عبداللہ بن وھب نے حکایت نقل کی ہے کہ حضرت سفیان بن عبداللہ فرماتے ہیں حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: اے علم کی طلب کرنے والے! کہنے والا سننے والے سے کم اکتاتا ہے۔

اے موسیٰ! جب تم اپنے ہم نشینوں کو وعظ کرو تو انہیں اکتا نہ دینا۔ جان لو! تمہارا دل ایک برتن کی مانند ہے سو تم دیکھ لو کہ اس میں کیا بھر رہے ہو۔

ایک حکیم کا قول ہے: بہترین علماء وہ ہیں جو بلا کم و کاست اکتاہٹ میں نہ ڈالتے ہوئے بیان و وعظ کریں۔

ایک عالم کہتے ہیں: ہر وہ علم جو سننے والے پر زیادہ بوجھ ہو جائے اور سمجھ میں بھی نہ آئے وہ دل کے اندھے پن کو بڑھانے کا سبب بنتا ہے اور بلاشبہ یہ علم کانوں کی سماعت کے لئے تب نفع بخش ہے جب جسموں کے اندر دلوں کی سمجھ کو پختہ کرے۔

ارباب اقتدار کے لئے طریقہ تعلم:

بسا اوقات بادشاہوں میں بھی اپنے نفس کو بافضیلت بنانے اور طبعی شرافت کی وجہ سے علم کے حصول کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ عالم اسے (علم کی رغبت کو) بادشاہ کے ساتھ بے تکلفی کا ذریعہ نہ بنائے نہ اس پر بھروسہ کرے۔ بلکہ اسے عطا کرے وہ علم جس کا وہ بادشاہت اور بلند مرتبے کی وجہ سے مستحق ہے۔ اس لئے کہ بادشاہ کی تعظیم اور فرماں برداری

کرنا اس کا حق ہے اور عالم کا اس کو قبول کرنا اور اس کا اکرام کرنا اس کا حق ہے۔

پھر مناسب یہی ہے کہ عالم اس میں پہل کرے یہ اس لیے کہا گیا جب اس سے طلب کیا جائے اور جتنا علم بادشاہ کو کفایت کرے اس پر اکتفاء نہ کرے کیوں کہ بعض علماء کے نزدیک بادشاہ کے سامنے اپنے علم کا اظہار محبوب ترین فعل ہے چنانچہ وہ زیادہ معلومات جھاڑنے لگتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ اکتاہٹ اور دوری کا ذریعہ بن جاتا ہے (ایسا اس لئے ہوتا ہے) کہ بادشاہ کی فکر منتشر اور بٹی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ پوری سلطنت پر نظر رکھے ہوئے ہوتا ہے۔ تو اس کے پاس طالب علموں کی طرح فراغت نہیں اور نہ ہی اس کے پاس طالب علموں کا سا صبر ہے۔

ھارون رشید کی استاد سے درخواست:

حضرت اصمعیؒ نے حکایت نقل کی ہے: کہ فرماتے ہیں ہارون رشید نے مجھ سے کہا: اے عبدالملک! آپ علم میں ہمارے بڑے ہیں اور عقل میں ہم آپ سے بڑھ کر ہیں سو ہمیں لوگوں کے سامنے تعلیم مت دیجئے اور تنہائی میں ہمیں نصیحت کرنے میں جلدی مت کیجئے اور ہمیں چھوڑ دیجئے تاکہ ہم خود سوال کرنے میں ابتداء کرسکیں پھر ضرورت کی بقدر جب آپ جواب دے چکیں تو اس پر اضافہ نہ کریں ہاں! اگر ہم خود آپ سے وضاحت کے طلب گار ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں اور آپ اس طریقہ پر غور کرلیجئے جو ادب سکھانے میں زیادہ لطیف اور عمدہ ہو اور تعلیم دینے میں زیادہ منصفانہ ہو اور آپ مختصر الفاظ میں صحیح بات بیان کرسکیں۔

تعلیم بشکل مذاکرہ ومحاضرہ دی جائے:

معلم کو چاہئے کہ تعلیم میں وہ مذاکرہ اور محاضرہ (بطور تکرار) کا انداز اپنائے محض تعلیم دینا اور افادہ پیش نظر نہ ہو کیونکہ تعلیم کے حصول میں کوتاہی کی شرمندگی موجود ہوتی ہے اور بادشاہ کا مرتبہ شرمندگی جیسے افعال کے لئے نہیں اس کی عزت بہت بلند ہوتی ہے۔

اور اگر بادشاہ سے کسی عمل یا قول میں کوئی غلطی واقع ہو جائے تو کھلم کھلا اس پر رد نہ

کردے بلکہ غلطی کا تدراک اور اصلاح کرنے میں اشارہ وکنایہ سے کام لے۔

حکایت منقول ہے کہ عبدالملک بن مروان نے امام شعبی رحمتہ اللہ تعالیٰ سے کہا: آپ کی عطاء کتنی ہے؟ یا آپ کو کتنے عطاء کروں؟ (کم عطاء ک؟ قال الشعبی الفین) امام شعبی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دو ہزار۔ اس پر عبدالمک نے کہا: آپ نے غلطی کی۔ امام شعبیؒ نے جواب دیا: جب امیر المومنین نے اعراب چھوڑ دیا تو میں نے ناپسند کیا کہ میں اپنے کلام کو اعراب دوں۔ (عبدالملک نے عطاء کے ھمزہ کو زبر دیا جبکہ پیش آنا چاہئے اور شعبی نے ''الفان'' کہنے کے بجائے ''الفین'' کہا)

اس صورت میں کہ بادشاہ امور دینیہ سے کنارہ کشی کرے اور حق کی مخالفت کرے تو عالم کو اس کی پیروی اور اس کی رائے وخواہش کی موافقت سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اکثر ایسا ہوا کہ شوق ورغبت کی وجہ سے یا خوف وہراس کی وجہ سے علماء کے قدم اس میں پھسل گئے ہیں چناں چہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور اپنی آخرت خراب کی اور تاریخ میں تذکرہ بھی برا کرلیا۔

حضرت حسن بصریؒ روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امت اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں خیر پر قائم رہے گی جب تک کہ ان کے قراء مالداروں کی طرف مائل نہ ہوں نیکوکار لوگ گناہ گاروں کے سامنے کمزور نہ پڑیں اور امت کے بہترین لوگ بدترین لوگوں سے جھگڑنے نہ لگیں اور جب یہ ایسا کرنے لگیں گے۔ تو اللہ کی مدد ان سے اٹھ جائے گی اور ان پر ان کے متکبر اور ظالم لوگوں کو مسلط کر دیا جائے گا۔ جو ان کو برا عذاب دیں گے اور اللہ ان پر فقر وفاقہ ڈال دے گا اور ان کے قلوب کو رعب وہیبت سے بھر دے گا۔

علماء مشتبہ کمائی سے اور مانگنے سے پرہیز کریں:

علماء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مشتبہ کمائی کے راستوں سے اپنے نفس کو پاک رکھیں اور گذارے کی مقدار پر قناعت رکھیں طلب کرنے کی مشقت سے بچیں۔

کیوں کہ مشتبہ کمائی کے راستوں میں پڑنا گناہ ہے اور مانگنے کی مشقت اٹھانا ذلت ہے جب کہ گناہ میں پڑنے سے ثواب کا ملنا زیادہ مناسب ہے اور ذلت اٹھانے سے زیادہ عزت کا پانا لیاقت کی بات ہے اور جب کہ علم ہر لذت کا عوض اور ہر خواہش سے بے پرواہ کرنے والا ہے تو جو شخص بھی علم میں مخلص ہوگا تو اس کے سامنے علم کے سوا دوسری ضروریات کی کوئی اہمیت نہ ہوگی۔ کسی بلیغ کا قول ہے: جس نے علم کی وجہ سے تنہائی اختیار کی تو یہ تنہائی اسے وحشت میں نہیں ڈالے گی اور جس نے کتابوں کو تسلی کا سامان بنایا تو اسے تسلی حاصل ہو جائے گی جس نے تلاوت قرآن سے انس کیا تو دوستوں کی جدائی اسے وحشت زدہ نہیں کرے گی۔ کسی عالم نے فرمایا: علم جیسا کوئی بات کرنے والا ساتھی نہیں اور بردباری جیسا کوئی مددگار نہیں۔

تعلیم دینے میں رضائے الٰہی کو مقصود بنائیں:

علماء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو علم سکھانے سے رضائے الٰہی کے طلب گار ہوں اور لوگوں کی رہنمائی کرنے میں ثواب کے خواست گار ہوں۔ یہ نہ ہو کہ اس پر کسی قسم کا معاوضہ طلب کریں نہ ہی اس کی بنیاد پر رزق کی جستجو کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور مت لو بمقابلہ میری آیات کے حقیر معاوضہ۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں: یعنی اس پر اجرت مت لو! اور پہلی کتاب میں ان کے پاس یہ بات لکھی ہوئی ہے: اے ابن آدم: علم کو بلا معاوضہ سکھاؤ جیسے تمہیں بلا معاوضہ سکھایا گیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استاذ و معلم کا اجر و ثواب روزے دار تہجد گزار جیسا ہے اور کافی ہے اس شخص کو اپنا ثواب کہ اسے تلاش کرے۔

طالب علموں سے برتاؤ کا بیان:

علماء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ طالب علموں کے ساتھ خیر خواہی اور نرمی والا معاملہ کریں اور ان پر علم کا راستہ آسان بنا دیں اور اپنی تمام تر کوششوں اور توانائی کو ان کی مدد اور ان کے سہارا دینے میں خرچ کریں اس لئے کہ یہ ان کا اجر و ثواب بڑھانے کا باعث ہے

اوران کا نام روشن کرنے کا ذریعہ ہے اوران کے علوم کی نشر واشاعت میں اضافے کا سبب ہے اوران کی اپنی معلومات کوان کے اندر مزید سے مزید تر راسخ کرنے کا وسیلہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: اے علی! تمہارے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کسی شخص کوراہ راست پر لے آئے تو یہ تمہارے لئے سارے جہاں سے بہتر ہے۔

طالب علم سے اچھا سلوک کریں:

اور علماء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ طالب علم سے تکبر سے پیش نہ آئیں نہ ہی کسی نئے طالب علم کی تحقیر کریں اور کسی ابتدائی طالب علم کو چھوٹا نہ سمجھیں کیونکہ علماء کا اچھا رویہ طالب علم کوان کی طرف آنے کا اچھا داعیہ وسبب ہوگا اوران پر زیادہ نرمی کا باعث ہوگا اوران علماء کے پاس موجود علم کے حصول کی رغبت دلانے میں زیادہ معین ومددگار ثابت ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم سکھاؤ اور تکبرانہ رویہ اختیار نہ کرو، اس لئے کہ معلم (استاد) متکبر سے بہتر ہے۔

اور ایک روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی عزت کرو جن سے تم نے علم سیکھا اور جن کو سکھاؤ ان کی بھی عزت کرو۔

طالب کو علم سے دور نہ کریں:

اور علماء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کسی طالب علم کو علم حاصل کرنے سے نہ روکیں اور نہ ہی کسی شوق رکھنے والے طالب علم کو متنفر کریں۔ نہ کسی طالب علم کو مایوسی سے ہم کنار کریں اس لئے کہ اس سے ان میں علم کی رغبت کے ختم ہونے کا قوی اندیشہ ہے اوراس سے علم کی طرف سے بے رغبتی پیدا ہو جائے گی۔

اور ایسے رویہ کا برقرار رکھنا علم کے ختم ہونے کا ذریعہ بن جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں خبر نہ دوں ایسے فقیہ کی جو کامل فقیہ

ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! (ضرور خبر دیجئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کامل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کریں نہ ہی ان کو اللہ کے لطف و کرم سے مایوس بنائے اور قرآن کو قرآن کے علاوہ کسی اور طرف رغبت کرنے کی وجہ سے نہ چھوڑے سنو! کوئی خیر نہیں اس عبادت میں جس میں فقاہت نہ ہو اور کوئی خیر نہیں اس علم میں جو سمجھ میں نہ آئے اور کوئی خیر نہیں اس قرأت میں جس میں غور وفکر نہ ہو۔

چنانچہ یہ ہدایات کافی ہیں اور اللہ ہی توفیق کا منتظم ہے۔

ادب دین

جان لیجئے کہ بیشک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کو عبادت کو مُکلّف بنایا اور ان پر اپنے فرض کیے اعمال لازم کیے۔ ان کی طرف رسول بھیجے دین مشروع کیا حالانکہ اسے ان کو مکلّف بنانے اور اپنی عبادت پر لانے کی کوئی ضرورت واحتیاج نہ تھی۔ اس نے صرف ان ہی کے فائدے کو چاہا محض اپنا فضل کیا جیسا کہ اس کے فضل ونعمت کا شمار حد سے باہر ہے بلکہ ان لوگوں کی عبادت کی نعمت زیادہ بڑی ہے کیونکہ عبادات کے سوا چیزوں کا نفع دنیا میں عجلت کے ساتھ ہے اور عبادات کا نفع دنیا وآخرت کے فوائد پر مشتمل ہے اور جو چیز دنیا اور آخرت دونوں کے فوائد کو جامع ہے وہ زیادہ بڑی نعمت ہے اور اس میں فضل زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادات کو عقل متبوع (جسکی پیروی کی جائے) اور مسموع شریعت سے ماخوذ بنایا۔ عقل کی اس معاملے میں بات مانی جاتی ہے جسے شریعت منع نہیں کرتی اور مسموع شریعت کا مطلب یہ ہے کہ جس سے عقل منع نہیں کرتی۔ اس لئے کہ شریعت ایسے مسائل لیکر وارد نہیں ہوئی جسے عقل منع کرتی ہو اور عقل کی وہاں بات نہیں مانی جاتی جہاں شریعت منع کرے اسی لئے مکلّف ہونے کا عمل اس بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس کی عقل کامل ہو چکی ہوتی ہے۔ (یعنی بالغ)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ تمام ادیان پر اسے غالب کردے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس کی رسالت کو لوگوں تک پہنچایا اور ان پر حجت لازم کردی شریعت کو واضح کردیا اور ان کے سامنے اللہ کی کتاب تلاوت کی جس میں اس کے حلال وحرام، مباح وممنوع، مستحب ومکروہ، اوامر ومناھی، نیکوں کو ثواب کے وعدے بروں کو عذاب کی وعیدیں ہیں۔ اس کا وعدہ ترغیب اور وعید ترھیب تھی چونکہ رغبت فرمانبرداری پر ابھارتی ہے اور ترہیب گناہوں سے روکتی ہے۔ مکلّف کرنا فرمانبرداری کے حکم اور گناہوں سے ممانعت کو جامع ہے اسی لئے مکلّف کرنا رغبت اور رہبت دونوں سے ملا ہوا عمل ہے۔

اسی کتاب میں گذشتہ دور کے انبیاء کرام علیھم السلام کے قصے گذشتہ امتوں کے

نصیحت اور عبرت سے بھر پور واقعات ہیں ان کے ذریعے بھی رغبت قوی اور رہبت بڑھتی ہے۔ یہ سب کچھ اس کے ہم پر لطف و کرم اور فضل کی وجہ سے اس نے کیا۔ سو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جسکی نعمتوں کا شمار نہیں اور اسکا حق شکر ادا نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مجمل کا بیان اور مشکل کی تفسیر اور احتمال کی تحقیق کر دی تا کہ رسالت کی تبلیغ کے ساتھ اختصاص کی وضاحت اور ظہور اور تفویض کا مرتبہ بھی عیاں ہو جائے۔

ارشاد ربانی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ذکر نازل فرمایا تا کہ آپ لوگوں کو ان کی طرف نازل ہونے والی (آیات) وضاحت کے ساتھ) بیان فرما دیں اور تا کہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔

علماء کی ذمہ داری:

پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علماء کو یہ ذمہ داری دیدی کہ جن کے معانی پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کر دی تھی ان مسائل کا استنباط کریں اور پھر ان مسائل کے اصول کی طرف اشارہ کر دیا تا کہ وہ اجتہاد کر کے اس کی مراد تک پہنچ سکیں اور اس کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز ہو جائیں اور اجتہاد کے ثواب کے لئے مختص ہو جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور اہل علم کو کئی درجے بلند فرمائے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ. الآيه.

اور ان (متشابہات) کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور علم میں رسوخ رکھنے والے حضرات۔　　　　(آل عمران [1])

---

[1] اس آیت میں اہل کلام کا اختلاف ہے بعض اہل کلام کے نزدیک یہاں والراخون سے پہلے وقف لازم ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا بعض اہل کلام کے نزدیک وقف لازم نہیں اور اسکا مطلب ہے کہ اللہ اور راسخین فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا مصنف شاید دوسرے مسلک پر ہیں اول مسلک احناف وغیرہ کا ہے۔

چنانچہ کتاب اللہ اصل بنیاد قرار پائی ''سنت نبویہ'' اس کی فرع اور علماء کرام کا استنباط وضاحت اور تفسیر قرار پائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن علم شریعت کی اصل ہے نص اس کی دلیل ہے اور حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے اور اس پر متحد امت اس سے اختلاف کر کے الگ ہو جانے والے لوگوں کے خلاف حجت ہے۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے نرمی اور فضل کا معاملہ ہے کہ اس نے جو کچھ ان پر واجب فرمایا بندوں کو اس چیز پر قدرت دی اور عمل اس پر آسان بنایا اور اپنی بندگی میں آنے والی مشکلات اور حرج کو دور کیا تاکہ بندے اپنے لئے اس کی تیار کی ہوئی (جنت) کے حصول کے لئے فرمانبرداری کے کام کرتے ہوئے اور گناہوں سے بچتے ہوئے ہمت باندھ لیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی طاقت سے باہر تکلیف نہیں دیتا۔ (عمل کا مکلف نہیں بناتا) ایک اور ارشاد ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین میں کوئی حرج (مشکل) نہیں رکھا''

مکلّف احکام کی اقسام:

پھر اللہ تعالیٰ نے ان احکام مکلفہ کی تین قسمیں رکھیں۔

ایک قسم کے تو اعتقاد کا حکم فرمایا اور ایک قسم کے احکام کو عمل میں لانے کا حکم دیا اور ایک قسم کے اعمال سے انہیں بچنے اور باز رہنے کا حکم دیا تاکہ احکام مکلفہ کی مختلف جہات ہونے کی وجہ سے قبول کے لئے زیادہ باعث ہو اور اعمال کے کرنے پر مدد و معاون ثابت ہو۔ یہ بس اس کی حکمت اور لطف کی وجہ سے ہے۔

اعتقادی احکام کی اقسام:

پھر اللہ تعالیٰ نے اعتقادی احکام کی دو قسمیں بنائیں ایک قسم کو مثبت اور دوسری کو منفی بنایا۔

قسم اثبات:

قسم اثبات اس کی توحید اور صفات کا اثبات ہے۔ اس کے رسول کی بعثت کا اثبات ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی شریعت اور اعتقادات کا اثبات ہے۔

قسم نفی:

قسم نفی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی بچوں اور باپ کے وجود کی نفی اس کے ضرورت مند یا اس کی طرف بری باتوں کی نسبت کی نفی وغیرہ یہ دونوں اقسام وہ ہیں جسکا عقلمند کو سب سے پہلے مکلّف بنایا گیا ہے۔

عملی احکام کی اقسام:

اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ان کی تین قسمیں بنائیں ایک قسم ان کے جسموں (بدن) پر جیسے نماز روزہ دوسری ان کے اموال پر جیسے زکوۃ اور کفارہ، تیسری ان کے ابدان اور اموال دونوں پر جیسے حج اور جہاد۔

اقسام اس لئے بنائیں تا کہ انکار کرنا آسان اور ان کو ادا کرنا خفیف ہو اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بندوں پر نظر اور فضل کی شان ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے بچنے اور باز رہنے کا حکم دیا ہے اس کی بھی تین قسمیں بنائیں۔ ایک قسم ان کے نفوس کے احیاء اور ابدان کی اصلاح کے حوالے سے جیسے قتل کی ممانعت گندی چیزوں کے کھانے شراب وغیرہ پینے جن سے عقل فاسد یا زائل ہوتی ہے سے ممانعت۔

اور دوسری قسم ان کے آپس میں جوڑ اور اصلاح کے حوالے سے جیسے غصہ کرنے، تسلط جمانے، ظلم کرنے، اور قطع رحمی اور نفرت کی حد تک لیجانے والے اسراف سے ممانعت (جس میں مال، مزاح وغیرہ سب شامل ہیں)

تیسری قسم نسبوں کی حفاظت محرمات کی تعظیم کے حوالے سے جیسے زنا اور محرم خواتین سے نکاح کرنے کی ممانعت۔

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے ہمیں ممانعت کا حکم کیا ہے یہ حکم بھی اس حکم کی طرح نعمت ہے جس میں احکام کی بجا آوری کا حکم دیا اور اس میں بھی وہی فضل ورحم ہے جو احکام کی بجا آوری کے احکام میں ہے۔ تو کیا کوئی عقلمند ان ماموارت میں کوتاہی کی گنجائش رکھ سکتا ہے جب کہ یہ اس کے لئے نعمت ہیں؟؟ یا ممانعت والے احکام کو ممانعت کے باوجود کرنے کی جسارت کرسکتا ہے جبکہ ممانعت اس پر فضل ورحمت ہو؟؟ کیا جس شخص کو نعمت عطا کی گئی ہو اور وہ اس نعمت کا شدید محتاج ہونے کے باوجود اس کو نظر انداز کرے اسے بے وقوف اور خراب عقل والے کے علاوہ کچھ اور کہا جاسکتا ہے؟ اور پھر جبکہ اس پر وعید بھی شدید موجود ہو؟

پھر اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر احسان لطف وکرم میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے ہر فریضے میں نفل (فاضل از فرض) بھی رکھے اور اس کا ثواب بھی پورا عطا کیا اور اسے ان کے لئے مستحسن قرار دیا۔ ایک نیکی پر دس گناہ ثواب رکھا تا کہ کرنے والے کا اجر کئی گنا بڑھ جائے اور نفل کو ترک کرنے والے پر عذاب بھی نہیں رکھا۔

عبادت کے دو احوال:

اس کی حکمت لطیف کی شان یہ بھی ہے کہ اس نے ہر عبادت کے لئے دو احوال بنا دیئے ایک کمال کا دوسرا جواز کا۔ اس نے یہ سب اپنی مخلوق پر نرمی کے لئے کیا کیونکہ اسے علم تھا کہ اس کی مخلوق میں جلد بازی، سستی، گرانی موجود ہے اور کامل طریقے پر عبادت پر صبر نہ کرسکنے والے بھی ہیں اور اس لئے کہ اس کی عبادت کی ہیات میں خلل نہ آئے اور فرض میں قدح نہ لگے اور اس کے اجر میں رکاوٹ نہ ہو۔ یہ اس کی ہم پر نعمت اور حسن نظر ہے۔

تصدیق نبوت کے بعد بدنی عبادات:

تصدیق نبوت کے بعد اولین فرض بدنی عبادات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بدنی عبادات کو مالی عبادات پر مقدم اس لئے فرمایا کہ نفوس انسانی مال خرچ کرنے میں ذرا کنجوس اور بدنی مشقت پر آمادہ ہوتے ہیں اور یہ دو عبادات ہیں نماز اور روزہ پھر نماز کو روزے پر مقدم کیا کیونکہ نماز زیادہ آسان عمل ہے اور نماز کو خضوع اور ابتہال (عجز وانکساری) پر مشتمل رکھا

کیونکہ خضوع خوف وخشیت کے باعث اور ابتہال رغبت کی بناء پر ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کررہا ہوتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ غور کرے کہ کس سے سرگوشی کررہا ہے؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو ایک مرتبہ انکا رنگ پیلا اور پھر لال ہوجاتا تو کسی نے آپ سے اس کیفیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''مجھے وہ امانت دی گئی ہے جو آسمانوں اور زمین کو دی گئی تو انہوں نے اس کا بار اٹھانے سے منع کردیا اور میں نے وہ بار اٹھالیا ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ میں اچھی طرح نبھا سکوں گا یا نہیں؟

نماز میں شرائط کا لزوم:

پھر نماز کے لئے چند شرائط لازم قرار دیں مثلاً باوضو ہونا اور گندگی سے پاک ہونا تاکہ صفائی رب تعالیٰ سے ملاقات کے لئے ہمیشہ رہے اور طہارت فرض کی ادائیگی کے لئے ہو۔ پھر نماز کے ضمن میں اپنی نازل کردہ کتاب کی تلاوت لازم کی تاکہ قرآن میں تدبر کرسکے اس کے احکام ونواہی پہچانے اور اس کے الفاظ ومعانی کے اعجاز کو معتبر جانے۔

پھر نمازوں کو مقرر پے در پے اوقات سے معلق فرمایا تاکہ اوقات کا پے در پے ہونا اور دن بھر میں مختلف پہر کا ہونا بندے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے مستقل جھکنے اور اس سے آہ وزاری کا دائمی موقع فراہم کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نہ خوف ختم ہوتا ہے نہ اس میں رغبت کم ہوتی ہے۔ چنانچہ جب رغبت اور رہبت ختم نہیں ہوتی تو اس کے اخلاق کی درستگی دائمی اور رغبت اور رہبت کی قوت کے اعتبار سے عبادات کی ادائیگی کمال کے ساتھ ہوگی اور حال جواز میں کوتاہی کے ساتھ ادا ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ نماز پیمانہ ہے جو اسے پورا کرے گا اسے بھی بدلہ پورا ملے گا اور جو کمی کرے گا تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کمی کرنے والوں کے

بارے میں کیا فرمایا ہے (وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ھلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لئے)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو نماز غیر اہم لگتی ہو وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کو غیر اہم لگے گا۔

روزے کی فرضیت وغیرہ:

پھر اللہ تعالیٰ نے روزے کو فرض قرار دیا اور روزے کو اموال کی زکوٰۃ سے مقدم فرمایا کیونکہ روزوں کا تعلق بدن سے ہے اور روزے کے وجوب سے غریبوں پر رحم کرنے اور ان کو کھلانے پلانے پر ترغیب ہے اور ان کی بھوک کے سدباب کی بھی ترغیب ہوتی ہے کیونکہ اپنے روزے میں مسلمان شدت کی بھوک کو برداشت کرتے ہیں (تو انہیں غریبوں کی بھوک کا احساس ہوتا ہے)

حضرت یوسف علیہ السلام سے کسی نے پوچھا آپ تو مصر کے خزانوں کے والی ہیں پھر بھی آپ بھوکے رہتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ''مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں میں پیٹ بھرلوں تو بھوکوں کو بھول نہ جاؤں''

پھر چونکہ روزے میں نفس کو دبانا ذلیل کرنا' اس پر مسلط شہوت کو توڑنا اور نفس کو اس بات کا شعور دلانا ہوتا ہے کہ اسے معمولی سے کھانے پینے ہی کی تو ضرورت ہے اور جو بھی کسی دوسری شے کا محتاج ہو وہ کم درجہ والا ہوتا ہے۔ اسی کھانے پینے کی بات سے اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کے سوا خدا بنا لینے کے خلاف دلیل دی ہے کہ مسیح ابن مریم جو صرف رسول تھے اور ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں یہ دونوں (حضرت مسیح اور مریم) کھانا کھایا کرتے تھے''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کی کھانے پینے کی احتیاج کو ان کے خدا ہونے میں کمی شمار کیا (کہ خدا کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور یہ دونوں کھانے پینے کی احتیاج رکھتے تھے)

حضرت حسن بصریؒ نے انسان میں کھانے پینے کو نقص شمار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم مسکین ہے اس کا وقت مقرر حتمی ہے امیدیں چھپی ہوئی، بیماریاں علتیں خفیہ ہیں۔

گوشت (زبان) سے بات کرتا اور چربی (آنکھ) سے دیکھتا اور ہڈی سے سنتا ہے، بھوک کا قیدی ہے، پیٹ بھرنے (سیری) کا پچھاڑا ہوا اسے پسو تکلیف دیتا ہے پسینہ بدبودار کر دیتا ہے اور زخم قتل کر دیتا ہے وہ اپنے لئے کسی نفع نقصان کا مالک نہیں نہ موت کا نہ زندگی کا نہ دوبارہ جی اٹھنے کا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر لطف و کرم پر نظر کیجئے جو اس نے ہم پر روزوں کو واجب کیا اور عقول کو اس کے لئے کس طرح بیدار کیا حالانکہ وہ اس سے غافل یا جان بوجھ کر غافل بنی ہوئی تھیں نفوس کو اس سے نفع پہنچایا حالانکہ اگر یہ نہ ہوتا تو نفوس نہ نفع حاصل کر سکتے نہ کسی کو نفع دے سکتے۔

زکوۃ کی فرضیت:

پھر اس نے مال کی زکوٰۃ کو فرض فرمایا اور اسے حج کے فرض سے مقدم کیا کیونکہ حج میں مال کے خرچ کے ساتھ ایک مشکل سفر بھی ہے۔ اس لئے نفس زکوۃ کی طرف حج سے زیادہ جلدی مان جاتا ہے۔ زکوۃ کے واجب کرنے میں غریبوں سے ہمدردی اور ضرورت مندوں کی مدد ہے جو انہیں نفرت سے روکتی اور قطع تعلق سے باز رکھتی ہے اور جوڑ رکھنے پر اکساتی ہے۔ کیونکہ امید کرنے والا جوڑنے والا اور تمنا کرنے والا خوف کرنے والا ہے۔

جب امید زائل ہو اور آسرا ختم ہو جائے ضرورت شدید ہو جائے تو نفرت پیدا ہوتی ہے حسد شدید ہو جاتا ہے اور مالداروں اور غریبوں کے درمیان توڑ پیدا ہو جاتا ہے اور حاجت مندوں اور امیروں کے مابین نفرت و دشمنی آ جاتی ہے حتی کہ یہ معاملہ ایک دوسرے پر غلبے اور جانوں کے ضیاع تک پہنچ جاتا ہے۔

اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں نفس کو قابل تعریف سخاوت کی مشق اور قابل مذمت بخل سے بچانے کی مشق کرائی جاتی ہے کیونکہ سخاوت حقوق کی ادائیگی پر ابھارتی ہے اور کنجوسی اس سے روکتی ہے۔ جو چیز ادائے حقوق پر ابھارے وہ تعریف کی مستحق اور لائق ہے اور جو سخاوت سے روکے وہ مذمت کے قابل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ

''بندے کو سب سے بری چیز جو دی گئی ہے وہ ہے لالچ بھری کنجوسی اور کھلی بزدلی''

چنانچہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی لطیف حکمت سے ہمارے امور کی تدبیر کی اور اپنی بہترین نعمتوں کو ہمارے ذہنوں سے مخفی رکھا حتی کہ اس کے اخفاء پر واجب شکر اس کے ظاہر ہونے کے شکر سے زیادہ بڑا شکر ہے۔

حج کی فرضیت وغیرہ:

پھر اللہ تعالیٰ نے حج فرض فرمایا جو کہ اس کے فرائض میں سے آخری فرض ہے کیونکہ یہ بدن پر عمل اور مال میں حق کو جمع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے فرض کو بدن اور مال کے فرائض کے استقرار کے بعد لازم کیا تاکہ اس کا دونوں قسم کے فرائض سے انس وتعلق باقی رہے اور تاکہ دونوں قسم کی عبادات کے جمع پر آسانی کا ذریعہ بنے۔

حج کو واجب کرنے میں یوم حشر کی یاد تازہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں بھی انسان اپنے مال اور اہل خانہ کو چھوڑ جاتا ہے اور ہر رتبے والا اور عام (بلکہ کمتر) شخص سب اس کے سامنے سر جھکائے ہوتے ہیں فرمانبردار اور نافرمان ایک جگہ اس کے خوف اور اس کی رغبت میں جمع ہوتے ہیں گناہگار اپنے بوجھ سے آزاد اور غلطی کرنے والے نادم ہوتے ہیں۔ کون ہوگا جو حج کرے اور گناہوں سے توبہ نہ کرے یا اپنے گناہوں کے بوجھ سے آزاد نہ ہو؟ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''حج مبرور کی نشانی یہ ہے کہ حج کرنے والا پہلے سے بہتر نیک ہو جاتا ہے''

اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ گناہوں پر ندامت کا ہونا اسے آئندہ گناہ کے اقدام سے باز رکھتا ہے اور توبہ کرنا گذشتہ گناہوں کی تلافی کر دیتا ہے چنانچہ جب وہ پہلے جن گناہوں کو کرتا تھا اب ان سے باز رہے تو یہ اس کی توبہ کے صحیح ہونے کی خبر ہے اور توبہ کا صحیح ہونا اس کے حج کی قبولیت کا تقاضا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس سفر میں آنے والی مشکلات سے خبردار بھی کر دیا (جو اسے اپنا گھر

بار چھڑوا کر وطن کی انسیت سے دور نعمت کی جگہ پر لیجاتا ہے) تاکہ ان مسافروں پر رحم کر دے جو اس نعمت سے محروم ہیں۔

حرم کا مشاہدہ:

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حرم کا مشاہدہ سکھایا جس سے اپنے دین کو شروع کیا اور اس میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا پھر اس دار ہجرت (مدینے) کا مشاہدہ سکھایا جس کے ذریعے اللہ نے اپنے فرمانبرداروں کو عزت عطا فرمائی اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرما کر اپنے نافرمانوں کو ذلیل کیا حتی کہ بڑے جابروں کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں اور بڑے بڑے متکبروں نے گھٹنے ٹیک دیئے اور پھر یہ دین اس جگہ سے آگے بڑھ نہیں سکتا تھا اور نہ ہی اس کھلی کمزوری کے بعد مضبوط ہوسکتا تھا مگر کھلے معجزے اور زبردست مدد کے ساتھ اللہ نے اس دین سے زمین کو مشرق تا مغرب بھر دیا۔

لٰہذا قارئین اللہ آپ کو شکر کا الہام اور تقوے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے احسان انعامات کو غنیمت جانیے جو اس نے اپنی بندگی میں ہمارے لئے رکھے ہیں۔ میں نے یہ سب باتیں سچا مبلغ اور شفیق ناصح بن کر آپ کی ذہانت کے حوالے کر دی ہیں اور بصیرت میں اتار دی ہیں کیا آپ اللہ تعالیٰ کے شکر کو اچھی طرح ادا کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں؟ جس وقت آپ اس کے حکم کو بجالائیں اور اسکا لازم کیا ہوا حکم پورا کر دیں؟؟ نہیں ہرگز نہیں وہ ہمیں شکر واجب کرنے والی جو نعمت عطا کرتا ہے وہ گذشتہ نعمت کا شکر اس تک پہنچنے سے پہلے ہی عطا کر دیتا ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس حد سے بہت زیادہ ہیں کہ انہیں خرید لیا جائے سوائے یہ کہ خود اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو اور ابن آدم کے گناہ اس حد سے زائد ہیں کہ انہیں معاف کیا جائے سوائے یہ کہ خود اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔

منصور بن اسماعیل الفقیہ المصری کا شعر ہے۔

شکر الا لہ نعمة موجبة لشکرہ
فکیف شکری برہ و شکرہ من برہ

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کا شکر خود نعمت ہے جسکا شکر بھی واجب ہے۔
تو میں اس کے احسان کا شکر کیونکر کرسکتا ہوں جب کہ اس کا شکر (ادا کرنے کی توفیق) بھی اس کا احسان ہے۔

جب (اے مسلمان) تو اس کے شکر نعمت سے عاجز ہے کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو اس کے احکام کی بجا آوری میں کوتاہی کرے یا واجب کی ادائیگی میں کمی کردے؟ حالانکہ اگر تو اسے ادا کرے تو اس کا فائدہ تجھے زیادہ ملے گا۔ تو کیا کوتاہی و کمی کرے تو اس کی بھرپور نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے اور انہیں بھول کر خود کو سرزنش کا مستحق بنا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وہ لوگ اللہ کو پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہو رہے ہیں۔

مجاہد اس آیت کی تشریح میں کہتے ہیں کہ یعنی وہ خود پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شمار کو جانتے ہیں اور یہ کہہ کر منکر ہوتے ہیں کہ یہ نعمتیں انہیں اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملی ہیں یا انہوں نے خود محنت کرکے حاصل کی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ابن آدم تو نے مجھ سے انصاف نہیں کیا۔ میں تو نعمتیں دیکر تجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہوں اور تو میری نافرمانی کرکے مجھے نفرت دلا رہا ہے۔ میری خیر تیری طرف اترتی ہے اور تیری برائی میرے پاس اوپر آرہی ہے۔ کتنے ہی نیک فرشتے تیرے پاس سے تیرے برے عمل کی وجہ سے میرے پاس آجاتے ہیں"

بعض سلف کا قول ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی لاتعداد و بے شمار نعمتوں میں اپنے لاتعداد گناہوں کے ساتھ صبح کرتے ہیں ہمیں نہیں سمجھ آتا کہ شکر کس چیز کا ادا کریں اس کے احسانات کی کثرت کا؟ یا ہماری برائیوں کی ستر پوشی کا؟

چنانچہ اس شخص پر جو نعمت کا موقع پہچانتا ہو واجب ہے کہ وہ اس نعمت کو اپنے اوپر

واجب حکم کو بجالاتے ہوئے قبول کرے اور اسکا قبول کرنا اس عمل کی ادائیگی سے ہوگا پھر اس کی نعمت کا شکر ادا کرے کیونکہ ہمیں اس کی نعمتوں کی ضرورت اس کی نعمتوں کے شکر سے زیادہ ہے اور اگر ہم نے واجب ہونے والے حکم میں موجود نعمت کے شکر کو ادا کر دیا تو یہ جہت وجوب کے ماسوا سے ہم پر ایک اور نعمت کے ذریعے احسان ہوگا۔ اس طرح ہمارے لئے دو نعمتیں ثابت ہو جائیں گی اور جسے یہ دونوں نعمتیں حاصل ہو جائیں اسے دنیا و آخرت کی دولت نصیب ہوگئی اور یقیناً یہی شخص خوش نصیب ہے۔

شکر کی کوتاہی کا انجام:

اگر ہم نے نعمت کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی کی تو ہم پر اس کی غیر واجب التکلیف نعمتیں کم ہو جائیں گی اس طرح دونوں نعمتوں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور جس سے یہ دونوں نعمتیں دور ہو جائیں گویا اس سے دنیا و آخرت کی نعمتیں سلب کر لی گئیں چنانچہ ایسے شخص کو نہ دنیاوی زندگی میں مزہ آئے گا نہ موت کے بعد راحت نصیب ہوگی اور ایسا شخص یقیناً بدبختی کا قطعی مستحق ہے۔

کوئی صحیح عقل والا شخص خوش بختی کے بجائے بدبختی کو اختیار نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ''جو شخص برا عمل کرے گا اسے اسکا بدلہ دیا جائے گا''۔

اعمش نے مسلم سے نقل کیا ہے کہ

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت ''مَنْ یَّعملَ سُوءً یُجْزَبِہٖ'' (ترجمہ اور پر گذرا) کتنی سخت آیت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ دنیا میں مصیبت اس کا بدلہ ہے۔

مفسرین کے اس آیت ''سَنُعَذِّبُھُم مرتین'' (ترجمہ) ہم عنقریب انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے'' کے بارے میں دو قول ہیں کہ ان میں سے ایک عذاب دنیا میں رسوائی اور دوسرا عذاب قبر کا ہے۔ بعض مفسرین مثلاً عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ایک عذاب ان کے دنیا میں مصائب اور مال و اولاد کی تکلیفیں ہیں اور دوسرا عذاب آخرت میں عذاب جہنم ہے۔

عیش ولذت گناہگار کے لئے نعمت نہیں ہے:

گناہگار چاہے دنیا میں خوب عیش و لذت پالیں اور دنیا میں اپنی آرزوئیں پوری کرلیں یہ سب کچھ ان کے لئے نعمت نہیں ہے بلکہ یہ سب استدراج (دھوکا) اور سزا ہی ہوگی۔

ابن لہیعہ نے عقبہ بن مسلم' عقبہ بن عامر کے طریق سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اگر تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے گناہوں کے باوجود ان کی چاہت اور من پسند نعمتیں عطا کررہا ہے تو یہ دھوکا ہے۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی)

فَلَمَّا نَسُوْا مَاذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ ۔ الآية

"(ترجمہ) سو جب وہ بھول گئے جس کی انہیں یاددہانی کرائی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حتی کہ وہ خود کو دی گئی نعمتوں سے خوش ہوگئے تو پھر اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا"

محرمات کی اقسام:

وہ محرمات جن سے شریعت منع کرتی ہے اور عقل وشرع کی دلیل سے اس کی ممانعت مستقل اور مضبوط ہوچکی ہے ان کی دو اقسام ہیں۔ ایک تو وہ کہ جس کی طرف نفس خود داعی ہے اور خواہشات اس پر ابھارتی ہیں جیسے قتل اور شراب خوری وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان اعمال کا داعیہ شدید ہونے کی بناء پر سخت سرزنش فرمائی ہے اور چونکہ طبیعتوں کا میلان ان پر خوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی سرزنش فرمائی ایک تو فوری سزا تاکہ بے باک شخص کو خوف ہو اور دوسری بعد میں عذاب کی وعید تاکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے شخص کو نصیحت ہو۔

دوسری قسم محرمات کی وہ ہے جس سے عام طور پر طبیعتیں دور رہتی ہیں اور خواہشات پرے ہوتی ہیں۔ جیسے گندی چیزوں اور نجاست کا کھانا۔ زہر پینا وغیرہ تو اس قسم کے محرمات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خاص سزا یا وعید بیان نہیں فرمائی کیونکہ نفس انسانی خود اس سے

ڈر کر دور رہتا ہے اور خواہشات بھی ان کے قریب نہیں پھٹکتیں۔

امر بالمعروف کا حکم:

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے غصے اور سرزنش کو منکرین کے انکار کی وجہ سے موکد فرمایا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب کر دیا تا کہ امر بالمعروف اس کے احکام پر تاکید بنے اور نہی عن المنکر اس کی ممانعتوں کی تائید قرار پائے۔ کیونکہ شریر طبیعتوں کو خود فریبی احکام کی بجا آوری سے غافل اور خواہشات سرزنش اور وعیدوں کی یاد سے غافل کر دیتی ہیں چنانچہ کمزور لوگوں کی نکیر بہت زیادہ کڑا ازجرا اور سرزنش ثابت ہوتی ہے اور ملنے جلنے والوں کی ڈانٹ زیادہ بلیغ ہوتی ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''جب بھی کوئی قوم کسی منکر کو اپنے درمیان مضبوط و مقرر کر لیتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر کھلا عذاب عام فرما دیتا ہے''۔

منکر عمل کرنے والوں کی اقسام:

مذکورہ عبارت کی روشنی میں منکر عمل کرنے والوں کا حال دو باتوں سے خالی نہیں ہوگا۔ یا تو وہ لوگ بکھرے ہوئے غیر منظم اور دبے ہوئے لوگ اور کمزور ٹکڑیوں میں ہوں گے۔ تو علماء کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص انہیں ایسا کرتے دیکھے یا ایسا کچھ کہتے ہوئے سنے ممکن اور قدرت ہونے کی شرط کے ساتھ انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا واجب ہے۔

اختلاف اس بات میں ہے کہ خود اس منکر عمل کرنے والے پر اس عمل سے رکنا واجب ہے تو عقل کی روشنی میں ہے یا شریعت کی روشنی میں ہے؟ بعض متکلمین کے نزدیک اس پر ایسا کرنا عقل کی روشنی میں ضروری ہے کیونکہ عقل کے ذریعے یہ بات واجب ہوتی ہے کہ برے عمل سے باز رہا جائے۔ تو عقل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ شخص دوسرے کو برے عمل سے باز رکھے۔ کیونکہ عقل ایسے عمل سے باز رہنے کی زیادہ دعوت دیتی اور برے عمل سے جدا ہونے میں عقل کا کردار زیادہ بلیغ ہے۔

عبداللہ بن مبارک سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کچھ لوگ اگر ایک کشتی میں سوار ہو کر الگ الگ تقسیم ہو کر بیٹھ جائیں اور ایک شخص اپنی جگہ سے کشتی کو کلہاڑی لیکر توڑنے لگے اور لوگ پوچھیں کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ تو وہ جواب دے کہ میں جو کر رہا ہوں اپنی جگہ پر کر رہا ہوں لہٰذا اگر لوگ اس کا ہاتھ نہیں پکڑیں گے تو وہ بھی ہلاک ہوگا اور یہ سب بھی ہلاک ہو جائیں گے"۔

اختلافی قول:

دوسرے متکلمین کہتے ہیں کہ اس شخص پر شریعت کے حکم کی بناء پر برے عمل سے رکنا ضروری ہے عقل کی بنیاد پر واجب نہیں ہے کیونکہ اگر عقل اسے منکر سے رکنے اور دوسرے کو بھی برے عمل سے باز رکھنے کو واجب کرے تو بالکل اس کے مثل کا اللہ تعالیٰ پر بھی وجوب لازم آئے گا۔

(اور اگر ایسا ہوتا تو پھر) ذمیوں کا کفر پر برقرار رہنا اور ان پر نکیر کرنے کا ترک کبھی بھی جائز نہ ہوتا کیونکہ عقل سے واجب ہونے والے احکام کا شریعت کے ذریعے باطل کرنا جائز نہیں ہے۔۔۔ چنانچہ جب شریعت سے اس کا حکم معلوم ہو رہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عقل اس کے انکار کے لئے موجب نہیں ہے لیکن اگر اس انکار (منکر عمل پر نکیر) کو ترک کرنے میں اس منکر سے اس شخص کو کسی قسم کا نقصان لاحق ہوتا ہو تو پھر دونوں قولوں میں اس شخص پر عقل کی روشنی میں اس عمل سے باز رہنا ضروری ہوگا اور اگر اس کے نکیر کرنے سے اس منکر سے اسے نقصان ہونے کا اندیشہ ہو اور نکیر کرنے سے رکنے اور خاموش رہنے سے نہ ہوتا ہو تو عقل اور شرح دونوں کی روشنی میں اس کے لئے نکیر کرنا واجب نہیں ہے۔
عقل کی روشنی میں اس لئے کہ عقل خوامخواہ بغیر کسی فائدے کے حصول کے نقصان سر پر لینے کو پسند نہیں کرتی اور شریعت کی روشنی میں اس لئے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ منکر پر اپنے ہاتھ سے نکیر کرو اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے نکیر کرو اور یہ

سب سے کمزور ایمان ہے"

نہی عن المنکر کا ایک اہم اصول:

لیکن اگر باوجود نقصان پہنچنے کے خطرے کے کوئی شخص اگر برے عمل پر نکیر کرنے کا اقدام کرنا چاہے تو ذرا سا یہ غور کر لے کہ اگر نکیر کا اظہار اللہ تعالیٰ کے دین کی عزت اور کلمہ حق کے اظہار کے باب میں سے نہیں تو اس پر نکیر کرنا بھی واجب نہیں ہے اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس نکیر میں جان جانے یا سخت نقصان پہنچے گا تو اس وقت بھی نکیر کرنا اچھا نہیں سمجھا جائے گا۔

لیکن اگر نکیر کے اظہار میں اللہ تعالیٰ کے دین کی عزت اور کلمہ حق کے اظہار کا معاملہ ہو تو اس وقت نکیر کرنا اچھا مانا جائے گا باوجود اس کے کہ اس میں جان جانے یا سخت نقصان کا خطرہ ہو اور اگرچہ نکیر واجب بھی نہ ہو جبکہ مقصود (اظہار کلمہ حق) نکیر کرنے سے حاصل ہو جائے اور چاہے قتل کر دیا جائے پھر بھی نکیر کو اچھا مانا جائے گا۔

اسی نہج پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے کہ

"بیشک سب سے بہتر اعمال میں وہ کلمہ حق بھی ہے جو ظالم حکمران کے سامنے کہا جائے"

لیکن اگر وہ مقصود حاصل ہونے سے پہلے ہی مارا جائے تو اس نکیر کو بجالانا عقل میں برا سمجھا جائے گا اور اسی طرح جب کہ نکیر کرنے سے اس منع کئے جانے والے عمل میں اضافہ ہوتا ہو کہ فعل منکر کرنے والے طیش میں آ کر کریں گے اور بہت زیادہ (اسے چڑانے کے لئے یا ضد میں (مترجم) کریں گے تو بھی عقل کی روشنی میں اس نکیر کو قبیح سمجھا جائے گا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ فعل منکر کسی جماعت یا جتھے کی طرف سے ہو اور وہ لوگ اس پر متحد اور ایک دوسرے کے معاون ہوں اور اس کی دعوت بھی دیتے ہوں تو ایسی صورت میں علماء کے اس پر نکیر کرنے کے وجوب کے سلسلے میں کئی اقوال ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں اس پر نکیر کرنا واجب نہیں ہے بلکہ انسان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ خاموش اور نکیر سے باز رہے۔ اپنے گھر میں ان لوگوں کو خیر باد کہہ کر بیٹھا رہے نہ نکیر

کرے اور نہ ہنگامہ کرے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ (یہ ان میں سے ہیں جو کسی منتظر کے ظہور کے قائل ہیں) نکیر کرنا واجب نہیں نہ ہی اس منکر کو دور کرنے کے درپے ہونا چاہئے حتی کہ منتظر کا ظہور ہو جائے۔ منتظر خود اس پر نکیر کی ذمہ داری اٹھائے گا اور لوگ اس کے مددگار ہوں گے۔

کچھ حضرات جن میں ''اصم'' بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ جب تک کسی امام عادل پر لوگ متفق و متحد نہ ہوں اس وقت تک نکیر کرنا جائز نہیں ہے امام کے ساتھ ملکر اس کے خلاف کام کریں گے۔

جمہور متکلمین فرماتے ہیں کہ اس منکر پر نکیر (اور اس کے خلاف کام کرنا) واجب ہے البتہ اس کی شرائط ہیں۔ مثلا مددگاروں کا ہونا جو اس کام کی صلاحیت رکھتے ہوں اگر ایسے مددگار موجود نہ ہوں تو انسان کو اس سے باز رہنا ضروری ہے کیونکہ اکیلا آدمی مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی قتل ہوسکتا ہے اور ایسی صورت میں ان لوگوں سے ٹکرانا عقل کی نظر میں بہت بری بات ہوگی''۔۔۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اس کے حاملین کے مختلف احوال کے بارے میں یہ حکم وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کو موکد کیا اور سرزنش کی تائید فرمائی ہے۔

اعمال کے اعتبار سے لوگوں کی اقسام:

احکام کو بجالانے اور منہیات سے بچنے کے بارے میں لوگوں کے چار قسم کے احوال ہوتے ہیں۔

(۱) بعض وہ لوگ ہیں جو احکامات کو بجالاتے انہیں پورا کرتے ہیں اور گناہوں سے مکمل اجتناب کرتے ہیں۔

دینداروں کا یہ حال سب سے زیادہ کامل حال ہے اور تقوی والوں کی افضل صفت ہے۔ ایسے لوگ عمل کرنے والوں کے ثواب اور فرمانبرداروں کی جزاء کے مستحق ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

گناہ بھلایا نہیں جائے گا اور نیکی بوسیدہ نہیں ہوگی بدلہ دینے والے کو موت نہیں آئے گی چنانچہ جیسے چاہو بن جاؤ۔ جیسا معاملہ کرو گے ویسا ہی بدلہ پاؤ گے"۔

کہا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنا بویا کاٹتا ہے اور کئے کا بدلہ پاتا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ تم آج جو بوؤ گے کل وہی تمہیں ملے گا۔

(۲) بعض وہ لوگ ہیں جو فرمانبرداری کے کام نہیں کرتے (احکام بجا نہیں لاتے) اور گناہوں کا خوب ارتکاب کرتے ہیں۔

یہ لوگ احکام پر عمل نہ کرنے غفلت برتنے کا عذاب اور (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور) گناہوں کا اقدام کرنے کا عذاب بھی پائیں گے"۔۔۔ابن شبرمہ کا قول ہے کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو لذیذ چیزوں سے بیماری کے ڈر سے پرہیز کرتا ہے وہ آگ سے ڈر کر گناہوں سے کیسے نہیں بچتا۔۔ کسی نے اس قول کو شعر میں بیان کیا ہے۔

جسمک قد افنیته بالحمی دھرا من البارد و الحار
وکان اولی بک ان تحتمی من المعاصی حذر النار

(ترجمہ) تو نے پوری زندگی اپنے جسم کو ٹھنڈک اور گرمی سے بچاتے ہوئے اسے فنا کر دیا حالانکہ تیرے لئے بہتر یہ تھا کہ تو آگ کے ڈر سے گناہوں سے اسے بچاتا۔

ابن خبارہ کہتے ہیں کہ ہم نے غور کیا تو اللہ کی فرمانبرداری پر صبر اور برداشت کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی برداشت سے آسان پایا۔

ایک اور (بزرگ) کا قول ہے کہ "اللہ کے بندو! اس عمل کی ادائیگی پر صبر اور برداشت سے کام لو جس کے ثواب سے استغناء نہیں اور اس عمل سے دوری کو برداشت کرو جس کی سزا تم برداشت نہیں کر سکتے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ سے کسی نے کہا "اللہ آپ سے راضی ہو"۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ جب میں اسے راضی نہیں کروں گا تو مجھ سے کیسے راضی ہوگا؟

(۳) بعض وہ لوگ ہیں جو فرمانبرداری کے کام کرتے ہیں اور گناہ بھی کرتے ہیں یہ لوگ گناہوں پر جرأت کرنے کا عذاب پائیں گے کیونکہ وہ خواہشات سے مغلوب ہو کر

گناہوں کا اقدام کر بیٹھے اگرچہ فرمانبرداری کے کام (احکامات کو پورا کرنے) میں انہوں نے کوتاہی ہی نہیں کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے پہلے پہلے گناہوں سے باز آجاؤ ورنہ وہ تمہیں ملیامیٹ کردے گا۔[1]

اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ لوگوں میں سے افضل وہ شخص ہے جس کے دین کو خواہش فاسد نہ کرے اور شبہ اس کے یقین میں داخل نہ ہو۔

حضرت حماد بن زید رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہے جو کھانے کی چیزوں سے اس کے نقصان کی وجہ سے بچتا ہے وہ گناہ کو اس کی رسوائی کی وجہ سے کیوں نہیں چھوڑتا۔

بعض صالحین کا قول ہے کہ گناہگار دلوں کے مریض ہیں۔

حضرت فضیل سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ تعجب انگیز چیز کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ دل جو اللہ تعالیٰ کو پہچان لے اور اس کے بعد اس کی نافرمانی کرے۔

بعض عقلمندوں کا قول ہے کہ طاعت کے کام سے گناہگار پر بھروسہ کرلیا جاتا ہے اور اس کے بڑے بڑے گناہ فراموش کردیئے جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ آپ کو ان دونوں شخصوں میں سے کون پسند ہے؟ (۱) کم گناہ اور کم نیک عمل والا شخص۔ (۲) زیادہ گناہ اور زیادہ نیکیوں والا شخص؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ میں کسی میں سلامتی کا فیصلہ نہیں کرسکتا۔

ایک زاہد سے کسی نے پوچھا کہ آپ رات کی نماز کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ دن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور رات کو سو جاؤ۔

ایک زاہد نے کسی شخص کو کچھ لوگوں سے یہ کہتے سنا کہ "تمہیں نیند نے ہلاک کردیا" پھر کہنے لگا بلکہ تمہیں بیداری نے ہلاک کردیا"

---

[1] حدیث میں یہاں ھت بت کے الفاظ میں جسکا معنی توڑنا کاٹنا اور قطع کرنا ہے اس لئے اسی کی تعبیر ملیامیٹ سے کی گئی ہے۔ (مترجم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تقویٰ کیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیا تم کبھی کانٹوں والی جگہ میں گئے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں۔ تو حضرت ابوہریرہ نے پوچھا تو پھر تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا میں کانٹوں سے بچ بچ کر چلا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی طرح گناہوں سے بچ۔

(۴) بعض لوگ وہ ہیں جو نیک کام نہیں کرتے اور گناہوں سے بھی احتراز کرتے ہیں ایسے لوگ اپنے دین سے غفلت کے عذاب اور اپنے یقین میں کمی کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

ابوادریس خولانی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نقل کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف سارے عبرتوں پر مشتمل تھے۔ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جسے جہنم کی آگ کا یقین ہے اور وہ پھر بھی ہنستا ہے۔ اس شخص پر مجھے تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے پھر بھی تھکتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو دنیا کو دیکھ کر اسے اس کے اہل کے ساتھ قبول کرتا اور دنیا سے مطمئن رہتا ہے اور مجھے اس شخص پر تعجب ہے جسے موت کا یقین ہے مگر وہ پھر بھی خوش ہوتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جسے کل کو حساب ہونے کا یقین ہے مگر پھر بھی عمل نہیں کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

نیک اعمال میں خوب محنت کرو اگر کسی کمزوری سے کوتاہی ہو جائے تو گناہوں سے بھرپور اجتناب تو کرتے ہی رہو۔

یہ حدیث بڑی واضح ہے کیونکہ گناہوں سے اجتناب ''ترک'' کرنے کا نام ہے جو کہ زیادہ آسان ہوتا ہے اور طاعات فعل (یعنی کرنے کا نام ہے) اور فعل مشکل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے گناہوں کو کسی بھی حال میں جائز قرار نہیں دیا کیونکہ یہ ترک ہے اور ترک کرنے میں کوئی عاجزی یا معذوری آڑے نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اعمال کا ترک عذر کی صورت میں جائز رکھا ہے کیونکہ عمل کرنے سے عذر والا شخص ''عاجز'' ہو سکتا ہے۔ مجبوراً کر

نہیں پاتا۔

بکر بن عبداللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو طاقتور تھا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنی قوت استعمال کی یا کمزور تھا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اجتناب کیا۔

عبدالاعلیٰ بن عبداللہ شامیؒ کا شعر ہے۔

العمر ینقص و الذنوب تزید　　و تقال عثرات الفتی فیعود

هل یستطیع جحود ذنب واحد　　رجل جوارحه علیه شهود

(ترجمہ) عمر گھٹ رہی ہے اور گناہ بڑھ رہے ہیں انسان کی غلطیاں معاف کی جاتی ہیں مگر وہ پھر دہرالیتا ہے۔ کیا وہ شخص ایک گناہ کے انکار کی بھی استطاعت رکھ سکتا ہے جس کے اعضاء خود اس پر گواہ ہوں۔

نیکوں کے لئے دو آفتیں:

جان لیجئے کہ طاعت والے اعمال اور گناہوں سے بچنے کے بعد دو آفتیں ایسی ہیں جو ایسا کرنے والے اختیار کر لیتے ہیں۔

ایک گناہ کا بوجھ حاصل کرتی ہے اور دوسری اجر کو گھٹا دیتی ہے۔

پہلی آفت:

چنانچہ جو گناہ کا بوجھ حاصل کرتی ہے وہ آفت یہ ہے کہ انسان اپنے پہلے کیے ہوئے نیک اعمال اور طاعت پر فخر کرتا (اس کی خوشی میں مست رہتا) ہے۔ اس لئے کہ نیک اعمال پر خوش ہونا فخر کرنا دو مذموم حالتوں کی طرف لیجاتا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ ایسا شخص اپنے عمل کو احسان گردانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو احسان جتلانا اس کی نعمتوں کا انکار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کو وحی فرمائی کہ "تمہارا دنیا سے زہد اختیار کرنا تو فوری راحت کو طلب کرنا ہے اور تمہارا سب سے

کٹ کر میرا ہو جانا تمہارے لئے عزت ہے۔تو یہ دونوں کام تو صرف تمہارے لئے ہی ہوئے اور باقی میں رہ گیا''

(۲) دوسری یہ کہ اپنے عمل پر فخر کرنے والا اس پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنے عمل پر بھروسہ کرنے والا بے باک ہے اور اللہ تعالیٰ سے بے باکی سے پیش آنے والا گناہگار اور نافرمان ہے۔

حضرت مؤرق عجلی کہتے ہیں کہ نیک عمل پر فخر کرنے سے بہتر یہ ہے کہ تم وہ نیک عمل ہی نہ کرو۔

بعض سلف کا ارشاد ہے کہ وہ ہنسنے والا شخص جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہو اس رونے والے شخص سے بہتر ہے جو اپنے رب کے سامنے اپنے اعمال پر بھروسہ کرتا ہو (اعمال پر فخر اور اسکا احسان رکھنا یا یہ کہ میرے اچھے اعمال کی بدولت اللہ مجھ سے ناراض نہیں ہوسکتا) اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کہ رونے والا اس شخص سے بہتر ہے جو اپنے لھو ولعب کا اعتراف کر کے بھی ہنستا ہو۔

دوسری آفت:

جو اجر کو گھٹانے والی ہے وہ گذشتہ اعمال کی وجہ سے پر اعتماد ہونا ہے اور ان ہی پر تکیہ کر لینا ایسا اعتماد دو باتوں کی طرف لیجاتا ہے۔

ایک تو یہ کہ گذشتہ اعمال پر بھروسہ اور اس کو کافی سمجھ لینے کا خیال اور آئندہ کے اعمال پر کوتاہی پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ جو شخص گذشتہ اعمال کو کافی سمجھ کر آئندہ کوتاہی کرے گویا اس نے اجر کی امید نہیں رکھی اور شکر ادا نہیں کیا (گذشتہ اعمال کی توفیق پر)

دوسری بات یہ کہ جو شخص ایسا اعتماد رکھے وہ خود کو امن میں سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے خود کو امن میں سمجھنے والا بے خوف ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے خوف نہ کھائے اس کے لئے اس کے احکامات غیر اہم ہو جاتے ہیں اور اس کی ڈانٹ وسرزنش آسان ہو جاتی ہے۔

فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کسی شخص کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اس کے اللہ

تعالیٰ کو پہچاننے کے بقدر ہوتا ہے۔

مورق عجلی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''میں رات سوتے گذاروں اور صبح ندامت کے ساتھ بیدار ہوں تو یہ میرے لئے اس حال سے بہتر ہے کہ میں رات عبادت میں گذاروں اور صبح اس عبادت پر خوشی کے ساتھ کروں۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ تیرے اور تیرے اس حال کے درمیان کہ تجھ میں کوئی خیر نہ ہو صرف یہ حال ہونا چاہئے کہ تجھ میں خیر ہو۔

رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی نیک عمل کرنے کے بعد آپ سمجھتی ہیں کہ وہ قبول ہو جائے گا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر کوئی عمل ہوتا ہے تو مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہ وہ مجھے لوٹا نہ دیا جائے''۔

ابن سماک'' کا قول ہے کہ انا اللہ جو گذر گیا اس میں کس قدر خطرہ ہے اور ''انا اللہ'' جو باقی رہ گیا اس میں خوف کوئی کم نہیں ہے۔

ایک زاہد بہت سے لوگوں کے سامنے کھڑا پکار رہا تھا اے امیر لوگو! میں تمہیں کہتا ہوں کہ خوب زیادہ نیکیاں کرو کیونکہ تمہارے گناہ زیادہ ہیں اور اے غریبو! میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ گناہ کم کرو کیونکہ تمہاری نیکیاں کم ہیں۔

توبہ وطاعت میں کوتاہی نہ کریں:

تو ہونا یہ چاہئے (اللہ تعالیٰ اچھی توفیق سے نوازے) کہ آپ اپنی جسمانی صحت اور وقت کی فراغت کو رب کی طاعت میں کوتاہی کر کے اور سابقہ اعمال پر اعتماد کر کے ضائع نہ کریں۔۔لہٰذا صحت کو غنیمت جان کر اور فراغت کو فرصت جان کر خوب محنت کریں اور نیک اعمال کریں اس لئے کہ ہر زمانہ چستی وفرصت کا نہیں ہوتا اور نہ ہی گیا وقت ہاتھ آتا ہے۔ فراغت سے صرف زنگ یا ندامت حاصل ہوتی ہے اور تنہائی سے کجی یا افسوس ہی ملتا ہے۔

آرام مردوں کی غفلت اور عورتوں کی خواہش ہے:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ آرام مردوں کے لئے غفلت اور

عورتوں کے لئے خواہش ہے۔۔۔۔۔۔ بزرجمہر کا قول ہے کہ اگر شغل محنت طلب ہو تو فراغت صرف مفید ہے۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ تنہائی سے بچو کیونکہ یہ عقل کو فاسد (خراب کر دیتی ہے حل ہونے والے کو باندھ دیتی ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ اپنا دن بغیر کسی فائدے کے مت گذارو اور اپنا مال کسی نیک کام کے علاوہ میں خرچ نہ کرو۔ عمر اس (کھیل) سے بہت کم ہے کہ اسے بے فائدہ باتوں میں خرچ کر دیا جائے اور مال اس سے کم ہے کہ اسے بے ثمر چیزوں میں خرچ کیا جائے اور عقلمند اس بات سے بلند تر ہے کہ وہ اپنے اوقات روز و شب کو ایسے کاموں میں فنا کر دے کہ جن کا نفع اور خیر اسے واپس نہ ملے اور اپنا مال ایسی جگہ خرچ کرے جہاں سے ثواب حاصل نہ ہو۔

اس قول سے زیادہ بلیغ قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ
نیکیاں تین ہیں، گفتگو، نظر (غور و فکر) اور خاموشی۔

چنانچہ جس کی گفتگو نیکی کے علاوہ ہو تو وہ لغو بیکار ہے اور جس کی نظر (غور و فکر) عبرت حاصل کرنے کے سوا میں ہو تو اس نے بھول کی اور جس کی خاموشی تدبر کے لئے نہ ہو اس نے بیکار کام کیا۔

عبادات کی ادائیگی میں انسان کی اقسام:

جان لیجئے کہ انسان کے اس پر لازم عبادات کی ادائیگی کے تین احوال ہیں۔
(۱) جو اسے بغیر کمی بیشی کے پورا کرے۔
(۲) کمی کوتاہی کرے۔
(۳) زیادتی اور اضافہ کرے۔

پہلا حال: یعنی یہ کہ عبادات کو کمال کے ساتھ (کامل طریقے سے) ادا کرے اس میں کمی نہ کرے اور سنن راتبہ سے زائد کوئی نفل عبادت نہ کرے۔ یہ درمیانہ اور معتدل حال

ہے کیونکہ اس نے کوئی تقصیر نہیں کی کہ اس کی مذمت کی جائے اور نہ اضافہ کیا کہ وہ عاجز ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ

سددو وقار بوا، وأبشروا، و استعينوا، بالغدوة و الروحة وشئى من الدلجة. (الحدیث)

(ترجمہ) سچی سیدھی بات کہو اچھے انداز سے کرو، خوشخبری دو اور صبح شام اور کچھ اندھیرے سے مدد حاصل کرو' (فرض عبادات ادا کرو)

شاعر کا قول ہے'

علیک باوساط الامور فانها نجاة ولا ترکب ذلولا ولا صعبا

(ترجمہ) تجھ پر درمیانے معاملات (وعمل) اختیار کرنا لازم ہے اسی میں نجات ہے اور نہ بہت ہلکے اور نرم پر سوار ہو اور نہ ہی بہت مشکل پر۔

دوسرا حال یہ ہے کہ وہ عبادت کی ادائیگی میں کوتاہی کرے۔ لہٰذا کوتاہی کرنا بھی چار طرح کا ہوسکتا ہے۔

(۱) کسی عذر کی وجہ سے عجز واقع ہوا ہو یا کسی مرض کی بناء پر کمزوری ہوگئی ہو اور وہ لازم عبادت کو صحیح طریقے سے ادا نہ کر سکے۔ اس صورت میں بندہ کوتاہی کرنے والوں میں شمار نہیں ہوتا بلکہ عمل کرنے والوں میں شامل رہیگا کیونکہ عاجز ہونے کی صورت میں عبادات ساقط ہونے کو شریعت نے مقرر کیا ہے اور پھر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہوا ہے کہ ''کوئی عمل کرنے والا عمل کرتا ہو اور کوئی مرض اسے اس عمل سے روک دے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے کسی کو مقرر کردیتے ہیں جو اس کے عمل کا ثواب لکھتا رہتا ہے''۔

(۲) اس کی کوتاہی معافی اور درگذر کی بے جا امید کی بناء پر ہو۔ تو ایسا شخص عقل کے دھوکے میں پڑا ہے اور جہالت کے فریب میں ہے اس نے اپنے گمان کو ذخیرہ اور امید کو تیاری سمجھ لیا۔ تو یہ اس شخص کی طرح ہو گیا جو سفر بغیر کسی توشے کے کرے اور محض یہ گمان کرلے کہ اسے توشہ چٹیل میدانوں میں کہیں پڑا مل جائے گا۔ تو اس کا یہ گمان اسے ہلاکت تک لیجانے کا باعث بنے گا۔ اس پر خوف غالب کیوں نہ تھا جو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے؟

ایک مجنوں کی نصیحت:

اسرائیل بن محمد القاضیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کھنڈرات میں مجھے ایک مجنون ملا اور اس نے کہا۔ اے اسرائیل اللہ تعالیٰ سے ایسا خوف کھاؤ جو تمہیں امید سے غافل کر دے کیونکہ تمہیں امید خوف سے غافل کر دے گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ اس سے دور مت بھاگ۔

محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ روتے نہیں؟ تو فرمایا کہ رونا امن والوں کا زیور ہے۔

مروی ہے کہ ابو حازم اعرج نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو گناہگاروں کے لئے اللہ کی وعید سنائی تو اس نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہے؟ ابو حازم نے کہا کہ وہ احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک خط:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اتنا فائدہ اور اتنی نصیحت کسی بات سے حاصل نہ ہوئی جو مجھے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ایک خط سے حاصل ہوئی۔ انہوں نے مجھے لکھا کہ

اما بعد۔ انسان کو ایسی چیز کا حاصل ہونا خوشی عطا کرتا ہے جسے وہ کھونا نہیں چاہتا اور اسے ایسی چیز کا کھو دینا برا لگتا جسے وہ پا نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا تم دنیا کے حصول سے خوش مت ہونا اور جو چیز کھو جائے اس پر غمزدہ مت ہو بیٹھنا۔ ایسے لوگوں میں مت ہونا جو بغیر عمل کئے آخرت کی امید لگاتے ہیں اور لمبی امیدوں کے باعث توبہ کو مؤخر کئے رہتے ہیں۔ گویا کہ ان کی امید پوری ہو ہی جائے گی۔۔۔ والسلام

(۳) تیسرا حال یہ ہے کہ اس کی تقصیر اس میں اس لئے ہو کہ بعد میں وہ اس کمی کو پورا کر دے لہٰذا وہ تقصیر میں نیکی سے پہلے گناہ سے ابتداء کرتا ہے۔ مہلت کی امید سے دھوکا کھاتا ہے اور امید کرتا ہے کہ وہ اس ہونے والی تقصیر کو بعد میں پورا کر لیگا لیکن اس کی امید

اسے مقصود تک نہیں پہنچاتی اور نہ ہی انتہا تک۔ کیونکہ امید دوسرے روپ و حال میں پہلے حال کی طرح ہی ہوتی ہے (جیسے پہلے پوری نہیں ہوئی بعد میں بھی نہ ہوگی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''جسے یہ امید ہو کہ وہ زندہ ہوگا وہ یہ امید بھی کرے گا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیگا''

(مصنف کہتے ہیں) میری عمر کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بالکل سچا ہے کیونکہ ہر دن کی کل ہوتی ہے۔ لہٰذا کل کل کی رٹ اسے کچھ حاصل کئے بغیر اسے کھودینے تک لیجائے گی اور اس کی آرزو اسے بغیر تلافی کے ضیاع تک پہنچا دے گی چنانچہ امید ناکامی اور آرزو مایوسی بن جائے گی۔

عمر بن سعید عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ ''امت کی پہلی بہتری زہد اور یقین میں ہوگی اور اس کا فساد بخل اور امید سے ہوگا''

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ جتنی امید طویل کرے گا اتنا ہی برا عمل کرے گا'' ایک شخص نے بصرہ کے ایک زاہد سے پوچھا کہ تمہیں بغداد میں کوئی کام تو نہیں؟ تو زاہد نے جواب دیا کہ مجھے اپنی امید کو اتنا پھیلانا پسند نہیں کہ وہ بغداد جاکر واپس آئے۔

ایک دانشور کا قول ہے کہ جاہل اپنی امید پر بھروسہ کرتا ہے اور عقلمند اپنے عمل پر۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ امید سراب کی طرح ہے جسے دیکھنے والا دھوکا کھاتا ہے اور اس کی آرزو کرنے والا ناکام ہوتا ہے۔

محمد بن یزدان کہتے ہیں کہ میں خلیفہ مامون کے پاس آیا میں ان دنوں اس کا وزیر تھا میں نے اسے کھڑے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک رقعہ تھا تو اس نے کہا اے محمد اس رقعے کی عبارت تم نے پڑھی؟ میں نے عرض کیا رقعہ تو امیر المومنین کے ہاتھ میں ہے وہ اس نے میری طرف اچھال دیا۔ اس میں لکھا تھا۔

انک فی دار لھا مدۃ　　　یقبل فیھا عمل العامل
اماتری الموت محیطا بھا　　　یقطع فیھا امل الآمل

(ترجمہ) تو ایسے گھر میں ہے جس کی ایک مدت ہے جس میں عمل کرنے والے کا عمل قبول کیا جاتا ہے۔ کیا تو موت کو اسکا گھیرا کئے نہیں دیکھتا جس میں امید کرنے والے کی امید ٹوٹ جاتی ہے۔

تعجل بالذنب لما تشتهی وتامل التوبة من قابل
والموت یأتی بعد ذابغتة ماذاک فعل الحازم العاقل

(ترجمہ) تو جس گناہ کو چاہتا ہے فوری کر لیتا ہے اور توبہ کے لئے آئندہ کی امید لگاتا ہے حالانکہ موت تو اس کے بعد اچانک آتی ہے ایسا کرنا کسی سمجھدار عقلمند (انسان) کا کام نہیں۔

جب میں وہ رقعہ پڑھ چکا تو مامون (رحمتہ اللہ علیہ) نے کہا یہ شعر تمہارے کہے شعر سے زیادہ حکمت بھرا ہے"۔۔۔ابو حازم اعرج نے یہ شعر کہا تھا۔

نحن لانریدان نموت حتی نتوب ونحن لانتوب حتی نموت

(ترجمہ) ہم نہیں چاہتے کہ توبہ کرنے سے پہلے مر جائیں اور حال یہ ہے کہ ہم مرتے دم تک توبہ نہیں کریں گے۔

ایک بلیغ نے کہا کہ بہت زیادہ مہلت (دیر) کرنے والا اضیاع کا گماشتہ ہے۔

(۴) چوتھا حال یہ ہے کہ اس کوتاہی کے پورا کرنے کو بھاری و مشکل سمجھنے اور پورا کرنے سے جی چرانے کے باعث اور جتنی پہلے عبادت کر چکا ہے اس پر اقتصار کرنے اور باقی سے عدم دلچسپی کی وجہ سے ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) اس نے جو کمی کوتاہی کی ہے وہ فرض میں عیب لگانے والی اور عبادت سے روکنے والی نہ ہو۔ جیسے کسی نے عبادت میں واجب افعال اور فرض اعمال پورے کر لئے اب سنن اور اس کی ہیئت میں کوتاہی کرتا ہے۔ چنانچہ ایسا شخص ان چیزوں کو چھوڑنے کی بناء پر گنا ہگار ہوگا مگر مستحق وعید نہ ہوگا اور نہ ہی سزا کا مستوجب ہوگا۔ کیونکہ واجب کی ادائیگی سے اس سے سزا ساقط ہوگئی اور اسکا مسنون اعمال میں کمی کرنا ثواب کے کامل ہونے سے روکتا ہے۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ جو دین میں سستی اختیار کرتا ہے ذلیل ہو جاتا ہے اور جو حق کو

غالب کرتا ہے نرم ہو جاتا ہے۔

(ب) اس نے فرض عبادت کے ذریعے خلل واقع کیا ہو لیکن باقی ماندہ عبادت کو چھوڑ نا، کی ہوئی عبادت کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ جیسے کسی نے عبادات مکمل کر لی ہوں اور اس کے سوا دوسری عبادت سے خلل واقع کیا ہو۔ یہ شخص مذکورہ (شق الف) حال سے زیادہ برے حال والا ہے کیونکہ وعید کا مستحق اور سزا کا مستوجب ہے۔

(ج) جس عبادت میں اس نے خلل واقع کیا ہے وہ فرض ہو اور وہ اس کے کیے ہوئے عمل کو نقصان پہنچاتی ہو۔ جیسے وہ عبادات جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں ان میں سے بعض میں کوتاہی کرنا پورے کو ہی ترک کرنا سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جو وہ ادا کر چکا اسے شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ ماقی میں خلل آ گیا۔

ایسا شخص کوتاہی کرنے والوں میں سب سے برا ہے۔ اسے تارکین عبادت کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔ اس نے ایسی چیز اختیار کی جو فرض کو ساقط نہیں کرتی نہ حق ادا کرتی ہے لہٰذا یہ شخص وعید کے استحقاق میں تارکین کے ساتھ شمار کیا جائے گا اور چونکہ اس نے ایسی چیز لازم کی جو مفید نہ تھی (عبادت کے لئے) لہٰذا یہ عمل کو خسارے میں ڈالنے والوں میں سے ہو گیا۔ جن کی کوششیں دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہوئیں۔ پھر شاید اسے اپنا حال نہیں معلوم اور نہ ہی اسے اپنے خسارے کا احساس ہے حالانکہ دنیا و آخرت دونوں خسارے میں گئیں حالانکہ ذرہ برابر بھی مال ضائع ہوتا تو اسے فوراً ہوش آ جاتا۔

تیسرا حال:

تیسرا حال یہ ہے کہ افعال مکلفہ سے بڑھ کر کچھ افعال زیادہ کیے جائیں اسکی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

پہلی صورت: اول تو یہ کہ بطور ریا کاری اور تکلف لوگوں سے پیش آئے تاکہ نفرت کرنے والے لوگوں کے دل نرم ہو جائیں اور بیوقوف قسم کے لوگ دھوکہ کھا کر قریب آ جائیں اور اپنے آپ کو اخیار اور نیک لوگوں کے لبادے سے مزین کر لے جبکہ یہ نیکو

کاروں میں سے نہ ہوا یسے ریا کار لوگوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بطور مثال ارشاد فرمائی آپ نے فرمایا ''جو آدمی بتکلف آسودگی ظاہر کرے وہ ایسا ہے جیسے کسی نے دھوکہ کا لباس پہن رکھا ہو، بتکلف آسودگی کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے دکھلاوے کیلئے ایسے کام کرنا جو وہ تنہائی میں نہ کرتا ہو یا پھر ایسی صفات کو بتکلف اپنا لینا جو اسکی ذات میں نہ ہوں۔

اور دھوکہ کے لباس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیک لوگوں جیسا لباس پہنتا ہے لیکن اپنی ریا کاری کے فعل کی وجہ سے اجر وثواب سے محروم رہتا ہے یہ ایک قابل مذمت چیز ہے کیونکہ ایسے آدمی نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا سوچا ہی نہیں تا کہ اسکو اجر وثواب ملتا، اور ریا کاری بھی لوگوں سے مخفی نہیں رہتی کہ اسکی تعریف کی جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ''پس جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین رکھتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ نیک اعمال کریں اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کریں''۔

مفسرین فرماتے ہیں ''اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنا کوئی عمل بھی کسی کو دکھانے کے لئے نہ کرے یہاں ریا ہی کو شرک قرار دیا گیا ہے کیونکہ جس چیز کو اللہ کی خوشنودی قرار دیا جاتا ہے اسی کو غیر اللہ کی رضا حاصل کرنے کا مقصد بنایا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے جو کسی طرح بھی روا نہیں ہوسکتا۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''**وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا**'' اپنی نماز میں بطور ریا اونچی آواز میں قرأت نہ کرو اور شرم کی وجہ سے خاموش بھی نہ رہو۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمتہ اللہ علیہ ارشاد باری کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''**اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالعَدلِ وَ الِاحسَانِ وَ ایتَاءِ ذِی القُربٰی وَینهٰی عَنِ الفَحشَاءِ وَ المُنکَرِ وَ البغیِ**''

مذکورہ آیت مبارکہ میں عدل سے مراد اپنے تنہائی اور مجلس کے اعمال کو ایک جیسا انجام دینا اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والے اعمال میں ضروری ہے، اور احسان سے مراد

ہے کہ تنہائی کا عمل ظاہر سے اچھا ہو اور والفحشاء والمنکر سے مراد یہ ہے کہ مجلس کے اعمال تنہائی سے اچھے ہوں۔

اور بعض دوسرے حضرات نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ ''عدل'' سے مراد اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں اور احسان سے مراد جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا انکو بجالانا اور جن سے منع کیا گیا ان سے باز رہنا اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور ایتاء ذی القربی سے مراد حقوق رشتہ داری کی بجا آوری کرنا اور یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ کا مطلب ہے زنا سے دور رہنا اور منکر سے مراد بری باتوں سے بچنا اور بغی سے مراد غرور اور ظلم سے بچنا ہے اس تفسیر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ریا کاری بھی انہیں منہیات میں داخل ہے خارج نہیں ہوتی کیونکہ منجملہ بری باتوں کے ریا کاری بھی تو ایک برا عمل ہے لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے فرمایا ''اپنی امت پر جس کا مجھے سب سے زیادہ ڈر ہے وہ ظاہری ریا کاری اور پوشیدہ شہوت ہے'' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی وارد ہے ''فرمایا روز قیامت سب سے سخت عذاب ایسے آدمی کو دیا جائے گا جس کے متعلق دنیا میں یہ گمان کیا جاتا ہو کہ اس میں بھلائی کی بات موجود ہے حالانکہ اس میں کوئی بھلائی نہ ہو''

ریا کاری کے خلاف ارشاد علوی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خیر کا کوئی بھی عمل ریا کاری سے نہ کرو اور حیاء کی وجہ سے نہ چھوڑو مطلب یہ ہے بھلائی کے کام کو ریا کاری سے مت کرو مبادا کہ محنت رائیگاں چلی جائے اور اجر بھی نہ ملے اور شرم کرتے ہوئے نہ چھوڑو کہ محروم ہو جاؤ بلکہ ہر اچھا عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کرو۔

حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ ہر نیک عمل جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہ ہو اسکے برا ہونے کی وجہ صرف ریا کاری ہے اور اسکا بدلہ بری جزاء ہے'' ریا کاری کبھی ریا کار کا

مذاق اڑانے کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حکایت میں ہے۔

حکایت:

طاہر بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ابوعبداللہ مروزی رحمہ اللہ سے پوچھا آپ کب سے عراق میں آئے ہیں تو انہوں نے جواباً فرمایا میں بیس سال سے عراق میں ہوں اور میں تیس سال سے روزے رکھ رہا ہوں اس پر حضرت طاہر رحمۃ اللہ نے فرمایا میں نے آپ سے ایک سوال پوچھا تو آپ نے دو جواب کس لئے دے دیئے یعنی یہی کافی تھا کہ آپ عراق میں اتنے عرصہ سے ہیں روزے کا ذکر کس لئے کر دیا۔

حکایت:

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نماز پڑھ رہا تھا اور بہت دیر تک نماز میں مشغول رہا اسکے قریب کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو لوگوں نے پوچھا تم تو بڑی اچھی نماز پڑھتے ہو اس اعرابی نے کہا نماز تو ہے ہی ساتھ ساتھ میں روزے سے بھی ہوں یہ بات سن کر اس مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک دوسرے اعرابی نے یہ شعر کہا۔

صلی فاعجبنی وصام فرابنی نح القلوص عن المصلی الصائم

اس نے نماز پڑھی تو اسکی نماز مجھے اچھی لگی اس نے روزہ رکھا جس نے مجھے تردد میں ڈال دیا لہٰذا اپنے اونٹوں کو اس نمازی اور روزے دار سے دور لے جاؤ۔

یعنی یہ آدمی اسقدر عبادت گزار ہے اور ساتھ ساتھ ریا کاری کا بھی شکار ہے اس سے دور بھاگو اس کے پاس بیٹھنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ریا کاری ایک ایسا عمل ہے جس سے آدمی کی عقل کے پھسپھسی ہونے کی دلیل بھی ملتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی اظہار ریا میں اپنا مذاق اڑوانے میں دوسروں کی مدد کر بیٹھتا ہے اور اسے پتا بھی نہیں چلتا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے ایک بزرگ نے ایک آدمی کی پیشانی پر بڑا سا محراب (سجدہ کا نشان) بنا ہوا دیکھا وہ آدمی بادشاہ کے دروازے پر کھڑا

تھا اس بزرگ نے پوچھا تمہاری پیشانی پر یہ نشان اور پھر تم یہاں بادشاہ کے دروازے پر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا یہ نشان بغیر سانچے کی ڈھلائی کے لگا ہے" حالانکہ یہ جواب نہایت ہی احمقانہ ہے جس سے اس نے اپنی مذمت کی ناپسندیدگی کا دفاع کیا اشعث بن قیس کے قول کو بھی لوگوں نے خوب اچھا گردانا جب ایک مرتبہ اس نے مسجد میں نماز پڑھی اور نہایت ہی مختصر تھی لوگوں نے پوچھا بھئی یہ تم نے اتنی مختصر سی نماز کیوں پڑھی تو اس نے جواباً کہا یہ مختصر نماز اس لئے پڑھی کہ اس میں ریا نہیں گویا کہ ایک طرف جب نماز جلدی پڑھنے کی تنقیص کی گئی تو اس نے ریا کی نفی کر کے جان چھڑا ڈالی اور تصنع سے نماز پڑھنے کو ختم کر دیا اگر اشعث یہ نہ کرتے تو لوگوں کو تو ملامت کرنی تھی۔

مسجد میں رونے پر صحابی رضی اللہ عنہ کا رد عمل:

حضرت ابوامامہ ایک مسجد کے قریب سے گزرے تو ایک آدمی کو دیکھا جو نماز میں کھڑا تھا اور رو رہا تھا تو حضرت ابوامامہ نے فرمایا تو یہ عمل مسجد میں کر رہا ہے کاش! کہ تیرا یہ رونا گھر کے اندر ہوتا! انہوں نے اسکے عمل کو اچھا نہ جانا کیونکہ اس پر ریا کا خدشہ تھا اور احتمال یہ بھی تھا کہ یہ ریا کاری سے بری بھی ہو یہ حال تو اس آدمی کا ہوا جس پر ریاء کا شبہ تھا اور جس پر دکھاوے کی صفات کا غلبہ ہو اسکا کیا ہوگا باوجودیکہ وہ اپنے عمل کے باوجود گنہگار بھی ہو، اس شخص کا عمل باد صبا کی بہاروں سے زیادہ ریاء سے بھرا ہوا ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ریاء کے خلاف اعلان:

اسی لئے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے افضل عبادت وہ ہے جو چھپ کر کی جائے بزرگ حضرات کو جب یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کا نفس دکھلاوے کی طرف مائل ہو رہا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی اس نفسانی دکھلاوے کا علاج کرتے ہیں جو بزرگی کا اعلیٰ درجہ ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر بیٹھے ہوئے محسوس کیا کہ ہوا خارج ہوگئی ہے تو انہوں نے فرمایا اے لوگو! میرا جی چاہا کہ میں اللہ کے معاملہ میں تم سے ڈروں یا تمہارے معاملے میں اللہ سے

ڈروں پس میرے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہوا کہ میں اللہ سے تمہارے معاملے میں ڈروں سنو اے لوگو میرا وضو ہوا خارج ہونے کے سبب ٹوٹ گیا میں منبر سے اتر کر وضو بنانے جا رہا ہوں اور یہ معاملہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کو مارنے کے لئے کیا تھا تا کہ حب جاہ وغیرہ سے باز رہے۔

محمد بن کعب قرظی:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے محمد بن کعب القرظی مجھے نصیحت کیجئے انہوں نے فرمایا امیر المؤمنین میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ آپکو نصیحت کروں کیونکہ میں مالدار و فقراء دونوں قسم کے لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہوں اور فقیروں سے تو کبھی روگردانی بھی کر لیتا ہوں لیکن مالداروں سے خندہ پیشانی سے ملتا ہوں اور اللہ رب العزت کی فرمانبرداری تو اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کئے جانے والے عمل میں ہے نہ کہ دوسرے کی رضاء کے لئے کئے جانے والے عمل میں“

ایک راہب کا واقعہ:

بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگ ایک مرتبہ سفر کیلئے نکلے تو دوران سفر وہ راستہ بھول گئے انہیں ایک جگہ راہب ملا تو انہوں نے اس سے پوچھا ہم راستہ بھول گئے ہیں آپ ہماری صحیح رہنمائی فرما دیجئے تو اس راہب نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ٹھیک راستہ تو یہ ہے۔

دوسری قسم: یہ ایسے افعال ہیں جو کسی دوسرے کی دیکھا دیکھی کئے جائیں یہ افعال اچھے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا نتیجہ ہوتے ہیں جن کا وجود متقی و پرہیزگار لوگوں کی وجہ سے ہوتا ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا تمہیں خوب غور کر لینا چاہئے کہ تمہاری دوستی کیسے لوگوں کے ساتھ ہے“ چنانچہ جب آدمی اپنے دوستوں کے ساتھ بکثرت بیٹھنا شروع کرتا ہے تو انس و محبت پیدا ہوتی ہے جس سے آدمی انہیں کے افعال کو اپنانا پسند کرتا ہے اور انہیں کے کاموں میں ہمدردی لیتا ہے اور کسی طرح بھی ان سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہوتا اور پھر بھلائی میں بھی اپنے

آپ کو ان سے پیچھے رہنا گوارا نہیں کرتا لہٰذا یہ خواہش اسکو انکی برابری کا سبق دیتی ہے اور کبھی کبھی غیرت ان سے آگے بڑھنے پر بھی برانگیختہ کرتی ہے جس سے وہ دوست احباب اسکی سعادت مندی کا سبب بنتے ہیں ایسے مواقع میں عرب حضرات ایک محاورہ استعمال کرتے ہیں (لولا الوئام لهلک الانام) اگر لوگوں میں آپس میں میل جول نہ ہوتا تو وہ ہلاک ہو جاتے یعنی لوگ اگر ایک دوسرے کو دیکھ کر بھلائی کی طرف رغبت نہ کرتے تو ہلاک ہو جاتے۔

بعض عرب کے بلغاء حضرات فرماتے ہیں پسندیدہ چناؤ اچھے دوستوں کی صحبت اختیار کرنا ہے اور سب سے برا چناؤ برے لوگوں سے لگاؤ رکھنا ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ اخلاق فاضلہ کے حصول میں دوستی کی بڑی تاثیر ہے پس اگر ہمنشین اچھے ہوں تو آدمی کے اخلاق بھی اچھے ہوتے ہیں اور اگر دوست برے ہوں تو اخلاق و عادات بھی اسی قدر بری ہوتی ہیں۔ اس پر شاعر نے اشعار کہے ہیں۔

رایت صلاح المراء یصلح صلاحه ویعد یهم داء الفساد اذا فسد

میں نے آدمی کی اچھائی کو دیکھا جو اس کے گھر کو اچھا کرتی ہے اور انہیں فساد کی بیماری دیتی ہے جب وہ خراب ہو جائے۔

یعظم فی الدنیا بفضل ملاحه
و یحفظ بعد الموت فی الاهل و الولد

آدمی کی دنیا میں اس کے اچھے اخلاق کی وجہ سے تعظیم کی جاتی ہے اور گھر بار اور بچوں کی موت کے بعد حفاظت کی جاتی ہے۔

ابوبکر خوارزمی کے اشعار

لاتصحب الکسلان فی سریعة کم صالح بفساداخر یفسد

تو سست آدمی سے اس کے احوال میں کبھی دوستی مت کرنا کتنے ہی نیک لوگ دوسرے کی خرابی سے خراب ہو جاتے ہیں۔

عدوی البلید الی الجلید سرایة والجمه یوضع الرمادفیخمد

بیوقوف کی بے وقوفی سمجھ دار آدمی کی طرف جلدی بڑھتی ہے اور انگارہ راکھ میں رکھا جائے تو بجھ جاتا ہے۔

تیسری قسم:

افعال مکلفہ سے بڑھ کر زائد افعال کی بجا آوری کی تیسری قسم وہ ہے کہ آدمی ابتداً خود ایسے کام بطور ثواب وقربت کرے یہ پاک نفسی اور رغبت کا نتیجہ ہوتا ہے جو کہ دین میں یقین اخلاص وللّٰہیت کی دلیل ہے اور یہ عمل کرنے والوں کا سب سے افضل حال ہے اور عبادت گزاری کی اعلیٰ منزل ہے۔

اہل خیر کے مراتب:

کہا جاتا ہے کہ بھلائی کے کام کرنے میں لوگوں کے چار مراتب ہیں اول تو وہ لوگ ہیں جو از خود نیک کام بطور ثواب کرتے ہیں دوسرے وہ لوگ ہیں جو بھلائی کے کام دوسروں کی اتباع کرتے ہوئے کرتے ہیں، تیسرے وہ لوگ ہیں جو اچھا جانتے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں چوتھے وہ لوگ ہیں جو محروم ہوتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ کرتے ہیں۔

پس جو لوگ اول درجہ میں ہیں وہ نہایت ہی اعلیٰ درجے کی کرامت کو پانے والے ہیں اور جو لوگ اتباعاً اچھے کام کرتے ہیں وہ بھی دانائی سے معمور ہیں البتہ جو لوگ اچھا جان کر بھی بھلائی کے کام نہ کریں وہ بیکار ہیں اور جو لوگ اس طرح دور رہیں کہ نہ علم ہے اور نہ کرتے ہیں وہ بدبخت ہیں۔

مندوبات کی دو قسمیں:

پھر ان مندوبات کی بھی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ آدمی جس نیکی کو اختیار کرے اس پر دوام اور ہمیشگی اختیار کرے یہ بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ مرتبہ ہے یہی طریقہ کار سلف صالحین کا رہا اور پھر ان کے بعد والوں نے بھی اسی شان سے انکی اتباع کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے ''اے لوگو! وہ اعمال اختیار کرو جن کی تم

طاقت رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تو بندے کو اسوقت تک ثواب عطا فرمانا ختم نہیں کرتے جب تک وہ اپنے عمل سے اکتا نہ جائے اور اعمال میں سب سے بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام اختیار کیا جائے''۔

اور حضرات عرب تو کہا کرتے ہیں درمیانہ روی اور دوام جب تک ہو آدمی سبقت لے جانے والے گھڑ سوار کی طرح ہوتا ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ جس آدمی کی چاہ ورغبت صحیح ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنا چاہتا ہو اسکی خوشی ومسرت بجز اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کسی چیز میں نہیں رہتی حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ایک راہب سے پوچھا تمہاری عید کب ہوتی ہے تو اس نے بڑا پیارا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہر وہ دن جس دن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کروں وہ دن عید کا دن ہے ان لوگوں کو دیکھئے کہ ان کے مقاصد میں فرمانبرداری کہاں ہے لیکن کس قدر فصیح وبلیغ جملہ کہا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی محبت میں ہے اور یہ راہب اپنی استطاعت کو خرچ کرنے پر کتنا برانگیختہ ہے۔

زینت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے کریں:

ایک آدمی نہایت عبادت گزار تھا وہ عید کے روز بڑی خستہ حالت میں گھر سے نکلا جب اس سے پوچھا گیا کہ لوگ تو آج کے دن بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے گھروں سے نکل رہے ہیں اور تمہاری یہ حالت کیوں بنی ہوئی ہے اس نے کہا اللہ کے اطاعت سے بڑھ کر کوئی اچھی چیز ہے جس سے آدمی اپنے آپ کو مزین کرے۔

ایک اور قسم:

جو لوگ اعمال صالحہ کی بجا آوری کرتے ہیں انکی قسم وہ ہے جن میں دوام تو نہیں پایا جاتا البتہ بکثرت اچھے اعمال کرتے ہیں ایسے لوگ کبھی کبھی گاہے گاہے ناغہ کرنے کی وجہ سے ان کے زیادہ مشابہہ معلوم ہوتے ہیں جو لوگ کم وبیش ہی اچھے اعمال کرتے ہوں کیونکہ بکثرت ایسے زیادہ اعمال کی وجہ سے طبیعت میں ملال آجاتا ہے جسکی وجہ سے ان اعمال میں تقصیر واقع ہوتی ہے جن کو کرنا واجب ولازم ہوتا ہے پس یہ اعمال نہ کرنا تقصیر ہی کا سبب

ٹھہرتا ہے کہ ایسے زائد اعمال کی بجا آوری کی چنانچہ نتیجۃً کی واقع ہوئی کہ مثلاً نفل تو بہت سارے پڑھ لئے لیکن فرض چھوٹ گئے یا پھر مندوب اعمال پر دوام برقرار رکھنے سے عاجز رہا تو زیادتی بکثرت حاصل نہ ہوسکی بایں ہمہ کہ واجبات وفرائض میں خلل واقع نہ ہو لہٰذا یہ غایت کے اعتبار سے تو بہت تھوڑا ہے لیکن ایسا عمل جو تھوڑا ہو اور طویل زمانے تک مداومت سے کیا جائے یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ محبوب ہے کیونکہ تھوڑے وقت میں بہت زیادہ عمل کرنے والا کبھی تو ایک زمانے تک کرتا رہتا ہے اور کبھی بالکل ہی چھوڑ بیٹھتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس زمانے میں وہ عمل کر رہا ہے اس زمانے میں لہولعب یا غلطی کا شکار ہو جاتا ہے البتہ اسکے مقابلہ میں لمبے زمانے تک تھوڑا تھوڑا عمل کرنے والا بیدار مغز اور یادداشت والا رہتا ہے، حضرت ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اسلام کے اعمال کے لئے تیزی ہے اور ہر تیزی کے بعد انقطاع ہوتا ہے پس جو آدمی میانہ روی سے چل کر تقرب الی اللہ حاصل کرے اس کی کامیابی کی امید رکھو اور جس کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جائیں جان لو کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے''۔

اس ارشاد مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کیلئے تیزی غلو کا ہونا ارشاد فرمایا ہے اور یہ وہی کثرت سے اعمال کرنا ہے اور پھر آپ نے اس غلو کا منتھی اعمال کو ایک عرصہ کے بعد چھوڑ بیٹھنا بتایا ہے پس یہ بکثرت اعمال کرنا یا تو واجبات وفرائض میں خلل کا سبب بنے گا یا پھر تقصیر کا سبب اور ان دونوں میں کوئی بھی اچھی بات نہیں۔

دنیا کی حقیقت:

جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کو انسان کے واسطے حاکم بنایا ہے یا پھر انسان کے خلاف حاکم بنایا ہے پھر حق انسان کیلئے رہنما ہے یا پھر انسان کی طرف رہنما ہے جب دنیا ملنی شروع ہو جائے تو پے در پے ہلاکتیں آتی ہیں اور جب جدا ہوتی ہے تو جلا دینے والے مصائب آتے ہیں پس اگر دنیا مل بھی جائے تو اسکو دوام نہیں ہوتا اور اسکی جدائی کے بغیر

چارہ کار بھی نہیں پس آدمی کو چاہئے کہ اپنے نفس کو دنیا چھوڑنے پر ہی آمادہ کرےاور مشق کرتا رہے تاکہ اسکی سختیوں سے محفوظ رہے اور جدائی اختیار کرے تاکہ اسکی تکلیفوں سے مامون رہے کہا جاتا ہے آدمی قرض لیتا رہتا ہے اپنی اس عمر سے جو خود بھی ایک دن ختم ہو جانے والی ہے۔ اگرچہ کسی قدر طویل ہی کیوں نہ ہو آخر چھوٹی ہی ہےاور فرصت اگرچہ کتنی ہی تام ہو کم ہی سمجھی جاتی ہے۔

اشعار

اذا اکملت المرء ستون حجة　　فلم یحظ من ستین الابسد سھا

(ترجمہ) جب آدمی کی زندگی کے ساٹھ سال مکمل ہو جاتے ہیں تو اس ساٹھ سالہ زندگی سے وہ صرف چھٹا حصہ حاصل کر پاتا ہے۔

الم تران النصف باللیل حاصل　　وتذھب اوقات المقیل بخمسھا

(ترجمہ) کیا تم نہیں دیکھتے کہ آدھی زندگی تو رات میں گذر جاتی ہے اور پانچواں حصہ سونے کے اوقات میں گذر جاتا ہے۔

فتاخذ اوقات الھموم بحصة　　واوقات اوجاع تمیت بمسبھا

علاوہ ازیں سوچ بچار کے اوقات اپنا حصہ لے جاتے ہیں اور جن اوقات میں مشقتیں لاحق ہوتی ہیں اس کے تانبے کو مار دیتی ہیں۔

فحاصل مایبقی له سدس عمره　　اذا صدقته النفس عن علم حدسھا

(ترجمہ) اس طرح زندگی کا بقیہ چھٹا حصہ آدمی کو حاصل ہوتا ہے جب نفس اس کی دانائی کی علامت سے اس کو سچا کہے۔

دنیاداری سے لاتعلقی:

دنیا داری سے لاتعلقی تین طرح سے ہوتی ہے اور پھر ہر طریقے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔

لہٰذا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل کو دنیا کی محبت سے ہٹا لینا کیونکہ دنیا کی محبت انسان

کو آخرت سے غافل کر دیتی ہے لہٰذا دنیا کے حصول کی کوشش ختم کر دی جائے اور اسکی طرف میلان کو ختم کر دیا جائے اور دنیوی اسباب سے یقین ختم کر دیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے فرمایا۔ جس کے دل میں دنیا کی محبت بھر گئی اور وہ دنیا کی طرف رغبت کرنے لگا تو وہ ایسے مشاغل میں پھنس جائے گا کہ اسکی مشقت سے راغب کی جان نہیں چھوٹنے پائے گی اور وہ ایسی ایسی امیدیں باندھے گا جن کی کوئی انتہا نہیں اور وہ دنیا پر ایسا حریص ہوگا کہ جس کے بیان کی کوئی غایت نہیں''

دنیا کی حقیقت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ دنیا شیطان کی کھیتی ہے اور دنیا دار لوگ اسکے کاشتکار ہیں یا اسکے چوکیدار ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا'' دنیا کی مثال ایک سانپ کی سی ہے اسکو چھو کر دیکھیں تو بہت نرم و گداز اور اسکا زہر ہلاک کر دینے والا ہے پس اس دنیا کی جو چیز آپکو اچھی لگے اس سے روگردانی کرو تا کہ جو تھوڑا بہت آپ کے پاس ہے اسی پر اکتفا ہو اور اس کے غم آپ سے دور رہیں کیونکہ آپ نے اس کے فراق کا عہد کر لیا ہے پس آپ اس دنیا کی چیزوں سے ڈرتے رہیں کیونکہ آپ تو اس سے مانوس ہیں جس کے حکم سے یہ دنیا باقی ہے، دنیا دار جب بھی اسکو پا کر خوشی محسوس کرتا ہے تو اسکی طرف دنیا کی برائی متوجہ ہو جاتی ہے اور اگر وہ اس سے مانوس ہوتا ہے تو اس وحشت کو دور کر دیتی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ دنیا اسکے چاہنے والے کو نہیں ملتی اور یہ دائمی طور پر کسی کے پاس رہتی بھی نہیں اور پھر یہ فتنہ انگیزی سے خالی بھی نہیں ہوتی اور مشقت سے خالی بھی نہیں پس اس سے روگردانی ہی بھلی ہے چہ جائے کہ یہ آپ سے اعراض کرے آپ اس سے اعراض کرلیں اور قبل اس کے کہ یہ آپکو بدل ڈالے آپ اسکو بدل دیں کیونکہ دنیاوی خوشحالی منتقل ہوتی رہتی ہے اور احوال بدلتے رہتے ہیں اور لذتیں فنا ہو جاتی ہیں اور مشقتیں باقی رہ جاتی ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں دنیا کو ایسے دیکھو جیسے زاہد دیکھتا ہے نہ کہ اسکے چاہنے والوں کی طرح اس سے امیدیں وابستہ کرلو۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

الاانما الدنیا کا حلام نائم　　وما خیر عیش لایکون بدائم

(ترجمہ) خبردار اس دنیا کی حقیقت فقط سوتے ہوئے کے خواب کی سی ہے اور ایسی زندگی میں کوئی خیر نہیں جو ہمیشہ (دائمی) نہ ہو۔

تامل اذا مانلت بالامس لذة　　فافنیتها هل انت الا کحالم

(ترجمہ) ذرا غور کرو کہ اگر تم نے گذشتہ دن کوئی لذت پائی تھی اور اسے ختم کردیا تھا تو کیا خواب دیکھنے والے کی طرح نہیں ہے۔

فکم غافل عنه ولیس بغافل　　وکم نائم عنه لیس بنائم

(ترجمہ) کتنے ہی لوگ ہیں جو ظاہراس دنیا سے غافل ہیں لیکن درحقیقت غافل نہیں اور کتنے ہی ہیں جو اس سے نیند میں ہیں لیکن حقیقت میں سونے والے نہیں ہیں۔

دنیا کی بے وقعتی کی وجہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے فرمایا''یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر ذلیل اس لئے ہے کہ اس کی نافرمانی صرف دنیا ہی میں کی جاتی ہے اور جو راحتیں اللہ جل شانہ کے پاس ہیں وہ اس دنیا کو چھوڑے بغیر نہیں مل سکتیں''۔ حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! دنیا سے اعراض کرو اور اسکو پیچھے پھینک دو، کیونکہ یہ تیرا گھر بھی نہیں اور تیرے قرار کی جگہ بھی نہیں بلکہ دنیا تو بندوں کے لئے اس خاطر بنائی گئی ہے تاکہ اس میں رہ کر روز محشر کی تیاری کریں۔

دنیا کے اوصاف:

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا یہ دنیا ایک پل کی مانند ہے اسکو عبور کر جاؤ کہیں اسکو تعمیر کرنے نہ بیٹھ جانا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا اسکا اول مشقت ہے اور آخر فانی ہے اور جو حلال کمایا گیا اسکا حساب ہوگا اور جو

حرام کمایا گیا اس پر سزا ہوگی، جو اس میں صحیح طریقے پر چلا وہ تو مامون رہے گا اور غلط چلا وہ سخت ندامت کا شکار ہوگا اور جو اس سے مالا مال ہوگا اس کا امتحان لیا جائے گا اور جو اس میں رہتے ہوئے فقیر رہا وہ مغموم ہوگا جس نے اسکو حاصل کرنے کی کوشش کی وہ اسکو نہ پاسکے گا اور جو اسکو دھتکارے گا اسکے قدموں میں آ گرے گی اور جو اسکو حاصل کرنے کے لئے غور و فکر میں لگا رہے گا اسکو اندھا بنا دے گی اور جو اسکو آخرت کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھے گا اسکو بصیرت دے گی۔

دنیا کی آمد اور واپسی:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دنیا کی آمد چاہنے والے (طالب) کی طرح اور واپسی بھاگنے والے کی طرح ہوتی ہے جب یہ ملتی ہے تو انتظار سے اکتائے ہوئے کی طرح ملتی ہے اور جب جدا ہوتی ہے تو جلد باز کی طرح اسکی بھلائی بہت ہی قلیل ہے اور اسکی زندگی بہت ہی تھوڑی ہے اسکا مل جانا دھوکہ ہے اور لذتیں فانی ہیں اور مشقتیں دائمی ہیں پس زمانے کی تھوڑی سی نیند کو غنیمت جانو اور ممکنہ فرصت کو حاصل کر کے اپنے آپ سے کچھ اپنے لئے بھی حاصل کر لو اور اپنے آج کے دن سے کچھ آنے والے کل کیلئے زادراہ تیار کر لو۔

دنیا کے اصل معنی:

حضرت وھب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا و آخرت کی مثال دو سوکنوں کی طرح ہے اگر ایک کو راضی کر لیا تو دوسری ناراض ہوگی، حضرت عبدالحمید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یہ دنیا ایک لمبی منزل ہے جس میں لوگ آتے ہیں اور جاتے ہیں اور حکماء فرماتے ہیں یہ دنیا یا تو اچانک آنے والی مصیبت ہے یا پھر بہت جلد زائل ہو جانے والی عارضی خوشحالی ہے اور کہا جاتا ہے دنیا کے خسیس ہونے کی دلیل اسکا نام دنیا ہونا ہے کیونکہ دنیئ کے معنی ہیں ردی چیز۔

تمتع من الایام ان کنت حازماً   فانک منها بین ناہ و اٰمر

اگر تو سمجھدار محتاط ہے تو اس دنیا سے فائدہ اٹھالے کیونکہ تو اس میں روکنے والے اور

حکم دینے والے کے درمیان ہے۔

فاذا ابقت الدنیا علی المرء دینه فما فاته منها فلیس بضائر

اگر دنیا کسی کا دین (ایمان) باقی چھوڑ دے تو اس کے علاوہ جو کچھ اس میں سے ضائع ہو وہ نقصان دہ نہیں۔

فلن تعدل الدنیا جناح بعوضة ولا وزن ذر من جناح لطائر

یہ دنیا تو ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں اور نہ ہی کسی پرندے کے پر کے ذرے کے وزن برابر ہے۔

دنیا دو دن کی ہے ایک دن خوشی ایک دن غم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''یہ دنیا دو دن کی ہے ایک خوشی کا دن دوسرا غم کا دن اور یہ دونوں بھی زائل ہونے والے ہیں پس جو چیز فنا ہونے والی ہے اسکو چھوڑ دو اور اپنے نفس کو اس عمل کا پیرو کار بناؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے'' حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا دنیا داروں کے ساتھ انکے دنیوی معاملات میں نہ جھگڑو مبادا کہ وہ تمہارے دینی اعمال میں تم سے جھگڑنے لگیں ورنہ انکی دنیا کو تو تم پا نہ سکو گے ساتھ میں اپنا دین بھی باقی نہ رہے گا۔

دنیا داروں سے بچو:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ایسے لوگوں کے پاس مت ٹھہرو جو دنیا کے متعلق بات تو زاہدوں والی کریں لیکن انکا عمل دنیا میں رغبت رکھنے والوں کا ہو مثلاً اگر انہیں دنیا میں سے کچھ دیا جائے تو سیر نہ ہوں اور اگر دنیا ہٹالی جائے تو جو ہاتھ میں ہو اس پر قناعت نہ کریں اور پھر جو کچھ دیا گیا اس پر شکر بھی نہ کریں پھر جو حاصل ہے اس سے بھی زیادہ کی تلاش میں رہیں لوگوں کو تو دنیا سے دور رہنے کو کہیں لیکن خود دور نہ رہیں اور ایسے کاموں کا حکم کریں کہ جو خود نہ بجالائیں صالحین سے محبت کا دعوی تو بڑا پرزور انداز میں کریں اور عمل کرنے میں صفر ہوں اور برے لوگوں سے تو نفرت کریں لیکن سر تا پا انہیں کے لبادے میں ہوں ایسے لوگوں سے اللہ کی پناہ مانگیے اور اپنے ایمان کو کل کیلئے بچائیے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں دنیا سراپا غم ہے اور جو کبھی کبھار خوشی مل جاتی ہے وہ سمجھو نفع ہے بعض علماء فرماتے ہیں دنیا بکثرت بدلتی ہے اور بہت جلد نفرت پیدا کرتی ہے اسکا نشہ بڑا سخت ہے ہمیشہ کی دھوکہ باز ہے اپنے دل سے اسکی محبت کی جڑ ہی کاٹ ڈالو اور اپنی امیدوں کو اس سے دور کر ڈالو ایسے بن جاؤ گویا تمہیں اپنے اعمال کا ملتا ہوا اجر و ثواب نظر آ رہا ہو اور اہل حکمت فرماتے ہیں یہ دنیا سخت تکلیف دہ مصیبت ہے یا پھر المناک موت کی طرح ہے"

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

خل دنیاک انها　　　　یعقب الخیر شرها

اپنی دنیا کو چھوڑ دے اس کی برائی اس کی بھلائی کے پیچھے پیچھے چلی آتی ہے۔

هیام تعق من　　　　نسلها من یبرها

یہ ایک ایسی ماں ہے کہ اس کی نسل میں سے جو اس سے اچھا سلوک کرے اسی پر ظلم کرتی ہے۔

کل نفس فانها　　　　تبتغی ما یسرها

ہر انسان اس کو خوش کرنے والی چیز کی تلاش میں رہتا ہے۔

والمنایا تسوقها　　　　و الامانی تغرها

اور اموات اسے ہانکتی چلی آتی ہیں اور امیدیں دھوکہ میں ڈالتی ہیں۔

فااستحلت الجنی　　　　اعقب الحلو مرها

جب یہ میٹھا پھل دیتی ہے تو اس کی کڑواہٹ مٹھاس کے پیچھے چلی آتی ہے۔

یستوی فی ضریحه　　　　عبد ارض وحرها

اس کی گود میں زمین کا غلام اور آزاد سب ہی برابر ہیں۔

زہد اختیار کرنے کے بعد تین صفات:

مذکورہ بالا حالت کے مطابق اگر آپ اپنے نفس کو ڈھال لیں تو آپ میں تین صفات

پیدا ہو جائیں گی۔

پہلی صفت: ایک محبت کرنے والے کی شفقت کی کفایت اور چاہنے والے سے ڈرنا پس شفقت کرنے والے کیلئے کوئی اعتماد نہیں اور نہ ڈرنے والے کیلئے کوئی راحت ہے۔

دوسری صفت: لہولعب کی چیزوں کے دھوکہ سے مامون رہیں گے اور اسکے مصائب کی سختی سے سالم رہیں گے کیونکہ دنیا کے ساتھ دل لگی کرنے والا دھوکے میں رہتا ہے اور جو دھوکہ میں رہے وہ خوف زدہ بھی رہتا ہے۔

تیسری صفت: اسکے حصول کے لئے تھکا دینے والی کوشش سے آرام میں رہیں گے کیونکہ جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ اسکی طلب میں لگ جاتا ہے اور جو کسی چیز کی طلب میں لگ جائے وہ اسکے درپے رہتا ہے اور جو اسکی جستجو میں لگا رہے اگر پا بھی لے تو بد بخت ہو جاتا ہے اور اگر نہ پاسکے تو محروم ہو جاتا ہے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے کعب! لوگ صبح کو گھروں سے نکلتے ہیں تو دو طرح کے ہوتے ہیں کچھ تو وہ ہوتے ہیں جو اپنے نفس کو خریدتے ہیں اور اسکو آزاد کر دیتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو اپنے نفس کو فروخت کرتے ہیں اور اسکو ہلاک کر ڈالتے ہیں''۔

حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام نے فرمایا اے لوگو تم دنیا کیلئے عمل کرتے ہو حالانکہ تمہیں اس میں جو رزق دیا جاتا ہے وہ بغیر عمل کے دیا جاتا ہے البتہ تم لوگ آخرت کے واسطے بالکل عمل نہیں کرتے اور معلوم ہونا چاہیے کہ آخرت میں عمل کے بغیر کچھ بھی نہیں ملے گا بعض حضرات کا قول ہے ''دنیا کی نحوست کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ایک حال پر باقی نہیں رہتی بلکہ ایک جانب ٹھیک کرے تو دوسری جانب خراب کرتی ہے ایک کو خوش کر کے دوسرے کو ناراض کرتی ہے اسکی طرف میلان خطرناک اور اعتماد دھوکہ ہے بعض نے کہا کہ یہ دنیا ہدیہ کی گئی چراگاہ ہے لیکن یہ زمانہ حاسد ہے جس چیز پر آتا ہے اسے بگاڑ دیتا ہے۔

اور اس دنیا میں زندگی بسر کرنے والوں کی ایسی حاجات ہوتی ہیں جو کبھی ختم بھی نہیں ہوتیں اور جب اسکو دنیا کی ٹھنڈک پہنچتی ہے جس کی طرف اسکا دل مائل ہوتا ہے تو اسکو پھینک دیتا ہے اور وہ کہتا ہے یہ ہے تو خوشی مگر کاش کہ اس کا دھوکہ نہ ہوتا اور یہ نعمت ہے اگر

معدوم نہ ہواور ہے تو بادشاہت اگر ہلاکت نہ ہواور تونگری بھی ہے اگر ختم نہ ہواور بڑا وافر حصہ ہے اگر یہ مذمت والی نہ ہواور لائق تعریف ہے اگر گم ہو جانے والی نہ ہواور امیری ہے اگر اسکی تمنا نہ ہواور بلندی ہے اگر ضائع ہونے والی نہ ہو قدر و منزلت ہے اگر مصیبت نہ ہو اور خوبصورتی ہے اگر غم نہ ہواور یہ آج ہے کیا اگر اس پر آنے والے کل کیلئے اعتماد کیا جائے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں اس دنیا کو چھوڑنے اور چاہنے والوں میں سے بہت سوں نے حاصل کیا ہے مگر یہ ہر رغبت رکھنے والے پر سبقت لے گئی اور چھوڑنے والے سے باز رہی ابوالعتاہیۃ نے اس موقع پر بڑے دلچسپ اشعار کہے ہیں ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

هی الدار دار الاذی و القذی و دار الفناء و دار الغیر

یہ دنیا تکالیف اور بری چیزوں کا گھر ہے اور فنا ہونے اور بدل جانے والا گھر ہے۔

فلو نلتها بحذا فیر ها لمت ولم تقض منها الوطر

اگر تم اس کے تمام سیم و زر کو پا بھی لو تو تم مر تو جاؤ گے مگر خواہش پوری نہ کر سکو گے۔

ایا من تومل طول الخلود وطول الخلود علیه ضرر

اے وہ شخص جو دنیا میں بہت زیادہ دوام کو چاہتا ہے حالانکہ زیادہ رہنا اس میں نقصان دہ ہے۔

اذا ما کبرت وبان الشباب فلا خیر فی العیش بعد الکبر

جب تو بوڑھا ہو جائے اور جوانی ڈھل جائے تو بڑھاپے کے بعد زندگی میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

دنیا سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے فرمایا ''اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہواور ایسے نفس سے جو سیراب نہ ہواور ایسے دل سے جو نہ ڈرتا ہواور ایسی آنکھ سے جو آنسو نہ بہاتی ہواور فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی توقع نہیں رکھتا مگر ایسی مالداری کی جو آدمی کو سرکش بنا ڈالے یا ایسے فقر کی جو آدمی کو مٹا ڈالے یا ایسی بیماری کی

جو خراب کر دے یا ایسے بڑھاپے کی جو قید کر دے یا دجال کا انتظار ہے جو غائب شر ہے یا قیامت کا انتظار ہے اور قیامت تو بہت ہی ڈراؤنی اور مشکل گزار ہے"۔

اللہ کی خدمت کرو دنیا خادم بنے گی:

کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی گئی کہ اپنے دل کا خشوع مجھے ہدیہ کر دو اور اپنے بدن کی انکساری اور آنکھوں کے آنسو دے دو تو پس میں بہت ہی تمہارے قریب ہوں"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا سے فرمایا جو میری خدمت کرے تو اسکی خدمت کیا کر اور جو تیری خدمت کرے اسکو تو اپنا خادم بنا دلے اور بعض فرماتے ہیں اپنی لمبی امیدوں سے اپنے تھوڑے سے عمل میں زیادتی کرو کیونکہ یہ دنیا بادل کے سائے کی طرح ہے اور سونے والے کے خواب کی طرح ہے چنانچہ جس نے اسکو پہچانا پھر اسکی طلب میں لگ گیا وہ گمراہ ہو گیا اور توفیق سے محروم رہا۔

بعض حکماء حضرات فرماتے ہیں کہ تجھے دنیا کا آنا اسکے جانے سے مطمئن نہ کر دے اور تیری فتح کے بعد کوئی ملک مطمئن نہ کر دے اور کہا گیا دنیا کا جو دن گزر گیا وہ ایسا ہے جیسے کچھ بھی نہ ہو اور جو باقی ہے وہ گزرے ہوئے زمانے کی طرح ہے۔

دنیا سے بخوشی نکل جاؤ:

ایک زاہد سے پوچھا گیا تو نے کیسے دنیا چھوڑی اس نے جواب دیا مجھے یقین تھا کہ میں اس دنیا سے مجبور کر کے نکالا جاؤں گا تو میں نے سوچا کہ میں بخوشی خود ہی نکل جاؤں۔

حرقہ بنت نعمان سے پوچھا گیا آپ اسقدر کیوں آہ وزاری کرتی رہتی ہیں؟ انہوں نے کہا میں نے اپنے گھر والوں کی مالی فراخی دیکھی اور مشاہدہ ہے کہ جس گھر میں خوشی بھری ہو اس میں رنج بھی بھرتا ہے اور حضرت ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس آدمی کو دنیا نے راغب ہونے کے سبب میٹھا گھونٹ پلایا اسے آخرت کڑوا گھونٹ بھی پلائے گی تا کہ وہ اس سے دور ہو جائے اور کلیلہ ودمنہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ دنیا کا طلبگار سمندری پانی پینے والے کی طرح ہے جو جتنا پیتا جائے پیاس اسی قدر بڑھتی جاتی ہے"۔ حضرت عمر بن

عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نهارک یا مغرور سهوو غفلة　　　ولیلک نوم و الاسی لک لازم

اے دھوکہ میں پڑے ہوئے انسان تیرا دن غفلت اور غلطی میں گذرتا ہے اور رات سونے میں جبکہ تیرے ساتھ ہمدردی کرنا لازم ہے۔

تسر بما یفنی و تفرح بالمنی　　　کما سر باللذات فی النوم حالم

تو فنا ہو جانے والی چیزوں سے مسرور اور تمناؤں سے خوش ہوتا ہے جیسے سوتا ہوا شخص خواب کی لذتوں سے خوش ہوتا ہے۔

وشعلک فیما سرف تکره غبة　　　کذلک فی الدنیا تعیش البهائم

اور تو ان چیزوں میں مشغول ہے جن کے انجام سے تو عنقریب نفرت کرے گا اسی طرح دنیا میں جانور زندگی گذارتے ہیں۔

ایک آدمی نے سنا کہ ایک آدمی اپنے دوست سے کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ تجھے کبھی برائی نہ دکھائے اس نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اس کو موت کی بدعا دی ہے کیونکہ تیرا دوست دنیا دار ہے یہ لازمی طور پر (ناپسند چیز) برائی دیکھے گا۔ ابو العتاھیہ نے یہ اشعار کہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ان الزمان ولو یلین لا هله مخاشن.

بیشک یہ زمانہ لوگوں کے لئے کتنا ہی نرم کیوں نہ ہو آخر یہ سخت ہی ہے۔

خطو اته المتحر کات کانهن سو اکن.

اس کے ہلتے ہوئے قدم گویا ساکن معلوم ہوتے ہیں۔

دوسری حالت:

دوسری حالت زہد کی یہ ہے کہ آپ اپنے نفس کی ان نعمتوں پر تصدیق کریں جو اس نے آپ کو بخشی ہیں اور آپکو جو اس کی مشکلات پیش آئیں پس آپ جان لیں گے کہ جو کچھ

آپکو دیا گیا تھا وہ واپس لیا جائے گا بعد اس کے کہ ایک زمانے تک باوجود مشقت کے آپ کے پاس رہا اور ہاتھ سے نکلنے کے وقت خسارہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قیامت کے دن ابن آدم سے پہلے یہ تین سوال کیے جائیں گے۔ اپنی جوانی کو کس چیز میں لگایا۔ اپنی عمر کس عمل میں فنا کی اور مال کہاں سے کمایا اور پھر کہاں خرچ کیا۔

مال کی تین صفات:

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا مال میں تین قسم کی صفات ہوتی ہیں پوچھا گیا اے اللہ کے رسول علیہ السلام! وہ تین کونسی صفات ہیں؟ فرمایا کہ مال کو غیر حلال طریقے سے کمایا جائے گا لوگوں نے پوچھا اگر حلال طریقے سے کمایا جائے تو؟ فرمایا وہ مال کو غلط جگہ میں لگا دے گا'' لوگوں نے کہا اگر صحیح جگہ لگا دے تو؟ فرمایا وہ اسکو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے مشغول رکھے گا''۔

حضرت ابو حازمؒ بشر بن مروان کے پاس آئے تو بشر نے پوچھا ہم جس مصیبت میں ہیں اس سے نکلنے کا کیا طریقہ ہے؟ انہوں نے فرمایا دیکھو جو کچھ تمہارے پاس ہے اسکو صحیح جگہ لگاؤ اور جو تمہارے پاس نہیں وہ لوگوں سے ناحق مت وصول کرو۔ اس نے کہا اے ابو حازم اسکی کون طاقت رکھتا ہے؟ انہوں نے فرمایا اے بشر جہنم کو اسی وجہ سے جن وانس سے بھر دیا گیا ہے''

مال ہی کے سبب مصیبت ہے:

ایک مرتبہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غریب ہونے پر عار دلائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ مال ہی تو ہے جس کے سبب لوگ مصیبت میں مبتلا ہوئے ہیں'' ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک زاہد کے گھر گئے تو کوئی ایسی چیز نہ دیکھی جس کی وجہ سے اس کی عیب جوئی کرتے تو اس نے کہا اگر یہ دنیا رہنے کی جگہ ہوتی تو ہم کچھ سامان کرتے ایک زاہد سے کہا گیا کہ وصیت کرو'' اس نے کہا میں کس چیز کی وصیت کروں اللہ کی قسم ہمارے پاس تو کچھ نہیں اور نہ ہی ہماری کوئی چیز کسی کے پاس ہے نہ ہی کسی کی کوئی چیز

ہمارے پاس ہے''۔ دیکھئے یہ ہے راحت کا سامان کیسے جلدی کی اور سلامتی کا راستہ لیا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ فقر ایک ایسی بادشاہی ہے جس کا کوئی محاسبہ نہیں''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا آپ شادی نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا تکاثر (چیزوں کی کثرت) صرف آخرت میں پسندیدہ ہے؟ آپ سے کہا گیا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ آپ کو سواری کیلئے گدھا مل جاتا؟ فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بلند و مکرم ہوں کہ وہ مجھے گدھے کا خدمتگار بنائے۔

ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ کی دولت:

حضرت ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس کتنا مال ہے؟ فرمایا دو چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا اور لوگوں سے مستغنی رہنا۔ ان سے کہا گیا کہ آپ تو مسکین ہیں؟ فرمایا میں کیسے مسکین ہو سکتا ہوں میرے آقا کے پاس تو سب کچھ ہے جو زمین و آسمان میں اور ان کے درمیان ہے حتی کہ وہ تحت الثری کا مالک ہے''۔ ایک دانا کا قول ہے کہ'' کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی خوشی پر رشک کیے جانے کی وجہ سے بیماری لاحق ہو جاتی ہے اور کچھ محروم ہونے کی وجہ سے شفایاب ہو جاتے ہیں ایک ادیب کا قول ہے کہ لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں اور پھر ہر قسم کی مختلف اقسام ہیں، کہا جاتا ہے کہ زہد صحیح یقین سے حاصل ہوتا ہے اور صحیح یقین دین کے نور سے ملتا ہے چنانچہ جس کا یقین صحیح ہو گا وہ مالداروں سے مستغنی ہو گا اور جس کا دین قوی ہو گا وہ جزاء پر ایمان رکھے گا۔ تجھے تیری صحت دھوکے میں نہ ڈالے اور جو دن سلامتی سے گزرے اسکے دھوکے میں نہ رہنا کیونکہ عمر بہت تھوڑی ہے اور جسمانی صحت تبدیل ہونے والی ہے۔

مجاہدے کے ثمرات:

اگر ان مذکورہ بالا صفات کو مدنظر رکھ کر مجاہدہ کیا جائے تو اس سے تین حالتیں ظاہر ہوتی ہیں

پہلی حالت: جب آپ نے زہد و تقوی کی مذکورہ طریقوں سے مشق کر لی تو آپ اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ فرمائیں کیونکہ نفس اب آپکے تابع ہو چکا ہے اور اسکی

نگہداشت کرتے رہیں اس وقت یہ آپ پر اعتماد کر چکا ہے کیونکہ جو اپنے آپ کو دھوکہ دے وہ خسارے میں رہتا ہے اور اس سے انحراف کرنے والا کم عقل ہوتا ہے''

دوسری حالت: جو کچھ اللہ عزوجل نے آپکو مرحمت فرما رکھا ہے اسی پر قناعت کریں جو آپ کے پاس نہیں اس سے مستغنی ہو جائیں تاکہ طلب کثرت کے تکلف میں نہ پڑیں اور کثرت کے حصول کی مشقتوں سے مامون رہ سکیں۔

تیسری حالت: اپنے فارغ اوقات کو اس طرح گزاریں کہ جہاں ضروری ہو وقت وہاں صرف ہو تاکہ یہ فرصت آپ کیلئے آنے والے وقت میں بہترین ذخیرہ ثابت ہو اور آپ پر بوجھ نہ بنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے موت سے نفرت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مال موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا مال صدقہ کے لئے پیش کرو کیونکہ مومن کا دل اسکے مال کے پاس ہوتا ہے''

صدقہ آخرت میں محفوظ ذخیرہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے بکری ذبح کی اور اس میں سے کچھ صدقہ کیا، جب اسکا گوشت کچھ مقدار میں بچ گیا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کے گوشت میں ایک ران بچ گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا تم نے صدقہ کیا ہے وہ بچ گیا مگر یہ ران نہیں بچی''۔ یعنی صدقہ کیا ہوا مال بطور ذخیرہ اجر محفوظ ہو گیا اور یہ جو ایک ران تمہیں بظاہر بچی ہوئی نظر آ رہی ہے یہ محفوظ نہیں ہو سکی ہے۔

عتبہ بن مسعود کے پوتے کا عمل:

منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک گھر اسی (۸۰) ہزار دراہم میں فروخت کیا تو ان سے کسی نے کہا کہ اس مال سے کچھ حصہ اپنے بیٹے کیلئے ذخیرہ کر لیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں اپنا یہ مال اللہ تعالیٰ کے ہاں ذخیرہ کرتا

ہوں اور اللہ تعالیٰ اسکو میرے بیٹے کیلئے بھی ذخیرہ فرمادیں گے اور پھر انہوں نے وہ سارا مال اللہ تعالیٰ کیلئے صدقہ کر دیا۔

سہل بن عبداللہ کا عمل:

حضرت سہل بن عبداللہ المروزیؒ بکثرت صدقہ کیا کرتے تھے ایک مرتبہ کسی نے انکو اس پر ملامت کی تو آپ نے فرمایا دیکھو اگر کوئی آدمی ایک گھر سے دوسرے گھر میں نقل مکانی کر رہا ہو تو کیا وہ پہلے گھر میں کوئی چیز چھوڑے گا؟ ظاہر بات ہے جواب نفی میں ہوگا یہی حال مومن بندے کا ہے کہ اس نے دار آخرت جانا ہے تو دنیا میں چیزیں بچا بچا کر رکھنے کا تو کوئی مقصد ہی نہیں ہونا چاہئے بلکہ آخرت میں ذخیرہ اندوزی کرنی چاہئے''

دنیا کی آبادکاری آخرت سے دوری:

سلیمان بن عبدالملک نے ایک مرتبہ حضرت ابو حازمؒ سے پوچھا کیا بات ہے کہ ہم لوگ موت سے اسقدر نفرت کیونکر کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اس لئے کہ تم نے اپنی آخرت کو غیر آباد کر کے خراب کر ڈالا اور اپنی دنیا کو بہترین بنا کر آباد کر لیا اب تم لوگ اس دنیا سے دار آخرت کی طرف منتقل ہونے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو اسلئے موت سے بھی نفرت کرتے ہو جو کہ دار آخرت میں منتقل ہونے کا سبب ہے۔

دنیاوی دولت کا حال:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا کہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مرنے کے بعد ایک لاکھ درہم چھوڑے ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا تو اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑ نا''

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس آدمی کو بھی دنیوی فراوانی دی اسکو اس دنیا میں کچھ نہ کچھ پریشانیاں اور مصیبتیں آتی ہیں مگر حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہیں جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ''یہ ہماری طرف سے تمہیں بخشش ہے چاہو تو استحسان کا معاملہ کرتے ہوئے دوسروں پر خرچ کرو چاہو تو سارا خود

رکھ لو تم سے کوئی حساب نہ لیا جائے گا''

حضرت ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو چیزیں ہمارے پاس ہیں اگر ہم ان کے شر سے محفوظ رہیں تو ہمیں ان چیزوں کا کوئی نقصان نہیں جو ہمیں نہیں مل سکیں، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اپنا سب کچھ دار آخرت کو منتقل کرو تا کہ تمہارے لئے ذخیرہ بن سکے اور اس دنیا میں اپنے پیچھے مت چھوڑو کہیں تم پر وزن نہ بن جائے حضرت ابراہیم فرمایا کرتے تھے یہ بھکاری لوگ کیا ہی اچھے ہوتے ہیں جو صبح و شام تمہارا دروازہ کھٹکھٹا کر کہتے ہیں کیا تم لوگ اپنی اخروی بہتری کیلئے کچھ بھیجنا چاہتے ہو؟

صلہ بن اشیم کی دعا:

حضرت امام سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میرے قریب سے صلہ بن اشیم گزرے تو باوجود تحمل کے مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں ان سے چمٹ گیا اور ان سے کہا اے ابو صہباء میرے لیے خیر و برکت کی دعا کیجئے، تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں دائمی چیزوں میں رغبت عطا فرمائے اور تمہیں فانی چیزوں سے مستغنی کر دے اور تمہیں ایسا کامل یقین عنایت کرے کہ جس کے بغیر دل مطمئن نہ ہو سکے اور دین میں اسی یقین کامل پر مدار ہو جائے''

عبدالملک کی تمنا:

عبدالملک بن مروان جب بیمار ہوا تو اس نے ایک غسل دینے والے کو دیکھا جو اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ رہا تھا عبدالملک نے اسکو دیکھ کر کہا کاش کہ میں اس غسال جیسا ہوتا اور میں اپنی زندگی اسی طرح گزارتا ایک ایک دن کر کے لکھتا رہتا جب خلیفہ کی یہ بات حضرت ابو حازمؒ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ جل شانہ کیلئے ہیں جس نے ان حکمرانوں کو ایسا کر دیا کہ وہ موت کے قریب ایسی چیزوں اور حالات کی تمنا کرتے ہیں جن حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں رکھا ہے اور قدرت کا احسان ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان جیسوں کی حالت سے محفوظ رکھا''

انسان کا حصہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے فرمایا ''ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اے ابن آدم تیرا مال صرف وہی ہے جسکو تو نے کھا کر ختم کرلیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا تجھے کسی نے دے دیا جو تو نے ختم کر ڈالا'' حضرت خالد بن صفوان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے اس طرح گزاری کہ میں تمنا کرتا رہا کہ کاش میں نے سرسبز سمندر اور لال سونا کما لیا ہوتا پس میرے لئے اس میں سے دو عدد روٹیاں اور دو کوزے پانی اور دو ٹاٹ کافی ہو جائے۔ حضرت مورق عجلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم ہر دن تجھے تیرا رزق دیا جاتا ہے اور تو غمگین ہوتا رہتا ہے اور تیری عمر روز بروز گھٹتی رہتی ہے لیکن تجھے غم لاحق نہیں ہوتا تو ایسی چیزیں مانگتا ہے جو تجھے باغی بنا دیں جبکہ تیرے پاس اتنا ہے جو تیری کفایت کر جائے۔

دو دن کی دنیا:

حضرت ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارے اور بادشاہوں کے درمیان ایک دن کا فاصلہ ہے البتہ وہ دن جو گزر گیا اسکی وہ لوگ بھی لذت کو نہیں محسوس کرتے اور جو آنے والا دن ہے اسکے خوف پر ہم اور وہ برابر ہیں البتہ آج کے موجودہ دن کی کچھ امید نہیں کہ یہ پورا بھی ہو سکے اور بعض سلف سے منقول ہے اس چیز سے دور رہو جس سے تمہیں منع کیا گیا ہوتا کہ جب وہ تمہیں دی جائے تو تم اسکے ساتھ کم مصاحبت اختیار کرو۔ بعض فرماتے ہیں جس نے دنیا میں اپنا حصہ چھوڑ دیا اسکو آخرت میں پورا پورا وصول پائے گا دنیا میں پھنس جانے سے پہلے دنیا کو چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے بجائے اسکے کہ دنیا میں پھنس جانے کے بعد دنیا کو چھوڑ دینا بہت زیادہ مشکل ہے۔ بعض نے کہا دنیا کی طلب بقدر ضرورت ہونی چاہئے اور دنیوی امور سے عبرت حاصل کرنی چاہئے تا کہ آخرت کی کوشش بڑھ چڑھ کر کی جائے ایک زاہد کا قول ہے کہ زاہد گم شدہ چیز کی تلاش میں نہیں لگتا حتی کہ موجودہ چیز گم ہو جائے اور یہ بھی کہا جاتا ہے جسکا ایمان آخرت پر ہو وہ کبھی بھی دنیا کا حریص نہیں ہوتا اور جسکا

یقین روز جزاء پر ہو وہ کبھی بھی نیکی پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا کہا جاتا ہے جس نے اپنا محاسبہ کیا وہ نفع بخش ہوا اور جو محاسبہ سے غافل رہا وہ گھاٹے میں رہا اس موقع پر ابوالعتاھیہ نے اشعار کہے۔

ترجمہ اشعار

اری الدنیا لمن ھی فی یدیہ عذاباً کلما کثرت لدیہ

جن کے ہاتھوں میں دنیا ہے ان کے لئے میں نے اسے عذاب ہی پایا جب بھی یہ اس کے پاس زیادہ ہوئی۔

تھین المکرمین لھا بصغر وتکرم کل من ھانت علیہ

دنیا اپنا اکرام کرنے والوں کو چھوٹا کر کے ذلیل کرتی ہے اور جو اس کو بے وقعت سمجھیں ان کا اکرام کرتی ہے۔

اذا استغنیت عن شئی فدعہ و خذ ما انت محتاج الیہ

جب تجھے کسی چیز کی ضرورت نہ ہو تو اسے چھوڑ دو اور وہ چیز لو جس کی تمہیں ضرورت ہے۔

امام اصمعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں ایک دن خلیفہ ہارون الرشید کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ ایک ہیں جب خلیفہ نے مجھے دیکھا تو کہا اصمعی میرا حال دیکھ رہے ہو میں نے کہا جی ہاں امیر المومنین پھر فرمایا اگر دنیا کا یہی حال ہے پھر ایک کاغذ کا پرزہ پھینکا جس میں ابو العتاھیہ کے اشعار تھے۔

ھل انت معتبر بمن خربت منہ عذاۃ قضی دساکرہ

کیا تو ان سے عبرت حاصل نہیں کرتا جن کی صحبیں خراب ہو گئیں محلات تباہ ہو گئے

وبمن اذل الدھر مصرعہ فتبرأت منہ عساکرہ

اور جسے زمانے نے پچھاڑ کر ذلیل کر دیا تو اس کے لشکروں نے اس سے براءت ظاہر کر دی۔

وبمن خلت منہ اسرتہ وتعطلت منہ منابرہ

اور جسے اس کے خاندان نے چھوڑ دیا اور ان کے منبر ان سے چھن گئے۔

این الملوک و این عزهم صاروا مصیروانت صائره

کہاں ہے بادشاہ اور کہاں ہے ان کا دبدبہ؟ وہ وہاں چلے گئے اور تو بھی وہاں ہونے والا ہے

یا موثر الدنیا للذاته و المستعدلمن یفاخره

اے دنیا کو اس کی لذتوں کی وجہ سے ترجیح دینے والے اور اس پر فخر کرنے والے کو تیار کرنے والے۔

نل ما بدالک ان تنال من الدنیا فان الموت اخره

حاصل کر لے دنیا سے جو کچھ تو پا سکتا ہے کیونکہ اس کا آخر ''موت'' ہی ہے۔

یہ اشعار دیکھ کر خلیفہ نے کہا اللہ کی قسم مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان اشعار میں صرف مجھے ہی مخاطب کیا گیا ہے اسکے بعد خلیفہ ہارون الرشید زیادہ زمانہ تک زندہ نہ رہے اور انکو موت نے آلیا۔

مجاہدہ نفس کی تیسری تدبیر:

مجاہدے کی تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے آپ کو موت کا وقت یاد دلایا جائے اور امیدوں کے دھوکے سے روکا جائے تاکہ لمبی امیدوں کی وجہ بہت قریب موت کا وقت دور نظر نہ آنے لگے اور کہیں یہ لمبی لمبی امیدیں موت اور حشر نشر کی زندگی نہ بھلا ڈالیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا ''اے لوگو ایام سمٹے جارہے ہیں اور زندگیاں ختم ہو رہی ہیں اور جسم پرانے ہوتے جارہے ہیں اور دن رات ڈاکیہ کی چال چل کر ہر دور چیز کو قریب اور ہر نئی چیز کو پرانا کرتے چلے جارہے ہیں اے لوگو میں تمہیں ترغیب دیتا ہوں شہوتوں سے اعراض کرو اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والے نیک اعمال میں رغبت اختیار کرو''

حضرت مسعر بن کدام رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کتنے ہی لوگ ہیں جو آنے والے دن کے منتظر ہیں لیکن وہ آنے والا دن پورا بھی نہیں کر پاتے کہ موت آجاتی ہے اگر تم موت کا فاصلہ دیکھ لو تو خود بخود تمہیں لمبی لمبی امیدوں اور ان کے دھوکے سے بغض ہو جائے گا انصار

میں سے ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتایئے دانا آدمی کون ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو موت کو زیادہ تریاد رکھتا ہواور موت کی تیاری خوب بڑھ چڑھ کر کرے وہ سب سے بڑھ کر دوراندیش ہے ایسے لوگ دنیا کے تمام تر اعلیٰ مراتب اور آخرت کے اکرام وعزت کے مالک ہیں''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جیسے تم لوگ سو جاتے ہو اسی طرح ایک دن تم کو موت بھی آجائے گی اور جیسے تم نیند سے بیدار ہوتے ہو اسی طرح تم ایک دن مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اے لوگو اس اللہ سے ڈرو جو اگر تم کہو تو وہ سنتا ہے اور اگر تم چھپاؤ تو وہ جان لیتا ہے اور موت کی طرف سبقت کرو جس سے تم اگر بھاگو بھی تو تمہیں آلے گی اگر تم جمے رہو گے تو بھی تمہیں آ پکڑے گی۔

حضرت علاء بن میسب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں موت سے قبل موت سے زیادہ سخت کوئی چیز نہیں اور موت کے بعد موت سے زیادہ سہل چیز کوئی نہیں بعض حضرات فرماتے ہیں گزرے ہوئے زمانہ میں وہی چیز معتبر ہے جو باقی رہ جائے اور آخرت کیلئے دنیا سے زیادہ دھمکانے والی کوئی چیز نہیں نیک بخت آدمی دھوکہ کی طرف کبھی راغب نہیں ہوتا اور نہ ہی لالچ سے دھوکہ کھاتا ہے اور بعض سلف صالحین فرماتے ہیں تمہاری بقاء کا سامان اسی فانی دنیا میں ہے اور تمہاری فناء بقاء کے لئے ہے چنانچہ تم اپنی اس ختم ہو جانے والی زندگی سے اپنی دائمی بقاء کیلئے کچھ حاصل کرلو، اور بعض نے فرمایا کونسی زندگی اچھی ہے (دنیا یا آخرت) جبکہ موت کا کوئی معالج نہیں ایک بلیغ کا قول ہے کہ ہر آدمی اپنی زندگی میں اپنے ہدف کی طرف چلتا رہتا ہے حتی کہ اسکی انتہاء موت پر ہو جاتی ہے جس پر اسکے عمل کا صحیفہ لپیٹ دیا جاتا ہے لہٰذا اپنے نفس سے اپنے لئے کچھ حاصل کرلو اور اپنے آج کو گزرے ہوئے کل پر قیاس کرو۔

اور اپنے برے اعمال کرنے سے رک جاؤ اور نیکیوں کا عزم کرلو قبل اسکے کہ تمہیں موت آگھیرے اور دنیا کی طلب میں کچھ کمی کرو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو مصیبتیں دور کرنے کیلئے تیار نہ ہو اسے خود مصائب ڈھانپ لیتے ہیں شاعر ابوالعتاہیہ نے اس موقع پر اشعار کہے ہیں۔

مالـلـمقابـر لاتجيـب اذا دعـا هـن الـكـئـيـب

قبروں کو کیا ہے کہ جب انہیں تکلیفیں پکارتی ہیں تو وہ جواب نہیں دیتیں۔

حفـر مسـقـفـة عـلـيهـن الـجـنـا دل و الـكـثـيب

وہ تو چھت والے گڑھے ہیں جن پر کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں۔

فيهـن ولـدان و اطـفـال و شبـان و شيـب

جن میں چھوٹے اور شیر خوار بچے جوان اور بوڑھے ہیں۔

كـم مـن حبيـب لـم تـكـن نـفـسـي بفـرقتـه تـطـيـب

کتنے ہی پیارے ایسے ہیں جن کی جدائی پر میرا دل کبھی آمادہ نہیں ہوتا تھا۔

غـادرتـه فـي بـعـضـهـن مـجـنـدلاً و هـو الـحـبـيـب

جنہیں میں نے بعض قبروں میں کیڑوں میں پڑا پایا جبکہ وہ محبوب تھے۔

و سـلـوت عـنـه و انـمـا عهـدي بـرويتـه قـريب

اور میں نے ان سے تسلی لی کیونکہ میرا ان سے ملنے کا وقت عنقریب آ رہا ہے۔

تھوڑے پر قناعت آزادی ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نصیحت کی تو فرمایا ”اس دنیا کی زندگی میں تھوڑے پر قناعت کرلو تو آزاد رہو گے اور گناہ کم کرو تا کہ تم پر موت آسان رہے اور خوب غور کرو اپنی اولاد کو کہاں رکھ رہے ہو کیونکہ باپ دادا کی عادتیں اولاد میں آ کر رہتی ہیں“ خلیفہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ ابن سماک رحمہ اللہ سے کہا مجھے مختصر سی نصیحت کیجئے تو انہوں نے فرمایا اے خلیفہ امیر المومنین جان لیں کہ آپ پہلے خلیفہ ہونگے جس پر موت آئے گی ایک اعرابی نے کسی سے اسکے چھوٹے بیٹے کی موت پر تعزیت کی تو اس نے کہا اللہ کی حمد وثناء ہے جس نے اسکو اس دنیا کے گدلے پن سے نجات دلائی اور اسکو اس دنیا کے خطرات سے خلاصی دلا دی“۔

اور بعض سلف سے منقول ہے جس نے آخرت کیلئے عمل کیا اس نے اپنی دنیا و آخرت

کو محفوظ کرلیا اور جس نے دنیا کو ترجیح دی وہ دنیا وآخرت دونوں سے محروم رہا بعض حضرات فرماتے ہیں اپنی زندگی کے سانسوں کو غنیمت جانو اور جہاں رتک ممکن ہو سکے اعمال حسنہ کی بجا آوری کرو اور عذر وحیل وحجت کو ختم کرو کیونکہ تمہاری زندگی بہت مختصر ہے اور سانس بھی گنتی کے ہیں اور عمر بھی لمبی نہیں۔ بعض حکماء حضرات فرماتے ہیں اگر طبیب بیماری کا علاج نہ کر پائے تو اسکو معذور سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس دنیا میں مسافر کا سا معاملہ کرو کیونکہ موت کو ہانکنے والا تمہیں بھی ایسے دن کیلئے ہانک رہا ہے جس دن وہ تم پر ظلم نہیں کرے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے تھے

غر جهو لا امله   يموت من جا اجله

جاہل کو اس کی امیدیں دھوکے میں رکھتی ہیں جس کا وقت آتا ہے وہ وفات پا جاتا ہے

ومن دنا من حتفه   لم تغن عنه حيله

جو اپنی موت کے نزدیک ہو جائے اسے کوئی تدبیر کام نہیں آتی۔

وما بقاء اخر   قد غاب عنه اوله

آخر (والوں) کی بقا کیا ہو جس کے پہلے (لوگ) اس سے غائب ہو چکے ہوں۔

و المرء لا يصحبه   في القبر الا عمله

اور آدمی کے ساتھ قبر میں سوائے اس کے عمل کے کوئی نہیں ہوتا۔

ابوالعتاهيہ کے اشعار

لا تامن الموت فی لحظ ولا نفس   و ان تمنعت بالحجاب و الحرس

موت سے کسی لحظہ اور کسی سانس میں مامون مت رہنا اگر چہ پردوں اور محافظوں کے ذریعے اسے روکنے کی کوشش کرلو۔

و اعلم بان سهام الموت قاصدة   لكل مدرع منها و مترس

جان لو کہ موت کے تیر پہنچ کر رہتے ہیں ہر زرہ پوش اور ڈھال والے کو (پہنچیں گے)

ترجو النجاة و لم تسلک مسالکها

ان السفينة لاتجري على اليبس

تو کامیابی تو چاہتا ہے مگر اس کے راستے اختیار نہیں کرتا بیشک کشتی کبھی خشکی پر نہیں چلتی۔

محاہدہ نفس کا ثمرہ:

جب آپ ان مذکورہ بالا شرائط کے مطابق مجاہدہ کریں گے تو اس کے بدلے تین صفات آپکو ملیں گی۔

پہلی صفت: آپ کی کفایت ایسی آرزؤں سے کرلی جائے گی جو آپ کو ردی بنا دیں ایسی حالتوں سے بچالیا جائے گا جو آپکو بھلی لگیں لیکن آئندہ تکلیف دہ ہوں گی کیونکہ امیدوں کے سہارے رہنا دھوکہ ہے اور احوال کو مزین دیکھنا بر انقصان ہے

دوسری صفت: آپ آخرت کی تیاری کیلئے ہوشیار رہیں گے اور اپنی بقیہ زندگی کو غنیمت سمجھیں گے اور اچھے اچھے اعمال کریں گے کیونکہ جس کی خواہشات کم ہوں اسکی زندگی بڑی آسان ہوتی ہے اچھے عمل کرتا ہے۔

تیسری صفت: جن چیزوں کے وقوع سے چھٹکارا مشکل ہے ان کا چھوڑنا آپ کیلئے آسان ہوگا اور آپ کے لئے ان کاموں کا کرنا جو کرنے میں دشوار معلوم ہوتے ہیں آسان ہوگا کیونکہ جو کسی کام کے کرنے کا عزم کرلیتا ہے اسکے لئے وہ کام کرنا آسان ہو جاتا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنے دل کو فکر کی تنبیہ کرتے رہا کرو اور اپنے پہلو کو نیند سے دور رکھا کرو اور اپنے رب سے ڈرتے رہا کرو ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے نصیحت کیجئے۔

زندگی کے متعلق نصائح:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امیر المومنین زندہ رہنے کے بقدر قوت پر قناعت کرلیں اور موت کو آسان بنالیں اور اس دنیا میں ایسے رہیں جیسے روزے دار یہاں تک کہ موت آجائے جو بمنزلہ آپکی افطار کے ہو''۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ایسا یقین جس میں شک نہ ہو ہمارے یقین کی طرح اس شک کے اتنا

مشابہہ نہیں دیکھا جس میں یقین نہ ہو۔ پس اگر ہم اقرار کرتے ہیں تو بیوقوف ہیں اور اگر انکار کریں تو برباد ہیں''۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا آپ کا دن ایک مہمان کی طرح ہے اس کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر نیک سلوک کرو گے تو یہ تمہاری تعریف کرتا ہوا لوٹے گا اور اگر اس کے ساتھ معاملہ برائی کا رکھا تو تمہاری مذمت کرتے ہوئے لوٹے گا اور یہی حال تمہاری رات کا ہے'' علامہ حافظ نے اپنی کتاب (البیان) میں کہا کہ ایک پتھر پر تحریر لکھی ہوئی ملی جس پر لکھا تھا اے ابن آدم اگر تو اپنی زندگی کا بقیہ حصہ دیکھ لے اگرچہ بہت تھوڑا سا ہو پھر بھی اپنی خواہشات میں رغبت رکھے گا اور تو دنیا جمع کرنے میں لگ جائے گا اور تیرا لالچ اور تدبیریں کم ہو جائیں گی اور آنے والے دن میں تجھے تیرا ندامت شدہ فعل ملنے والا ہے اگر تیرے قدم پھسل گئے تو تیرے گھر والے تجھے سنبھال لیں گے اور تیرے اقرباء تجھ سے بری ہو جائیں گے اور دوست رخ پھیر لیں گے'' جب بشر بن منصور کی موت کا وقت آیا تو وہ بہت خوش تھا تو اس سے اس خوشی کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا کیا تم لوگ میرا اپنے خالق کے پاس جانا ایسا ہی سمجھتے ہو جیسا میں اب تک مخلوق کے ساتھ اس سے ڈرتا رہا ہوں؟ میں تو اس سے معافی کی امید بھی رکھتا ہوں''

مومن کی موت:

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر موت کا وقت قریب ہوا تو ان سے کسی نے کہا اگر آپ طبیب کو بلوا لیتے تو اچھا تھا تو آپ نے فرمایا مجھے اس نے دیکھ لیا ہے لوگوں نے پوچھا کیا کہا؟ فرمایا اس نے کہا میں ''جو چاہتا [1] ہوں وہ کرتا ہوں'' حضرت ربیع بن خثیم جب بیمار ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کیلئے طبیب کو بلا کر لاتے ہیں انہوں نے فرمایا میں نے بھی پہلے اس کا ارادہ کر رکھا تھا لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ قوم عاد وثمود اور اصحاب الرس اور دیگر بہت سی قومیں تھیں جن کے پاس بیماریاں اور معالجین سب کچھ وافر تھا اسکے باوجود ہلاک ہو گئے نوشیروان سے کسی نے پوچھا زندگی میں لذت کب ملتی ہے؟ کہا جس کام کو آدمی کرے معمول بنا کر کرے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ جو آدمی موت کو بکثرت یاد کرتا ہے

[1] آپ نے قرآن کریم کی آیت ''انی فعال لما یرید'' کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔

وہ خواہشات کو بھول جاتا ہے ایک ادیب کا قول ہے کہ تجھے موت سے اس طرح کھینچ لیا جائے گا جیسے تو کوئی بال ہو''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشعار ہیں۔

فلو کنا اذا متنا ترکنا لکان الموت راحة کل حیی

اگر یوں ہوتا کہ جب ہم مر جاتے تو ہمیں یونہی چھوڑ دیا جاتا تو موت ہر جاندار کے لئے راحت ہوتی۔

ولکنا اذا متنا بعثنا و نسال کلنا عن کل شئی

لیکن حالت یہ ہے جب ہم مریں گے تو دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور ہم میں سے ہر ایک سے ہر چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

ایک اور شاعر کا شعر ہے۔

الا انما الدنیا مقیل لراکب قضی وطرا من منزل ثم ھجرا

یہ دنیا تو مسافر کے آرام کرنے کی مقدار ہے جو اپنی حاجت اس جگہ پوری کرے پھر اسے چھوڑ کر چلا جائے۔

فراح ولا یدری علام علی قدومه الا کل ما قدمت یبقی موقراً

اور چلا جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ وہ آیا تھا؟ یاد رکھ جو کچھ تم آگے بھیجو گے وہ یقیناً باقی رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت:

حضرت سعید بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حلال کماؤ نیک اعمال کرو اور ہر دن کی روزی اللہ تعالیٰ سے مانگو اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کیا کرو'' حضرت ربیع بن خثیم نے اپنے ایک بھائی کو لکھ کر بھیجا کہ آخرت کی تیاری کو مقدم کرو اور خود کو اپنے زادراہ کیلئے فارغ کرو اور اپنے نفس

کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔ والسلام۔

بعض سلف صالحین سے منقول ہے جو اس دنیا سے ڈرتا رہا اس نے اسکو پالیا اور جو اس سے مطمئن رہا اسکو یہ تکلیف پہنچاتی ہے، ایک مرتبہ حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ کچھ لوگوں کے قریب سے گزر رہے تھے کہ انہیں بتایا گیا یہ ایک جماعت زھاد کی بیٹھی ہوئی ہے انہوں نے فرمایا دنیا کی قدر ہی کتنی ہے کہ جو اسکو چھوڑے اسکی تعریف کی جائے۔

حکماء فرماتے ہیں خوش نصیب شخص وہ ہے جو اپنے گزرے ہوئے وقت سے عبرت حاصل کرے اور اپنے لئے مدد کا سامان کرے اور بد بخت شخص وہ ہے جو دوسروں کیلئے جوڑتا رہے اور اپنے آپ سے بخل کرتا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ایک رات بھی بغیر وصیت کے نہ گزاری جائے اگرچہ جسمانی طور پر آدمی بالکل ٹھیک ہو اور عمر بھی بظاہر لمبی معلوم ہوتی ہو کیونکہ زمانہ سخت دھوکہ دے جاتا ہے اور ہر بات کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے''۔

ترجمہ اشعار

من کان یعلم الموت مدرکه و القبر مسکنه و البعث مخرجه

جو آدمی یہ بات جانتا ہے کہ موت اسے آلے گی اور قبر اس کا ٹھکانہ اور دوبارہ اٹھنا اس کے نکلنے کا وقت ہے۔

و انه بین جنات ستبهجه یوم القیمة او نار ستنضجه

اس کے بعد روز قیامت وہ یا تو جنت کے دلفریب مناظر اور گلانے والی آگ کے درمیان ہوگا۔

فکل شئی سوی التقوی به سمج وما اقام علیه منه اسمجه

اس دنیا میں تقوے کے سوا ہر چیز بدنما ہے اور جو اس کو اکٹھا کرتا ہے اس کو بھی بدنما کر دیتی ہے۔

تری الذی اتخذله الدنیا وطنا لم یدر ان المنایاسوف تزعجه

تو دیکھے گا اس شخص کو جس نے دنیا کو وطن بنالیا کہ وہ نہیں جانتا کہ عنقریب موت اسے اس کی جگہ سے ہٹا دے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا کے بارے میں خطبہ:

حضرت جعفر بن محمد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ مبارکہ نقل فرماتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے لوگو! تمہاری ایک غایت ہے تم اپنی غایت تک پہنچ کر رک جاؤ اور تمہارے لئے کچھ علامتیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور مومن آدمی دو طرح کے خوف میں رہتا ہے، گزری ہوئی زندگی کے متعلق اسکو معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ فرماتے ہیں اور جو باقی ہے اس کے بارے میں بھی معلوم نہیں اللہ کے ہاں کیا منظور ہے چنانچہ آدمی کو چاہئے کہ اپنے لیے دار آخرت کا توشہ تیار کرلے اور اپنی دنیا سے آخرت کما لے اور اپنی زندگی میں موت سے پہلے کچھ حاصل کرلے کیونکہ یہ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے جو نصیب میں ہے وہ مل کر رہے گا اور تمہیں آخرت کیلئے ہی پیدا کیا گیا ہے قسم اسکی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے موت کے بعد کوئی عذر قبول نہیں اور دنیا کے بعد یا تو جنت ہے یا پھر جہنم ہے''۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا گزرا ہوا دن گویا ختم ہوگیا اور آج کا دن عمل کرنے کا دن ہے اور کل آنے والا دن وہ ایک امید اور آرزو ہے شاعر ابوالعتاھیہ نے اسکو اشعار میں کہا۔

لیس فیما مضی ولا فی الذی لم ․․․ یات من لذة لمستحلیها

جو زمانہ گذر گیا اور جو نہیں آیا اس میں اسے اچھا سمجھنے والے کے لئے کوئی لذت نہیں ہے۔

انما انت طول عمرک ماعمرت ․․․ فی الساعة التی انت فیھا

تیری پوری عمر میں صرف وہی عمر تیری ہے جس گھڑی میں تو زندہ ہے۔

قنع النفس بالکفاف والا ․․․ طلبت منک فوق مایکفیھا

اپنے آپ کو بقدر کفایت چیز پر قناعت کرنے والا بنا ورنہ تجھ سے کفایت سے زائد کا مطالبہ کیا جائے گا''۔

ایک زاہد سے کسی نے پوچھا تم لاٹھی کا سہارا لے کر کیوں چلتے ہو جبکہ نہ تم بوڑھے ہو اور نہ ہی بیمار ہو؟ اس نے کہا میں اتنی بات جانتا ہوں کہ میں مسافر ہوں اور یہ دنیا بقدر

کفایت ہے اور یہ لاٹھی مسافر کی علامات اور سفر کا آلہ ہے اسی کو ایک شاعر نے اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔

حملت العصالا الضعف اوجب حملها
علی ولاانی تحنیت من کبر

میں نے لاٹھی اٹھائی مجھے کسی کمزوری نے اسے اٹھانے پر مجبور نہیں کیا اور نہ یہ کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے جھک گیا ہوں۔

ولکننی الزمت نفسی حملها لاعلمها انی مقیم علی سفر

لیکن میں نے خود پر اس کا اٹھانا اس لئے لازم کیا ہے تاکہ اس کو اس بات کی علامت بناؤں کہ میں سفر کی حالت میں مقیم ہوں۔

زاہدین کے اقوال:

حضرات صوفیاء فرماتے ہیں یہ دنیا تو ایک گھڑی کی ہے اسکو سراپا اطاعت بنا ڈالو بادشاہ ذوالقرنین کا قول ہے کہ ہم اس دنیا میں جاہلوں کی طرح زندگی گذارتے رہے اور زندگی غفلت میں گزار دی اور جب ہمیں اس دنیا سے اٹھایا گیا تو ہمیں سخت تکلیف ہوئی'' حضرت عبدالحمیدؒ نے فرمایا آدمی کی زندگی بہت تھوڑی سی ہے کہا جاتا ہے کہ تعجب ہے انسان پر کہ سزا سے ڈرتا ہے لیکن معصیت پھر بھی نہیں چھوڑتا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ثواب چاہتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا''۔ حکماء فرماتے ہیں برائی کرنے والا مردہ ہے اگرچہ وہ زندہ لوگوں میں ہی کیوں نہ ہو اور نیکی کرنے والا زندہ ہے اگرچہ وہ قبر ہی میں کیوں نہ ہو''۔ بعض حضرات نے فرمایا اللہ مددگار ہے ایسی زبان کا جو اوصاف سے بھرپور ہو اور ایسے دل کا جو نیکی کو چاہتا ہو لیکن اچھے کاموں کی اعمال میں مخالفت کرے'' اور کہا جاتا ہے کہ دن اور رات آپ کے بارے میں عمل کرتے ہیں آپ ان میں عمل کیجئے تاکہ ذخیرہ ہو سکے دار آخرت کیلئے ایک صاحب نے خوب بات کہی کہ آپ اپنی آخرت کیلئے ان ایام میں اعمال صالحہ کیجئے جو اسقدر تیزی سے گزر رہے ہیں جیسے ہوا میں اڑ رہے ہوں'' کہا جاتا ہے کہ موت کا

وقت آپکی عمر کو کم سے کم کرتا جارہا ہے آپ اپنی آخرت کیلئے اس دنیا سے وصول کر لیجئے۔ اے لوگو اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو اللہ کی قسم رب ذوالجلال گناہوں کو چھپاتے ہیں حتی کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے معاف کر دیا اور مہلت اتنی دیتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جرم کو ھدر قرار دے دیا۔ زندگی کے دن اعمال کے صحیفے ہیں انکو اپنے اچھے اعمال سے مزین کیجئے'' کہا جاتا ہے بوڑھے آدمی کی نصیحت ضرور قبول کرو اگر چہ کتنی ہی جلدی کیوں نہ ہو'' کہا جاتا ہے کہ ہر دن سورج جب طلوع ہوتا ہے تو گزرے ہوئے دن کی نصیحت ضرور کرتا ہے''۔

محمد بن بشیر کے اشعار

مضی امسک الادنی شهید امعدلا
ویومک هذا بالفعال شهید

کل جو آپ کا دن گذرا یہ قریب ترین انصاف والا گواہ ہے اور آپ کا آج کا دن آپکے اعمال کا گواہ ہے۔

فان تک بالامس اقترفت اساءة　　فثن باحسان و انت حمید

اگر کل آپ سے کوئی برائی سرزد ہوگئی تھی تو اس کے پیچھے اچھے کام کرو۔ آپ قابل ستائش ہوں گے۔

ولا ترج فعل الخیر منک الی غد　　لعل غدا یاتی و انت فقید

اور آنے والے دن سے اچھے کام کی امید مت لگاؤ ہوسکتا ہے کہ کل آئے آپ دنیا میں موجود نہ ہوں۔

جنت کا طالب سوتا نہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے ایسی جنت نہیں دیکھی جس کا چاہنے والا غفلت کی نیند سوتا رہے اور نہ ایسی دوزخ دیکھی جس سے خوف کے مارے بھاگنے والا سوتا رہے''۔

اللہ تعالیٰ کے اولیاء:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''خبردار اللہ کے اولیاء وہ ہیں جن کو نہ خوف ہے اور نہ غم''۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگ ظاہری دنیا پر نظر رکھتے ہیں تو یہ باطن دنیا کو دیکھتے ہیں اور جب لوگ دنیا کی عجلت پر نظر رکھتے ہیں تو یہ دنیا کے انجام کو دیکھتے ہیں اور ان چیزوں کو ختم کر ڈالتے ہیں جن سے دلوں کے مرجانے کا خدشہ ہوتا ہے اور جن چیزوں کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ انہیں چھوڑ دیں گی انہیں پہلے ہی سے چھوڑ دیتے ہیں'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا دنیا میں دو قسم کے طلبگار ہیں ایک تو وہ ہیں جو دنیا چاہتے ہیں یہ دنیا انکے گلے پر پھینک دو کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب آدمی کسی چیز کے درپے ہوتا ہے تو جب وہ چیز مل جاتی ہے تو وہی چیز اسکی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو آخرت کے طلبگار ہیں پس جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو تو انہی کی خواہش کرو''۔

دنیا میں تعمیرات کرنے والے قبروں میں رہتے ہیں:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جب ملک شام تشریف لے گئے تو فرمایا اے لوگو! نصیحت کرنے والے بھائی کی نصیحت کو غور سے سنو تو لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے آپ نے فرمایا اے لوگو تم کیوں ایسی تعمیرات کرتے ہو جن میں رہ بھی نہیں سکتے اور کیوں ایسا مال جمع کرتے ہو جو کھا بھی نہیں سکتے؟ جو لوگ تم سے پہلے گزرے انہوں نے بھی بڑی خوبصورت تعمیریں کیں اور لمبی لمبی امیدیں لگائیں اور بہت سارا مال جمع کیا نتیجتاً انکی امیدیں انکے لئے دھوکہ ثابت ہوئیں اور جو کچھ جمع کیا تھا وہ ہلاکت کا سبب بنا اور اب انکے گھر اور سکونت کی جگہ انکی قبریں ہیں''

دنیا دھوکہ باز ہے:

حضرت ابوحازمؒ فرماتے ہیں اس دنیا نے بہت سی اقوام کو دھوکہ دیا چنانچہ انہوں نے ناجائز کام کئے کہ ان کو اچانک موت نے آگھیرا تو انہوں نے اپنا مال ایسے لوگوں کیلئے چھوڑا جو انکی تعریف بھی نہ کرتے تھے اور انکو وہ معذور بھی نہ گردانتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں

انکے بعد پیدا فرمایا ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ ہم انکے برے کاموں پر غور کریں۔ان سے اجتناب کریں اور جو قابل رشک تھے وہ اعمال کریں''۔

ایک زاہد شخص بادشاہ کے گھر کے قریب سے گزر رہا تھا کہ خوبصورت دروازہ دیکھ کر کہا سبحان اللہ کیا ہی خوبصورت نیا دروازہ ہے اور موت قریب تر تیار کھڑی ہے جس میں سخت جھگڑا ہے اور سفر بہت لمبا ہے''۔ایک زاہد گزر رہا تھا کہ دیکھا ایک آدمی کے ارد گرد لوگ جمع ہیں اس نے پوچھا لوگ کیوں جمع ہیں؟ بتایا گیا کہ اس مسکین آدمی کے پاس ایک جبہ تھا جو کوئی چوری کر کے لے گیا ہے ایک آدمی گزر رہا تھا اس نے اسکو دوسرا جبہ دے دیا اس زاہد نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد بالکل سچ ہے ''البتہ تحقیق تمہاری کوششیں مختلف ہیں''

(اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى)

حکماء فرماتے ہیں جو آدمی حشر وحساب پر ایمان رکھتا ہو اسکے باوجود اجر وثواب والے اعمال نہ کرے یہ سخت ناانصاف آدمی ہے اور کہا گیا کہ لمبی لمبی آرزویں کرنے سے دل میں شقاوت پیدا ہو جاتی ہے اور اخلاص نیت کے ساتھ اعمال کرنے سے گناہ کم ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی تمناؤں سے بچنا چاہئے کیونکہ یہ حماقت کی پونجی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں سے غافل کر ڈالتی ہے کہا جاتا ہے کہ اپنی خواہشات کو کم کرنا چاہئے کیونکہ عمر بہت تھوڑی ہے نیکی کرنی چاہئے جس قدر زیادہ ہو کم ہے۔

عبداللہ بن معتز نے خوب اشعار کہے ہیں۔

نسیر الی الاجال فی کل ساعة　　وایامنا تطوی وھن مراحل

ہم ہر گھڑی اپنی موت کے قریب چلتے جا رہے ہیں اور ہماری زندگی کے ایام لپیٹے جا رہے ہیں اور وہ کوچ کر رہے ہیں۔

ولم نر مثل الموت حقا کانه　　اذا تخطته الامانی الباطل

اور موت جیسی حقیقت ہم نے نہیں دیکھی جب اس موت سے باطل قسم کی خواہشات سبقت کر جاتی ہیں۔

وما اقبح التفريط فى زمن الصبا
فكيف به و الشيب فى الرأس نازل

جوانی کے زمانے میں کتنی بری تفریط ہوتی ہے جب سر میں سفیدی اتر آئے تو پھر کیسا لگتا ہے۔

تر حل عن الدنيا بزاد من التقى فعمرک ايام تعد قلائل

اس دنیا سے تقوے کا کچھ زاد راہ لیتا چل تیری عمر چند دن ہے جو تھوڑے شمار کئے جاتے ہیں۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان یہ دواشعار بطور مثال پڑھا کرتے تھے۔

فاعمل على مهل فانک ميت و اكدح لنفسک ايها الانسان

اے انسان اس مہلت میں تھوڑے سے اچھے اعمال کرلے اور اپنے لئے محنت کرلے آخر کو تو مرنے والا ہے۔

فكان ماقد كان لم يک اذمضى و كان ما هو كائن قد كان

جو دن گذر گیا وہ گویا تھا ہی نہیں اور جو کچھ ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔

سلیمان کی باندی کے عبرت انگیز اشعار:

ایک دن سلیمان بن عبدالملک نے آئینہ دیکھ کر کہا میں تو نوجوان بادشاہ ہوں یہ سن کر اسکی ایک باندی نے یہ اشعار اسکو سنائے۔

انت نعم المتاع لو كنت تبقى غير ان لا بقاء للانسان

تو بہترین متاع ہے اگر تو باقی رہے لیکن انسان کے لئے (دنیا میں) بقاء نہیں ہے۔

ليس فيما بدا لنا منک عيب كان فى الناس غير انک فانى

ہم نے جو دیکھا عام لوگوں کی طرح تجھ میں کوئی عیب نہیں پایا مگر یہ کہ تو بھی فانی ہے۔

کامیاب انسان:

حضرت عبدالعزیز بن عبدالصمد حضرت ابان سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ نقل کرتے ہیں جو آپ نے اپنی ایک اونٹنی ''جدعاء'' پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے ''اے لوگو! اس دنیا میں معلوم ہوتا ہے کہ موت ہمارے علاوہ دوسرے لوگوں پر لکھی گئی اور حق بات کی پیروی دوسروں پر واجب کی گئی اور گویا جن کی اموات کی خبریں ہم پھیلاتے ہیں ہماری طرف کم ہی آئیں گے ہم انکی قبریں بناتے ہیں اور انکی میراث کھاتے ہیں گویا کہ ہم انکے بعد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہیں رہیں گے اور ہر نصیحت کو بھول بیٹھے ہیں اور ہر مصیبت سے مامون ہو گئے ہیں خوشخبری ہے اس آدمی کیلئے جس نے دوسرے کے عیب کے بجائے اپنے عیب پر نظر رکھی اور اپنے حلال وطیب مال سے خرچ کیا اور فقیروں غریبوں کے ساتھ رحمدلی کا معاملہ کیا اور زندگی کو اچھا گزارنے کے لئے علماء و صلحاء کے ساتھ مل جل کر شرعی مسائل سیکھے، اور خوشخبری ہے اس آدمی کیلئے جس نے اچھے آداب سیکھ کر حسن اخلاق کا معاملہ کیا اور اپنے باطن کا تزکیہ کیا اور خوش نصیبی ہے ایسے آدمی کی جس نے اپنے علم کے موافق عمل کیا اپنے مال میں سے اس کے زیادہ ہو جانے پر صدقہ کیا اور اپنے اقوال میں احتیاط برتی اور اسکے لئے سنت کی کشادگی رہی اور وہ بدعات کی طرف مائل نہ ہوا''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے فرمایا ''قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ ان سے آخرت یاد آتی ہے اور مرجانے والوں کو غسل دیا کرو اس لئے کہ ہلاک شدہ جسموں کا معالجہ (دیکھنا ہاتھ لگانا) وعظ بلیغ ہے'' حضرت ربیع بن خثیم نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی جب اپنے دل میں کچھ سختی محسوس فرماتے تو جا کر اس قبر میں لیٹ جاتے اور کچھ دیر لیٹے رہنے کے بعد فرماتے ''اے اللہ مجھے واپس کر دیجئے تاکہ میں وہ نیک عمل کر سکوں جو مجھ سے چھوٹ گئے'' پھر اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتے ''اے نفس تجھے میں نے واپس کر دیا اب تو خوب محنت کے ساتھ نیک اعمال کر پھر وہ اسی حالت میں رہتے جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی۔

حضرت ابو محرز الطفاوی فرماتے ہیں تیرے لئے پہلی امتوں کی قبریں بطور نصیحت کافی ہیں اور زاہد سے پوچھا گیا سب سے زیادہ موثر نصیحت کیا ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا قبرستان کی

زیارت بار بار کی جائے۔

قبر کا ایک پر اثر کتبہ:

ایک قبر پر ایک تحریر لکھی دیکھی گئی جس میں تھا ''ہم نے جس پر ظلم کیا وہ واقعۃً ظلم تھا اب ہم دیکھنے والوں کیلئے عبرت کا نشان ہیں ایک دوسری قبر پر تھا جس نے دنیا میں ہمیشہ رہنے کی آرزو کی باوجودیکہ وہ ہماری قبروں کو بھی دیکھ چکا تھا تو وہ دھوکہ میں ہے'' کہا جاتا ہے کتنے ہی لوگ ہیں جو حق کو جانتے ہیں لیکن حق کی اطاعت نہیں کرتے حکماء فرماتے ہیں جو یہ سمجھے کہ اب تک نہیں مرا وہ بچے گا بھی نہیں، ہمارے لئے تو ہر میت ہر حال میں نصیحت ہے اور انجام کے اعتبار سے عبرت بھی ہے، فرمایا جو بچے کی موت پر بھی نصیحت نہ لے وہ کسی کے قول سے کیا نصیحت لے گا''

ابوالعتاہیہ کے اشعار

ان مع الدھر فاعلمن غدا — فانظر بما ینقضی مجئی غدہ

جان لو کہ زمانے کے ساتھ آنے والا کل بھی ہے پھر دیکھو کل کا آنا کس طرح گذرتا ہے۔

ما ارتد طرف امری بلذتہ — الا وشئی یموت من جسدہ

آدمی کی آنکھ کسی لذت کے ساتھ لوٹتی نہیں کہ اس کے جسم سے کوئی چیز مر جاتی ہے۔

جب بادشاہ سکندر کی وفات ہوئی تو بعض حکماء نے فرمایا کل کے بادشاہ سے آج کا دن اس سے زیادہ بول رہا ہے جو گزرے ہوئے دن سے زیادہ نصیحت آمیز ہے ابوالعتاہیہ نے اس موقع پر اشعار کہے۔

کفی حزنا بدفنک ثم انی — نفضت تراب قبرک عن یدیا

تیرا دفن کرنا ہی تیرے غم کے لئے کافی تھا پھر یہ کہ میں نے تیری قبر کی مٹی کو ہاتھ سے جھاڑا۔

و کانت فی حیاتک لی عظات — و انت الیوم اوعظ منک حیا

اور تیری زندگی میں میرے لئے بہت سی نصیحتیں تھیں اور آج تو زندہ ہونے سے زیادہ نصیحت آمیز ہے۔

حکماء فرماتے ہیں کہ اگر برائیوں کی بو ہوتی تو لوگ رسوا ہوتے اور آپس میں نہ بیٹھ پاتے۔ابوالعتاہیہ نے اسی کو بیان کیا۔

احسن اللہ بنا ان الخطایا لا تفوح

اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا ہے کہ گناہوں کی بونہیں آتی۔

فا ذاالمستور منا بین ثوبیہ فضوح

ورنہ ہماری چھپی ہوئی بات دو کپڑوں کے درمیان سے رسوا کن ہوتی۔

اور یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے ماخوذ ہے فرمایا ''اگر تم کھلی آنکھوں دیکھ لو تو مردوں کو دفنانا چھوڑ دو'' ایک آدمی نے ابوالعتاہیہ کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

یا ابا اسحاق انی واثق منک بودک

اے ابو اسحاق میں آپ کی محبت کی وجہ سے آپ پر اعتماد کرتا ہوں۔

فاعنی بابی انت علی عیبی برشدک

میرے والد آپ پر قربان آپ اپنی ہدایت کے ذریعے میرے عیب پر میری مدد فرمائیں۔تو ابوالعتاھیہ نے شعر ہی میں اس کا جواب دیا۔

اطع اللہ بجھدک راغبا اودون جھدک

اپنی انتہائی کوشش سے رغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر یا اپنی طاقت سے بڑھ کر کر۔

اعط مولاک الذی تطلب من طاعۃ عبدک

اپنے آقا کو اپنی اتنی فرمانبرداری دے جتنی تو اپنے غلام سے مانگتا ہے۔

بعض حکماء فرماتے ہیں جس آدمی کو اسکی اولاد خوش کرے اسکا نفس اسے غمگین کرتا ہے

اشعار

ابن ذی الابن کلما زادمنہ مشرع زاد فی فناء ابیہ

بیٹوں والے کے بیٹے جب بھی زیادہ ہوتے جاتے ہیں باپ کی فنا میں اضافہ ہوتا ہے۔

مابقاء الاب الملح علیہ بدبیب البلی شباب بنیہ

اس کے بیٹوں کی جوانی رینگ رینگ کر چڑھنے والی بوسیدگی کی وجہ سے اس پر مصر

باپ کی بقاء نہیں ہے۔

اسی معنی سے ملتی جلتی حکایت وہ ہے جو حضرت زر بن حبیشؒ سے منقول ہے جب ان کی وفات کا وقت آ گیا تھا اسوقت اسکی عمر ایک سو بیس سال تھی تو انہوں نے کہا۔

اذا الرجال و لدت اولادها　　وارتعشت من کبر احسادها

جب آدمی کے بیٹوں کی اولاد پیدا ہو جائے اور بڑھاپے سے اس کے اعضاء میں رعشہ آ جائے۔

وجلعت اسقامها تعتادها　　تلک زروع قددنا حصادها

اور اس کی بیماریاں اس کی عادت بن جائیں یہی فصلیں ہیں جن کے کٹنے کا وقت قریب آ گیا۔

حضرت صالح بن قدوس رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے یہ شعر لکھ کر بھیجا۔

الموت باب و کل الناس داخله　　فلیت شعری بعد الباب ماالدار

موت ایک دروازہ ہے اور ہر شخص اس میں داخل ہوگا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ دروازے کے بعد گھر کونسا ہے؟

تو انہوں نے اس کو جواباً یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

الدارجنة عدن ان عملت بما　　یرضی الاله و ان فرطت فالنار

وہ گھر جنت عدن ہے اگر تو وہ اعمال کرے جن سے خدا راضی ہوتا ہے اور اگر تفریط کی تو آگ وہ گھر ہے۔

هما محلان ما للناس غیر هما　　فانظر لنفسک ماذا انت مختار

لوگوں کے لئے یہی دو ٹھکانے ہیں ان کے علاوہ نہیں تو تم غور کرو کہ اپنے لئے تم کونسا گھر اختیار کرتے ہو؟

ادب دنیا:

جان لو! اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا نافذ کرنے والا اور حکمت کو پورا کرنے والا ہے اس

نے مخلوق کو اپنی تدبیر سے پیدا کیا اور ان کو اپنے اندازے کے مطابق بنایا۔

اس کی تدبیر کے لطیف ہونے اور تقدیر کے بدیع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مخلوق کو محتاج پیدا کیا اور عاجز بنایا تاکہ وہ مالداری کے ساتھ منفرد رہے اور قدرت کے ساتھ مختص رہے یہاں تک اس نے اپنی قدرت سے ہمیں بتلایا کہ وہ خالق ہے اور ہمیں بتا دیا کہ وہ غنی ہے وہ رزاق ہے تاکہ ہم اس کی رغبت اور رہبت کے ساتھ فرمانبرداری کریں اور اپنی عاجزی اور حاجت مندی کے نقص کا اقرار کریں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو تمام حیوانوں سے زیادہ حاجت مند بنایا ہے اس لئے کہ حیوان اپنی ذات میں مستقل مزاج ہے دوسرے حیوان کی طرف محتاج نہیں ہوتا جبکہ انسان کی طبیعت میں ایک دوسرے کی طرف احتیاج اور ایک دوسرے سے مدد کی ضرورت اس کی طبیعت میں لازمی ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَخُلِقَ الْاِنسَانُ ضَعِيفاً (النساء ۲۸)

اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا۔

یعنی انسان جس چیز کی طرف محتاج اور عاجز ہے اس سے صبر کرنے سے عاجز اور کمزور ہے۔

جب انسان کا تمام حیوانوں سے زیادہ محتاج ہونا ثابت ہوا تو اس کا عجز بھی ظاہر ہوا۔ اس لئے کہ کسی چیز کی ضرورت ہونا احتیاج ہے اور احتیاج عاجز ہونے کی دلیل ہے۔

بعض متقدین حکماء نے کہا: کسی چیز سے مستغنی ہونا اس چیز پر اکتفاء کرنے سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بکثرت حاجت مند ہونے اور عجز کے ساتھ نعمت اور لطف و کرم کی وجہ سے خاص فرمایا تاکہ یہ دونوں چیزیں یعنی حاجت اور عجز انسان کو مال کی سرکشی اور قدرت سے بغاوت سے روکتی رہیں۔ اس لئے کہ جب انسان بے پرواہ ہوتا ہے تو سرکشی اسکی طبیعت بن جاتی ہے اسی طرح انسان جب قادر ہوتا ہے تو بغاوت کا مادہ اس پر چھا جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بارے میں ہمیں خبر دی ہے۔ كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۔ (العلق:٦)

(ترجمہ) ہرگز نہیں، بیشک انسان سرکشی اختیار کرتا ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھے اور اس لئے بھی کہ یہ انسان کے نقص پر قوی ترین گواہ اور اس کے عاجز ہونے پر واضح دلیل ہو۔ بعض اہل ادب نے یہ شعر کہا ہے۔

(شعر) کیا تو مجھے عار دلاتا ہے نقص ہونے کا جب کہ نقص تو ہر ایک کو شامل ہے۔ کون ہے وہ جسکو کمال دیا گیا ہو اور وہ مکمل ہو۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نقص والا ہوں علاوہ اس بات کے کہ جب مجھ پر دوسرے لوگوں کو قیاس کیا جائے گا تو وہ کم ہوں گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو حاجت اور عجز والا پیدا کیا تو اس کی حاجت کو پوری کرنے کے لئے اسباب بھی بنائے اور اس طرح عجز دور کرنے کے لئے مختلف حیلے پیدا کئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و ذہانت سے ان کی طرف رہنمائی کی تا کہ اس کے ذریعہ سے اپنی حاجت وغیرہ پوری کر سکے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی۔

(ترجمہ) جس نے اندازہ سے پیدا کیا پھر ہدایت کی۔

امام المفسرین حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے احوال کو ٹھیک ٹھیک ایک اندازہ سے بنایا پھر اس انسان کو خیر اور شر کے راستہ کی طرف ہدایت فرمائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ تبارک کے اس ارشاد وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دو راستوں یعنی خیر اور شر کے راستوں کی طرف انسان کو ہدایت فرمائی ہے۔

چنانچہ جب عقل انسانی حاجت کی رہنمائی کیلئے سبب ہے تو اللہ تعالیٰ نے کامیابی کو اس چیز پر موقوف کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے تقسیم فرمائی اور اندازہ مقرر کیا تا کہ انسان رزق کے معاملہ میں عقل پر اور عجز کے بارے میں ذہانت پر اعتماد نہ کرے اور انسان کے اندر اللہ سے ڈر اور امید مستقل رہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور غنی ظاہر ہو۔ جو آدمی اپنے خالق پر بدگمانی کرے وہ آدمی اس مذکورہ مطلب سے ناواقف ہو کر مزید گمراہی کیطرف چلا جاتا

ہے۔جیسا کہ شاعر کا شعر ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے مصائب کو انکی جگہ اتارا اور لوگ تنگ حال چھوڑے ہوئے ہو گئے۔ چنانچہ عاقل ذہین شخص کے راستے تنگ ہو گئے اور تم بے وقوف جاہل کو دیکھو گے کہ اسے رزق دیا گیا ہے۔

یہ وہ چیز ہے جس نے عقلوں کو حیران چھوڑ دیا ہے اور ذہین عقلمند شخص کو زندیق بنا دیا ہے جو کوئی عاقل صحیح نظر اور حسن ظن سے دیکھے گا تو اس کو معلوم ہو جائیگا کہ اس میں کیا مصلحتیں ہیں جس کی وجہ سے وہ صدیق بنے گا زندیق نہیں۔

چونکہ کچھ مصلحتیں ظاہر ہیں کچھ پوشیدہ اور غائب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے نظروں سے پوشیدہ رکھا ہے۔اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔۔۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنا بھی عبادت ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو آخرت کا دار عمل ہے اور دار تکلیف ہے (اسی طرح آخرت دار قرار ہے) حاجات کو دور کرنے کے لئے؟ اسباب اور اسکے عجز کو دور کرنے کے لئے مختلف حیلے پیدا کیے تو دنیا کے لیے بھی کچھ اوقات نکالنا لازم ٹھہرا اس لئے کہ دنیا سے آخرت کیلئے زادراہ لینے سے مستغنی نہیں ہوا جاسکتا اور دنیاوی ضروریات کے وقت مشکل کو حل کرنا بھی ضروری ہے۔اس سے پہلے جو ہم نے کہا تھا کہ زائد دنیا کو چھوڑا جائے اور اپنے نفس کو اس میں رغبت کرنے سے سرزنش کی جائے اس میں کوئی نقص نہیں۔

بلکہ اس دنیا کی طرف رغبت باعث ملامت اور اس دنیا کے فضول کو حاصل کرنا باعث مذمت ہے رغبت سے مراد حاجت سے زائد طلب کرنا اور فضول سے مراد کفایت سے زائد حاصل کرنے کی تمنا کرنا ہے۔جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا۔فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ۔یعنی پھر جب آپ فارغ ہو جاؤ تو اٹھو اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو۔ (سورۃ الم نشرح ۳۰ پارہ)

مفسرین حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ جب آپ دنیا کے امور سے فارغ ہو جائیں تو میری عبادت میں یکسوئی سے مشغول ہو جائیں۔

اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی طرف رغبت دلانا مقصود نہیں بلکہ بقدر حاجت دنیا کی طرف توجہ دلانا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ تم میں وہ شخص بہتر نہیں جو آخرت کیلئے دنیا بالکل چھوڑ دے اور نہ وہ شخص بہتر ہے جو دنیا کی خاطر آخرت کو بالکل چھوڑ دے بلکہ تم میں بہتر شخص وہ ہے جو دنیا کے حصول کے ساتھ ساتھ آخرت کی تیاری بھی کرتا رہے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہترین سواری دنیا ہے پس اس پر سوار ہو کر آخرت تک پہنچو۔

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے دنیا کی مذمت کر رہا تھا تو آپ نے اس سے فرمایا دنیا سچائی کا گھر ہے بشرطیکہ اس کو سچا کر کے دکھایا تو، یہ دنیا اس کے لئے نجات کا گھر ہے جو اس دنیا کو صحیح طور پر سمجھے اور اسی طرح یہ دنیا مالداری کا گھر ہے بشرطیکہ کوئی اس کو آخرت کیلئے توشہ وزادراہ حاصل کرے۔

مقاتل حکایت بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا میں اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے تھے اے رب کب تک میں دنیا کی طلب سے شک میں رہوں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا گیا یہ بات مت کہو کیونکہ طلب معاش دنیا کی طلب میں داخل نہیں ہے''

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں ''تورات میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ اگر گھر میں گندم موجود ہو تو عبادت میں مصروف رہو اور اگر گندم ختم ہو چکا ہے تو اس کی طلب میں لگ جاؤ''

اے ابن آدم! اپنے ہاتھوں کو حرکت دو اس سے تمہارے رزق کے حصول کے اسباب پیدا ہوں گے''

بعض حکماء فرماتے ہیں ایسی چیز کا حصول جس سے عزت محفوظ ہو جائے'' دنیا کی طرف رغبت کرنا نہیں ہے۔

بعض ادباء کہتے ہیں جس سے بدن کو تقویت حاصل ہو جائے ایسی چیز طلب دنیا کی حرص نہیں ہے۔

چنانچہ اس صورت میں دنیا کے امور میں غور کرنا لازمی ہے۔ دنیا کے احوال اور اس کے تمام انتظامی جہات کو مدنظر رکھنا واجب ہے تا کہ دنیا کے اصلاح وفساد کے اسباب کا علم ہو اور اسکی تعمیری اور غیر تعمیری مواد کی پہچان ہو اور اس کے ذریعہ سے اہل دنیا کے شکوک و شبہات دور ہوں اور اختیار کرنے کے اسباب واضح ہو جائیں دنیا کے امور کا ارادہ کیا جا سکے اور اس کی اصلاح کے قواعد واسباب پر اعتماد کیا جا سکے۔

درستگی وصلاح دنیا کی صورتیں:

جان لو کہ دنیا کی درستگی اور صلاح دو صورتوں سے حاصل ہوتی ہے۔

(۱) دنیا کے جملہ امور کا نظم وترتیب سے ہونا۔ (۲) جس سے انسان کے حال کی درستگی واصلاح ہو سکے ان چیزوں کی فراہمی۔

یہ دو چیزیں ہیں جن کے ذریعے ان چیزوں کی اصلاح ہوتی ہے اور دونوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر کسی شخص کا اپنا حال درست ہے اور دنیاوی امور کا حال خراب ہے تو اس کی خرابی انسان کی خرابی تک پہنچ جائے گی اور اس کی کمی انسان کو عیب دار بنا دے گی کیونکہ اسی کے ذریعے وہ مدد حاصل کرتا اور اسی کے لئے تیاری کرتا ہے۔

اور جس شخص کا حال خراب ہو دنیاوی امور وانتظام درست ہوں تو وہ دنیاوی درستگی کی لذت نہیں پا سکے گا اور نہ ہی اس کے سیدھے ہونے کا اثر باقی رہے گا کیونکہ انسان اپنے نفس کی دنیا ہے وہ درستگی اسی وقت سمجھے گا جب اس کی دنیا درست ہوگی اور خرابی اسی وقت سمجھے گا جب وہ خراب ہوگی کیونکہ اس کا نفس خاص اور اس کا حال کمزور ہے تو اس کی نظر اس طرف مبذول ہو جائے گی جو اس کے لئے خاص ہے اور فکر اپنا حال درست کرنے کی جانب موقوف ہو جائے گی۔

دنیا سب اہل دنیا کے لئے خوش بختی نہیں:

جان لیجئے کہ دنیا تمام اہل دنیا کے لئے کبھی بھی خوش بختی نہیں اور نہ ہی تمام لوگوں سے ایک دم اعراض کر سکتی ہے کیونکہ تمام لوگوں سے اعراض کرنا ہلاکت اور تمام لوگوں کے لئے

مزے فراہم کرنا خرابی ہے کیونکہ ہر دنیا میں ہر آدمی کی پسند مختلف اور جدا ہے اور مدد اور تعاون میں سب کا اتفاق ہے چنانچہ جب یہ سب لوگ برابر ہیں تو ان میں سے کوئی بھی دنیا کی مدد کے بغیر راستہ نہیں پا سکے گا اور ان کی ضرورت اور عجز ہم بیان کر چکے ہیں لہٰذا یہ لوگ ضائع اور عاجزی سے ہلاک ہو جائیں گے اور جب یہ مختلف اور جدا مزاج کے ہیں تو وہ مدد کے خوگر اور حاجت کی وجہ سے ملیں گے کیونکہ ضرورت مند ملتا ہے اور جس کی طرف احتیاج ہو اس سے ملا جاتا ہے۔

ایک آیت کی تفسیر:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ۔ (ھود آیت نمبر ۱۱۸)

یہ لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے مگر وہ جس پر تیرا رب رحم کرے اور اس نے اس لئے ان کو پیدا کیا ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مختلفین کا مطلب رزق میں امیر اور غریب کے اعتبار سے فرق ہونا ہے۔۔۔ ''وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ'' کا مطلب ہے کہ غنی اور فقر کے اختلاف کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ''۔ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ دنیا جب سنور جاتی ہے تو اس کی خوش بختی خوب ہوتی ہے اور اس کا اعراض بڑا آسان ہوتا ہے اس لئے کہ جب وہ خوب ملتی ہے تو مبارک کرتی اور خوب دیتی ہے اور جب لوٹتی ہے تو آسانی اور نرمی سے اور باقی رکھتی ہے اور جب دنیا بگڑ جائے تو اس کی خوش نصیبی مکاری اور اس کا اعراض دھوکا ہوتا ہے اس لئے کہ جب یہ اس روپ میں آتی ہے تو مشکل میں مبتلا کرتی اور تھکا دیتی ہے اور جب لوٹتی ہے تو جڑ سے کاٹتی اور ہلاک کر دیتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ دنیا کی درستگی اور سدھار تمام اہل دنیا کے لئے مصلح ہے کیونکہ ان

کی امانتیں (امانت داری) زیادہ اور دیانات واضح اور ظاہر ہیں اور دنیا کا بگاڑ تمام اہل دنیا کے لئے ان کی امانتوں کی قلت اور دیانات کے کمزور ہونے کی وجہ سے مفسد ہے اور مشاہدے اور تجربے میں یہ بہت دیکھا گیا ہے اسی طرح علت اور وضاحت میں دلیل حال بھی اس کی مقتضی ہے بہر حال کوئی چیز دنیا کے سدھار سے زیادہ نفع بخش نہیں اسی طرح اس کے بگاڑ سے زیادہ کوئی چیز نقصان دہ نہیں کیونکہ لوگوں کی دیانت اور امانت اسی سے مضبوط اور زیادہ ہوتی ہے اسی لئے کوئی چیز نفع کی اس سے زیادہ حقدار نہیں اور چونکہ لوگوں کی دیانت اور امانت اس سے کمزور اور کم بھی خوب ہوتی ہیں اسی لئے کوئی بھی چیز اس سے زیادہ نقصان دینے کے لائق نہیں ہے۔

ہماری گفتگو یہاں تک پہنچنے کے بعد ہم ان باتوں کو ذکر کریں گے جن سے دنیا سنورتی ہے اس کے بعد ہم وہ باتیں بیان کریں گے جس سے انسان کا حال سنورتا ہے۔

دنیا کو سنوارنے والی باتیں:

جان لیجئے کہ جن باتوں سے دنیا کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کے احوال منظم اور درست ہوتے ہیں وہ چھ قواعد ہیں اگرچہ ان قواعد کی فروعات بھی ہیں لیکن اصل چھ ہی ہیں۔

دین متبع، طاقتور حاکم، انصاف عام، امن عامہ، دائمی خوش حالی، کشادہ امیدیں۔

پہلا قاعدہ:

دین متبع: کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو دلوں کو اس کی خواہشات سے پھیرتا اور دلوں کو ان کے ارادے سے باز رکھتا ہے حتی کہ وہ راز کی باتوں پر غالب اور دل میں چھپی آرزو کو سرزنش کرنے والا بن جاتا ہے اور تنہائی میں دلوں کا نگران اور مجلسوں میں اسے نصیحت کرتا ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن تک دین کے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا لوگوں کی اصلاح اس کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ دین ہی دنیا کی اصلاح اور استقامت کے لئے سب سے مضبوط قاعدہ ہے اور اس کے انتظام و سلامتی کا ایک منفعت بخش اصول ہے۔ چنانچہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق

کو پیدا کیا ان کو عقل دی شرعی احکام اور اعتقاد دینی سے کبھی خالی نہیں چھوڑا جس کے حکم کے وہ تابع رہتی ہے چنانچہ ان کی آراء مختلف نہیں ہوتیں وہ اس کا حکم تسلیم کرتے ہیں اور خواہشات ان کو دین سے نہیں پھیرتیں۔

علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ عقل وشریعت ایک ساتھ آئے ہیں یا عقل پہلے آئی ہے اور بعد میں شریعت؟ ایک گروہ کہتا ہے کہ عقل اور شرع دونوں ایک ساتھ آئے ہیں آگے پیچھے نہیں آئے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ عقل پہلے آئی ہے پھر شریعت آئی ہے کیونکہ عقل کے کامل ہونے پر ہی شریعت کی صحت پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی۔ (القیامہ آیت نمبر ۳۶) کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔

اور ایسا عقل کے کمال کے بعد ہی ممکن ہے لہٰذا ثابت ہوگیا کہ دین ہی دنیا کی اصلاح وسدھار کے لئے ایک مضبوط قاعدہ ہے اور یہی دین آخرت کے سدھار کے لئے واحد ذریعہ ہے اور جس چیز سے دنیا وآخرت کی اصلاح اور سدھار ہوتا ہے تو عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اسے تھامے رکھے اور اس پر کاربند رہے۔

ایک دانا کا قول ہے کہ ''ادب'' دو ادب ہیں ادب شریعت اور ادب سیاست ادب شریعت وہ ہے جس سے فرض ادا ہوتا ہے اور ادب سیاست وہ ہے جس سے زمین کی تعمیر ہوتی ہے اور یہ دونوں اس عدل کی طرف راجع ہیں جس کے ذریعے حکومت کی سلامتی اور شہروں کی ترقی اور تعمیر باقی ہے۔ کیونکہ جس نے فرض ترک کیا اس نے خود پر ظلم کیا اور جس نے زمین کو خراب کیا اس نے دوسرے پر ظلم کیا۔

دوسرا قاعدہ:

یہ طاقتور حاکم ہے جس کے رعب کی وجہ سے مختلف خیالات وخواہشات میں ترتیب آجاتی ہے اور اس کی ہیبت سے متفرق دل جمع ہوجاتے ہیں اور اس کے خوف کی وجہ سے سرکشی کرنے والے نفوس تھم جاتے ہیں اس لئے کہ لوگوں کی طبیعت میں مقصود میں غلبہ اور

سبقت کی محبت موجود ہے اور دشمن پر قہر رکھنے کو چاہتے ہیں اور اس سے وہ باز نہیں آتے جب تک کہ کوئی قوی طاقتور مانع ڈانٹنے والا موجود نہ ہو۔

ظلم سے باز رکھنے والی یہ علت چار چیزوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتی۔

(۱) سرزنش کرنے والی عقل

(۲) روکنے والا ذہن

(۳) بادشاہ

(۴) رکاوٹ ڈالنے والا عجز۔

پانچویں علت:

اگر آپ غور کریں تو ان میں پانچویں چیز ضرور ملائیں گے وہ ہے حاکم کا دبدبہ جو زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ کبھی کبھار دین اور عقل کمزور ہوتے ہیں یا کسی خواہش پرستی کی بناء پر مغلوب ہوتے ہیں لہٰذا حاکم کا دبدبہ وہ اصل سرزنش کرنے اور ٹوکنے روکنے والا ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ

''حاکم وقت زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے جس میں ہر مظلوم پناہ لیتا ہے''

ایک اور ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم کے ذریعے قرآن سے زیادہ ڈراتا ہے''

ایک اور ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آسمان میں چوکیدار ہیں اور زمین میں بھی چوکیدار ہیں۔ آسمان کے چوکیدار تو فرشتے ہیں اور زمین کے چوکیدار وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے رزق کو قبضہ کرتے اور لوگوں سے دور کرتے ہیں''

ایک اور ارشاد ہے کہ ظالم بادشاہ فتنہ سے بہتر ہے اور ہر چیز میں خیر نہیں ہوتی اور بعض شر بھلے ہوتے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بادشاہ بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے شر کو زیادہ دور کرتے ہیں۔ اگر وہ انصاف کرے تو اس کے لئے اجر ہے اور تم پر شکر واجب ہے اور اگر وہ ظلم کرے تو اس پر گناہ کا بوجھ ہے اور تم پر صبر کرنا واجب ہے''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ''عجم'' (غیر عرب) کو برا بھلا کہا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اور فرمایا کہ انہیں برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاقے بنے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کے بندے رہتے ہیں''

ایک بلیغ کا قول ہے کہ حاکم فی نفسہ قابل اتباع ہے اور اس کی سیرت میں دین مشروع ہے اگر اس نے ظلم کیا تو اس کے کسی حکم میں انصاف نہیں رہے گا اور اگر اس نے عدل وانصاف کیا تو کسی کو ظلم کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔

ایک ادیب کا قول ہے کہ قبولیت کے سب سے زیادہ قریب نیک بادشاہ کی دعا ہے انکا دنیا کی اصلاح کے لئے امرونہی کرنا اجروثواب کے سب سے زیادہ لائق ہے۔

یہ دنیا کے احوال اور انتظام میں بادشاہ کا کردار ہے پھر بادشاہ کے ذمہ دین کی حفاظت اور اس کا دفاع خواہشات کا رد اور دین میں تحریف تبدیل سے حفاظت دین سے پھرنے والوں پر سختی اس میں فساد اور بغاوت کرنے والوں کی بیخ کنی بھی ہے اور یہ تمام امور دین سے مضبوط اور طاقتور حکمرانی کے بغیر دور نہیں کیے جاسکتے جس میں مکمل نگرانی خواہش پرستوں اور رائے پرستوں کی تحریف وتبدیل کو فوراً پکڑا جائے۔

دین کی حکومت زوال کا انجام:

ورنہ جس دین کی حکومت زائل ہوجائے اس کے احکام بدل دیئے جاتے اور علامات مٹادی جاتی ہیں اور ہر رہنما نئی ایجاد کے درپے ہوتا ہے ہر زمانے کا اس میں دراڑ ڈالنے میں کردار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر حکمران ایسے دین پر کاربند نہ ہو جو دلوں کو جمع کرسکے اور اہل طاعت اس کی تابعداری کو فرض سمجھیں اور لازماً مدد کریں تو حکومت زیادہ دن قائم نہیں رہ سکتی اور نہ ہی اس کے ایام حکومت میں ستھرائی رہتی ہے وہ ایک برباد حکومت اور زمانے کی مفسد ہوتی ہے۔

ان دونوں وجھوں سے ایسے امام کا قائم کرنا جو بادشاہ وقت اور امت کا رہنما ہو واجب

ٹھہراتا کہ دین کی اس کی حکومت کے ذریعے حفاظت ہواور باشاہ دین کے طریقوں اور اس کے احکامات پر چلتا رہے'' عبداللہ بن معتز کا قول ہے۔

الملک بالذین یبقی والدین بالملک یقوی

بادشاہت دین کے ذریعے باقی رہتی ہےاور دین بادشاہت کے ذریعے مضبوط ہوتا ہے

بادشاہ کا وجود عقلاً ضروری ہے یا شرعاً؟:

اورلوگوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ بادشاہ کا ہونا عقلاً ضروری ہے یا شرعاً۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ عقلاً ضروری ہے اس لئے کہ عقلاء کے آپس کے اختلافات کے باوجود معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات بادشاہ کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ بادشاہ کی طرف بعض دفعہ سہارالیا جاتا ہےلوگوں کے مصالح کی طرف بادشاہ کی نظر ہوتی ہے۔

دوسری جماعت کہتی ہے بادشاہ کا شرعاً ہونا ضروری ہے اس لئے کہ بادشاہ ہی کے ذریعے سے شرعی امور کا قیام ہوتا ہے۔مثلاً حدود کا قائم کرنا۔حقوق دلانا۔ان چیزوں سے مستغنی ہونا بھی جائز ہے جب ان چیزوں سے بندگی کی نیت نہ کی جائے۔چنانچہ جب غیر مراد (جس میں بندگی کی نیت نہ ہو) چیزوں سے استغناء صرف انہی کے لئے جائز ہے تو اس کا قیام اور بھی ضروری ہوا۔

اس بات پر حضرات انبیاء علیھم السلام کی وجوب بعثت کے بارے میں اختلاف ہے جنہوں نے بادشاہ کا عقلاً ہونا ضروری کہا ہےان کے نزدیک انبیاء علیھم السلام کی بعثت بھی واجب ہےاور جنہوں نے شرعاً بادشاہ کا ہونا ضروری کہا ہےان کے نزدیک بعثت انبیاء علیھم السلام واجب نہیں ہے اس لئے کہ انبیاء علیھم السلام کی بعثت سے مقصد مصالح شرعیہ کا جاننا ہے اور مکلفین کے لئے یہ بات بھی ہونا جائز ہے کہ وہ احکام ان کے مصالح میں سے نہ ہوں۔لہٰذا بعثت انبیاء علیھم السلام واجب نہیں۔

ایک زمانہ میں یا ایک شہر میں دو یا تین حکمرانوں کا ہونا اجماعاً جائز نہیں۔البتہ مختلف شہروں اور دور دراز شہروں میں ایک چھوٹی سی جماعت کہتی ہے کہ جائز ہے۔اس لئے کہ

بادشاہ ہی لوگوں مصالح کا انتظام کرتا ہے لہٰذا دو شہروں یا دو مضافات میں دو اماموں کا ہونا ہر ایک امام اپنے اپنے مصالح اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے قوی اور مضبوط ہوگا اور اہمیت سے انجام دے گا جس طرح ایک ہی زمانہ میں کئی انبیاء علیھم السلام کی بعثت جائز ہے اور دو انبیاء کی بعثت نبوت کو باطل نہیں کرتی لہٰذا حکمرانی اس بات کی زیادہ حقدار ہے اور اس سے حکمرانی باطل نہیں ہوگی اور جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ ایک ہی زمانہ میں دو حکمرانوں کا ہونا شرعاً جائز نہیں۔

اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب دو امیروں کی خلافت کی بیعت کر لی جائے تو ان میں سے ایک کی ولایت تسلیم کرو۔

ایک اور روایت ہے ان دو میں سے بعد والے کو قتل کر دو' ایک روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا: جب تمہارا متولی (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہو تو تم ان کو دین میں مضبوط اور قوی اور بدن میں ضعیف پاؤ گے اور تمہارا متولی عمر رضی اللہ عنہ ہو تو تم ان کو دین اور بدن دونوں میں مضبوط اور قوی پاؤ گے اور اگر تم نے (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کو متولی بنایا تو ان کو ھادی اور مہدی پاؤ گے اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں کئی حکمرانوں کا ہونا صحیح نہیں ہے۔ اگر اس طرح درست ہوتا تو حدیث میں ضرور اشارہ اور تنبیہ موجود ہوتی۔

امت کے بادشاہ کیلئے سات چیزیں لازم ہیں:

(۱) دین کو تبدیلی سے بچانا اور اس پر عمل کرنے کے لئے لوگوں کو ترغیب دینا۔

(۲) مملکت کی حفاظت امت کا دفاع جو چاہے دین کے دشمن سے ہو یا باغی سے نفس اور مال کا دفاع ہو۔

(۳) شہروں کے مصالح کو مدنظر رکھ کر اسکی تعمیر کرنا شہروں کے راستہ وغیرہ کو سنوارنا۔

(۴) دین کے طریقے کے مطابق اموال کی تقسیم اور حفاظت مالیانے کی وصولی اور عطا میں تحریف سے حفاظت۔

(۵) مظلوم کی مدد کرنا لوگوں کے درمیان برابری کے ساتھ احکامات نافذ کرنا۔ فیصلوں میں

انصاف کو مدنظر رکھنا۔

(۶) حدود کے مستحق پر حدود قائم کرنا بغیر تجاوز اور بغیر اس میں کمی کئے۔

(۷) اور نائبین کو امور کے اندر اختیار دینا۔ جن امور پر جو لوگ مامور ہوں امانت دار اور قناعت پسند ہوں جو بادشاہ بھی ان مذکورہ سات چیزوں پر عمل کرنے والا ہوگا گویا کہ وہ اللہ کے حقوق کو ادا کرنے والا ہے ایسا بادشاہ اطاعت اور خیر خواہی کا اور سچی محبت کئے جانے کا بھی مستحق ہے۔ اگر بادشاہ نے مذکورہ امور میں کوتاہی کی اور رعایا کے واجبی حقوق کی رعایت نہیں کی تو ایسے بادشاہ سے ان چیزوں کے بارے میں مواخذہ ہوگا اور اس پر عقاب ہوگا اور پھر وہ رعیت کی جانب سے غلطی اور عیب جوئی سے محفوظ نہیں ہے وہ لوگ تو اس کے اظہار کی تاڑ میں اور موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔۔۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''تم کہدو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے'' (الانعام آیت نمبر ۶۰) چنانچہ ''اوپر سے اور پیروں کے نیچے سے'' کے الفاظ کی دو تاویلیں ہیں۔

پہلی تاویل: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے عذاب مِنْ فَوقِهِمْ سے مراد برے امراء ہیں مِن تَحتِ اَرْجُلِهِم سے مراد برے غلام ہیں''۔

دوسری تاویل: حضرت مجاہد اور سعید بن جبیر کی ہے وہ فرماتے ہیں مِن فَوقِهِم سے مراد رجم (پتھروں کی بارش) ہے مِن تَحتِ اَرْجُلِهِم سے مراد زمین میں دھنسنا ہے۔

اَوَیلبِسَکُم شِیَعاً اس آیت کی بھی دو تاویلیں ہیں۔

پہلی تاویل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے وہ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد مختلف خواہشات ہیں۔

دوسری تاویل: حضرت مجاہد کی ہے وہ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد فتنہ اور اختلاط ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر دسواں امیر قیامت میں اس حال پر آئیگا کہ اس کے دونوں ہاتھ گردن پر بندھے ہوئے ہونگے یہاں تک کہ اس کے اعمال یا تو اس کو چھوڑوائیں گے یا ہلاک کردیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے تم میں سب سے بہتر وہ امام ہے جس سے تم محبت کرو وہ تم سے محبت کرے اور تم میں سب سے بدتر وہ امام ہے جس سے تم بغض رکھو وہ تم سے بغض رکھے تم اس پر لعنت بھیجو وہ تم پر لعنت کرے۔

اور یہ صحیح بھی ہے کیونکہ اگر امام (بادشاہ) صحیح ہو تو لوگ اس سے محبت کریں گے وہ لوگوں سے محبت کریگا اور اگر امام برا ہو تو لوگ اس سے بغض رکھیں گے اور وہ لوگوں سے رکھے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ''بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے مخلوق کے اندر بھی محبوب بناتا ہے لہٰذا تم لوگوں میں اپنے مرتبے کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنا مرتبہ پہچان لو جان لو! جو کچھ تیرے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اس کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے تیرے پاس ہے'' (جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ اسکی وضاحت ہے) اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اللہ کی خشیت مخلوق کے بارے میں اللہ کی اطاعت کی ترغیب دیتی ہے اور اللہ کی اطاعت مخلوق کے بارے میں مخلوق سے محبت کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ چنانچہ مخلوق سے محبت امام کے بھلا ہونے اور خوف الٰہی کے ہونے پر اور مخلوق سے بغض رکھنا امام کے بدتر اور اسکا لحاظ کم ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک نائب سے فرمایا میں تمہیں لوگوں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تو لوگوں سے اللہ کے حکم کے بارے میں مت ڈر۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بعض ہم نشینوں سے کہا میں اللہ تعالیٰ سے ان معاملات میں ڈرتا ہوں جن میں میں نے تقلید کی پھر کہا میں تم پر اس بارے نہیں ڈرتا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میں تو تم پر اس بارے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم اللہ سے نہ ڈرو یہ واضح ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ظلم سے مامون ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی کا قاتل:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے بھائی زید بن خطاب کے قاتل ابو مریم سلولی سے کہا کہ واللہ میں تجھ سے تب تک محبت نہیں کرونگا جب تک زمین خون کو پسند نہ کرے ابو مریم نے کہا تو کیا یہ جرم مجھے حق سے روکے گا؟ فرمایا نہیں۔ تو ابو مریم نے کہا تب تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ محبت سے صرف عورتیں مایوس ہوتی ہیں۔

ام کلثوم بنت ابی بکر کا مہر:

حضرت عبدالرحمٰن بن محمد سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: طلحہ بن عبداللہ نے ام کلثوم بنت ابی بکر کا مہر ایک لاکھ درہم رکھا یہ پہلے مسلمان تھے جنہوں نے اس قدر زیادہ زائد مہر مقرر کیا تھا چنانچہ لوگ یہ مال لیکر حضرت عمر بن خطاب کے پاس سے گذرے تو انہوں نے فرمایا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ام کلثوم بنت ابی بکر کا مہر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسکو بیت المال میں داخل کر دو چنانچہ یہ خبر طلحہ بن عبداللہ کو دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بات کریں تو انہوں نے فرمایا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا اگر عمر رضی اللہ عنہ اس مہر کو ضبط کرنے کا حق سمجھتے ہیں تو میری گفتگو کی وجہ سے رد نہیں کر سکتے اور اس میں یہ حق نہیں سمجھتے تو اس کو ضرور واپس کر دیں گے جب صبح ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مال (مہر) لانے کا حکم دیا اور پھر ام کلثوم کے حوالے کر دیا۔

بیان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے ابو العتاھیہ کو جیل میں بند کر دیا تو ابو العتاھیہ نے جیل کی دیواروں پر مندرجہ ذیل اشعار لکھے: جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اما و اللہ ان الظلم لوم　　وما زال المسئی وھو ظلوم

الی دیان یوم الدین نمضی　　وعند اللہ تجتمع الخصوم

ستعلم فی المعاد اذا التقینا　　غدا عند الملیک من الظلوم

(ترجمہ) سنو۔ خدا کی قسم ظلم یقیناً ملامت اور گناہگار ہمیشہ بے انصاف ہی رہتا ہے فیصلہ کے دن کے بادشاہ کے پاس ہم جائیں گے اور تمام فریق اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع ہوں

گے عنقریب تو روز حشر میں جان لے گا جب کل کو ہم طاقتور بادشاہ کے ہاں ملیں گے کہ کون ظالم تھا۔

تو جب ہارون رشید کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور ابوالعتاھیہ کو بلا کر اس سے معافی مانگی اور اسے ایک ہزار دیکر چھوڑ دیا۔

تیسرا قاعدہ:

عام انصاف۔ یہ محبت کی طرف دعوت دیتا ہے اور لوگوں کو امام کی اطاعت کی طرف ابھارتا ہے اور اس کے ذریعہ سے شہروں کی تعمیر اور مال دولت میں ترقی ہوتی ہے اور اسی سے نسل کی کثرت ہوتی ہے اور سلطان ان وجوہات کی بناء پر مامون رہتا ہے۔

ہرمزان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پھٹے پرانے کپڑوں میں سویا ہوا دیکھا تو کہا: تم نے انصاف کیا تو مامون ہو کر سو رہے ہو۔

زمین کو خراب کرنے اور مخلوق کے خیالات ضمیر کو خراب کرنے کیلئے ظلم سے زیادہ کوئی چیز نہیں اسی لئے کہ ظلم کسی حد پر رکتا نہیں اور نہ ہی کہیں جا کر تھمتا ہے اس کے حصے میں خرابی کا کوئی نہ کوئی حصہ ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''آخرت کے توشہ میں سب سے بدترین توشہ مخلوق پر ظلم زیادتی کرنا ہے''

تین چیزیں مہلک اور تین منجی:

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں نجات دلانے والی اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں تین چیزیں نجات دلانے والی یہ ہیں غضب اور رضاء کی حالت میں انصاف کرنا مخفی اور ظاہری حالت میں اللہ سے ڈرنا۔ مالداری، اور فقر کی حالت میں میانہ روی اختیار کرنا۔ تین چیزیں ہلاک کرنے والی یہ ہیں

(۱) باکمال آدمی کا بخل کرنا۔ (۲) خواہشات نفسانی کی اتباع کرنا۔ (۳) تکبر کرنا۔

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ اسکندر نے ہند کے حکماء سے کہا: جب انہوں نے

شریعت کے احکام پر وہاں کم عمل دیکھا اور پوچھا تمہارے شہر میں شریعت کے احکام کا نفاذ کیوں کم ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم اپنی طرف سے لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں ہمارے درمیان بادشاہ انصاف کرتا ہے۔ پھر اسکندر نے پوچھا: عدل اور شجاعت میں سے سب سے افضل کون سی چیز ہے؟ کہنے لگے: جب انصاف کا استعمال ہو تو شجاعت سے کفایت ہو جاتی ہے''۔

ایک دانا کا قول ہے کہ عدل اور انصاف کے ذریعے محبتیں پھیلتی ہیں''۔

بعض بلغاء کا قول ہے کہ بیشک انصاف وہ ترازو ہے جسکو مخلوق کے لئے وضع اور حق کیلئے نصب کیا گیا ہے پس اس کے میزان میں مخالفت نہ کر اور نہ ہی اسکی بادشاہت میں اس سے تعارض کر۔

دو خصلتوں کے ذریعہ سے انصاف کی مدد کر۔ (۱) حرص کی کمی کے ساتھ۔ (۲) تقوی کی کثرت کے ساتھ۔

چنانچہ عدل ہی دنیا کے ان قواعد میں سے ہے جس سے دنیا کا انتظام چلتا ہے اسی انصاف کے ساتھ دنیا کی اصلاح ہوتی ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنے ساتھ انصاف کی ابتداء کرے پھر غیر کے ساتھ انصاف کرے۔

انسان کا اپنے ساتھ انصاف کرنا یہ ہے نفس کو اپنے مصالح پر رکھے اور برائیوں سے خود کو بچائے۔

تجاوز اور تقصیر کی درمیانی حالت پر قائم رہے کیونکہ تجاوز کرنا جور ہے اور تقصیر کرنا ظلم ہے۔

جو آدمی اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے وہ دوسرے پر زیادہ ظلم کرنے والا ہوتا ہے اور جو کوئی کسی پر زیادتی کرتا ہے وہ دوسرے پر سب سے زیادہ زیادتی کرنے والا ہوتا ہے بعض حکماء نے کہا: جو آدمی اپنے بارے میں سستی کرتا ہے گویا اس نے خود کو ضائع کیا۔

دوسرے کے ساتھ انصاف کرنا:

بہر حال غیر کے ساتھ انصاف کرنا انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ انصاف

کرنے کی تین حالتیں ہیں:

پہلی حالت: انسان کا اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ انصاف کرنا جیسے سلطان کا اپنی رعایا کے ساتھ رئیس کا اپنے اصحاب کے ساتھ چنانچہ سلطان کے اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کرنے میں چار چیزیں ہیں۔

(۱) آسان کام کی اتباع کرنا۔ (۲) تنگی کو دور کرنا۔ (۳) قوت بازو سے ہر کسی پر تسلط ترک کرنا۔ (۴) سیرت میں حق کی اتباع کرنا۔

پس آسان کام کی اتباع دائمی رہتی ہے اور تنگی دور کرنا زیادہ محفوظ ہونے کی علامت ہے تسلط چھوڑنا محبت کی نشانی ہے۔ حق کی تلاش نصرت پر ابھارتی ہے۔ اگر مذکورہ امور کوئی سمجھدار بادشاہ اختیار نہ کرے تو وہ اکثر فساد ہی دیکھے گا اور تدبیر میں اختلاف بھی ظاہر ہوگا۔

روایت میں ہے: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا جو اللہ کی سلطنت میں کسی کو شریک ٹھہراتا ہو پس ایسا آدمی اللہ کے معاملہ میں زیادتی کرنے والا ہے۔

بعض حکماء کہتے ہیں کہ ملک کفر کے ساتھ تو چل سکتا ہے لیکن ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتا۔

بعض ادباء کہتے ہیں: ظالم کیلئے کوئی پڑوس نہیں اور نہ ہی اس کیلئے کوئی گھر تعمیر ہوتا ہے ایک بلیغ کا قول ہے۔ سب سے زیادہ قریب ظالم کا قصہ تمام ہونا ہے اور سب سے بہترین نشانہ پر لگنے والا تیر مظلوم کی بددعا ہے۔

بادشاہوں کے اقوال:

ایک دانا بادشاہ کا قول ہے کہ ”تعجب ہے اس شخص پر جو بادشاہ ہو اور رعایا کے بگاڑ کا خواستگار ہو جبکہ وہ جانتا ہے کہ عزت لوگوں کے اطاعت کرنے میں ہے۔

اردشیر بن بابک کا قول ہے کہ جب بادشاہ انصاف چھوڑ دیتا ہے تو رعایا بھی اطاعت چھوڑ دیتی ہے۔

نوشیروان کو گنہگاروں کو سزا چھوڑنے پر سرزنش کی گئی تو وہ کہنے لگا یہ تو مریض ہیں اور ہم اطباء ہیں جب ہم ہی عفو و درگزر سے علاج کرنا چھوڑ دیں تو کون ہے جو ان کا علاج

کرے؟

دوسری قسم: انسان کا اپنے سے اوپر والوں کے ساتھ انصاف کرنا۔ جیسے رعایا کا بادشاہ کے ساتھ انصاف کرنا اصحاب کا اپنے رئیس کے ساتھ انصاف کرنا۔ پس یہ بھی تین قسم کے ہوئے۔

(۱) اطاعت کا خلوص (۲) مدد کرنا (۳) تعلق میں سچائی۔

اسلئے کہ اطاعت میں خلوص متفرق اشیاء کو جمع کرنا ہے اور مدد کرنے سے کمزوری دور ہوگی اور رشتہ داری میں سچائی کا ہونا بدگمانی سے نفی کرتا ہے۔

کسی شخص میں مذکورہ چیزیں جمع نہ ہوں تو اس شخص پر ایسا شخص مسلط کیا جاتا ہے جس سے وہ خود کا دفاع کرے گا اور جو اس کا دفاع کرے اس کا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

بحتری کا شعر ہے کہ۔۔

متی احوجت الی ذاکرم تخطی الیک ببعض اخلاف اللئام

(ترجمہ) جب تو کسی کرم والے کا محتاج ہو جائے تو وہ تیری طرف بعض کمینے اخلاق کے ساتھ آئیگا۔

کسری پرویز کا قول ہے کہ تو اپنے سے اوپر والے کی اطاعت کر تو نیچے والے تیری اطاعت کریں گے بعض حکماء کہتے ہیں: ظلم نعمت کو چھیننے والا ہے اور سرکشی انتقام کھینچ لاتی ہے

بعض حکماء کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے اس وقت راضی ہوتا ہے جب اس کا حق ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا حق نعمت کا شکر کرنا امت کو نصیحت کرنا کام کو اچھی طرح کرنا اور شریعت کو لازم پکڑنا ہے۔

تیسری قسم: انسان کا اپنے ہمسر سے انصاف کرنا۔ اسکی تین صورتیں ہیں: ٹال مٹول چھوڑنا، ناز نخرے سے اجتناب کرنا اور تکلیف دینے سے اجتناب کرنا۔ اسلئے کہ ٹال مٹول ترک کرنا محبت کی دلیل ہے اور ناز نخرے سے اجتناب مہربانی کی دلیل ہے اور ترک ایذاء انصاف کی دلیل ہے۔

اگر مندرجہ بالا امور ہمسروں میں نہ ہوں تو ان کے درمیان دشمنی عداوت بڑھے گی

جس سے فساد پھیلے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں لوگوں میں سب سے زیادہ شریر شخص کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تن تنہا کھائے بخشش سے رکا رہے اور اپنے غلام کو کوڑے مارے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے زیادہ شریر شخص کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا ضرور بتایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے خیر کی امید نہ رکھی جائے اور کوئی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے بھی زیادہ شریر کے بارے میں نہ بتاؤں؟ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا ضرور بتایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خطاب:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں خطاب کے دوران ان سے فرمایا "اے بنی اسرائیل تم جاہلوں کے سامنے حکمت کی باتیں نہ کرو اس سے حکمت پر ظلم ہوگا اور نہ ہی اس کے اہل سے حکمت کی باتوں سے پرہیز کرو ورنہ یہ اس کے اہل پر ظلم ہوگا اور ظالم سے بدلہ مت لو یہ تمہارے فضل کو باطل کردیگا۔ اے بنی اسرائیل حکم تین ہیں۔ پہلا حکم "جسکی رشد وہدایت واضح ہو تو اسکی اتباع کرو دوسرا حکم جسکی گمراہی واضح ہو تو اس سے اجتناب کرو تیسرا حکم "جس میں تمہارا اختلاف ہو تو اس کو اللہ کے حوالے کرو"

یہ حدیث عدل کے آداب میں تمام احوال کو جامع ہے۔

ایک دانا کا قول ہے کہ جو عقل کل احوال کا احاطہ نہ کرے وہ تام (مکمل) نہیں۔

''اعتدال'' انصاف اور فضائل ہیں:

ان طبقات سے چند امور خاص متعلق ہیں۔ ان میں انصاف تقصیر و اسراف کے درمیان (معتدل) ہو کیونکہ عدل اعتدال سے ماخوذ ہے اور جو اعتدال سے متجاوز ہو وہ عدل سے خروج ہے۔

حکماء کہتے ہیں فضائل دو ناقص حالتوں کی درمیانی حالتیں ہیں اور بھلائی کے افعال دو ذلتوں کے درمیان ہیں۔ چنانچہ ''حکمت'' شر اور جہالت کی درمیانی حالت ہے۔ شجاعت بزدلی اور بے سوچ سمجھے کرنے کی درمیانی حالت ہے۔ ''عفت'' حرص اور شہوت کی کمزوری کی درمیانی حالت ہے۔ سکون، ناراضگی غصے، اور کمزور غصے کی درمیانی حالت ہے۔ ''غیرت'' حسد اور بری عادت کی درمیانی حالت ہے۔

ظرف بے حیائی اور بے وقوفی کی درمیانی حالت ہے۔ ''تواضع'' تکبر اور چھوٹے پن کی درمیانی حالت ہے۔ ''سخاوت'' تبذیر اور بے پناہ کنجوسی کی درمیانی حالت ہے۔ ''حلم'' غصہ کے افراط اور بالکل غصہ نہ ہونے کی درمیانی حالت ہے۔ مودت (محبت) چاپلوسی دھوکے اور حسن اخلاق کی درمیانی حالت ہے۔ ''حیاء'' شرم اور بے حیائی کی درمیانی حالت ہے ''وقار'' مسخرہ پن اور بے عقلی کی درمیانی حالت ہے۔

جب ایسا ہے کہ اعتدال سے اس حالت کی طرف جانا جو اعتدال نہیں تو یہ عدل سے اس طرف نکلنا ہے جو عدل نہیں تو یہ بہتر سے ایسی چیز کی طرف خروج ہے جو بہتر نہیں اور عدل سے غیر عدل کی طرف خروج ہے۔

برا بادشاہ، برا شہر، برا بیٹا:

حکماء کہتے ہیں کہ برا حکمران نیک شخص سے ڈرتا ہے اور برے پنچ شخص پر احسان کرتا ہے برا شہر پنچ لوگ جمع کرتا اور علتیں (بیماریاں خرابیاں) پیدا کرتا ہے۔ برا بیٹا سلف کو عیب دار کرتا اور شرف کو گراتا ہے۔ برا پڑوسی راز افشاء کرتا اور پردہ دری کرتا ہے۔ ان تمام اشیاء کے بہتر سے غیر بہتر کی طرف نکلنے کو عدل سے غیر عدل کی طرف خروج قرار دیا گیا ہے۔

آپ جب کوئی خرابی دیکھیں گے تو اس کے نتیجے کا سبب عدل سے باہر نکلنا ہی ہوگا اور یہ یا تو زیادتی ہوگی یا نقصان ہوگا۔ چنانچہ عدل سے زیادہ فائدہ مند چیز کوئی نہیں اور اس سے زیادہ نقصان دہ عمل کوئی نہیں جو عدل نہ ہو۔

چوتھا قاعدہ:

امن عام ہے یہ وہ قاعدہ ہے جس سے نفوس اطمینان حاصل کرتے ہیں اور جس میں ہمتیں (بدمعاشوں کی) منتشر ہوتی ہیں اور اس میں نیک لوگ سکون حاصل کرتے اور کمزور لوگ اس کے ذریعہ مانوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ ڈرنے والے کیلئے کوئی راحت نہیں اور نہ ہی خوفزدہ کو اطمینان ہوتا ہے۔

بعض حکماء کہتے ہیں: امن مبارک زندگی کا نام ہے اور عدل مضبوط فوج ہے اس لئے خوف اور بدامنی انسان کو ان کے مصالح سے محروم کر دیتی ہے اور تصرفات سے بھی روک دیتی ہے اور اس تعلق داری سے بھی روک دیتی ہے جو محبت کی فضا قائم رکھے اور انتظامی امور کے قیام سے بھی مانع ہوتی ہے۔

اگر امن عدل کے نتائج میں سے ہے اور ظلم زیادتی اس کے نتائج میں سے ہے جو عدل نہیں تو ظلم و زیادتی کبھی کبھار انسانوں کے ان مقاصد میں سے ہوگی جو عدل سے خارج ہیں۔ اس لئے اوپر جو عدل کا حال مذکور ہوا وہ امن کو دنیا کے انتظام کا قاعدہ بیان نہیں کرتا۔ جیسا کہ عدل قاعدہ ہے۔ پھر جب ایسا ہے تو امن مطلق وہ ہے جو عام ہو اور خوف کبھی عام اور مختلف النوع ہوتا ہے چنانچہ خوف کبھی جان پر ہوتا ہے کبھی اہل پر تو کبھی مال پر ہوتا ہے۔

خوف کا عموم:

خوف کا عموم یہ ہے وہ تمام احوال پر حاوی ہوتا ہے اور اس کی ہر نوع میں کمزوری یعنی وھن (دنیا کی محبت اور موت سے نفرت) اور رنج شامل ہوتے ہیں اور خوف اسباب کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتے اور جہات کے الگ ہونے سے بعض حالتوں میں کم اور زیادہ ہوتا ہے اور کبھی جس پر خوف ہے اس میں رغبت کی مقدار میں ہلکا یا شدید نوعیت کا ہوتا ہے۔

اس وجہ سے یہ جائز نہیں کہ خوف کی ہر نوع کو رنج اور دھن کے عنصر کے ساتھ متصف کر دیا جائے خاص طور پر کسی چیز پر خوف رکھنا اس کے ساتھ پریشانی (غم) کو خاص کر دیتا ہے اور غیر دوسری چیزوں کی طرف سے توجہ ہٹا دیتا ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو صرف اس کا خوف ہے اور دوسری چیزوں پر امن جیسی نعمت کی قدر سے غافل ہو جاتا ہے۔

یہ اس مریض کی طرح ہے جسکو اپنے مرض کی سوچوں نے گھیرا ہو اور اس کے سوا چیزوں سے غافل ہو حالانکہ عین ممکن ہے کہ جن چیزوں سے خوف اس سے دور رکھا گیا ہے وہ اس کے موجودہ خوف سے زیادہ بڑا ہو۔

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک آدمی نے اعرابی (دیہاتی) سے کہا: داڑھ کی تکلیف بہت شدید ہوتی ہے! تو اعرابی نے کہا: ہر بیماری اپنے اعتبار سے شدید ہے۔

اسی طرح امن کی عمومیت ہے۔ جیسا کہ وہ شخص جو عافیت کے ساتھ ہے وہ امن جیسی نعمت کی قدر اس وقت تک نہیں جانتا جب تک اس پر خوف نہ آئے۔ جیسا کہ وہ آدمی جو صحت مند ہو وہ عافیت کی قدر اس وقت جانتا ہے جب اس پر کوئی بیماری آ جائے۔

بعض حکماء کہتے ہیں: نعمت کی قدر اس وقت پہچانی جاتی ہے جب اسکی ضد (مصیبت) میں کوئی مبتلا ہو جائے اسی کو ابو تمام الطائی نے اپنے شعر میں کہا:

و الحادثات و ان اصابک بوسها   فهو الذی انباک کیف نعیمها

اگر مصائب کی تکلیف تمہیں پہنچتی ہے مگر یہ وہی ہیں جو نعمت کی قدر بتاتے ہیں۔

عقلمندی کی دلیل:

چنانچہ عقلمندی یہ ہے کہ انسان مرض اور خوف کے وقت ان کے علاوہ حالات میں امن و عافیت کی نعمت کی قدر کو یاد کرے اور جو خوف اور بیماری اس سے دور رکھی گئی ہے اور موجودہ مرض اور خوف اور اس کے شکوے کو شکر سے بدل دے گھبراہٹ کو صبر سے بدلے تو اس صورت میں وہ انسان خوش و خرم ہوگا حکایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کے وقت فرمایا: مجھ سے جدا ہونے کے بعد

تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میرے بھائیوں نے میرے ساتھ کیا کیا آپ اس بارے میں نہ پوچھیئے بلکہ میرے رب نے میرے ساتھ کیا احسان کیا؟ اس بارے میں پوچھئے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

لا تنفس فی الصحة ایام السقم   فان عقبی تارک الحزم ندم

صحت کی حالت میں بیماری کے ایام کو نہیں بھولنا کیونکہ سمجھداری ترک کرنے والے کا انجام ندامت ہے۔

پانچواں قاعدہ:

دائمی خوشحالی ہے جس کے تمام احوال میں نفوس وسعت میں ہوتے ہیں اور کثرت مال اور قلت مال والے اسمیں مشترک ہوتے ہیں۔ ان حالات میں لوگوں میں حسد کم اور کم مائیگی کی نفرتیں دور ہو جاتی ہیں۔ لوگ وسعت حال کے ساتھ رہتے ہیں ہمدردی اور تعلق بڑھ جاتا ہے۔ یہ قاعدہ دنیا کی درستگی اور انتظام کے لئے سب سے مضبوط اور طاقتور ذریعہ ہے کیونکہ خوشحالی مالداری کی موجب ہے اور مالداری امانت اور سخاوت پیدا کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا حسب نسب والے اور مالدار شخص کے علاوہ کسی کو قاضی نہ بنانا۔ اس لئے کہ حسب نسب والا اپنے انجام سے ڈرتا ہے اور مالدار آدمی دوسرے کے مال ودولت کی طرف رغبت نہیں رکھتا۔

بعض سلف کہتے ہیں: میں دنیا اور آخرت کی بھلائی پرہیزگاری اور مالداری میں سمجھتا ہوں اور دنیا وآخرت کی بربادی گناہ اور محتاجی میں سمجھتا ہوں جیسا کہ بعض شعراء کا قول ہے۔

لم اربعد الدین خیر امن الغنی   و لم اربعد الکفر شرا من الفقر

(ترجمہ) دین کے بعد کوئی خیر مالداری کے علاوہ نہیں دیکھتا اور میں کفر کے بعد کوئی شر محتاجی کے علاوہ نہیں دیکھتا"۔

مالداری کے اعتبار سے ہی بخیل کی کنجوسی اور مالداری کی سخاوت کم زیادہ ہوتی ہے۔

خوشحالی اور بدحالی کا عموم و خصوص:

جب خوشحالی ہوتو درستگی کے دوسرے اسباب اس طرح پیدا نہیں ہوتے جس طرح بیان کئے گئے اور بدحالی خرابی کے اسباب پیدا کرتی ہے اور جس طرح خوشحالی کی بھلائی عام ہوتی ہے اسی طرح بدحالی کی خرابی بھی عام ہوتی۔ اگر خوشحالی پائی جائے خوشحالی اسقدر عام نہیں ہوتی لیکن اگر خوشحالی نہ ہوتو فساد اور خرابی ضرور عام ہوتی ہے لہٰذا یہ اس لائق ہے کہ یہ صلاح و درستگی کے قواعد اور استقامت کے دواعی و اسباب میں سے ہو۔

خوشحالی کی اقسام:

خوشحالی دو طرح سے ہوتی ہے۔کسب میں خوشحالی۔ مواد (وسائل) کی خوشحالی کسب کی خوشحالی وسائل کی خوشحالی سے ہی نکلتی ہے اور یہ خوشحالی سے نتھی امن کے نتائج میں سے ہے۔ البتہ وسائل کی خوشحالی یہ الٰہی اسباب میں سے اور اس سے منسلک عدل کے نتائج میں سے ہے۔

چھٹا قاعدہ:

امید کی فراخی ہے۔ یہ انسان کو اس چیز کے حصول پر ابھارتا ہے جس کا استعاب کرنے سے اس کی عمر قاصر ہے اور اس چیز کے ادراک پر بھی ابھارتا ہے جس کے ادراک کی اس کے ارباب کی عمروں میں کوئی امید نہیں کی جاسکتی اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ دوسرا اس کے ذریعے مدد کرتا جسے پہلے نے پیدا کیا ہے اور وہ اس کی وجہ سے مستغنی ہو جاتا تو ہر زمانے کے لوگ رہائش اور کھیتی باڑی کی زمین پیدا کرنے کے محتاج ہوتے اور ظاہر ہے ایسا کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

پس یہ محتاجی اور مشکل میں سے ہو جانا جس پر کوئی جفا نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بندوں پر مال کی وسعت دیکر جو مہربانی فرمائی ہے اور اس سے دنیا کی تعمیر کی چنانچہ زمین کی صلاح مکمل ہوگئی وہ ایک زمانے سے دوسرے زمانے کو منتقل ہوتی رہی اور آنے والے زمانے نے اس تعمیر کو مکمل کیا جو پہلے والوں نے چھوڑ دی تھی اور تیسرے زمانے نے دوسرے زمانے کی

عمارات کی مرمت کی تا کہ زمین اور اس کی عمارات کے احوال تمام زمانوں میں درست رہیں کئی زمانے گذرنے کے باوجود زمانے کے معاملات منظم رہیں اگر امیدیں کوتاہ ہیں تو کوئی شخص اپنی روزمرہ کی ضروریات سے تجاوز نہ کرتا اور نہ ہی وقتی ضرورت سے آگے بڑھتا اور یہ زمین آنے والوں کو خراب حالت میں ملتی جس میں گذارا بھی مشکل ہوتا اور نہ ہی اس سے کوئی ضرورت پوری ہوتی اور یہ ان کے بعد والوں کو اور زیادہ برے حال میں منتقل ہوتی چنانچہ اس میں نہ کوئی سبزہ اگتا نہ ہی رہائش ممکن ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امید میری امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اگر امید نہ ہوتی کوئی آدمی درخت نہیں لگاتا اور نہ ہی کوئی ماں اپنے بچے کو دودھ پلاتی''۔

آخرت کے معاملے میں امید کا حال یہ ہے کہ وہ آخرت سے غفلت کا قوی ترین سبب اور اس کے لئے تیاری کی کمی کا مظہر ہے۔

امل اور امانی میں فرق:

لفظ''امل''اور''امانی''(تمنا) کے درمیان فرق یہ ہے کہ امل اس امید کو کہا جاتا ہے جو اسباب مہیا کر کے کی جائے۔

امانی۔اس امید کو کہا جاتا ہے جو بغیر اسباب مہیا کئے کی جائے۔(''امانی''امنیہ کی جمع ہے)اب تک وہ چھ قواعد ذکر ہوئے جن سے دنیا کے احوال درست ہوں اور اس کے جملہ امور کا انتظام بھی صحیح ہو۔لیکن یہ بات بعید ہے کہ دنیا کا معاملہ کامل طور پر درست ہو اور اس کی اصلاح بھی عام ہو۔اس لئے کہ دنیا کو تغیر اور فناء کیلئے ہی بنایا گیا ہے اور اسے محدود مدت اور ختم ہو جانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ایک دانا شخص نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو بدل دے۔تو دانا نے کہا اس طرح تو دنیا برابر اور سیدھی ہو جائے گی کیونکہ یہ ہے ہی بدلنے والی''۔

کسی شاعر نے کہا۔

ومن عادة الایام ان خطوبها اذا سر منها جانب ساء جانب

وما اعرف الایام الاذمیمة ولا الدھر الا وھو للثأر طالب

(ترجمہ) زمانے کی عادت یہ ہے کہ اس کے مصائب اگر ایک جانب خوشی دیتے ہیں تو دوسری جانب بری ہوتی ہے اور میں مصائب کو مذموم ہی دیکھتا ہوں اور زمانے کو کہ وہ انتقام کا طلبگار ہے۔

انسان کا حال درست کرنے والی اشیاء:

فصل: جس سے انسان کے حال کی اصلاح ہو ایسی تین چیزیں ہیں۔ یہی تین چیزیں انسان کے امور کے قواعد اور اس کے احوال کا نظام ہیں۔ پہلی چیز نفس ہے جو ہدایت کیلئے مطیع ہو اور گمراہی سے رکنے والا ہو دوسری چیز ایسی جامع محبت جس کے لئے دل نرم ہو جائے اور اس کے ناپسندیدہ چیزوں کو دور کیا جاسکے تیسری چیز ایسے وسائل واسباب جو نفس کے سکون کے لئے کافی ہوں اور اس کے ٹیڑھے معاملات سیدھے ہوں۔

پہلا قاعدہ: یہ ہے کہ انسان کا نفس اطاعت کرنے والا ہو۔ اس لئے کہ جب نفس انسان کی اطاعت کرے تو انسان اس کا مالک ہو جاتا ہے اور جب نفس انسان کی نافرمانی کرے تو نفس مالک ہوتا ہے انسان اس کا مالک نہیں بن سکتا اور جو کوئی اپنے نفس کا مالک نہیں ہوسکتا اس کا غیر کا مالک نہ بننا زیادہ لائق ہے اور جس کا نفس اس کی نافرمانی کرتا ہو تو غیر بھی بطریق اولیٰ اس کی نافرمانی کرے گا۔

ایک دانا کا قول ہے کہ عقلمند کو دوسرے شخص سے اطاعت کی خواہش نہیں ہونی چاہئے جبکہ خود اسکا نفس نافرمان ہو۔

جیسا کہ شاعر کا شعر ہے۔

اطمع ان یطیعک قلب سعدی وتزعم ان قلبک قد عصا کا

اے مخاطب کیا تو چاہتا ہے کہ سعدی کا دل تیری اطاعت کرے اور جبکہ تو یہ سمجھتا ہے کہ تیرا دل تیرا نافرمان ہے۔

نفس کی اطاعت کی صورتیں:

نفس کی اطاعت کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) نصیحت (خیر خواہی) (۲) انقیاد (فرماں برادری) نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ امور کی حقیقت کی طرف نظر رکھنا۔ بھلائی کو بھلائی سمجھ کر اچھا جاننا اور گمراہی کو گمراہی سمجھ کر برا جاننا یہ نفس کی سچائی میں سے ہے جب نفس خواہشات کے دواعی سے محفوظ ہو جیسا کہ کہا گیا جس نے غور وفکر کیا اس نے بصیرت حاصل کر لی۔

انقیاد (فرمانبرداری) کا مطلب یہ ہے کہ بھلائی کی طرف حکم کرنے سے فوراً بھلائی کی طرف مائل ہو اور برائی پر سرزنش کرنے پر برائی سے رک جائے۔

یہ نفس کی قبولیت میں سے ہے جب نفس کو شہوات کے جھگڑوں سے بچالیا جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ اَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيماً۔

(النساء: ۲۷)

جو شہوات کی اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اس طرف تم بہت زیادہ مائل ہو جاؤ۔

نفس کے کچھ آداب ہیں وہ یہ ہیں نفس کا مکمل اطاعت کرنا اور مکمل اصلاح کرنا۔

ان آداب کو میں نے الگ سے ایک باب کے طور پر بیان کیا ہے اور اس جگہ اس موضوع کے تقاضے کے بقدر مختصر بیان کر دیا ہے۔

دوسرا قاعدہ:

یہ ہے کہ انسان کے اندر جامع الفت ہو۔ (یعنی ایسی محبت جو دوسروں کو جمع کر سکے) اس لئے کہ انسان لوگوں کی اذیت کا نشانہ ہوتا ہے اور اسکی نعمتوں پر حسد کیا جاتا ہے۔

چنانچہ جب یہ انسان محبت کرنے اور محبت کئے جانے کی صفت سے خالی ہو تو حاسدین کے ہاتھ اس تک پہنچ جاتے ہیں اور دشمنوں کی خواہشات اس پر غالب آ جاتی ہیں۔

تو اس صورت میں اس کے پاس نعمت محفوظ نہیں رہتی اور نہ ہی اس کے فوائد خالص ہوتے ہیں اور جب یہ انسان محبت کرنے اور کیا جانے والا ہو جاتا ہے تو الفت کے ذریعے دشمن کے خلاف اسکی مدد کی جاتی ہے اور اس کے حاسدین سے اسکو بچایا جاتا ہے چنانچہ اسکی

نعمتیں بھی محفوظ رہتی ہیں اور فوائد بھی خالص رہتے ہیں اگرچہ اہل زمانہ کا خلوص مشکل اور سلامتی غیر محفوظ ہے۔

مومن کی پہچان:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مومن وہ ہے جو محبت کرے اور اس سے محبت کی جائے کوئی خیر نہیں اس شخص میں جو نہ محبت کرے نہ اس سے محبت کی جائے لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچائے''

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بیشک اللہ تعالیٰ تم میں تین چیزیں پسند فرماتے ہیں اور تین چیزوں کو ناپسند فرماتے ہیں جو چیزیں تم سے پسند فرماتے ہیں وہ یہ ہیں: تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ بازی مت کرو اور اسکی خیر خواہی کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے امور پر ولایت دی ہے (حکمران بنایا ہے) جو چیزیں تم سے ناپسند ہیں وہ یہ ہیں: بحث مباحثہ کرنا، زیادہ سوالات کرنا اور مال کا ضائع کرنا'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ ہر ایک بات الفت پر ابھارتی ہے اہل عرب کہا کرتے ہیں جو شخص قلت میں ہو گیا وہ ذلیل ہوا۔

الفت کے اسباب:

اور جب الفت کا معاملہ مذکورہ طریق پر ہو تو بکھری ہوئی چیز اکھٹا کرتا ہے اور ذلت بھی ختم ہو جاتی ہے اب بحث اس بات کی متقاضی ہے کہ الفت کے اسباب کو ذکر کیا جائے اسباب الفت پانچ ہیں: (۱) دین۔ (۲) نسب۔ (۳) مصاہرۃ۔ (۴) محبت (مودۃ) (۵) نیکی۔

دین:

الفت کے اسباب میں سے سب سے پہلا سبب دین ہے۔ دین آپس میں مدد پر ابھارتا اور آپس میں قطع تعلقی اور دشمنی کو ختم کرتا ہے یہی وصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے اصحاب رضی اللہ عنھم کو فرمائی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہ تم آپس میں قطع تعلق کرو نہ دشمنی کرو نہ ایک دوسرے سے حسد کرو اور بھائی بھائی بن کر اللہ کے بندے بن جاؤ کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے''۔

دین اسلام اس بات کا متقاضی ہے کہ مسلمانوں میں اجتماعیت رہے۔ حدیث مبارکہ میں جو وعید ہے وہ زمانہ جاہلیت کی رسوم اور اس دور کے گمراہ کن کینہ پر ہے۔

آپ صلی اللہ عیہ وسلم کی بعثت عرب میں اس وقت ہوئی جب یہ قوم آپس میں بہت سخت اختلاف، قطع تعلقی اور دشمنی رکھتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک ہی نسل کی اولاد مختلف جماعتوں میں بٹ کر ایک دوسرے سے کینہ اور ایک دوسرے سے دشمنی اور اختلاف رکھتی تھی۔ انصار آپ کی آمد سے پہلے آپس میں سخت دشمنی اور اختلاف رکھتے تھے خصوصا اوس اور خزرج بہت زیادہ ایک دوسرے سے دست وگریباں تھے۔

جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے ان کو بھائی بھائی بنادیا اور آپس کے اختلافات اور کینہ ختم کر دیا اب یہ لوگ دین اسلام کی الفت کی بناء پر ایک دوسرے کے مددگار بن گئے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر کیا ہے: وَ اذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا (آل عمران:۱۰۳)

(ترجمہ) یاد کرو اس وقت کو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور اپنی نعمت سے تمہیں بھائی بھائی بنادیا۔

یعنی زمانہ جاہلیت میں جو تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (مریم:۹۶)

(ترجمہ) بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اللہ تعالیٰ

عنقریب ان کے لئے محبت کر دے گا"

یعنی دین کی وجہ سے ان کی آپس میں محبت ہو جاتی ہے۔ اگر اپنے اہل و عیال میں سے کوئی دین کے خلاف بولتا ہو تو اس کے خلاف دین۔ سے محبت کی مقدار عداوت ہو جاتی ہے۔

یعنی دین کی الفت ایسی ہے کہ انسان اپنے محسن اور مشفق سے جو دین کے خلاف ہو قطع تعلق کر لیتا ہے۔

اسلام کا عظیم سپوت:

حضرت ابو عبیدۃ بن جراح رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کے اسلام میں ان کے واقعات مشہور ہیں انہوں نے غزوہ بدر میں اپنے والد کو قتل کر کے اس کا سر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا۔

انہوں نے یہ اس لئے کیا جب ان کے والد سرکشی اور اللہ کی نافرمانی اور گمراہی میں منہمک رہے تو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ان کو قتل کیا جب کہ حضرت عبیدہ بن جراح اپنے والد کے سب سے زیادہ فرمانبردار اور حسن سلوک کرنے والے بیٹے تھے اور ان کو اپنے والد پر کسی قسم کی شفقت اور رحم نہیں آیا نہ یہ چیز ان کے ہاتھ روک سکی انہوں نے اپنے نسب کے اوپر دین اور اللہ کی اطاعت کو ترجیح دی۔

انہی کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (المجادلۃ: ۲۲)

(ترجمہ) تو ان لوگوں کو جو ایمان لائے اللہ اور یوم آخرت پر کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھنے والوں سے محبت کرتے ہوں چاہے وہ ان کے آباء ہوں اولاد ہوں یا بھائی یا خاندان ہوں"

الفت کا قوی ترین سبب:

جس طرح ایک ہی دین میں رہتے ہوئے مختلف مسلک آپس میں اختلاف کرتے ہیں ان کی آراء مختلف ہوتی ہیں یہاں تک کہ اس اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے میں عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ادیان میں اختلاف ہو تو یہی صورت پیدا ہوتی ہے۔

لیکن دین اسلام اس بات کا متقاضی ہے کہ آپس میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو اور وہ آپس میں متحد رہیں یہی الفت کا سب سے قوی سبب ہے۔ جس طرح اختلاف فرقت کے قوی اسباب میں سے ہے۔

اور جب مختلف ادیان و مذاہب کے لوگ قوت کے اعتبار سے برابر ہوں ان میں سے کوئی فریق دوسرے پر فوقیت نہ رکھتا ہو اور نہ ہی عدد میں کثرت رکھتا ہو تو ان میں عداوت مضبوط ہوتی ہے اور ان میں کینہ بہت عظیم ہوتا ہے کیونکہ اختلاف کی دشمنی سے حسد اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر بھی ساتھ مل جاتی ہے۔

نسب: یہ اسباب الفت میں سے دوسرا سبب ہے۔

رشتہ داروں سے نرمی برتنا اور قرابت کی حمیت یہ دونوں چیزیں مدد اور الفت پر ابھارتی ہیں۔ دور والے رشتہ داروں کے قریب والوں سے بلند ہونے غالب ہونے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے اجنبی آدمی کے تسلط سے بچانے کے لئے جدائی اور شکست سے روکتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک رشتہ داری جب اپنائی جائے تو مہربانی ابھرتی ہے"

یہی وجہ ہے کہ اہل عرب اپنے انساب کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ جب وہ کسی حاکم کے قہر اور اس کی اذیت سے خود کو بچا نہ پاتے تو انساب کی محبت کی وجہ سے دشمن اور ضرر رساں کے خلاف اکٹھے ہو جاتے اور مضبوط طاقت سے ایک دوسرے کی مدد کرتے اور یہی انساب کی محبت بڑے طاقتور حاکم کی طرح کام کیا کرتی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اس وقت کہ جب ان کے قبیلے والوں نے ان کی مدد

نہ کی تو اپنا عذر ظاہر کیا اور آنے والے مہمانوں (فرشتوں) سے فرمایا۔ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ۔ (کاش) اگر میرے پاس تمہاری حفاظت کیلئے قوت ہوتی یا میں کسی طاقتور پناہ کا سہارا لے لیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم کرے کہ انہوں نے رکن شدید کی طرف پناہ چاہی یعنی اللہ عز وجل کی طرف۔

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ پاک نے ہر نبی کو اس قوم کے بڑے لوگوں میں مبعوث فرمایا۔

حضرت وھب فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہا بیشک آپ کا ''رکن سہارا بہت مضبوط'' ہے۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کو بھی اللہ تعالیٰ بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا یہاں تک کہ اس کو اس کے اس قبیلے سے جسکا وہ ہوتا ہے ملا دیا جاتا ہے۔

حضرت ریاشی فرماتے ہیں: المفرج کہتے ہیں جو اپنے قبیلے سے کٹا ہوا ہو۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے الفت پر ترغیب اور افتراق سے ممانعت ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے جس قوم کی تعداد کو بڑھایا وہ اس میں سے ہے۔

جب نسب کا الفت کے حوالے سے یہ مرتبہ ہے جو مذکور ہوا تو بعض دفعہ اس پر ایسے عوارض لاحق ہوتے ہیں جو الفت سے مانع ہوتے ہیں اور جس فرقت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اس پر ابھارتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اس صورت میں ہم پر انساب کے احوال اور اس پر پیش آنے والے عوارضات کو بیان کرنا لازم ٹھہرا۔

انساب کی اقسام:

تمام انساب تین قسم پر ہیں۔ (۱) والدین۔ (۲) اولاد۔ (۳) نسب والے۔

پہلی قسم: سے مراد آباء واجداد اور امہات وجدات وغیرہ ہیں اور یہ لوگ اپنے احوال کی سلامتی کے ساتھ دو خصلتوں سے موسوم ہوتے ہیں۔

(۱) وہ چیزیں جو طبعی طور پر ان سے لازم ہیں۔ (۲) کوشش اور محنت سے جو حاصل ہو

پہلی چیز جو طبعی اعتبار سے لازم ہے وہ ہے والد کا (شفقت کرنا) ڈرنا اور محبت کرنا ہے یہ چیزیں کسی صورت میں والد سے منتقل نہیں ہوسکتیں۔

حدیث میں ہے: ہر چیز کا ایک ثمرہ ہوتا ہے اور دل کا ثمرہ اولاد ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے: اولاد بخل کرنے، جاہل ہونے، بزدلی، اور رنج پریشانی کا باعث ہے۔ اس حدیث سے اولاد کے بارے میں خوف کرنا باپ کے اندر یہ اخلاق پیدا کرتا ہے۔

اولاد کی طلب کا حکم:

ایک جماعت اولاد کی طلب کو مکروہ کہتی ہے اس لئے کہ اولاد سے بعض دفعہ ایسی ناپسندیدہ حرکتیں صادر ہوتی ہیں جن کو دور کرنا مشکل ہوتا ہے اور جو طبعی اعتبار سے لازم اور جن کا ظاہر ہونا لازمی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت یحیی بن زکریا علیہما السلام سے کسی نے پوچھا آپ اولاد کو کیوں ناپسندیدہ سمجھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا مجھے اولاد سے کیا سروکار ہے اگر وہ زندہ رہیں تو مجھے مشقت میں ڈالیں گے اور اگر مر گئے تو مجھے پریشان کریں گے"۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے کسی نے پوچھا آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟

حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام نے جواب دیا: کسی چیز میں اضافہ و کثرت تو دارالبقا؟ میں محبوب ہے"

والدین کا دوسرا اخلاق:

جو کوشش اور محنت سے پیدا ہو وہ محبت ہے جو اوقات کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے اور حالات کے متغیر ہونے سے بدل جاتی ہے۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اولاد مائل کرنے والی چیز ہے یعنی اولاد کی محبت دلوں کی شریانوں کے ساتھ پیوست

ہوتی ہے۔

(بعض دفعہ اولاد کی نافرمانی اور کوتاہی کی بناء پر) اگر والد اپنی اولاد سے ناراض ہو جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ والد اپنی اولاد سے بغض رکھتا ہے۔ بلکہ باپ کی فطرت میں اولاد کے بارے میں پیار اور شفقت موجود رہتی ہے اس سے زائل نہیں ہوسکتی نہ ہی بدل سکتی ہے۔

حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے راضی کیا والد کو اولاد کے بارے میں اور ان کو ان کے فتنہ سے ڈرایا اور اولاد کے بارے میں ان کو وصیت نہیں کی اور اولاد کو باپ کے بارے میں راضی نہیں کیا مگر اولاد کو باپ کے متعلق وصیت فرمائی۔ اولاد کا شر یہ ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے حق میں کوتاہی کرتے کرتے نافرمان بن جاتے ہیں اور باپ کا شر یہ ہے کہ اولاد کی محبت میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں''

ماں کا کردار اور حق:

مائیں سب سے زیادہ مشفق اور سب سے زیادہ محبت کرنے والی ہوتی ہیں اس لئے کہ اولاد کی ولادت کا تعلق براہ راست ان کے ساتھ ہے اور مائیں ہی اولاد کی تربیت کرتی ہیں جس بناء پر وہ سب سے زیادہ اولاد کے بارے نرم دل ہوتی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ماں اور باپ دونوں کو حسن سلوک کرنے کے حکم میں شریک کیا ہے۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا۔ (العنکبوت: ۸)

جب ماں ہی سب سے زیادہ محبت کرنے والی اور مشفق ہے تو اولاد پر واجب ہے کہ اس کے ساتھ سب سے زیادہ مہربانی والا معاملہ کرے تاکہ اس کے حق اور ان کی خدمت کا بدلہ بن سکے۔

حدیث میں آتا ہے: ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری ایک ماں ہے جسکو اپنی پیٹھ پر سوار کراؤں اور اپنے چہرے کو کبھی اس سے دور نہ کروں اور تمام کمائی اسے دیدوں کیا یہ سب اس کے احسان کا بدلہ ہو جائیگا؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں، اور نہ ہی یہ اس کے کسی ایک سانس کا بدلہ ہوسکتا ہے۔ اس شخص نے پوچھا کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس لئے کہ تیری ماں تیری خدمت کرتی ہے اور تیری حیات کو چاہتی ہے جبکہ تو اس کی خدمت تو کرتا ہے لیکن تجھے اس کی موت پسند ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ والد کا حق بہت بڑا ہے اور والدہ کے ساتھ نیکی کرنا لازم ہے۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ماؤں کی نافرمانی سے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے اور سختی سے روندنے سے روکتا ہوں''

ایک روایت میں حضرت مقداد فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ماؤں کے بارے میں وصیت کرتا ہے، تمہیں ماؤں کے بارے میں وصیت کرتا ہے، تمہیں ماؤں کے بارے میں وصیت کرتا ہے پھر فرمایا تمہیں باپوں کے بارے میں وصیت کرتا ہے پھر قریبی رشتہ داروں پھر ان کے علاوہ قریبی رشتہ داروں کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔

دوسری قسم مولودون:

اس کا اطلاق اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر ہوتا ہے۔ اہل عرب اولاد کی اولاد کو ''صفوۃ'' کہتے ہیں۔

اپنے احوال کے صحیح وسالم ہونے کے ساتھ دو خصلتوں سے موسوم ہیں۔

(۱) لازمی طبعی حالت (۲) منتقل ہونے والے حالات

لازمی امر یہ ہے آباؤاجداد کے حق میں کسی ذلت یا گمنامی کی وجہ سے خودداری کا ہو اور بیٹوں کے حق میں خوددار ہونا یہ باپ کے مشفق ہونے کے مقابلے میں ہے۔

اس معنی کو شاعر ابوتمام الطائی نے اپنے شعر میں ذکر کیا ہے۔

فاصبحت یلقانی الزمان لاجله باعظام مولود و اشفاق والد

(ترجمہ) چنانچہ میں بیٹے کے بڑا ہونے اور باپ کے مشفق ہونے کی وجہ سے ایسا ہو گیا کہ زمانہ مجھ سے اس کی وجہ سے ملنے لگا۔

(۲) منتقل ہونے والی خصلت: محبت پر اعتبار کرنا۔ یہ اولاد کی ابتدائی حالت میں ہوتا ہے اولاد کا محبت پہ اعتبار کرنا باپ کی محبت کے مقابلے میں ہے۔ اس لئے کہ محبت باپ کے ساتھ خاص اور اس پر اعتبار کرنا اولاد کے ساتھ لاحق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم تو اولاد کے ساتھ نرمی کرتے ہیں لیکن اولاد ہمارے ساتھ نرمی سے پیش نہیں آتی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس لئے کہ ہم نے انہیں پیدا کیا ہے انہوں نے ہمیں پیدا نہیں کیا۔

اعتبار محبت کی منتقلی:

اولاد میں محبت کا اعتبار بڑے ہونے کے ساتھ دو باتوں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

(۱) یا تو نیکی اور فرمانبرداری کی طرف۔ (۲) بے وفائی اور نافرمانی کی طرف۔

اگر لڑکا نیک ہو اور باپ بھی اس پر مہربان ہو تو یہ (محبت کا اعتبار) ناز ونخروں نیکی اور فرمانبرداری کے حد تک محدود ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ سے فرمایا: بے شک باپ کا حق اپنی اولاد پر یہ ہے کہ باپ کے غصہ کے وقت اولاد عاجزی سے پیش آئے اور بھوک و پیاس کی حالت میں اپنے باپ کو اپنے آپ پر ترجیح دے۔ بے شک بدلہ چکانا صرف صلہ رحمی کرنے سے نہیں ہوگا صلہ رحمی تو اس کے ساتھ کی جاتی ہے جو قطع رحمی کرے اور اگر لڑکا نافرمان ہو اور باپ بے وفا اور ظالم ہو تو یہ ناز ونخرہ نافرمانی تک پہنچ جائیگا۔

اولاد کے بارے میں اقوال زریں:

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس آدمی پر رحم کرے جو اپنی اولاد کی نیکی کرنے پر مدد کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اولاد پیدا ہونے پر خوش خبری دی گئی تو فرمایا یہ ایک گل دستہ (یا پھول) ہے جس کو میں سونگھتا ہوں۔ یا تو یہ نیک صالح لڑکا ہوگا یا نقصان پہنچانے والا دشمن ہوگا۔

منثور الحکم میں یہ بات لکھی ہوئی ہے۔ جس کا بیٹا گم نہ ہوا ہو بیٹے کی نافرمانی ہی گم ہونا ہے''۔ بعض حکماء کہتے ہیں: بے شک تیرا بیٹا تیرا گل دستہ (یا پھول) ہے ساتواں حصہ اور تیرا خادم ہے ساتواں حصہ اور تیرا وزیر ہے ساتواں حصہ پھر وہ تیرا دوست ہے یا دشمن ہے۔

نسب والے:

یہ آباؤ اجداد اور نسل کے علاوہ لوگ ہیں جو عصبات اور رشتہ داروں میں سے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جسکی حمیت سے نصرت و مدد ابھرتی ہے یہ خودداری کا ادنی مرتبہ ہے اس لئے کہ خودداری ذلت اور گمنانی دونوں سے روکتی ہے اور گمنامی کو ناپسند کرنے میں اسکا کوئی حصہ نہیں سوائے یہ کہ اس کے ساتھ کوئی ایسی بات مل جائے جو خودداری پر ابھار دے۔

مناسبین کی حمیت تو دور کے لوگوں اور اجنبیوں کی مدد کرنے پر اکساتی ہے اور یہ قریبی رشتہ داروں اور خاص قرابت داروں کے حسد کے مقابل کرتی ہے اور دوست کو دوست سے سبقت لے جانے کی دوڑ کی ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر اس کا تعلق صلہ اور موانست کے ساتھ نگرانی کی جاتی رہے تو اس کے اسباب مضبوط ہو جاتے ہیں اور یہ نسبی حمیت سے مل جاتی اور خالص محبت کی موجب بن جاتی ہے۔ اسی لئے یہ محبت کا مضبوط سبب کہلاتی ہے۔

اچھا کون دوست یا بھائی؟

کسی قریشی سے کہا گیا کہ تمہیں بھائی اور دوست میں سے کون زیادہ محبوب ہے؟ اس قریشی نے کہا کہ: بھائی جب کہ وہ دوست ہوں۔

تین چیزوں میں راحت ہے:

مسلمہ بن عبدالملک کہتے ہیں: تین چیزوں میں راحت ہے۔

(۱) گھر کشادہ ہو۔ (۲) خادموں کی کثرت ہو۔ (۳) اہل وعیال موافق ہوں۔

بعض حکماء کہتے ہیں: دور والے ان کی محبت وانسیت کی وجہ سے قریب ہو جاتے ہیں اور قریب والے بغض عداوت کی وجہ سے دور ہو جاتے ہیں۔

اگر نسب کے خون پر اعتماد کرتے ہوئے مناسبین کے حال کو بے توجہی سے چھوڑ دیا جائے اور رشتہ داری کی حمیت پر اعتماد کیا جائے تو اس پر حسد کا عیب یا سبقت لیجانے کا تنازعہ غالب آجائے گا اس طرح مناسبت عداوت میں اور قرابت دوری میں بدل جائے گی۔

علامہ کندی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ایک رسالے میں لکھتے ہیں کہ ''والد پالنے والا'' اولاد پریشانی دینے والی، بھائی جال، چچا غم، اور ماموں وبال ہے اور رشتہ دار بچھو ہیں۔۔۔شاعر عبداللہ بن معتز کہتا ہے۔

لحو مهم لحمي و هم ياكلونه وما داهيات المرء الاقاربه

(ترجمہ) ان کا گوشت میرا گوشت ہے اور وہ اسے کھاتے ہیں اور کسی شخص کی بلائیں اس کے رشتہ دار ہی ہوتے ہیں۔اس وجہ سے اللہ پاک نے صلہ رحمی کو واجب قرار دیا ہے اور قرآن کریم نے صلہ رحمی کرنے والے کی تعریف کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ○

''اور وہ لوگ جو اس کو جوڑتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور میرے حساب سے ڈرتے ہیں''۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کر رہے ہیں جو ان کے حکم یعنی صلہ رحمی پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے صلہ رحمی نہ کرنے کی وجہ سے ''آخرت میں عذاب الیم سے ڈرتے ہیں۔

اللہ رحمٰن ہے صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں

رحمٰن ہوں اسی لفظ سے لفظ رحم مشتق ہے جو آدمی صلہ رحمی کرے گا میں اس کے ساتھ رحم کے ساتھ پیش آؤں گا اور جو قطع رحمی کریگا میں بھی اس کے ساتھ قطع رحمی سے پیش آؤں گا ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلہ رحمی تعداد اور مال بڑھانے کا ذریعہ ہے اور اہل میں محبت کا ذریعہ ہے اور موت کو ہنکانے کی لکڑی ہے بعض حکماء کہتے ہیں رشتہ داروں کا حقوق ادا کر کے ان کو تری پہنچاؤ اور نافرمانی کر کے ان کو خشک نہ کرو۔

بعض بلغاء کہتے ہیں کہ تم صلہ رحمی کرو اس پر اصول ماں باپ وغیرہ بوسیدہ نہیں ہونگے اور اس کے فروع ذلیل نہیں ہوں گے۔

بعض ادباء کہتے ہیں جو اپنے اہل خانہ کے لئے اچھا نہ ہو وہ تیرے لئے بھی اچھا نہیں ہوگا اور جو ان کا دفاع نہ کر سکے وہ تیرا بھی دفاع نہیں کر سکے گا۔

بعض فصحاء کہتے ہیں: جو صلہ رحمی کرے اس پر اللہ تعالیٰ بھی رحم کریگا اور جو کوئی اپنے پڑوسی کی فریاد رسی کریگا اللہ اسکی مدد اور فریاد رسی کریگا۔

الفت کا تیسرا سبب مصاهرة:

الفت کے اسباب میں تیسرا سبب ہے: یہ وہ سبب ہے جس سے آپس میں تعلقات اور مناسبت پیدا ہوتی ہے جو کہ رغبت اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں اور تجربے اور ایثار سے منعقد ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس میں الفت کے اسباب اور مدد کے وسائل جمع ہیں۔

مودت کی تفسیر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم: ۲۱)

(ترجمہ) ''اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے اندر ہی سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کی طرف سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی''

اس آیت میں ''مودة'' سے مراد محبت اور ''رحمة'' سے مراد شفقت ہے یہی دونوں

محبت کے مضبوط اسباب میں سے ہیں۔ اس میں اور بھی تاویلیں ہیں جن کو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: مودۃ سے مراد نکاح اور ''رحمۃ'' سے مراد ''اولاد'' ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ اَنفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُم مِّنْ اَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَ حَفَدَةً (النحل: ۷۲)

(ترجمہ) اور وہ اللہ ہے جس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور تمہارے لئے اولاد اور پوتا پوتیاں بنائیں''

اس آیت میں لفظ ''حفدۃ'' کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد آدمیوں کا اپنی لڑکیوں کے رشتے کرنا (داماد بنانا) ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد ہیں ان سے ایک اور روایت مروی ہے کہ اس سے مراد عورت کے پہلے شوہر کی اولاد ہیں۔ اس کو حفدۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اولاد اسکی خدمت میں مصروف ہے اور کام کرنے میں تیز ہوتی ہیں جیسا کہ دعاء قنوت میں ''والیک نسعی ونحفد'' ہے جس کا ترجمہ ہم ہی تیری اطاعت کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔

مصاہرت دشمنی ختم کرتی ہے:

اسی مصاھرۃ کے ذریعہ دشمن سے الفت پیدا ہوتی ہے نفرت کرنے والے سے انسیت ہو جاتی ہے دشمن دوست بن جاتا ہے اسی صہر کی وجہ سے دو خاندانوں، دونوں قبیلوں میں محبت ہو جاتی ہے۔

خالد بن یزید بن معاویہ کے بارے میں حکایت ہے کہ انہوں نے کہا مجھے اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ لوگ آل زبیر تھے مگر جب میں نے ان میں (رملہ نامی لڑکی سے) شادی کی تو یہی لوگ میرے لئے سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔

اسی کے بارے میں اس نے شعر کہا تھا۔

حب بنی العوام طرالاجلها ومن اجلها احببت اخوالها کلبا
فان تسلمی تسلم و ان تنتصری یخط رجال بین اعینهم صلبا

(ترجمہ) میں تو عوام سے اس کی وجہ سے خوب محبت کرتا ہوں اور اسی (بیوی) کی وجہ سے اس کے ماموں قبیلہ کلب والوں سے محبت کرتا ہوں اگر تو بچائے گی تو ہم بچیں گے اور اگر تو انتقام لے گی تو آدمی ان کی آنکھوں کے درمیان لکیر کھینچ دیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ مرد اپنی بیوی کے دین پر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسکی متابعت موافقت اور محبت کی وجہ سے مرد اس طرف مائل رہتا ہے ہمیشہ اسی کے گن گاتا رہتا ہے اسکی مخالفت اور جدائی کا کوئی راستہ اختیار نہیں کرتا۔

نکاح پانچ وجھوں سے کیا جاتا ہے:

جب نکاح کی مصاھرت الفت محبت کا ذریعہ ہے تو نکاح کرتے وقت پانچ چیزوں (باتوں) کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ (۱) مال۔ (۲) جمال۔ (۳) دین۔ (۴) الفت۔ (۵) تعفف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں سے نکاح چار وجھوں سے کیا جاتا ہے عورت کے مال۔ خوبصورتی۔ حسب ونسب اور دین کی وجہ سے پس تو دین کو لازم پکڑ۔ تیرے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں"۔ ان وجوہات میں سب سے قوی داعیہ مال ہے اگر کوئی مال کی وجہ سے کسی عورت سے نکاح کرتا ہے لیکن اس نکاح میں الفت کے تمام اسباب پائے جائیں اور ایک دوسرے سے انسیت اور محبت ہو تو صحیح ہے لیکن اگر محض مال ہی کی طمع پر نکاح ہو اور الفت کے اسباب میں سے کوئی سبب نہ ہو تو یہ نکاح انجام کار برکت والا نہیں ہوتا اور اس سے وہ فوائد حاصل نہیں ہوتے جو ایک صحیح نکاح سے ہوتے ہیں۔

خوبصورت عورت سے نکاح میں دو قول:

اگر نکاح خوبصورتی کی بنیاد پر کیا جائے تو مال کی بہ نسبت اس میں الفت زیادہ ہوتی ہے اس لئے کہ جمال صفت دائمہ اور مال صفت زائلہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی نے کہا: چہرے کا خوبصورت ہونا پہلی سعادت خوش نصیبی ہے ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں میں سب سے زیادہ بابرکت وہ عورت ہے جو چہرے کے اعتبار سے خوبصورت ہو اور اسکا مہر کم ہو۔

اگر ناز ونخرہ حد سے زائد نہ ہو تو الفت میں نرم ہوگا اور ان میں مضبوطی پیدا ہوگی بعض نے عورتوں میں یکتا جمال کو ناپسند کیا ہے اس لئے کہ اس وجہ سے عورتوں میں ناز ونخرہ زیادہ پیدا ہو جاتا ہے''

یہ بات کہی گئی ہے کہ جس کو ناز ونخرہ گھیر لے وہ ذلت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یا تو رغبت کی مشقت کی بناء پر یا منازعت کی مصیبت کی وجہ سے۔

ایک شخص نے کسی دانا سے شادی کے بارے میں مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ ہاں شادی کرلو مگر بہت ہی زیادتی خوبصورتی سے دور رہنا۔ (بہت زیادہ خوبصورت عورت سے شادی مت کرنا) کیونکہ وہ ایک خوبصورت سرسبز چراگاہ ہے۔ تو اس شخص نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ اس نے کہا بالکل جیسے پہلے کسی نے کہا تھا۔

ولن تصادف مرعی ممر عا ابدا الاوجدت بہ اثار منتجع

(ترجمہ) کسی سرسبز چراگاہ میں کبھی مت آنا الا یہ کہ وہاں تم چراگاہ کے آثار دیکھ لو۔

اور اس لئے بھی کہ ایک ذہین شخص اس کے چنچل پن کی شدت سے ڈرتا ہے اور سمجھ دار شخص اس کے فتنے کے برے انجام سے ڈرتا ہے۔

اسی لئے ایک دانا کا قول ہے کہ خبردار عورتوں سے میل جول سے بچو اس لئے کہ عورت کی نظر تیر اور اسکے الفاظ زہر ہیں۔

ایک دانا شخص نے ایک دوسرے آدمی کو کسی عورت سے باتیں کرتے دیکھا تو کہا اے شکاری شکار ہونے سے ڈر''

حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تو شیر کے پیچھے تو چل لینا مگر عورت کے پیچھے مت چلنا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو یہ شعر کہتے ہوئے سنا۔

ان النساء ریاحین خلقن لکم   و کلکم یشتھی شم الریاحین

(ترجمہ) عورتیں تو خوشبودار پھول کی مانند ہیں جو تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں اور تم میں سے ہر کوئی پھول کی خوشبو سونگھنا چاہتا ہے۔

عورتیں شیطان کا جال ہیں:

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک شعر ارشاد فرمایا۔

ان النساء شیاطین خلقن لنا   نعوذ باللہ من شر الشیاطین

(ترجمہ) بیشک عورتیں شیطانوں کی مانند ہیں جو ہمارے لئے پیدا کی گئی ہیں ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں شیطانوں کے شر سے۔

دین کی بنیاد پر نکاح کرنا:

اگر عقد نکاح دین کو مدنظر رکھ کر کیا جائے تو یہ سب سے قوی اور دیرپا رشتہ قرابت ثابت ہوتا ہے اور اس میں محبتیں بڑھتی رہتی ہیں اور ابتداء وانتہاء کے لحاظ سے خوش کن اور مفید نتائج والا ثابت ہوتا ہے کیونکہ دین کا طلب گار دین کا فرمانبردار ہوتا ہے اور جو دین کی اتباع کرے اس کیلئے سازگار حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں اور وہ ڈگمگانے سے محفوظ رہتا ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی وارد ہے فرمایا'' کامیابی حاصل کرو دین والی عورت سے (خاک آلود ہاتھ ہوں تمہارے)'' اس جملہ کی دو تاویلیں کی گئی ہیں اول تو یہ کہ اگر تو دین دار عورت نہ پاسکے تو پھر تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں اور دوسری تاویل یہ ہے کہ اس جملہ کو عموماً زبان زد عام الفاظ کی طرح استعمال کرتے ہیں جن میں حقیقی معنی مراد نہیں لئے جاتے جیسے کہا جاتا ہے فلاں کتنا ہی بہادر ٹھہرا اللہ کی مار ہو اس پر۔

کسی خاندان میں شادی کی وجہ:

اور اگر شادی محبت کو مدنظر کر کسی خاندان میں کی جائے تو پھر اس میں دو میں سے کوئی ایک وجہ ضرور ہوتی ہے یا تو دو قبیلوں کے آپس میں مل جانے سے کثرت افراد مقصود ہوتی ہے اور اس سے دو قبیلوں کی آپس میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت بھی ہوتی ہے یا پھر مسلط

ہوئے دشمن سے انس پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے تا کہ انکی دشمنی اور حملہ آوری سے کفایت و اطمینان حاصل ہو جائے اور کبھی یہ وجوہ ہمسر اور ہم پلہ لوگوں میں بھی پائی جاتی ہیں چنانچہ پہلی وجہ کا داعیہ محبت ہے اور دوسری وجہ کا باعث خوف ہے اور یہ دونوں اسباب نکاح کرنے والوں کے علاوہ لوگوں میں ہوتے ہیں پس اگر سبب دائمی ہو تو محبت بھی دائمی ہوتی ہے اور اگر سبب زائل ہو جائے تو محبت یا خوف بھی زائل ہو جاتا ہے اور پھر اس سے زوال محبت کا بھی خطرہ واقع ہو جاتا ہے الا یہ کہ محبت و قربت کے اسباب میں سے کوئی اور سبب بھی پایا جائے۔

نکاح سے مقصود پاکدامنی ہو:

اور اگر عقد نکاح پاک دامنی کے جذبہ کو مدنظر رکھ کر کیا جائے جو حقیقتاً مطلوب بھی ہے اس کے علاوہ باقی اسباب بھی اس پر معلق ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جب آیت نازل ہوئی ''اے لوگو ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اسی سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''مرد کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور اسکی سمجھ داری بھی مٹی ہی میں ہے اور عورت کو مرد سے پیدا کیا اسکی سمجھ بھی مرد ہی میں ہے اور عطیہ بن بشر عکاف بن رفاعہ ھلالی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے عکاف! کیا تمہاری بیوی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو، فرمایا اگر تم عیسائی راہبوں میں سے ہو تو ان کے پاس ہی چلے جاؤ اور اگر ہم میں سے ہو تو پھر ہمارا طریقہ (سنت) تو نکاح کرنا ہے'' معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نکاح پر رغبت دلانے کے لئے تھا تا کہ فساد سے محفوظ رہا جا سکے اور پاکدامنی کے ساتھ ساتھ اولاد کے ذریعے کثرت بھی حاصل ہو سکے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوات سے واپس تشریف لاتے تو صحابہ سے فرمایا کرتے تھے جب تم اپنی بیویوں کے پاس جاؤ تو دل میں بچے کا ارادہ رکھو'' چنانچہ اس سے لازم ہوا کہ

پاکدامنی کو سامنے رکھتے ہوئے حکمت کے ساتھ پسندیدہ اسباب کو اختیار کرو اور ایسے اسباب تلاش کرو جو دائمی ہوں۔ ایسے اسباب دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں جن کی شرائط کو شمار کرنا ممکن ہے اور دوسری قسم وہ جس کے اسباب وشرائط کو شمار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کے اسباب وشرائط مختلف ہوتے ہیں چنانچہ جو شرائط شمار کیے جاسکتے ہیں وہ تین قسم کے ہوتے ہیں۔

پہلی شرط:

دیانتداری اور پاکدامنی جو کہ قناعت پسندی وکفایت شعاری کے ساتھ ساتھ پردہ پوشی کی باعث بھی ہو، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان مرد اپنی مسلمان بیوی سے نفرت نہیں کرتا اگر اسکی کوئی عادت اسے ناپسند ہو تو دوسری بہت سی عادات اسکو بھلی محسوس ہوتی ہیں جن سے وہ راضی ہوجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تربیت میں ایک یتیم لڑکی تھی ایک آدمی نے اس کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے تمہارے قابل نہیں سمجھتا۔ اس نے کہا کیوں آخر وہ آپ کے گھر ہی میں تو پلی بڑھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ اونچے گھرانے کی ہے اس نے کہا کوئی بات نہیں مجھے قبول ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب میں تمہیں اس کے قابل نہیں سمجھتا'' اسی معنی کے مطابق بعض علماء کا قول ہے کہ جو ایسے آدمی کی مصاحبت پر راضی ہوجائے جس میں بھلائی نہ ہو وہ ایسے آدمی کی صحبت سے راضی نہیں ہوتا جس میں بھلائی ہو۔

دوسری شرط:

دوسری شرط ایسی عقلمندی ہے جو اچھی تقدیر اور صحیح تدبیر کی باعث ہو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے عقلمندی جہاں بھی پائی جائے یہ سراپا محبت والفت ہے'' اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک بھی ہے کہ شادی ایسی عورت سے کرو جو محبت بھی زیادہ کرے اور بچے بھی زیادہ پیدا کرے ایسی عورتوں سے بچو! جو بیوقوف پھوہڑ قسم کی ہوں

ان سے شادی کرنا ایک مصیبت گلے لگانا ہے اور بچے کے ضیاع کے مترادف ہے"

تیسری شرط:

تیسری شرط یہ ہے کہ ایسے خاندان تلاش کرو جو برابری میں ہم پلہ ہوں جنہیں کوئی عیب لاحق نہ ہو اور ان سے کثرت حاصل ہو سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ اپنی امانت (نطفہ) ودیعت رکھنے کے لئے اچھے سے اچھے کو تلاش کر کے پسند کرو اور فرمایا اپنی امانت ہم پلہ لوگوں میں رکھو اور منقول ہے کہ حضرت اکثم بن صیفی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ ہوشیار رہنا کہیں تمہیں عورتوں کی خوبصورتی اپنے صحیح نسب سے دھوکہ میں نہ ڈال دے اس لئے کہ ایک اچھی عورت سے شادی کرنا شرافت کا بہترین سبب ہے اور حضرت ابو اسود الدؤلی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ میں نے تمہارے ساتھ اچھا معاملہ کیا جب تم چھوٹے تھے تب بھی اور جب بڑے ہوئے تب بھی اور جب تم پیدا نہیں ہوئے تھے جب بھی بیٹوں نے پوچھا ہماری پیدائش سے پہلے کس طرح؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے ایسی والدہ کا انتخاب کیا جس کی وجہ سے تمہیں برا بھلا نہ کہا جا سکے"

اس پر علامہ ریاشی نے ایک شعر کہا ہے۔

فاول احسانی الیکم تخیری — لماجدۃ الاعراق باد عفافھا

(ترجمہ) میرا پہلا احسان تم پر یہ ہے کہ میں نے تمہارے لئے ایسی عورت کا انتخاب کیا جو نہایت برگزیدہ نسب سے خوب نیک چرچے والی پاکدامن عورت تھی۔

ظاہراً خوبصورت اور باطناً بداخلاق عورتیں:

ان مذکورہ بالا صفات کے ساتھ کبھی اور بھی ایسی صفات ملحق ہو جاتی ہیں جو ذاتی صفات واحوال سے متعلق ہوتی ہیں جن سے بھلائی یا رشد نہ ہونے کے سبب بچنا ضروری ہوتا ہے اس لئے کہ پوشیدہ اخلاق اور ظاہری بود و باش خوبصورت رکھنے والی ایسی عورتوں سے بچنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے زید! کیا تم نے شادی کی ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شادی کروتا کہ وہ عورت بھی آپ سے شادی کر کے پاکدامن رہ سکے اور فرمایا کہ پانچ قسم کی عورتوں سے بچتے رہنا حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کونسی پانچ عورتیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شھبرۃ، لھبرۃ، نھبرۃ، ھیذرۃ اور لفوت' سے شادی نہ کرنا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سمجھ نہیں سکا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کلمات کی تشریح فرمائی چنانچہ فرمایا کہ شھبرۃ نیلی آنکھوں والی حسین عورت جو کہ بدتمیزی کرتی ہو، لھبرہ ایسی عورت جو پتلی ہونے کے ساتھ ساتھ کمزور بھی ہو، نہبرہ ایسی بوڑھی عورت جسکی عمر ڈھل چکی ہو، ھیذرہ ایسی پستہ قد عورت جیسے گڑیا ہوتی ہے، لفوت ایسی عورت جس کے ہاں کسی دوسرے شوہر سے اولاد بھی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی عورتوں سے شادی نہ کرنا''

ایک بزرگ کی نصیحت:

قبیلہ بنوسلیم کے ایک بزرگ نے اپنے بیٹے کو یوں نصیحت کی کہ اے بیٹا! ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو عورت تیرے انتظار میں اس طرح رہے کہ تو کب مرے اور وہ تیرے مال پر قبضہ جمالے اور ایسی عورت سے بھی پرہیز کرنا جو ہر وقت ایسی حالت میں ہے کہ ناک بھوں چڑھائے رکھے اور بات بات پر غصہ دکھائے۔

مزید تین اقسام کی ناقابل تزوج عورتیں:

ایک بدو نے اپنے بیٹے کو شادی کی وصیت اس طرح کی کہا کہ اے بیٹا ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو 'حنانۃ منانۃ انانۃ ہو حنانہ وہ عورت جو اپنے پہلے شوہر کو یاد کر کے افسردہ رہتی ہو، منانہ' وہ عورت جو اپنے مال کا احسان جتلاتی ہو۔ انانہ وہ عورت جو سستی اور بیماری ظاہر کرنے کے لئے کراہتی رہتی ہو۔

اوفی بن دلہم نے کہا عورتیں چار قسم کی ہوتی ہیں۔ ''معمع'' تیز خاطر عورت جس کے

لئے اس کی چیزیں جمع رہتی ہیں اور ممنع کنجوس عورت۔ یہ سخت نقصان دہ ہے کوئی فائدہ نہیں اور بعض المناک ہیں جو صرف بگاڑتی ہیں جمع نہیں کرتیں اور بعض عورتیں موسلا دھار بارش کی طرح ہیں جہاں بھی ان کا وقوع ہوتا ہے اس جگہ کو شاداب کر دیتی ہیں۔

اسباب کی ایک اور قسم:

اور دوسری قسم وہ ہے جس کی شرائط شمار نہیں کی جاسکتیں کیونکہ یہ احوال اور اقدار کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہتی ہیں اور انسان اور زمانہ بدلتا رہتا ہے اس میں خواہشات اور نفس کی موافقت پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ محبت باقی رہے اس لئے کہ رائے میں فساد کا ہونا دائمی نہیں رہتا اور سلائی ہمیشہ سرمہ دانی میں نہیں رہتی لازمی طور پر یا تو محبت زیادہ ہوگی یا پھر محبت میں زوال آنا شروع ہو جائے گا۔

حکایت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے کہا کہ آپ سے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی محبت رکھتا ہوں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب تک تو کانا ہے یا تو ٹھیک ہو جایا پھر بالکلیہ اندھا ہو جا"۔ (یعنی فی الوقت کسی ایک کو پسند کر)

اغراض و مقاصد نکاح:

اس نوع میں شادی کرنے پر آمادہ کرنے والے تین اسباب ہیں۔

پہلا سبب: نکاح اس مقصد کو مدنظر رکھ کر کیا جائے کہ اولاد پیدا ہوگی اور استکثار ہوگا تو اس کیلئے ایسی عورت بہتر ہے جو بالکل نوجوان اور باکرہ (کنواری) ہو کیونکہ تجربہ اسی کا شاہد ہے اسکی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے فرمایا کہ شادی باکرہ (کنواری) لڑکی سے کرو کیونکہ یہ زبان کے اعتبار سے نہایت شیریں دھن اور رحم کے اعتبار سے شفاف ہوتی ہے اور بہت تھوڑے پر بھی قناعت کر لیتی ہے"۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کنواری عورتوں سے شادی کرو کیونکہ یہ بہت زیادہ محبت کرتی ہیں اور خیانت ان میں تقریباً معدوم ہوتی ہے اور یہ حال تینوں احوال سے بہتر ہے۔ اس

لئے کہ نکاح کی تشریع بھی اسی لئے ہے اور شرعی احکام بھی اسی کے متعلق ہیں۔ ایک روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کالی کلوٹی بہت زیادہ بچے جننے والی عورت ایسی عورت سے بہتر ہے جو خوبصورت بھی ہو اور بانجھ ہو۔ ایسی عورتوں کے بارے میں عرب لوگ کہتے ہیں جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی نہ وہ پیدا ہوتے ہیں''

خاندان سے باہر شادی کے مضمرات:

عرب لوگ اگر ایسی حالت دیکھتے تو پھر دور دراز کے قبیلوں سے شادی کر لیا کرتے تھے تاکہ اولاد ضرور حاصل ہو اور یہ خیال کیا جاتا کہ یہ بچے کے حق میں شرافت ہے اور خوبصورتی بھی ہے ان کا خیال تھا کہ اس سے بچہ ذہین اور خوبصورت پیدا نہیں ہوتا اور اپنے قرابتداروں سے نکاح کرنے سے گریز کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت بھی منقول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیروں (دوسرے خاندانوں) میں شادی کرو۔ اس پر شاعر کا شعر بھی ہے۔

تجاوزت بنت العم وهی حبيبة مخافة ان يضوی علی سليلی

میں نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی نہیں کی باوجودیکہ وہ پسند تھی مبادا کہ میری اولاد کمزور نہ ہو۔

اولاد اچھی ہونے کے لئے ماں باپ کی عمر:

حضرت حکماء کا کہنا یہ ہے کہ بچہ ہر لحاظ سے کمال والا اسوقت پیدا ہوتا ہے جب ماں کی عمر بیس سے تیس کے درمیان اور باپ کی عمر تیس سے پچاس کے درمیان ہو اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو عورت اپنے شوہر پر غیرت کرتی ہے اسکا بچہ شرافت والا نہیں ہوتا اور جو عورت شوہر سے ناراض رہتی ہے اُس کا بچہ بڑا بہادر سخی وشریف پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر شوہر عورت سے زبردستی اور خوفزدہ کر کے پھر اس سے ہمبستری کرے تو جو حمل قرار پائے گا وہ قابل ستائش ہوگا۔

دوسرا سبب: نکاح اس مقصد سے کیا جائے کہ نظام امور خانہ داری بہتر ہو یہ

مشقت اگر چہ عورت کے ساتھ خاص ہو چکی ہے لیکن لازم نہیں ہے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی معاون میسر آ جاتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عورت ایک پھول ہے کوئی منشی نہیں۔ البتہ اگر ایسا قصد کرلیا جائے تو کوئی ممنوع بات بھی نہیں ہے اور نہ ہی خلاف مروت ہے چنانچہ اگر یہی چیز منظور نظر ہو تو بہتر یہ ہے کہ معمر عورت تلاش کریں جو جملہ امور میں بصیرت رکھنے والی ہو اور گھریلو معاملات اور مرد کی عادات و اطوار سے واقف ہو کیونکہ وہ ایسے حالات میں ایک بہتر مددگار ثابت ہوگی۔

تیسرا سبب: اگر عورت کو محض کھلونا بنانا ہی مقصود ہو یعنی اپنی شہوت کو تسکین دینا مقصد ہو تو یہ حال نہایت ہی گھٹیا اور کمزور ہے اور خلاف مروت بھی ہے عموماً دیکھا گیا ہے کہ ایسے لوگ بہیمانہ صفات واخلاق کے حامل ہوتے ہیں جو اپنی شہوت ہی کی پیروی کرتے ہیں حضرت حارث بن نضر ازدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے بدتر نکاح وہ ہے جو شہوت پرستی کیلئے کیا جائے الا یہ کہ غلبہ شہوت کو کمزور کرنے اور مجبوری کی حالت میں کیا جائے تا کہ فسق و فجور سے محفوظ رہ سکے تو ایسی صورت میں نہ عیب ہے اور اس میں نہ نکتہ چینی کی کوئی بات ہے بلکہ یہ قابل ستائش امر ہے البتہ اس میں اگر آزاد شریفہ خاتون کے بجائے باندی کو ترجیح دی تو یہ سب سے بہتر ہے کیونکہ ایسی حالت میں خالصتہً باندی ہی ایسی عورت ہے جو اس کے واسطے تسکین کا ذریعہ بنے ورنہ پھر اعلی کام کی انجام دہی کی صلاحیت نہیں رہتی اور شہوت پرستی کی خاطر نکاح کرنا یہ عورت کے حق میں سخت نقصان دہ ہے وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس شہوت کی ایک حد ہے اس تک پہنچ کر آدمی ٹھنڈا ہو جاتا ہے پھر شہوت زائل ہونے سے اسکے متعلقات بھی زائل ہو جاتے ہیں نتیجہ یہ نکلے گا کہ ابتداء میں تو بڑی آؤ بھگت انتہا میں سخت نفرت اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

عربوں کی بیٹی زندہ درگور کرنے کی روایت کی وجہ:

عرب حضرات کے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ ان پر شفقت زیادہ کرتے تھے انہیں اس بات کا سخت خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں کو اس طرح کا ذلیل

آدمی اگر ہماری بیٹی کے پلے پڑ گیا تو اسکی عاقبت برباد کر ڈالے گا لہٰذا وہ اسی وحشت کے خوف سے انہیں قتل کر دیتے ان کے نزدیک بیٹی کی موت ایسے آدمی کے پلے پڑ کر ملنے والی ذلت اور اذیت کے مقابلے میں زیادہ محبوب تھی چنانچہ جب عقیل بن غلفہ کو اسکی بیٹی سے نکاح کا پیغام بھیجا گیا تو اس نے چند اشعار کہے۔

انی و ان سیق الی المهر

الف و عیدان و ذو دعشر

احب اصهاری الی القبر

اگرچہ میرے پاس بیٹی کے نکاح میں بطور مہر

ہزاروں درہم اور اونٹ گھوڑے بھیجے گئے

لیکن میرے نزدیک بہترین داماد میری بیٹی کے لئے قبر ہے

اور عبیداللہ بن عبداللہ بن طاہر نے بھی اس موقع پر چند اشعار کہے ترجمہ یہ ہے۔

ہر باپ اپنی بیٹی کے لئے تین رشتوں کا خواہی ہوتا ہے اگر یہ رشتے قابل تعریف ہوں۔ شوہر جو بیٹی کو خوشحال رکھے اور دوسرا پردہ جو اسکو چھپائے اور تیسرے ایسی قبر جو اسکو محفوظ کر دے اور قبر ہی بیٹی کیلئے سب سے اچھا رشتہ ہے۔

فصل

محبت کے ذریعے بھائی چارے کا بیان

بھائی چارے کی تعلیمات پر اسلام نے بھی بہت زور دیا ہے یہ محبت کا چوتھا سبب ہے اور یہ اس لئے بھی کہ اس سے خالص اور شفاف محبت حاصل ہوتی ہے پھر اسی اخلاص سے وفاداری اور حفاظت کے اسباب پیدا ہوتے ہیں اور سب سے اعلیٰ درجہ محبت کا ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ رضی اللہ عنھم کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا تاکہ انکی محبت آپس میں بڑھ سکے اور باہمی تعاون میں تقویت مل سکے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی منقول ہے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ بھائی چارہ کرو جو عہد کے پکے اور دل کے سچے ہوں کیونکہ ایسے لوگ اچھے حالات میں زینت کا باعث ہوتے ہیں اور مشکل حالات میں حفاظت کے کام آتے ہیں۔

اسی طرح حضرت ابوزبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے دوست احباب تو بہت ہوتے ہیں لیکن ایسے دوستوں کا کوئی فائدہ نہیں جو آپ کے بارے میں ایسے خیالات نہ رکھتے ہوں جس طرح کے ہم ان کیلئے نیک خیالات رکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا دوستوں کے ساتھ ملاقات کرنا بہت سے غموں کو ختم کر دیتا ہے، خالد بن صفوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے دوست بنانے میں سستی دکھائی وہ بہت ہی کمزور ہے اور جس نے اچھے رفقاء کو پاکر کھو دیا اسکا حال تو پہلے سے بھی برا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اجنبی تو وہ ہوتا ہے جس کا کوئی دوست ہی نہ ہو۔ ابن المعتز نے کہا جس نے رفقاء بنائے وہ اسکے مددگار ثابت ہونگے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذخیرہ کرنے کے لئے سب سے بہتر چیز وفادار ساتھی ہے اور بعض حضرات نے کہا اچھا دوست ایک طاقتور بازو کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور ایک شاعر نے اس موقع پر شعر کہے

هموم رجال فی امور کثیرة
ومن الدنیا صدیق مساعد
تکون کروح بین جسمین قسمت
مجسماهما جسمان والروح واحد

(ترجمہ) لوگوں کی فکر اس دنیا میں بہت سارے امور میں ہوتی ہے اور میری فکر اس دنیا میں صرف اچھے دوست کا پانا ہے ایسا وفادار دوست کہ جیسے ایک روح دو جسموں میں پھونکی گئی ہو پس جسم تو دو ہوں اور روح ایک ہی ہو۔

دوست کو صدیق اور خلیل کہنے کی وجہ:

کہا جاتا ہے کہ دوست کو صدیق اس کے سچ (صدق) کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور دشمن کو (عدو) اس "عدو" سرکشی کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ ثعلب کہتے ہیں کہ خلیل (دوست) کو خلیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دل میں تخلل کرتی ہے یعنی جو خالی جگہ دیکھتی ہے اسکو بھر دیتی ہے۔

علامہ ریاشی نے کہا'

قد تخللت مسلک الروح منی
وبه سمی الخلیل خلیلا

اے محبوبہ تو نے میرے جسم میں روح کے چلنے کی جگہ میں نفوذ کرلیا ہے اسی تخلیل (یعنی نفوذ) کی وجہ سے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔

عمومی بھائی چارے کا بیان:

عام طور پر لوگوں میں دوستانہ تعلقات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱) اتفاقی طور پر۔ (۲) باقاعدہ طور سے قصد وارادے کے ساتھ۔ البتہ پہلی قسم کے تعلقات عموماً زیادہ کامیاب رہتے ہیں کیونکہ یہ ایسے اسباب سے پیدا ہوتے ہیں جو بھائی چارے ہی کی دعوت دیتے

ہیں اور وہ تعلقات جن کو با قاعدہ طور پر قائم کیا جاتا ہے انکے لئے اسباب بھی ایسے ہوتے ہیں جن کی اتباع کرنی پڑتی ہے اتنی بات ضرور ہے کہ جو دوستی اتفاقی ہوتی ہے وہ دیر پا رہتی ہے اور جو دوستی پیدا کی جاتی ہے وہ دیر پا بھی ثابت نہیں ہوتی۔

اتفاقی دوستی کا بیان:

ایسی دوستی جو بالا تفاق قائم ہو جائے اسکے بہت سارے اسباب ہوتے ہیں جن کو ہم بیان کریں گے ان میں سے ہر مرتبہ کا الگ حکم ہے اس موقعہ پر بھی شاعر کی گلفشانی ملاحظہ ہو۔

ماھوی الالہ سبب　　　یبتدی منہ و ینشعب

کوئی محبت ایسی نہیں جس کا سبب نہ ہو اور پھر اس سے آگے کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔

(۱) چنانچہ بالا تفاق دوستی کا پہلا سبب مجانست ہے یعنی طبعی طور پر ایک دوسرے کی طرف مائل ہو جانا پھر جس سے محبت بڑھتی ہے پس اگر طبعی میلان زیادہ ہو تو محبت بڑھتی ہے پس جب طبعی میلان ختم ہو جائے تو محبت بھی ختم ہو جاتی ہے معلوم ہوا کہ مجانست اگر چہ متنوع ہوتی ہے لیکن یہ بھائی چارے کی جڑ اور بنیاد ہے اور محبت کا کلیہ ہے، حضرت یحیٰی بن سعید رضی اللہ عنہ نے عمرو عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ارواح لشکروں کی صورت میں ہوتی ہیں پس جو روحیں عالم ارواح میں متعارف ہو جائیں وہ عالم مشاہدہ میں بھی مانوس ہوتی ہیں اور جو عالم ارواح میں متعارف نہ ہوں وہ دنیا میں بھی دور رہتی ہیں''

اور یہ بہت واضح بات ہے کہ متعارف ہونا مجانست ہی کے سبب ہے اور ''کتاب منثور الحکم'' میں لکھا ہے کہ دو متضاد چیزیں کبھی جمع نہیں ہوسکتیں اور دو ایک جیسی چیزیں کبھی جدا نہیں ہوسکتیں۔

حضرات حکماء فرماتے ہیں دوستوں کے ہم مزاج ہونے سے تعلقات بھی برقرار رہتے ہیں ایک شاعر نے اس پر شعر کہا۔

فلا تحتقر نفسی و انت خلیلھا　　　نکل امری یصبوالی من یشا کل

(ترجمہ) تو میری ذات کو حقیر نہ سمجھ حالانکہ تو اسکا دوست ہے اور ہر آدمی اپنے جیسے سے ہی دوستی رکھتا ہے۔

فقلت اخی قالو اخی من قرابة

فقلت بهم ان الشكول اقارب

نسيبى فى رايى و عزمى و همتى

و ان فرقتنا فى الاصول المناسب

(ترجمہ) میں نے کہا میرا بھائی ہے انہوں نے کہا رشتہ داری ہے میں نے کہا کسی سے ہم شکل ہونا سب سے بڑی قرابت ہے وہ میرے ارادے اور رائے اور ہمت میں میرا قریبی رشتہ دار ہے اگرچہ ہمارے آباء واجداد میں دور والوں نے ہمیں جدا کر دیا۔

دوسرا مرتبہ: پھر اسی طبعی میلان سے دو آدمیوں کے درمیان تعلقات استوار ہوتے ہیں یہ اخوت کا دوسرا درجہ ہے اور خوشگوار تعلقات کا سبب دو فردوں میں طبعی اتفاق کا پایا جانا ہے پس یہ مجانست ہی اس صلہ رحمی کا نتیجہ ہے اگر اتفاق نہ ہو تو نفرت ہوتی ہے۔

الناس ان وافقتهم عذبوا   اولا فان جناهم مر

كم من رياض لا انيس بها   تركت لان طريقها وعر

لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ موافقت کرو تو میٹھے ہیں ورنہ نہیں کیونکہ ان کا پھل نہایت کڑوا ہوتا ہے کتنے ہی باغات ایسے ہیں جن میں انسیت والا کوئی نہیں انہیں اس لئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ ان کا راستہ دشوار ہے۔

تیسرا مرتبہ: پھر صلہ رحمی اور تعلق سے ایک تیسرا مرتبہ پیدا ہوتا ہے جس کا سبب فراخ دلی وکشادہ روئی ہے۔

چوتھا مرتبہ: پھر اس موانست سے چوتھا مرتبہ پیدا ہوتا ہے جو سچی محبت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس کا سبب اخلاص نیت ہے۔

پانچواں مرتبہ: اور پانچواں مرتبہ مودت کا ہے اور اسکا سبب اعتماد ہے لیکن اس کا مرتبہ اور درجہ مواخات میں بہت چھوٹا ہے اور پہلے ذکر کردہ اسباب اسی پر موقوف ہیں پس

اگر اسی میں تقویت پیدا ہو جائے تو دوستی بن جاتی ہے۔

چھٹا مرتبہ: مودت سے ایک چھٹا درجہ پیدا ہوتا ہے جو محبت ہے اور اسکا سبب حسن ظن ہے پس اگر یہ ذاتی فضائل کی وجہ سے ہو تو اس سے ایک اور مرتبہ پیدا۔

ساتواں مرتبہ: ہوتا ہے جس کو تعظیم کہا جاتا ہے اور اگر اس کا سمجھنا کسی کی شکل و صورت کی وجہ سے ہو تو یہ ایک آٹھواں درجہ پیدا کر دیتا ہے جسے۔

آٹھواں مرتبہ: عشق کہا جاتا ہے اور اسکا سبب لالچ ہوتا ہے۔ اس پر خلفیہ مامون رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر کہا۔

اول العشق مزاح وولع ثم یزداد اذازادالطمع

کل من یھوی وان عالت به رتبته الملک لمن یھوی تبع

عشق کی ابتدا خوش طبعی اور فریفتگی سے ہوتی ہے پھر جیسے جیسے اشتہاء بڑھتی ہے عشق بڑھتا رہتا ہے پھر جب عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

تو اگر چہ وہ بادشاہت کے مرتبہ پر فائز کیوں نہ ہو وہ محبوب کا خادم اور تابع ہوتا ہے۔

یہ آخری مرتبہ ہے محبت کے شمار کئے جانے والے مراتب میں اس سے آگے کچھ نہیں کیونکہ کبھی آدمی ایسے لوگوں سے بھی خوش طبعی و مزاح کرتا ہے جن سے طبیعت نہیں لگتی اس لئے ایسی صورتوں کا شمار ممکن نہیں علامہ کندی نے کہا دوست انسان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اسی طرح کا جملہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا جب طلحہ بن عبید اللہ نے ایک زمین خریدی تھی اس پر انہوں نے ایک وثیقہ نامہ لکھا تھا جس پر لوگوں کو گواہ بنایا تھا ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے جب حضرت طلحہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دستخط لینے آئے تو انہوں نے منع کر دیا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور فرمایا اللہ جانے آپ خلیفہ ہیں یا عمر تو انہوں نے فرمایا بلکہ عمر لیکن وہ میں ہی ہوں"

موالات وتعلقات کی دوسری قسم:

ایسی دوستی جو باقاعدہ طور پر قصد اور ارادے سے قائم کی جائے اس کے لئے کوئی نہ کوئی باعث ضرور ہوتا ہے البتہ عموماً اسکی دو وجہ ہوتی ہیں: دلچسپی یا مفلسی

دلچسپی:

یہ ایک ایسا امر ہے کہ جب انسان کسی میں ایسے فضائل وکمالات دیکھتا ہے جو اسکو دوست بنانے پر راغب کریں اور ایسے اچھے اخلاق کے ساتھ متصف ہونا جو پسندیدگی کا سبب بن سکیں قصداً دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی صورت میں یہی حالت ہے جو قوی تر معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں مطلوبہ صفات بدرجہ اتم نظر آتی ہیں البتہ اس میں خدشہ اس بات کا ہے کہ اگر کہیں تکلفانہ طور پر کسی میں یہ صفات دیکھی جائیں اور دوستی کا ہاتھ بڑھا لیا جائے تو پھر یہ صورت ثمر آور نہیں ہوسکتی چنانچہ ہر وہ آدمی جو بھلائی ظاہر کرے وہ اہل خیر میں سے نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسا آدمی جو اچھے اخلاق کو ظاہر کرے وہ طبعی طور پر حسن اخلاق کا حامل ہوسکتا ہے کیونکہ کسی چیز کو تکلفاً اختیار کرنا یہ طبعی طور پر پائے جانے کے منافی ہے البتہ اگر کوئی عقلی طور پر یا پھر دین داری سمجھتے ہوئے ایسا کرے تو کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی طبیعت کو اچھا بنالیا ہے تو یہ الگ چیز ہے اس سے ثمرہ حاصل ہوسکتا ہے لیکن اسکو قدرتی طور پر حاصل ہونے والے ملکہ میں شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ حضرات حکماء فرماتے ہیں کہ جو چیز طبیعت میں قدرتی طور پر ہوتی ہے وہ طبیعت اپنا لینے میں نہیں ہوتی۔

پھر یہ بھی محال ہے کہ طبعی طور پر تمام فضائل کسی میں پائے جائیں بلکہ ہوتا یوں ہے عام طور پر بعض فضائل تو طبعاً پائے جاتے ہیں اور اچھے فضائل کی عادت بنائی جاتی ہے یہاں تک کہ اچھے اخلاق کی عادت ڈالنا طبعی طور پر اچھے فضائل کے پائے جانے پر غالب آجاتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کسی اچھے کام کی عادت ڈالنا بھی طبعی امور میں سے شمار کیا جاتا ہے۔

مفلسی کا بیان:

اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان کبھی اکیلے پن کی وجہ سے گھبرا جاتا ہے جسکی وجہ

سے اسکو کسی انیس قسم کے ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو اسکے لئے معتمد ہونے کے ساتھ ساتھ اس قابل بھی ہو کہ اسکے ساتھ دوستانہ تعلقات بھی قائم کر سکتا ہو۔ حضرات حکماء کا کہنا ہے کہ جو آدمی تین چیزوں کو پسند نہ کرے وہ چھ قسم کی مصیبتوں کا شکار ہو جاتا ہے جو دوستی کو پسند نہ کرے وہ دشمنی اور رسوائی کی مصیبت کا شکار ہو جاتا ہے جو سلامتی کو اختیار نہ کرے وہ سختی اور حقارت میں گرفتار ہو جاتا ہے جو اچھی چیز کو اختیار نہ کرے وہ ندامت اور خسارہ میں رہتا ہے اللہ کی قسم اچھے دوست ایک عمدہ ذخیرہ اور بہتر تیاری ثابت ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ دکھ درد کے شریک اور مصائب میں مددگار ہوتے ہیں حکماء فرماتے ہیں بعض دفعہ اچھے دوست حقیقی بھائی سے زیادہ محبت رکھنے والے ہوتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو بھائی اور اچھے دوست میں سے کون زیادہ محبوب ہے فرمایا مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ دوست ہے جو مجھے لوگوں کا محبوب بنا دے۔ ابن المعتز فرماتے ہیں کہ جو آدمی آپ سے قریب تر ہو لیکن دشمنی رکھتا ہے سمجھ لیں کہ وہ آپ سے بہت دور ہے اور جو آپ سے محبت رکھتا ہو لیکن دور ہو سمجھ لیں وہ آپ سے قریب تر ہے اس موقع پر شاعر نے ایک شعر کہا ہے۔

لمودة ممن یحبک مخلصا　　خیر من الرحم القریب الکاشح

وہ ایسے رشتہ دار سے بدرجہا بہتر ہے جو آپ سے سخت دشمنی رکھے۔

ایک اور شاعر نے کہا۔

یخونک ذوالقربی مرارا و ربما　　و فی ذلک عندالعھد لاتناسبه

قریبی رشتہ دار کبھی بار بار خیانت کر جاتے ہیں۔ لیکن کبھی وفادار دوست ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ خیانت نہیں کرتا باوجودیکہ وہ آپ کا راشتہ دار نہیں ہوتا۔

طریقہ بھائی چارگی:

ضرورت اس امر کی ہے کہ جس سے دوستی بنانے کا ارادہ ہو پہلے اسکے حالات اخلاق و اطوار کو خوب جانچ پرکھ کر دیکھا جائے پھر اگلا قدم اٹھایا جائے کیونکہ حکماء فرماتے ہیں

اگر آپ حالات کو پرکھیں گے تو آپکو بصیرت ملے گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تنہائی کی وجہ سے بغیر سوچے سمجھے کسی سے دوستی کا ہاتھ بڑھائیں یا حسن ظن رکھتے ہوئے تکلف سے دھوکہ کھا جائیں کیونکہ چاپلوسی وخوشامد ایسی چیز ہے جس سے بڑے بڑے عقلمند بھی شکار کر لئے جاتے ہیں اور منافقت اچھی ذہانت کو چھپا لیتی ہے اور یہ دونوں خصلتیں ایسی ہیں کہ بناوٹی آدمی کی خصوصیات شمار کی جاتی ہیں پس جس آدمی میں یہ دونوں صفات ہوں اسکے اچھے کاموں سے کوئی خیر کی امید نہیں ہوتی اور نہ اس سے اصلاح ورشد کی امید باندھی جاتی ہے۔

اسی لئے سیانے لوگ کہتے ہیں بندے کو پہچاننے کے لئے اسکے کردار کا جائزہ لینا چاہئے نہ کہ اسکے کلام کا اور اسکی محبت آنکھوں سے پہچاننی چاہئے نہ کہ اسکی زبانی باتوں سے"

خالد بن صفوان فرماتے ہیں کہ میں دوستوں میں اس لئے منافق سمجھا جاتا ہوں کہ میں ان کے حق کے بقدر انہیں مرتبہ دیتا ہوں نہ کہ میں ان کے ساتھ منافقت کا معاملہ کرتا ہوں۔

علاوہ ازیں یہ کہ انسان اپنے عزیز واقارب اور دوستوں ہی کے طور طریقوں سے پہچانا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "آدمی اسی کے ساتھ ہی سمجھا جاتا ہے (یا اٹھایا جائے گا) جس کے ساتھ اسکی محبت ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دوست ہی رشتہ دار سمجھا جاتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز پر اتنی صراحت سے دلالت نہیں کرتی حتی کہ دھواں آگ پر بھی جتنی کہ ایک دوست دوسرے دوست کے احوال پر صراحت سے دلالت کرتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر دوست کو پہچاننا چاہو تو اس کے پہلے والے دوست کو دیکھ لو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آدمی سے وہی گمان کیا جاتا ہے جو اسکے دوست سے کیا جاتا ہے چنانچہ اس موقع پر عدی بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے چند اشعار کہے ترجمہ ملاحظہ ہو۔

حالات معلوم کرنے کیلئے آدمی سے مت پوچھو بلکہ اسکے دوستوں کے متعلق پوچھو ہر رفیق اپنے رفیق ہی کی اتباع کرتا ہے۔

پس اگر آپ کسی قوم میں ہوں تو اچھے لوگوں سے دوستی رکھیں اور رذیل لوگوں سے

بچیں مبادا کہ آپکو بھی دوستی کی صورت کا ظرف نہ سمجھا جائے۔

پس ان وجوہ کی بنا پر لازمی ہے کہ برے لوگوں سے مکمل اجتناب کیا جائے تاکہ عزت وآبرو عیوب سے پاک رہے اور دوسروں کی وجہ سے خود کو ملامت نہ ہو اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ثابت قدمی اور اپنی جانچ پرکھ تقریباً مفقود و معدوم ہے۔

ذوالرمہ نے اس کی مثال پانی سے دی ہے جس کا ظاہر تو بڑا اچھا معلوم ہوتا ہو اور اندرونی طور پر خراب ہو ان کا شعر اور ترجمہ۔

الم تر ان الماء بخبث طعمه　　و ان كان لون الماء ابيض صافيا

کیا آپ دیکھتے ہیں کہ پانی کا ذائقہ خراب ہوتا ہے۔ اگر پانی کا رنگ سفید اور شفاف ہو۔ چنانچہ ایک آدمی نے ایک برے آدمی کو جو بظاہر بہت خوبصورت آدمی تھا دیکھا تو کہا گھر تو بہت اچھا ہے لیکن باسی نہایت کمینہ صفت شخص ہے۔

علامہ جحظہ نے اس پر شعر کہا۔

رب ما ابين التباين فيه　　منزل عامر و عقل خراب

(ترجمہ) کتنا ہی صاف تضاد نظر آتا ہے گھر بڑا آباد اور رہائشی بڑا خراب۔

ایک دانا کا قول ہے کہ دوست پر اسے جانچنے سے پہلے کبھی بھی اعتماد نہ کرو اور دشمن پر طاقت پانے سے پہلے کبھی بھی حملہ نہ کرو کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

لا تحمدن امرءا حتى تجربه　　ولا تذمنه من غير تجريب

فحمدک المرء مالم تبله خطا　　وذمه بعد حمد شر تكذيب

(کسی آدمی کی بھی تجربہ کرنے سے پہلے تعریف مت کرو اور نہ مذمت کرو بغیر تجربہ کے آزمائش سے پہلے تعریف کرنا یہ غلطی ہے اور تعریف کرنے کے بعد برائی کرنا پرلے درجے کا جھوٹ ہے)

صفات کا بیان:

پس ان دونوں وجوہ کی بنا پر ضروری ہے کہ دوستی سے پہلے اچھی طرح کھرے کھوٹے

کی چھان پھٹک کرلی جائے پس دوستی میں جو صفات صحیح کارآمد ثابت ہوتی ہیں وہ چار صفات ہیں بشرطیکہ بنیادی صفت الجانسہ ہو۔

ا۔ پہلی صفت:

وافر مقدار میں قدرتی طور پر دی گئی صحیح سمجھداری ہے جو سرعت کے ساتھ صحیح رہنمائی کرتی ہو کیونکہ بیوقوف آدمی سے محبت نہیں ہوسکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے فرمایا بدزبانی ملامت ہی ملامت ہے اور بیوقوف سے دوستی لگانا نحوست ہے بعض حضرات کہتے ہیں سمجھدار کی دشمنی سے کم نقصان ہوتا ہے بہ نسبت بیوقوف کی محبت کے کیونکہ بیوقوف آدمی نفع رسانی پر قادر ہوتے ہوئے بھی کبھی نقصان پہنچادیتا ہے اور عقلمند نقصان دینے میں بھی حد سے تجاوز نہیں کرتا اس کے نقصان میں ایک حد ہوتی ہے اور جاہل کی مضرت کی کوئی حد نہیں ہوتی اور یہ بات تو خود شاہد ہے کہ محدود نقصان بنسبت غیر محدود نقصان کے کم ہوتا ہے۔

منصور نے میتب بن زہیر سے پوچھا بتاؤ عقل کی اصل کیا ہے؟ اس نے کہا عقلمندوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ بعض نے کہا جہالت در جہالت یہ ہے کہ جاہلوں کے ساتھ بیٹھک رکھی جائے اور ناممکن تو یہ ہے کہ محال سے لڑا جائے بعض حضرات نے کہا کہ جو آپکو یہ مشورہ دے کہ فلاں کو جاہل بناؤ تو سمجھ جاؤ کہ وہ یا تو ایسا دوست ہے جو سراپا جہالت ہے یا پھر شاطر قسم کا دشمن ہے کیونکہ وہ آپکو ایسی چیز کا مشورہ دے رہا ہے جو آپکو نقصان دے گی اور وہ حیلہ بھی آپ ہی سے کروا رہا ہے۔

دوسری صفت:

دوسری صفت آدمی کا متدین اور باشرع ہونا ہے جو سابق علی الخیرات ہو کیونکہ جو دین میں لاپرواہی کرے گا وہ تو اپنا بھی دشمن ہوگا اس سے تو دوسرے کے حق میں بھلائی کی امید رکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بعض نے کہا دوستی کے لئے ایسے افراد کا چناؤ کرو جو باشرع اچھے طور طریقے والے اور حسن تدبیر وادب کے حامل ہوں ایسے حضرات ضرورت کے وقت آپ کے معاون ثابت ہونگے اور اچانک آنے والی مصیبت میں قوت بازو کا کام دیں گے

اور وحشت میں مالوف اور عافیت کے حالات میں زینت ثابت ہونگے۔

اس موقع پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے چند اشعار ارشاد فرمائے جو اس موقع پر نہایت وقیع ثابت ہوئے ہیں۔

اشعار

اخلاء الرخاء هم كثير ولكن في البلاء هم قليل
فلا يغررك خلة من تواخي فمالك عندنائبة خليل

خوشحالی کے دوست بہت ہیں لیکن بدحالی میں وہ کم ہیں تجھے کسی دوست کی دوستی دھوکے میں نہ ڈالے تیرا مصیبت میں کوئی دوست نہیں۔

وكل اخ يقول انا وفي ولكن ليس يفعل مايقول
سوى خل له حسب و دين فذاك لما يقول هو الفعول

ہر دوست بھائی کہتا ہے کہ میں وفادار ہوں لیکن جو وہ کہتا ہے کرتا نہیں ہے سوائے اس دوست کے جو حسب نسب والا دیندار ہو وہ ہے جو وہ کہتا ہے کر گذرتا ہے۔

تیسری صفت:

تیسری صفت یہ ہے اچھے اخلاق کا حامل اور پسندیدہ افعال کے ساتھ ساتھ بھلائی کو ترجیح دینے والا ہو اور اسی کا خواہی ہو اور برائی سے نفرت اور منع کرنے والا ہو۔ کیونکہ برے آدمی سے محبت رکھنا دشمنی کو جنم دیتا ہے اور اخلاق میں فساد برپا کر دیتا ہے اور ایسی محبت میں ذرہ برابر بھلائی نہیں جو دشمنی پر منتھی ہو اور مذمت و ملامت پیدا کرے اس لئے کہ جس دوست کی اتباع کی جاتی ہے وہ بھی دوست ہی کے تابع ہوتا ہے عبداللہ بن المعتزؒ فرماتے ہیں کہ میرے دوستوں کی مثال نارنگی کے درخت کی سی ہے جس کے ایک حصہ کو دوسرا حصہ جلا دیتا ہے اور بعض نے کہا بروں کی صحبت خطرہ سے خالی نہیں اور پھر ان کے ساتھ چمٹے رہنا ایسا ہے گویا سمندر میں سفر کرنے والے جیسی ہے جو بدن کے ساتھ تو سلامت رہتا ہے لیکن اسکا دل خوف سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بروں کی صحبت اچھے لوگوں کے

بارے میں بھی بدظنی پیدا کرتی ہے اور بعض نے کہا اچھا چناؤ اچھے دوستوں کو پسند کرنا اور برا چناؤ برے دوستوں کو اختیار کرنا ہے۔

اس موقع پر شاعر نے شعر کہا ہے۔

من لم تکن فی اللہ خلة　　　　فخلیله منه علی خطر

(ترجمہ) جس کی دوستی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہ ہو تو اس کا دوست ہمیشہ اسکی طرف سے خطرہ میں ہے۔

چوتھی صفت:

چوتھی صفت یہ ہے کہ دونوں دوستوں کا آپس میں ایک دوسرے کی طرف طبعی میلان بھی ہو اور دوستی کی چاہت بھی ہو یہ چیز دوستی کو قوی اور دیرپا جلاء بخشتی ہے کیونکہ ہر مانگی گئی چیز کے لئے طلب کرنے والا نہیں ہوتا چنانچہ جو آدمی ایسے کی محبت کا خواہی ہو جو اسکو نہ چاہتا ہو اور اسی میں رغبت رکھتا ہو وہ مشقت اور خسارہ میں پڑ جاتا ہے۔

چنانچہ اگر یہ صفات کسی میں بدرجہ اتم پائی جائیں تو اس کے ساتھ دوستی کرنا ضروری ہے اور پھر جسقدر ہوسکے تعلقات ایسے آدمی سے بڑھانے چاہیں اور اعتماد بھی کرنا چاہیے اور حسب توفیق اخلاق وصفات کو بھی استعمال کرنا چاہئے کیونکہ دوست احباب بھی مختلف مراتب رکھتے ہیں اسی کے مطابق احوال رکھنے ضروری ہیں جو خاص طور پر مشارکت رکھتے ہیں اور رخنہ اندازی کو مددگاری اور کامیابی کے ساتھ بند کردینا چاہئے اور یہ ضروری نہیں کہ سب کے احوال ایک ساتھ متفق بھی ہوں کیونکہ غالب طور پر لوگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ کچھ نہ کچھ بعد ہوتا ہی ہے بعض نے کہا لوگ درختوں کی طرح ہیں جسکی سیرابی ایک پانی سے ہوتی ہے اور پھل مختلف ہوتے ہیں اسی مفہوم کی منظر کشی منصور بن اسماعیل نے مذکورہ اشعار میں کی ہے۔

بنو آدم کالنبت　　　　و نبت الارض الوان

ومنهم شجر الصندل　　　　و الکافور و البان

ومنهم شجر افضل ما يجمل قطران

(ترجمہ) بنی آدم پودوں کی طرح ہیں اور زمین کے پودوں کے کئی رنگ ہیں ان میں صندل کے درخت ہیں کافور کے اور بان کے بھی اور بعض درخت ایسے ہیں جو تارکول کے حامل ہیں۔

چنانچہ جس شخص نے ایسے دوستوں کو پالیا جن کے احوال متفق ہوتے ہیں گویا کہ اس نے ایک ناممکن چیز کو پالیا لیکن یہ متفق ہونا ایک ایسی چیز ہے جس سے کبھی کبھی نظام میں خلل واقع ہو جاتا ہے اس لئے کہ کوئی ایک ایسا ضرور ہوتا ہے کہ ہر حال میں اس سے مدد نہیں لی جاسکتی اور نہ ہی تمام لوگ ایک عادت پر پیدا کئے گئے ہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ تمام اعمال میں مختلف ہوں اسی اختلاف ہی سے الفت پیدا ہوتی ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جس کی معاشرت لازمی ہو اسکے ساتھ اگر اچھا معاملہ نہ کرے تو یہ آدمی سمجھدار نہیں جانا جاتا۔

دوستوں کی اقسام:

خلیفہ مامون رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوست تین طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں جن سے استغناء برتنا ممکن نہیں یہ غذا کی طرح ہیں اور دوسرے وہ جن کی ضرورت کبھی کبھی پڑتی ہے یہ دوا کی طرح ہیں اور تیسری قسم وہ ہے جن کی ضرورت کبھی بھی نہیں پڑتی یہ بیماری کی طرح ہیں قسم ہے لوگوں کے حالات تو ایسے ہی ہوتے ہیں البتہ جو دوست بیماری کی مانند ہوں بہتر تو یہ ہے کہ انہیں دوستوں میں شمار ہی نہیں کیا جائے بلکہ وہ تو دشمن کی طرح ہیں البتہ ان کے ساتھ محبت کا معاملہ ان کے شر سے محفوظ ہونے کیلئے کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے حالات منکشف ہونے سے بچاؤ کرتے ہیں جسکی وجہ سے وہ بظاہر پردہ پوشی کا معاملہ کرتے ہوئے دوستوں کے زمرے میں شمار کئے جاتے ہیں البتہ جب حالات کھل کر سامنے آجائیں تو انہیں دشمن ہی شمار کیا جاتا ہے۔

سیانے لوگ کہتے ہیں ایسا دشمن جو آپ سے انبساط کا معاملہ کرے وہ ایلوے کے درخت کی مانند ہے جسکے پتے تو ہرے بھرے ہوتے ہیں البتہ اسکا ذائقہ مہلک ہوتا ہے اور

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دشمن کی حسن اداء سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے اس کی مثال ایسی ہے جیسے پانی کو آگ پر رکھ کر دیر تک گرم کیا جائے پھر جب آگ پر ڈالا جائے تب بھی آگ اس سے ضرور بجھ جائے گی۔

پس جب بیمار قسم کے لوگ حلقہ یاراں سے نکل گئے تو اب دوست دو ہی قسم کے رہ گئے ایک وہ جو غذا یا دوا کی مانند ہیں کیونکہ ان کی ضرورت عموماً محسوس ہوتی ہے جب دوستوں کی تمیز واقع ہوگئی تو ضروری ہے کہ ہر ایک کو اسکے مرتبہ کے بقدر رکھا جائے پس جس میں یہ اسباب جتنے قوی ہونگے اس پر اعتماد بھی اسی کے بقدر ہوگا اور اعتماد کی بدولت ہی اسکی طرف میلان ہوگا اور مراجعت ہوگی اس پر ایک شاعر نے اشعار کہے۔

ما انت بالسبب الضعیف و انما نجح الامور بقوة الاسباب

فالیوم حاجتنا الیک و انما یدعی الطبیب شدة الاوصاب

(ترجمہ) تو کوئی ضعیف سبب نہیں ہے اور کامیابی تو اسباب کی قوت سے ہی ہوتی ہے چنانچہ آج ہماری احتیاج تمہاری طرف ہے اور طبیب کو بیماریوں کے شدید ہونے پر ہی بلایا جاتا ہے۔

بھائی چارے میں لوگوں کا رویہ:

دوست بنانے میں لوگوں کے خیالات مختلف ہیں چنانچہ بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ دوست بکثرت بنانا زیادہ بہتر ہے تا کہ مزاحمت کے وقت قوت و طاقت زیادہ ہو اور محبت بڑھے اور معاونت وافر مقدار میں ہو۔

جبکہ دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ زندگی زمانے کے لوٹ کر آنے اور سلطنت قوی ہونے اور دوستوں کے زیادہ ہونے کا نام ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ مرد کی زینت دوستوں کی کثرت میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تھوڑے دوست ہونا زیادہ بہتر ہے تا کہ بوجھ و تکلیف زیادہ نہ ہو اور لڑائی جھگڑا نہ ہو سکندر نے کہا کہ جو بغیر جانچے زیادہ دوست بناتا ہے وہ گویا پتھروں سے وقار حاصل کرنا چاہتا ہے اور کم دوست رکھنے والا جو چھان پھٹک کرتا

ہے وہ ایسا ہے جیسے قیمتی پتھر کو تراشنے والا ہو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کے دوست زیادہ ہوں اسکے قرض خواہ بھی زیادہ ہوتے ہیں اور حضرت ابراہیم بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا دوستوں کی مثال آگ کی طرح ہے جو تھوڑی مقدار میں فائدہ منداور زیادہ مقدار میں ہلاکت ہے"۔

زیادہ تعلقات سے غرض معاونت ہو:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ زیادہ تعلقات سے غرض اور مطلوب معاونت ہونی چاہئے نہ کہ اعداد وشمار میں زیادتی اور نفع کا حصول نہ کہ جمع کی کثرت وغیرہ ایسا ایک آدمی جس سے ضرورت پوری ہو جائے ایسے ہزاروں سے بہتر ہے جن سے شمار میں زیادتی ہو۔

پس جب یہ بات مسلم ہوئی کہ بھائی چارے میں طبعی میلان اور موافقت احوال کا زیادہ عمل دخل ہے تو صحیح عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے دوست کم ہوں لیکن اچھے ہوں اس لئے کہ آدمی اپنے جیسے افراد ہی کو تلاش کرتا ہے جو عقل وفضل میں ہم پلہ ہوں جن میں متضاد صفات کم ہوں اس لئے کہ اچھے لوگ ہر جنس میں کم ہی ہوتے ہیں اس لئے لوگوں میں فضائل اور اچھی سمجھ بوجھ رکھنے والے تھوڑے ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (ترجمہ) بیشک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں اکثروں کو ان میں سے عقل نہیں ہے۔(القران) "سورہ حجرات" پس اس سبب کی وجہ سے اچھے لوگ کم ہوتے ہیں اور جہالت اور عیوب کے اسباب کے کثرت کی وجہ سے لوگ بھی وافر مقدار میں اس صفت سے متصف ہیں اس موقع پر شاعر نے اپنا کلام پیش کیا۔

اشعار۔

عدوک من صدیقك مستفاد   فلا تستكثرن من الصحاب

فان الداء اكثر ماتراه   يكون من الطعام او الشراب

(ترجمہ) تیرا دشمن تیرے دوست ہی سے برآمد ہوتا ہے اس لئے زیادہ دوست مت بناؤ کیونکہ تم دیکھتے ہو کہ اکثر بیماریاں کھانے یا پینے (کی چیزوں) سے ہی ہوتی ہیں۔

چنانچہ جب لوگوں کے مذکورہ بالا احوال سامنے آگئے تو اب دوستوں کی چند قسمیں سامنے آگئیں ۔ (۱) بعض تو وہ ہوتے ہیں جو مدد معاونت حاصل بھی کرتے ہیں اور دوسروں کی مدد بھی کرتے ہیں ۔(۲) اور بعض وہ ہیں جو نہ مدد لیتے ہیں اور نہ مدد کرتے ہیں۔(۳)اور بعض دوسرے سے مدد لیتے ہیں کسی کی مدد کرتے نہیں ہیں۔(۴) اور بعض دوسرے کے کام آتے ہیں لیکن دوسرے سے مستغنی ہوتے ہیں۔

دوستوں کی پہلی قسم:

البتہ جولوگ دوسرے کے کام آتے ہیں اور دوسروں سے باہمی مدد بھی حاصل کریں یہ بہتر بدلہ اور منصفانہ رویہ رکھنے والے ہیں چنانچہ حقوق کی ادائیگی بھی کرتے ہیں اور اپنا حق بھی وصول کرتے ہیں یہ لوگ قرض خواہ کی طرح ہیں جو بقدر ضرورت کسی کی خدمات حاصل کرے اور پھر گنجائش ہونے پر واپس بھی کردے یہ بھلا آدمی ہے اور مدد لینے کا مستحق بھی ہے اور یہ بہتر دوست بھی ہے۔

دوستوں کی دوسری قسم:

جونہ کسی کے کام آئے نہ کسی سے مدد لے یہ متروک شخص ہے گویا اس نے بھلائی کو روک دیا اور برائی کو اکٹھا کرلیا یہ ایسا دوست نہیں جس سے کوئی نیک شگونی لی جائے اور نہ ایسا دشمن جس سے خوف ہو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو آدمی دوستوں کے معاملہ میں لاپرواہو اسکو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے ایسے آدمی کی مثال ایسی ہے جو بظاہر تو بڑا پر رونق ہو لیکن نفع رسانی میں خیانت کرتا ہو نہ تو اسکی خدمت کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اسکا شکریہ ادا کیا جاسکتا ہے البتہ ملامت کا زیادہ مستحق ہے۔

شاعر کا ایک شعر ہے۔

و اسوأ ایام الفتی لایری　　　له احد یزری علیه و ینکر

آدمی کے لئے سب سے برا دن وہ ہے جس میں نہ کوئی اسکو برا کہے اور نہ کوئی اس پر انکار کرے۔

برے حالات میں اسکی برائی کا سمٹ جانا اس لائق ہے کہ اسکا شکریہ ادا کیا جائے اگرچہ بھلائی بھی نہ ہو۔ جیسا کہ قلعی نے شعر میں کہا۔

انا لفی زمن ترک القبیح به   من اکثر الناس احسان و جمال

ہم تو ایسے زمانہ میں ہیں کہ جو آدمی برائی کو چھوڑ دیتا ہے اس کو لوگوں میں بہت اچھا سمجھا جاتا ہے۔

دوستوں کی تیسری قسم:

جو مدد تو لے مگر کسی کی مدد نہ کرے یعنی ایسا آدمی جو دونوں ہاتھوں سے جمع کرنے کا عادی ہو اور کسی پر بھی خرچ کرنے کی جسارت نہ کرتا ہو وہ سراپائے ملامت و مذلت ہے اسکو تصور میں بھی نہیں لایا جاتا اور وہ نہایت بزدل بھی ہوتا ہے ایسے آدمی سے خیر کی توقع نہیں کی جاتی اور شر سے سلامتی بھی نہیں ہوتی آدمی کی ذلت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ مفلسی کے باوجود بھاری پن دکھائے ایسے آدمی کی دوستوں میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی انکی محبت میں کچھ حصہ ہے ایسے لوگوں کو مامون نے بمنزلہ بیماری کے شمار کیا ہے نہ کہ دواء بعض حضرات کہتے ہیں کہ اچھے آدمی کی برائی یہی ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی طرف سے خیر کو بند کردے اور برے آدمی کی نیکی یہی ہے کہ وہ آپکو تکلیف پہنچانے سے باز رہے۔

دوستوں کی چوتھی قسم:

ایسا آدمی جو دوسروں کے کام آئے اور پھر دوسروں سے کوئی مدد یا بدلہ بھی نہ لے یہ آدمی بہت اچھی طبیعت کا ہوتا ہے اور اسکے اس عمل کو اچھا جانا جاتا ہے ایسے آدمی نے دونوں جہان کے فضائل کو جمع کرلیا ایسا آدمی جہاں بھی ضرورت پڑے کام آتا ہے پس ایسا دوست نہایت ہی نفیس چیز ہے جو قابل ستائش ہے زمانہ جس کو ایسا دوست مہیا کردے۔

دوست میسر ہونے کے بعد:

یعنی جس آدمی کو قدرتی طور پر ایسا عمدہ قسم کا دوست میسر آجائے (اور درحقیقت اس طرح شاذ و نادر ہوتا ہے کیونکہ ایسی نابغہ روزگار شخصیات بہت کمیاب ہوتی ہیں) اسکو چاہئے

کہ اپنے ایسے معزز دوست کا ذکر اپنی گفتگو کا نقطۂ آغاز بنائے اور اس کے ساتھ تعلقات قوی تر رکھے اور اپنے عمدہ مال سے بڑھ کر اس میں طمع رکھے کیونکہ وہ اسکا بہترین ذخیرہ ہے اس لئے دوست کی نفع رسانی مال سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہوتی ہے لہٰذا ایسا دوست زیادہ حقدار ہے کہ اس کے ساتھ مراسم بڑھائے جائیں چنانچہ مشہور شاعر فرزدق کا شعر ذکر کیا جاتا ہے۔

یمضی اخوک فلا تلقی له خلفا   و المال بعد ذهاب المال مکتسب

ایسے دوست بھی زمانہ میں گزرتے ہیں کہ انکا پھر بدل نہیں ملتا لیکن مال اگر ایک دفعہ ہاتھ سے نکل جائے تو دوبارہ بھی کمایا جاسکتا ہے ایک اور شاعر نے بھی اس موقع پر اپنا کلام پیش کیا ہے۔

لکل شئی عدمته عوض   و ما لفقد الصدیق من عوض

زمانہ میں ہر چیز کا نعم البدل مل جاتا ہے لیکن اگر اچھا دوست کھو جائے تو اسکا بدل نہیں ملتا

بھائی چارے کی حفاظت:

اگر کسی کو اچھا دوست مل جاتا ہے تو پھر آدمی کو چاہیے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک اور توجہ کا معاملہ کرے یہ ضروری نہیں کہ اس کی تمام عادتیں پسند بھی ہوں گی بلکہ طریق کار یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک عادت ناپسند سامنے آئی ہے تو اس میں دوسری اور عادتیں بھی تو ہوں گی جو پسندیدہ ہیں لہٰذا چشم پوشی کرتے ہوئے حسن ورضا کا معاملہ رکھنا چاہئے آج اگر ناپسند بات سامنے آگئی تو کل اور پسندیدہ باتیں سامنے آجائیں گی جن سے آپ بچشم رضا خوش ہونگے۔ چھوٹی موٹی غلطیاں معاف کی جاتی ہیں اور ہر طرح سے کامل ہونا کسی کے بس کی بات نہیں۔ علامہ کندی فرماتے ہیں کہ آپ اگر اپنے دوست سے ایک ہی قسم کے اخلاق کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ محال ہے کیونکہ کم از کم اتنا تو ہے کہ اخلاط اربعہ اس میں پائے جاتے ہیں وہ ایک ہی طبیعت کا مالک کیسے ہوسکتا ہے پھر نفس انسانی جو اس کے ساتھ خاص ہے اور اس کے اختیار اور ارادے سے چل رہا ہے وہ اپنی لگام ہر اس بات میں اس کے حوالے نہیں کرے گا جو وہ چاہے اور اس کی پسند کے ہر معاملے میں اس کی اطاعت نہیں کرے گا پھر یہ

کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسرے کے نفس پر قابو پالے اور تمہارے لئے تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ تمہارے دوست کا اکثر حصہ دل تمہارا ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دوست کی سخت سست باتیں سن کر برداشت کرلینا اس کے بالکلیہ کھودینے سے بہتر ہے اور کون ہے جو تمہارا دوست پورا تمہیں دلا دے"

بعض حکماء حضرات فرماتے ہیں کہ انصاف مانگا ہی اسی لئے جاتا ہے کہ انصاف کی کمی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ایسا دوست جس کی زندگی کی آپ ستائش کرتے ہوں اور اسکے طور طریقے آپ کو بھلے لگتے ہوں اور اس کے فضائل و مناقب سے آپ اچھی طرح واقف ہوں اور اسکی وسائل کی قوت نے اسکے چھوٹے چھوٹے گناہوں کا حساب برابر کردیا ہو اسے کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے کیونکہ کوئی بھی ایسا مہذب آدمی نہیں ہے جس میں عیب بالکل نہ ہو اور اس سے کبھی کوئی گناہ صادر نہ ہوا ہو۔ (یہ تو شان عبدیت ہے بھی نہیں) بلکہ آپ اسے اپنی ذات پر قیاس کریں اگر اس سے راضی نہ ہوں اور اس میں اپنی مرضی کا حکم مت لگائیں کیونکہ اس کا اعتبار کرنا امتحان لینا آپ کو تمام مطلوبہ چیزیں نشان زد کر کے دکھا دے گا اور دوسرے کے گناہ کے بارے میں نرم خو کردے گا۔ اس پر شاعر نے ایک شعر کہا۔

و من ذاالذی ترضی سجا یاہ کلھا   کفی المرء نبلا ان تعد معایبئہ

ایسا کون ہوسکتا ہے جسکی تمام خصلتوں کو قبول کرلیا جائے آدمی کے اچھا ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ اس کے عیب اعداد و شمار میں آجائیں۔

تنبیہ:

ان سب باتوں کا مطلب یہ نہیں کہ مذکورۃ الصدر گفتگو کو یکسر پس پشت ڈال دیا جائے اور دوستی سے پہلے جانچ پڑتال بالکل نہ کی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے انسان کا بچنا مشکل ہوتا ہے وہ تو معاف ہیں اتنا خیال رکھنا چاہئے کہ اگر دوست کی طرف سے تھوڑا بہت میلان کم ہو یا اتفاقاً کہیں کچھ ٹھیس پہنچے تو اس کو چھوڑ دیا جائے یہ بالکل

نامناسب بات ہے جب تک کہ اس کے یکسر بدلنے کا یقین نہ ہو جائے۔ دوست کو چھوڑنا نہیں چاہئے بلکہ ایسے چھوٹے موٹے معاملے دل سے صاف کر دینے چاہیں کیونکہ انسان میں کبھی ایسا طبعی تغیر بھی آجاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کا لحاظ اس طرح نہیں کرتا جیسے عام حالات میں کرتا ہے جبکہ انسان اپنا وقار ہر طرح سے برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے لہٰذا چھوٹی چھوٹی رنجشوں کو عداوت اور اکتاہٹ نہیں سمجھنا چاہئے، چنانچہ سیانے لوگوں کی بات ہے کہ محض احتمالی بات کی بناء پر کسی اچھے دوست کے بارے میں بدگمانی نہیں کرنی چاہئے جس کے متعلق آپ کو یقین ہو کہ وہ اچھا ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ جو دوست تم سے تین دفعہ ناراض ہو چکا ہو سمجھ لو کہ وہ تمہارے بارے میں بری بات نہیں کہہ رہا بلکہ اسکو اپنا خالص اچھا دوست سمجھ کر سینے سے لگاؤ۔

حضرت حسن بن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محبت کے حقوق میں سے ہے کہ دوستوں سے عفو درگذر کرنے کو شعار بنایا جائے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد باری تعالیٰ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الجَمِيلَ کی تشریح میں فرمایا اسکا مطلب ہے برضا وخوشی بغیر کسی ڈانٹ ڈپٹ کے معاف کر دینا''

اور ایسا آدمی جو سراپا اکتاہٹ ہو اور ہر وقت ملول رہتا ہو وہ بہت جلد بدلنے والا طوطا چشم انسان ہوتا ہے اس کی دوستی خطرناک اور محبت میں دھوکہ پنہاں رہتا ہے اس لئے کہ وہ ایک حال پر باقی نہیں رہتا۔

ایسے لوگ عموماً دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہے جس کا دل تھوڑی بہت دیر کے لئے اچاٹ ہوتا ہے اور پھر واپس دوستی کی جانب لوٹ آتا ہے یہ آدمی قدرے بہتر ہے اس کی اکتاہٹ و چڑچڑاہٹ برداشت کر لینی چاہئے تاکہ وہ دوبارہ بھلائی اور دوستی کی راہ پر لوٹ آئے۔

دوسری قسم وہ ہے اگر ایک مرتبہ دل اچاٹ ہوا تو پھر واپسی کی کوئی امید نہیں نہ اسکو کوئی وعدہ یاد آتا ہے اور نہ کوئی وثیقہ۔ ایسا آدمی پہلے سے زیادہ برا ہے اسکی محبت ہر وقت ڈانواں

ڈول رہتی ہے اور خواہشات کے تابع ہوتی ہے بس ایسے آدمی کی ملاقات سے پہلے اسکے حالات کو جان لینا چاہئے اور اگر دھوکہ ہو جائے تو اسکو چھوڑ دینا چاہئے۔

گہری دوستی کے حقوق:

جس کسی آدمی کے اخلاق واوصاف اور احوال کی خوب خوب چھان پھٹک کر کے اس کے ساتھ بھائی چارے کا ہاتھ ملاتے ہوئے دوستی کا اقدام کرلیا جائے تو اس ہم رکاب کے تمام تر حقوق وحدود کی رعایت کرنا واجب ولازم ہو جاتا ہے حضرت عمر بن مسعودؒ فرماتے ہیں کہ اصل غلامی تو بھائی چارے کی غلامی ہے نہ کہ اپنے آقا کی غلامی اور بعض حضرات نے کہا کہ جو آپ سے محبت کی وجہ سے جھگڑے وہ آپ کو اپنے لئے منصف سمجھتا ہے۔

چنانچہ دوستی کا پہلا حق یہ ہے کہ اسکی محبت کا اعتقاد رکھنا پھر اسکے ساتھ خوشی وطبیعت سے انسیت پیدا کرنا (غیر شرعی امور کے علاوہ) پھر اس کے بارے میں ظاہراً و باطناً بھلائی ہی سوچنا۔ پھر اسکی مشکلات کو آسان بنانے کیلئے اس کے ساتھ تعاون کرنا۔ پھر اچانک آنے والی مصیبت میں اسکا ساتھ دینا کیونکہ بظاہر ساتھ لگے رہنا اور مشکل میں ساتھ چھوڑ جانا یہ منافقت وملامت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسا دوست سب سے بہتر ہے فرمایا جب آپ اس سے مشکل ذکر کریں تو وہ آپ سے معاونت ونصرت کا معاملہ کرے پھر فرمایا اس سے بھی بہتر وہ ہے جس کو آپ بھول جائیں وہ آپ کو یاد کرے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بہتر دوست وہ ہے جو مشکل میں مدد کرے اور اس سے بھی بہتر وہ ہے جو آپ کی کفایت کرے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے آدمی سے جو میری خالص دوستی کے بجائے میری خواہش کے موافق محبت چاہتا ہو اور جو میری فوری خوشی کیلئے میری مدد کرے مگر میرے آنے والے حالات کی فکر نہ کرے۔

جو محبت کو ٹھکرائے وہ دوست نہیں:

بعض بلغاء حضرات نے فرمایا جس نے آپکی محبت کو ٹھکرادیا اس نے آپ سے دوستی

ہی نہیں کی اور جس نے آپ کی محبت سے بغض رکھا اس نے آپ سے بھی محبت نہیں کی ایک شاعر نے اس موقع پر شعر کہا۔

وکل اخ عند الهوينى ملاطف   و لكنما الاخوان عند الشدائد

(ترجمہ) اچھے حالات میں ہر آدمی لطف وکرم سے ملتا ہے لیکن دوست تو وہ ہوتے ہیں جو مشکل حالات میں ساتھ دیں۔

حضرت صالح بن عبدالقدوسؒ نے فرمایا برے دوست وہ ہیں جن کی محبت اچھے زمانے میں ہو اور جب برے حالات آئیں تو انکی محبت بھی ختم ہو جائے۔

بھائی چارے میں افراط وتفریط:

اس معاملے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے کہ اگر کسی سے محبت ہے تو اتنی زیادہ نہ ہو کہ حد سے تجاوز کر جائے کیونکہ یہ تجاوز ہی تقصیر کا سبب بن جاتا ہے اور دوستی کا بڑھنا محمود ہے اور ختم ہونا مذموم ہے حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل ہے فرمایا اپنے دوست سے محبت ہلکی رکھو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن آپ کا دشمن بن جائے اور جس سے بغض ہے اس سے بغض ہلکا رکھو ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی آپکا دوست بن جائے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسی محبت مت کرو جو کلفت میں ڈال دے ایسا بغض مت کرو کہ ہلاک کر ڈالے''۔

دوست کو فائدہ پہنچانیکی بھرپور کوشش کریں:

دوستی کا حق یہ ہے کہ نفع رسانی خیر خواہی میں بالغ درجہ کی کوشش کرے اور اسکے حق کی رعایت کرے اس میں کوئی زیادتی اور تجاوز نہیں اگر چہ یہ کثرت سے ہو حاضر وغائب دونوں حالتیں برابر ہوں ایسا نہ ہو کہ حالت غیب حاضری سے بہتر ہو اس لئے کہ سامنے کی حالت اچھی ہو اور غائب کی حالت اچھی نہ ہو تو یہ ملامت ہے اگر غیب کی حالت حاضری سے اچھی ہو تو یہ بہتر اور کرم ہے اگر دونوں برابر ہیں تو اور زیادہ اچھا ہے۔

میل ملاپ میں میانہ روی رکھیں:

"خیر الامور اوسطها"

لہٰذا دوست سے میل ملاپ اور اسکے ہاں آنے جانے میں میانہ روی رکھنی چاہیے نہ زیادہ جائے کہ اکتاہٹ ہونے لگے اور نہ اتنا کم کرے کہ دوستی ہلکی ہونے لگے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا ناغہ کر کے ملاقات کرو اس سے تمہاری محبت بڑھے گی۔ مشہور شاعر لبید کا خوبصورت شعر ہے۔

توقف عن زيارة كل يوم　　اذا اكثرت ملك من تزور

(ترجمہ) روزانہ زیارت کرنے سے پرہیز کر ہر روز کا ملنا دل اچاٹ کر دیتا ہے۔

دوست سے گلہ شکوہ زیادہ نہ کرے:

اس سے گلے شکوے کرنے اور ناراض ہونے میں بھی زیادتی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ بھی تعلق لوٹنے کا سبب ہے اور دوست کو بالکلیہ چھوڑ دینا دوست کے بارے میں لاپرواہی برتنے کی دلیل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دشمنی کی ایک وجہ دوست سے لاپرواہی بھی ہے بلکہ میانہ روی ہونی چاہئے چھوڑنے پر چشم پوشی کی جائے اور بات بگڑنے پر صلح صفائی کی جائے جب مصالحت وتصفیہ جمع ہو جائیں تو نفرت اور دلی کدورت ختم ہو جاتی ہے۔

دوست سے بات بات پر نہ جھگڑیں:

حکماء حضرات فرماتے ہیں کہ دوستوں میں بات بات پر جھگڑنا اچھا نہیں اس سے نفرت پیدا جاتی ہے۔ منصور نمری کا ایک شعر ہے۔

اقلل عقاب من استربت بوده　　ليست تنال مودة بعتاب

جس کی محبت سے تم نے سیرابی حاصل کی اس پر ڈانٹ ڈپٹ زیادہ نہ کرو کیونکہ بار بار ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے محبت حاصل نہیں ہوتی۔

دوست کی غلطیوں سے درگذر کریں:

دوستوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کی غلطیوں سے درگذر کریں اور لغزشوں کو چھپائیں اس لئے کہ جو شخص غلطیوں سے مبرا لغزشوں سے محفوظ دوست تلاش کریگا وہ ایک بے مقصد تھکن کو پائے گا اور ایک لا حاصل کرنے والی بات کے پیچھے پڑ کر تکلیف کے سوا کچھ نہیں پائے گا۔

حکماء کا قول ہے کہ کونسا عالم غلطی نہیں کرتا۔ کونسی بہترین تلوار ہے جو اچٹتی نہیں اور کون سا تیز رفتار عمدہ گھوڑا ہے جو رپٹتا نہیں۔

حکماء کہتے ہیں کہ جو غلطیوں سے محفوظ دوست ڈھونڈے اور ہمیشہ اس کی تلاش میں رہے وہ راستہ گم کرنے والے شخص کی طرح ہے جو صرف نفس کی تھکن میں اضافہ کرتا ہے اپنے مقصود سے مزید دور ہو جاتا ہے۔

خالد بن صفوان سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا کون سا دوست تمہیں زیادہ پسند ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو میری لغزشوں کو معاف کرے میری خرابی کو دور کرے اور میری امید تک مجھے پہنچائے۔

ایک شاعر کہتا ہے کہ

ما کدت افحص عن اخی ثقه الاندمت عواقب الفحصٖ

(ترجمہ) میں جب بھی کوئی با اعتماد دوست ڈھونڈنے لگا مجھے اس کے انجام سے شرمندگی ہی ہوئی۔

دوست کی غلطیاں بھول جایئے:

اصمعی نے نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی نے کہا دوستوں کی غلطیوں کو بھول جایئے تمہارے لئے ان کی محبت دائمی ہو جائے گی۔

ایک ادیب نے اپنے بھائی کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ محبت کے محافظ بن جاؤ اگرچہ تمہیں کوئی حفاظت کرنے والا نہ ملے اور دوستی کے تعلق جوڑنے والے بن جاؤ چاہے

تمہیں کوئی جوڑنے والا نہ ملے۔

طلحہ بن عبدالرحمٰن کی اعلیٰ ظرفی:

عبداللہ بن مطیع کی صاحبزادی سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر جناب طلحہ بن عبدالرحمٰن بن عوف زمری سے عرض کیا جو کہ اپنے زمانے میں قریش کے بڑے صاحب جود وسخاء تھے کہ میں نے تمہارے دوستوں سے زیادہ کمینہ کسی کو نہیں دیکھا۔ تو انہوں نے کہا۔ اچھا؟ وہ کیوں؟ وہ کہنے لگی کہ میں نے انہیں دیکھا ہے کہ جب تم خوشحال ہوتے ہوتو وہ تم سے چمٹے رہتے ہیں اور جب تنگ حال ہوتے ہوتو چھوڑ جاتے ہیں۔ تو وہ کہنے لگے خدا کی قسم یہ انکا ہم پر کرم ہی ہے کیونکہ وہ اس زمانے میں ہمارے پاس آتے ہیں جب ہمیں ان کا اکرام کرنے اوران کی مدد کرنے کی طاقت ہوتی ہے اور جب اس بارے میں ہم کمزور ہو جاتے ہیں تو وہ نہیں آتے۔

دیکھئے طلحہ بن عبدالرحمٰن نے اپنی وسعت ظرفی کی بناء پران لوگوں کے قبیح فعل کی کتنی اچھی تاویل کی اوران کی بے وفائی کو وفا ظاہر کیا یہ ان کا محض کرم اور فضل ہی تھا۔ اہل فضل کو چاہئے کہ وہ اپنے دوستوں کی غلطیوں کو بالکل اسی طرح معاف کر دیا کریں۔

ایسی تاویل کرنے کے دو داعیے ہوتے ہیں۔ تجاہل عارفانہ وفا کی بناء پر دل جوئی۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ میں نے دنیا کے اکثر امور کو دیکھا کہ وہ تجاہل عارفانہ کے بغیر نہیں چلتے۔ اکثم بن صیفی کا قول ہے کہ جو سختی کرتا ہے اپنے لئے نفرت پیدا کرتا ہے جو آسانی کرتا ہے اپنے لئے محبت پیدا کرتا ہے اور تجاہل عارفانہ میں عزت ہے۔ شبیب بن شیبہ کا قول ہے کہ ذہین اور عقلمند وہ ہے جو ذہین اور تجاہل عارفانہ کرنے والا ہو۔ طائی کا شعر ہے۔

لیس الغبی بسید فی قومه　　　لکن سید قومه المتغابی

(ترجمہ) جاہل بے وقوف اپنی قوم کا سردار نہیں ہوتا لیکن جان بوجھ کرانجان بننے والا اپنی قوم کا سردار ہوتا ہے۔

دشمن کو رام کرنے کا عمل:

اس تفصیل کے مطابق عمل کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دشمن میں بھی محبت پیدا ہوتی ہے جس کے سبب وہ بغض سے رک جاتا ہے اور محبت کیلئے نرم خوئی اختیار کر لیتا ہے اور یہ بھی نیکی کی انواع میں سے شمار کیا جاتا ہے اور احوال مختلف ہونے سے یہ بھی مختلف ہوتا رہتا ہے کیونکہ یہ فضیلت کی علامات میں سے ہے اور سرداری کی شرائط میں سے ہے کیونکہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ جس سے حسد و عداوت رکھنے والے نہ ہوں نعمتوں کے بقدر ہی لوگ حسد و عداوت رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر نعمتوں کے ہوتے ہوئے حسد و عداوت رکھنے والوں سے الفت کا معاملہ نہ کیا جائے تو پھر بردبار شخص جہلا کے فریب کا شکار ہو جاتا ہے اور بے وقوف سے تکلیف کا خدشہ رہتا ہے جس کی وجہ سے نعمت تاوان اور عزت ملامت بن جاتی ہے۔

حضرت سعید بن المسیب رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے فرمایا اللہ رب العزت پر ایمان لانے کے بعد سمجھداری کی بنیاد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ محبت کرے'' حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا اگر تمہارے ہزار دوست ہوں تو انہیں بھی زیادہ نہ سمجھو بلکہ ہزار کم ہیں اگر دشمن ایک بھی ہو تو اسکو کم مت جانو دشمن ایک بھی بہت ہے ابن رومیؒ کے اشعار اس موقع پر خوب ہیں۔

تکثر من الاخوان ما استطعت انهم بطون اذا استنجد تهم و ظهور

ولیس کثیرا الف خل صاحب و ان عدوا واحد لکثیر

(ترجمہ) دوست جتنی استطاعت ہے خوب بڑھالو کیونکہ اگر تو انہیں ابھار کھے تو وہ پیٹ اور پیٹھ ہیں ہزار محبوب اور دوست کوئی زیادہ نہیں مگر ایک دشمن بھی بہت زیادہ ہے۔

لوگوں پر احسان کرنا سر بلندی ہے:

خلیفہ عبدالملک بن مروان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنی اس بادشاہی سے کیا فائدہ پہنچایا؟ اس نے کہا لوگوں کی محبت۔ بعض حکماء حضرات کا قول ہے کہ بڑے پن سر بلندی کی علامت یہ ہے کہ لوگوں پر احسان کیا جائے۔ یہ بھی کہا گیا کہ جس نے دشمن سے صلح صفائی کی

اس کے معاونین کی تعداد بڑھے گی جس نے اپنے دوست کو خراب کیا اس کے معاونین گھٹیں گے۔ بعض نے کہا تعجب ہے ایسے آدمی پر جو ایک کفایت شعار عقلمند آدمی کو اس لئے چھوڑ دے کہ وہ دشمنی کو چھپائے رکھتا ہے اور ایسے کمزور قسم کے جاہل کو دوست بنا ڈالے جو اسکے لئے محبت ظاہر کرتا ہو جبکہ وہ دشمن سے صلح جوئی پر اچھے احسان اور عطا کے ذریعے قادر ہوسکتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر تین اشعار صلاءۃ بن عمرو کے ذکر کیے جو عرب حضرات کے مذکورہ اقوال زریں پر مشتمل ہیں۔

بلوت الناس قرنا بعد قرن فلم ارغیر ختال وقالی
و ذقت مرارة الاشیاء جمعا فما طعم امر من السئوال
ولم ارفی الخطوب اشد هولا و اصعب من معاداة الرجال

(ترجمہ) میں نے ہر زمانے میں لوگوں کو آزمایا مگر میں نے دھوکے باز اور نقصان دینے والوں کے سوا کسی کو نہ دیکھا اور میں نے چیزوں کی کڑواہٹ کو ایک ساتھ چکھا مگر سوال (مانگنے) سے زیادہ کڑواہٹ کسی چیز کی نہیں اور میں نے مصائب میں سب سے زیادہ تکلیف دہ اور مشکل لوگوں کی دشمنی کے سوا کسی چیز کو نہیں دیکھا۔

دشمن سے نرمی ضرور کریں مگر ہوشیار رہیں:

دشمنی رکھنے والوں سے الفت کا معاملہ کرنا اور انہیں قریب کرنا ایک مستحسن اور مرغوب عمل ہے انکی طرف میلان رکھنا مناسب ہے لیکن انکے مکروفریب سے بچاؤ بھی نہایت ضروری ہے اس لئے کہ جب دشمنی طبیعت میں اتر کر پکی ہو جائے تو وہ ایک طبعی چیز بن جاتی ہے جو زائل نہیں ہوتی لہٰذا الفت کا معاملہ کر کے دشمن کے ضرر سے بچا جاسکتا ہے جیسا کہ پانی سے آگ کے جلاؤ کا دفاع کیا جاتا ہے اور اس سے کسی چیز کو پکانے کا فائدہ بھی حاصل کیا جاتا ہے اگر چہ اسکی لازوال حقیقت چیز کو جلانا ہے اور کسی چیز کا جوہر یعنی اس کی طبعی خاصیت کبھی نہیں بدلتی۔

فصل

نیکی کے بیان میں

''نیکی'' محبت کے اسباب میں سے پانچواں سبب ہے اس لئے کہ اس سے دلوں میں محبت ونرمی پیدا ہوتی ہے اسی لئے اللہ رب العزت نے نیکی پر تعاون کی ترغیب ارشاد فرمائی ہے اور اسکو تقوی کے ساتھ ذکر کیا ہے فرمایا (نیکی اور تقوی میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو) المائدہ

تقوی اختیار کرنے سے اللہ رب العزت راضی ہوتے ہیں اور نیکی سے لوگ بھی راضی ہوتے ہیں پس جس نے ان دونوں صفات کو جمع کر لیا اس کو اللہ اور لوگوں کی رضا حاصل ہو جائے گی جس سے اس کی خوش بختی مکمل ہو جائے گی''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے دل بطور فطرت اس پر مجبور ہیں کہ جو ان کے ساتھ نیکی کرے اس سے محبت رکھتے ہیں اور جو ان سے برا معاملہ کرے اس سے نفرت کرتے ہیں۔

حکایت:

بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میرے بندوں کو ان پر میرے کیے ہوئے احسانات یاد دلاؤ تاکہ وہ مجھ سے محبت کریں اس لئے کہ یہ اسی سے محبت کرتے ہیں جو ان پر احسان کرتا ہے۔ اس موقع پر ابوالحسن ہاشمی نے چند اشعار کہے۔

الناس کلھم عیا ل اللہ تحت ظلالہ
فاحبھم طراً الیہ ابرھم لعیالہ

(ترجمہ) سارے کے سارے لوگ اللہ کے سائے میں اس کا گھرانہ ہیں۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ وہ شخص پسند ہے جو اس کے گھرانے کے ساتھ نیکی کرے۔

نیکی کی قسمیں:

(۱) کسی کو اس کے کیے کا اچھا بدلہ دینا (صلہ)

(۲) کسی کے ساتھ مطلقاً اچھا سلوک کرنا (معروف)

صلہ وہ نیکی ہے کہ جس میں انسان احسان کا معاملہ کرتے ہوئے کسی پر اچھی جگہ اپنا مال بغیر کسی عوض کے خرچ کرے اسکا داعیہ کریمی نفس اور سخاوت طبعی ہے اور جس میں بخل ہو وہ ایسا اقدام نہیں کرتا'' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فرمایا (جن لوگوں نے بخل سے اپنے آپ کو بچالیا بیشک وہ لوگ کامیاب ہیں) محمد بن ابراہیم تیمی نے حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے فرمایا ''سخی آدمی اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ ہوتا ہے جو جنت کے قریب اور لوگوں سے نزدیک رہتا ہے اور بخیل آدمی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور جنت سے دور لوگوں سے دور رہتا ہے اور دوزخ کے قریب ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد سے سخت عذاب ان کے جود وسخا کی وجہ سے اٹھا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مال سے ہاتھ روکے رکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا عمامہ اپنی طرف کھینچا اور فرمایا اے زبیر میں تمہاری اور دوسروں کی طرف اللہ کا رسول ہوں جو کہتا ہے خرچ کرو خرچ کرو اگر تم بخل کرو گے تو تم پر بھی بخل کر دیا جائے گا''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں فرمایا کہ ہر دن غروب آفتاب کے وقت دو فرشتے یہ دعا کرتے ہیں اے اللہ خرچ کرنے والے کو اور دے اور بخیل اور روکنے والے کو ہلاکت دے اسی کے مطابق آیت کریمہ وارد ہے (جس نے اللہ کے راستے میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی ہم اسکو آسانی میسر کریں گے اور جس نے بخل سے کام لیا اور اعراض کیا اور اچھی بات کو جھٹلایا ہم اسکے لیے مشکل بنا دیں گے) (الليل) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسکی تفسیر میں فرمایا اس

سے مراد ایسی جگہوں پر خرچ کرنا جہاں حکم دیا گیا اور جن کاموں سے منع کیا گیا ان سے ڈرتا رہا اور فرمایا ''وَصَدَّقَ بالحسنٰی'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کو یقین کامل ہو کہ خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ اور عنایت فرمائیں گے لہٰذا اس قول کے مطابق دنیا میں سردار وہ لوگ ہیں جو سخاوت کرتے ہیں اور آخرت کے سردار متقی لوگ ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ لفظ جود (سخاوت) ''موجود'' سے نکلا ہے ضرب المثل مشہور ہے قوم کا سردار بغیر سخاوت کے ایسا ہے جیسے کوئی بادشاہ ہو لیکن اس کے پاس لڑنے کیلئے فوج نہ ہو اور بعض نے کہا سخاوت عزتوں کی محافظ ہے اور بعض نے کہا جس نے سخاوت کی وہ سردار بن گیا اور جس نے کمزوری دکھائی وہ پست ہوتا چلا جائے گا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جو سخاوت کرتا ہے وہ دشمنوں کو بھی محبوب ہوتا ہے اور بخیل کی اولاد بھی اسکی دشمن بن جاتی ہے بعض حضرات نے کہا ''بہتر مال وہ ہے جس کو خرچ کر کے لوگوں کے دل جیت لئے جائیں اور بہتر عمل وہ ہے جسکو سراہا جائے چنانچہ صالح بن عبدالقدوس نے اشعار کہے۔

ویظهر عیب المرء فی الناس بخله ویستره عنهم جمیعا سخاء ٥

تغط باثواب السخاء فاننی اری کل عیب و السخاء عطاء ٥

(ترجمہ) لوگوں میں آدمی کا عیب اس کا بخل ظاہر کرتا ہے اور ان سب سے اس کو اس کی سخاوت چھپالیتی ہے۔ سخاوت کے کپڑوں کو پہن لے کیونکہ میں ہر عیب کو اس حال میں دیکھتا ہوں کہ سخاوت اس کا پردہ ہے۔

سخاوت کی تعریف کا بیان:

سخاوت اس خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے جب ضرورت کے وقت خرچ کر دیا جائے اور اس کے مستحق تک بقدر طاقت اسے پہنچایا جائے اور اس کی تدبیر ذرا مشکل ہے اور شاید کہ بعض وہ لوگ جو سخاوت کی طرف منسوب ہونے کو پسند کرتے ہیں وہ سخاوت کی تعریف پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح کوئی اگر خرچ کرے تو وہ سخاوت نہیں بلکہ بخل ہے حالانکہ سخاوت تو یہ ہے کہ سب کچھ خرچ کر ڈالے لیکن یہ تکلف کی بات ہے جو کہ فضائل و

صفات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اگر اس طرح خرچ کر دینے کا نام سخاوت ہوتا تو پھر اسراف اور فضول خرچی کی کوئی جگہ نہ ہوتی جبکہ کتاب اللہ وسنت میں اسکی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ جب سخاوت کی ایک حد مقرر ہوگئی تو جو سخاوت کی موجودہ تعریف کے مطابق سخاوت کرے گا اس کو کریم کہا جائے گا اور وہ قابل ستائش سمجھا جائے گا اور جو تقصیر کرے گا وہ بخیل ہوگا وہ مستحق مذمت ہوگا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (جو لوگ بخل کرتے ہیں انہیں یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انہیں دیا ہے وہ بھلا ہے بلکہ وہ برا ہے جو بخل کے سبب روز محشر انکے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا) (آل عمران)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے فرمایا اللہ رب العزت اپنی عزت وجلال کی قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ بخیل آدمی اللہ جل شانہ کا قرب حاصل نہیں کرسکتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے فرمایا سخی آدمی کا کھانا دوا کی طرح ہے اور بخیل آدمی کا کھانا بیماری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بخیل آدمی ظالم سے زیادہ معذور ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو بخیل آدمی پر اور ظالم پر بھی"۔

بعض حضرات نے کہا کہ بخل فقر واحتیاج کی چادر ہے اور بعض نے کہا بخیل کا کوئی دوست نہیں ہوتا اور بعض نے کہا کہ بخیل آدمی اپنی نعمت کا نگران ہوتا ہے اور اپنے ورثاء کا خزانچی ہوتا ہے ایک شاعر نے اس موقع پر شعر افشانی کی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

اذا کنت جما عالمالک ممسکا

فانت علیہ خازن و امین

تؤدیہ مذموما الی غیر حامد

فیاکلہ عفوا و انت دفین

(ترجمہ) اگر تو اپنے مال کو روک کر جمع کرنے والا ہے تو تو اس پر نگہبان اور امانتدار ہے تو اسکو مذمت کے راستے میں ادا کرتا ہے جہاں کوئی تعریف نہ کرتا ہو اور لوگ اسکو ایسے

ہی مفت میں کھا جائیں گے اور تجھے دفن کر دیا جائے گا۔

پھر بعض حضرات نے مال روک کر اسے محبوب رکھنے والے کے بارے میں ایک قدم بڑھ کر گوہر افشانی کی اور یہ اشعار کہے۔

اراک تؤمل حسن الثناء
ولم یرزق اللہ ذاک بخیلا
وکیف یسود اخو بطنۃ
یمن کثیرا ویعطی قلیلا

(ترجمہ) مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو لوگوں سے تعریف کا خواستگار ہے اور اللہ رب العزت اچھی تعریف کے چرچے کی نعمت بخیل کو عنایت نہیں فرماتے اور ایسا آدمی کیسے قوم کی رہبری کر سکتا ہے جو اپنے مال کو چھپا کر رکھتا ہوا احسان جتلانے کا ڈھونڈھورا گلی بازار پیٹتا ہو اور مرحمت وعنایت میں رائی کے دانے کا حساب بھی رکھتا ہو۔

ہم نے تفصیل سے حب مال اور حب ثناء کو بیان کر دیا ہے اس لئے مدح سرائی مال خرچ کرنے پر ابھارتی ہے اور حب مال خرچ کرنے سے منع کرتی ہے پس اگر دونوں صفتیں کسی میں ظاہر ہوں تو اس میں حب ثناء چھوٹی ہوگی۔ (واللہ اعلم وعلمہ اتم)

برائی کا ذریعہ چار عادتیں:

یہ ظاہر ہو چکا کہ بخل برے اخلاق میں سے ہے اگرچہ ہر برائی کا ذریعہ چار قسم کی بری عادتیں ہیں جو حرص، لالچ، بدگمانی اور حقوق سے روکنا ہے۔

حرص کہتے ہیں انتہائی محنت کرنا اور طلب میں حد سے تجاوز کرنا۔

لالچ کہتے ہیں بقدر ضرورت ہوتے ہوئے مال کثیر کو حاصل کرنا۔ حرص اور لالچ میں یہ فرق ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بقدر ضرورت پر کفایت نہ کرے اسے زندگی بھر کوئی چیز غنی نہیں کر سکتی؟ کسی حکیم کا قول ہے کہ لالچ طبیعت کی کمینگی ہے۔

بدگمانی: قابل اعتماد لوگوں پر اعتماد نہ کرنا اگر بدگمانی خالق کے ساتھ ہو تو یہ گمراہی کی طرف لے جائے گی اگر مخلوق سے ہو تو یہ خیانت ہے اور اس لیے کہ انسان کا گمان دوسرے کے ساتھ اپنی سمجھ کے اعتبار سے ہوتا ہے اگر وہ اپنے نفس میں خیر پاتا ہے تو دوسرے سے گمان خیر کا کرتا ہے اور اگر اپنے اندر برائی ہوتی ہے تو دوسرے سے بدگمانی کرتا ہے جیسے مثال مشہور ہے کہ ہر برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے اس پر بظاہر اعتراض ہے کہ پہلے حکماء کا یہ قول گزرا کہ بدگمانی عقل مندی ہے اس کا جواب یہ ہے اس کا مطلب تھوڑی سی لاپرواہی ہے بداعتقادی نہیں۔

حقوق سے روکنا:

اس لئے ہوتا ہے کہ بخیل نفس اپنے محبوب کی جدائی کو برداشت نہیں کرسکتا اور وہ اپنے مقصود کو ترک کرنے پر راضی نہیں ہوتا چنانچہ نہ وہ حق کی طرف کان دھرتا ہے اور نہ انصاف کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس وقت بخیل نفس میں برے اخلاق اور کمینی عادات جمع ہو جاتی ہیں اور اس سے خیر وصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔

حد سے تجاوز اور فضول خرچی:

سخاوت سے تجاوز کرنے والا فضول خرچ ہے جو کہ مذمت کے لائق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ترجمہ: اور اسراف مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہ ہوگا۔ مامون رحمہ اللہ فرماتے ہیں فضول خرچی میں کوئی خیر نہیں اور خیر میں فضول خرچی نہیں کسی حکیم کا قول ہے میانہ روی آدمی کی دوست ہے اور فضول خرچی اس کی دشمن ہے کسی بلیغ کا قول ہے کہ فضول خرچی میں کثیر مال بھی کم ہے اور میانہ روی میں کم بھی زیادہ ہے۔

اسراف اور تبذیر میں فرق:

اسراف کہتے ہیں جہاں کم خرچ کرنا ہو وہاں زیادہ خرچ کرنا اور تبذیر کہتے ہیں جہاں خرچ نہیں کرنا وہاں خرچ کرنا دونوں برے ہیں لیکن تبذیر زیادہ قبیح ہے اس لیے کہ اسراف

کرنا زیادتی میں خطا ہے اور تبذیر میں ناواقفی اور جہل کی وجہ سے غلطی ہوتی ہے اور جسے خرچ کے مواقع اور خرچ کا اندازہ معلوم نہ ہو وہ ایسا ہے جو اپنے کام سے ناواقفیت کی وجہ سے نقصان اٹھائے اور جیسے تبذیر میں یہ ہوتا ہے کہ مال غیر موضع میں خرچ ہوتا ہے اور خرچ کی جگہ کو چھوڑ دیا ہے اس سے اعراض کیا جائے کیونکہ مال کی کمی ہر جگہ پر خرچ کرنے سے مانع ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فضول خرچی اپنے مقابل حق کو ضائع کر دیتی ہے کسی حکیم کا قول ہے غیر مناسب مقام پر خرچ اور مناسب جگہ پر خرچ سے رکنا غلطی ہے سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں مال حلال فضول خرچ کو برداشت نہیں کرسکتا اور اپنے ہاتھ کے مال کو خرچ کرنا سخاوت نہیں بلکہ جو مال دوسرے کے ہاتھ میں ہے اس کے بارے میں بھی نفس میں سخاوت ہو اس لیے دوسرے سے طلب نہ کرے اور خرچ سے رکے نہیں۔

حکایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی ''کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں اپنا خلیل کیوں بنایا؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا میرے رب مجھے معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس لیے کہ تو دینے اور عطا کو پسند کرتا ہے اور مانگنے کو پسند نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا عمل بتایئے جس کی وجہ سے اللہ اور لوگ مجھ سے محبت کرنے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا سے بے رغبتی اختیار کر اللہ تمہیں محبوب بنالینگے اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے رغبت ہو جا لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے ایوب السختیانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی اس وقت تک شریف وکریم نہیں بن سکتا جب تک کہ اس میں دو خوبیاں نہ ہوں لوگوں کے اموال سے پرہیز اور ان سے زیادتی سے پرہیز سفیان ثوریؒ سے پوچھا گیا کہ دنیا سے زہد کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا لوگوں سے بے رغبتی''۔ کسریٰ نے اپنے بیٹے ھرمز کو لکھا اے پیارے بیٹے تو اپنی کثیر عطا کو کم سمجھ اور جو لیا ہے اسے زیادہ شمار کر کیوں کہ کریم لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ''عطا'' اور ''سخاوت'' میں ہے اور کمینوں کی خوشی لینے میں ہے اور بخیل کو امانت دار مت سمجھ اور نہ جھوٹے کو آزاد خیال کر کیونکہ بخل کے ساتھ عفت اور پاکدامنی قائم نہیں رہ سکتی اور نہ جھوٹ کے ساتھ مروت باقی رہتی ہے کسی

حکیم کا قول ہے سخاوت کی دو قسمیں ہیں ان میں سے بہترین قسم یہ ہے کہ تو غیر سے لینے سے رک جائے کسی خطیب کا قول ہے کہ سخاوت یہ ہے کہ تو اپنے مال کو خرچ کرے اور غیر کے مال سے بچے کسی صوفی کا کہنا ہے کہ زہد کی انتہاء سخاوت ہے اور سخاوت کی انتہا زہد ہے کسی شاعر نے کہا ہے ترجمہ ''جب آدمی میں شرافت نہ ہو چاہے وہ کتنے ہی مرتبے والا ہو اس کے لیے کوئی عزت و شرف نہیں''

خرچ کرنے دو طریقے:

پہلا یہ کہ انسان بغیر طلب اور سوال کے دیدے اور دوسرا یہ کہ طلب اور مانگنے سے دے لیکن بلا مانگے دینا طبعی سخاوت ہے اور سخاوت ہی سب سے بہتر ہے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے سخاوت کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا کہ ابتداً احسان ہو اور جو سوال کرنے سے دیا جائے وہ شرم و حیاء کی وجہ سے ہے کسی حکیم نے فرمایا بہترین عطا وہ ہے جو سوال سے پہلے پہنچ جائے کسی شاعر نے کہا (ترجمہ) وہ جوان جو مال سے بیزار ہے اور مروت یہ ہے کہ مال سے بیزار نہ ہو جس نے تمہیں مانگنے سے پہلے دیا تو اس نے تمہیں سوال کی برائی سے بچالیا''۔

سخاوت جو بلا سوال کی جائے وہ نو اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۱) پہلا سبب: سخی انسان کوئی حاجت مند یا فاقہ زدہ آدمی کو دیکھتا ہے اور وہ حاجت کو پورا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے تو پھر سخاوت اور دین کی بنا پر وہ اس کی حاجت کو پورا کرتا ہے اگر اس میں دین ہے تو اجر کی رغبت کے ساتھ اور اگر سخاوت کی وجہ سے ضرورت پوری کی تو اسے شکر کی امید ہوتی ہے العتاھیہ کا شعر ہے (ترجمہ) لوگ بھلائی اور برائی کرنے کے لئے استعمال ہونے والے آلات ہیں''۔

سبب دوم: انسان اپنے مال کو اپنی ضرورت سے زائد سمجھتا ہے اور اس کے ہاتھ کا مال قدر کفایت سے زیادہ ہے پھر اس بات کو وہ غنیمت سمجھتے ہوئے وہ مال وہاں خرچ کرتا ہے جہاں اس کا مال بہترین ذخیرہ اور غنیمت شمار کیا جائے حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس شخص نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا جس نے تجھے اپنی بڑائی کا مکلف بنایا اور اپنے مال سے

روک دیا''۔

ہند بنت خس سے پوچھا گیا تیری نظر میں لوگوں میں سب سے عظیم کون ہے؟ اس نے جواب دیا جو میری ضرورت پوری کرے کسی شاعر نے کہا (ترجمہ) وہ مال ضائع نہیں ہوا جس نے اپنے مالک کو قابل تعریف بنایا لیکن بخیل کا مال ضائع ہوتا ہے۔

سبب سوم: کوئی ایسی بات جو دوسرے کے لیے کہی جائے لیکن آدمی اپنی سمجھ یا اشارے کی وجہ سے خیال کرتا ہے کہ اسی سے مقصود سخاوت اور کرم کرنا ہے چنانچہ یہ سخاوت سے غفلت نہیں کرتا اور نہ حیا اسے خرچ کرنے سے روکتی ہے چنانچہ حکایت ہے کہ کوئی شخص کسی حاکم کے پاس گیا تو اس حاکم نے پوچھا تمہارے ٹٹو کو کس چیز نے کمزور کر دیا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ اس کا وظیفہ ہمارے وظیفے میں سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس اشارے پر اس نے اکتفاء کیا جو صریح اور ظاہر سوال کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے اسی وجہ سے اکثم بن صیفی کا قول ہے کہ سخاوت اچھی سمجھ کا نام ہے اور کمینگی انتہائی و بری غفلت کو کہتے ہیں چنانچہ قصہ ہے کہ عبید اللہ بن سلیمان نے جب معتضد کی وزارت سنبھالی تو ان کی طرف عبید اللہ بن عبداللہ بن طاہر نے یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

(ترجمہ) ہمارے زمانے نے ہماری مدد سے انکار کر دیا اور زمانے نے ان کی مدد کی جن سے ہمیں محبت ہے اور ان کا ہم اکرام کرتے ہیں اس وجہ سے میں نے زمانے کو کہا کہ تیرا انعام ان لوگوں میں پورا ہے تو ہمارا معاملہ چھوڑ دے اس لیے کہ اہم چیز مقدم ہوتی ہے عبید اللہ بن سلیمان نے کہا کہ اس نے کیا ہی اچھے انداز سے شکایت کی ہے جس کی وجہ سے اس کی مدح میں اضافہ ہوا اور اپنی بات بھی پوری کر دی۔

سبب چہارم: سخاوت کا چوتھا سبب یہ ہے کہ سخاوت انتظام کی بنا پر ہو یا کسی کام کے بدلے میں ہوتی ہے چنانچہ وہ خرچ کرنے پر عزت یا شکر گزاری کی وجہ سے راضی ہوتا ہے تاکہ اس کے احسان اور انعام کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔

حکیم کا قول ہے کہ احسان غلامی ہے اور احسان کا بدلہ دینا آزادی ہے ابوالعتاہیہؒ کا شعر ہے (ترجمہ) لوگوں کے احسانات میرے نزدیک غنیمت اور خوشی نہیں ہیں اس لئے کہ

بعض احسان قید سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

سبب پنجم: پانچواں سبب یہ کہ سخاوت کے ذریعے اپنے مرتبے کا یقین یا عظمت کا اقرار کرانا مقصود ہے اور اس مرتبے کو مضبوط کرنا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور اس کی طلب میں لگا ہوا ہے کسی شاعر کا شعر ہے (ترجمہ) رتبے اور حکومت کی محبت ایسی بیماری ہے جس کی دوا نہیں اور بہت کم مرتبہ چاہنے والے تقسیم اور باری پر راضی ہوتے ہیں"۔

مرتبے اور عہدے کی چاہت کی بنا پر لوگوں کی ضروریات کو وہ خوشی سے نہیں بلکہ نرمی کی وجہ سے پوری کرتا ہے اور انہیں محبت اور مدد کا یقینی دلاتا ہے کسی ادیب کا قول ہے کہ احسان انسان کو باندھ لیتا ہے کسی خطیب نے فرمایا جو اپنا مال خرچ کرتا ہے اپنی امیدیں پالیتا ہے"

سبب ششم: چھٹا سبب یہ ہے کہ سخاوت کے ذریعے دشمنوں کے غلبے کو ہٹاتا ہے اور ان کی نفرت کو روکتا ہے تاکہ دشمن دوست بن جائیں اور دشمنی چھوڑ کر بھائی ہو جائیں یہ صرف عزت اور مرتبے کو بچانے کے لئے ہوتا ہے۔

کسی ادیب نے کہا جس کی سخاوت بڑی ہوگی اس کی دوستی اور تعلق بھی عظیم ہوتا ہے۔

سبب ہفتم: اپنے قدیم محسنوں پر احسان کرنا اور ان کے احسان کو یاد رکھنا کیونکہ نیکی اور احسان کو بھلانے والا بے کار اور گمراہ ہے کسی شاعر نے کہا ہے (ترجمہ) میں نے کسی کے ساتھ بڑا احسان کیا پھر اسے بھول گیا اور احسان میں برتری دکھانا سب سے افضل کام ہے۔

سبب ہشتم: سخاوت کا آٹھواں سبب محبت ہے کہ محبوب کی محبت کو مال پر ترجیح دینا اور اس پر بخل نہ کرنا اس لذت کی بنا پر جو محبوب کی قربت سے حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ دل میں محبوب کا شوق بھرا ہوا ہے کسی شاعر نے کہا۔

فما زرتکم عمدا ولکن ذاالھوی

الی حیث یھوی القلب تھوی به الرجل

(ترجمہ) میں قصداً تمہاری زیارت نہیں کرتا بلکہ یہ محبت ہے کہ دل جہاں چلا جاتا ہے آدمی وہیں جاتا ہے"۔

یہ قسم اوراسی طرح پانچویں اور چھٹی قسم سخاوت میں سے نہیں ہے اگر چہ ان کا تعلق مال خرچ کرنے سے ہے۔

سبب نہم: نواں سبب یہ ہے کہ سخاوت بلا کسی وجہ کے کرتا ہے اس لیے کہ اس شخص کی فطرت اور طبیعت میں سخاوت ہے اس لیے وہ خرچ کرنے میں مستحق اور غیر مستحق اور اچھے اور برے میں تمیز نہیں کرتا جیسا کہ شاعر نے کہا۔

لیس یعطیک للرجاء ولا للخوف لکن یلذ طعم العطاء

(ترجمہ) تجھے جو عطاء کی ہے یہ امید یا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اسے عطاء کرنے میں مزا آتا ہے''۔

اس میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ عطا کی یہ قسم سخاوت میں داخل ہے تا کہ اس کی تعریف ہو؟ یا سخاوت سے خارج ہے کہ اس کی مذمت کی جائے؟ بعض نے کہا کہ یہ شخص طبعاً سخی اور کریم ہے اور یہ تعریف اور مدح کا زیادہ حقدار ہے۔

صرف مستحق کو دینا مستحسن نہیں:

حسن بن سہیل کہتے ہیں جب میں کسی مستحق ہی پر عطا کروں تو یہ ایسا ہے کہ میں نے کسی قرض خواہ کو دیا اور فرمایا شرف وعزت اسراف میں ہے۔'' پوچھا گیا کہ اسراف میں تو کوئی خیر نہیں؟ جواب دیا کہ خیر میں خرچ کرنا اسراف نہیں فضل بن سہل کہتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے ایسے شخص پر جو اوپر والے سے امید رکھتا ہے لیکن اپنے سے نیچے لوگوں کو محروم کرتا ہے۔

لیکن بعض کہتے ہیں کہ عطا کی یہ قسم سخاوت کے بجائے سخاوت سے خارج اور مذموم اسراف اور تبذیر ہے اس لیے کہ عطا بلا سبب کرنا یہ صاحب سبب سے عطا کو روکنا ہے۔ اس لئے کہ مال حقوق اور واجبات سے کم ہے جب غیر مستحق کو دیا تو مستحق محروم رہے گا اور مستحق کو منع کرنے کی برائی غیر مستحق کو دینے کے تعریف سے زیادہ ہے اور اس کی صرف اتنی برائی

ہی کافی ہے کہ اس کے افعال بلا سبب اور علت کے صادر ہوتے ہیں''۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا۔

(ترجمہ) اور اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ کر مت رکھ اور نہ ہی اسے پوری طرح کھول دے ورنہ تو ہو بیٹھے گا ملامت کرنیوالا افسوس کرنے والا ہو کر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جس طرح بخل سے روکا ہے اسی طرح بے دریغ خرچ کرنے سے بھی روکا ہے یہ آیت دونوں امور پر عمل کرنے کو قابل مذمت اور دونوں پر ملامت ہونے کو بتاتی ہے کسی شاعر کا قول ہے کہ

وكان المال ياتينا فكنا نبذر وليس لنا عقول
فلما ان تولى المال عنا عقلنا حسين ليس لنا فضول

(ترجمہ) اور مال ہمارے پاس آتا تھا اور ہم خوب لٹاتے تھے اور ہمارے پاس عقلیں نہ تھیں پھر جب مال جا چکا تو ہمیں عقل آ گئی لیکن اب ہمارے پاس فاضل مال ہی نہیں ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ بخشش کرنا اور نہ دینا جب بغیر علت اور وجہ کے ہوں تو یہ ایسا کرنے والے کو ممنوع چیز کی مذمت اور دی ہوئی چیز کے کم سے کم شکر کی طرف لیجاتے ہیں ممنوع اسلئے کہ یہ آدمی دوسرے کو اس شخص پر فضیلت دے رہا ہے۔ بخشش کردہ چیز کا کم سے کم شکر اسلئے ہو رہا ہے کہ یہ چیز اتفاقاً بغیر علت کے اس کے پاس آ گئی ہے اور مزید یہ آدمی بخشش کردہ چیز سے کئی گنا زیادہ چیز بھی اتفاقاً حاصل کرنے کی امید کرنے لگے گا جو کہ اسے مذمت کے اکٹھا کرنے اور شکر میں کمی کی طرف لیجائے گا اور جہاں یہ عمل لے جا رہا ہے ان دونوں چیزوں میں خیر کی کوئی امید نہیں ہے بلکہ وہ ایک قابل احتراز شر ہونے کے لائق ہے۔

عطیہ علت کی بناء پر ہونے کی شرائط:

اگر بخشش اور خرچ کرنا کسی سوال اور طلب کی وجہ سے ہو تو کچھ شرطیں سائل اور کچھ

شرطیں مسئول میں ہونا ضروری ہیں سائل کے لئے تین شرطیں ہونا ضروری ہیں۔

پہلی شرط: یہ ہے کہ سوال اور طلب کسی سبب اور ضروری امر سے ہو۔ چنانچہ اگر سوال ضرورت کے تحت ہو تو اس سے حرج ہٹ جائے گا اور کوئی ملامت نہیں ہوگی۔

بعض حکماء نے کہا: ضرورت ایسی چیز ہے جس سے صورت بے باک ہو جاتی ہے۔

چنانچہ اگر ضرورت ختم ہو جائے اور حاجت اس بات کی مقتضی ہو کہ بہتر یہ ہے کہ ایسا ہو جائے اور دو صورتوں میں سے یہی بہتر ہو تو نفس ضرورت پر غالب آجائے گا اور طلب میں آگے بڑھے گا اور جس بات سے حالت بہتر ہو اس کی رعایت کرے گا اگرچہ اس وجہ سے ذلت نصیب ہو اور کمزوری لاحق ہو کیونکہ بقول بحتری کبھی کبھار ناپسندیدہ امور پسندیدہ بات کا سبب بن جاتے ہیں اور اس جیسا کوئی سبب نہیں ہوتا۔ وہ کہتا ہے۔ **و ربما کان مکروہ الامور الی محبوبھا سبا ما مثلہ سبب۔**

اور معزز نفس بچنے اور حفاظت کو چاہتا ہے تکلیفیں سختیاں برداشت کرتا ہے جتنی کر سکتا ہے چنانچہ اس کی برداشت باقی اور حفاظت دائمی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا وہ لعنت ونحوست کے راستوں پر خراب اور آلودہ ہونا نہیں چاہتا کیونکہ ان راستوں پر صرف جانور چلتے ہیں اور یہ سوچ کر وہ کترا جاتا ہے۔

شاعر کہتا ہے:

شیر بھوکا ہونے کے باوجود مردار پر لپکتا نہیں جس کے کتے ارد گرد گھومتے ہیں۔

چنانچہ بافضیلت انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے کیا اسے اچھا لگے گا کہ جانور اس سے زیادہ فضیلت والے ہو جائیں۔

شاعر کا قول ہے۔

انسان ہر حال میں اپنا توشہ کھاتا ہے چاہے وہ بدحال ہو تنگ دست یا کوئی اور حادثہ پیش آئے۔

بعض زہاد سے سوال کیا گیا کہ۔۔۔ ''اگر تم اپنے پڑوسی سے کچھ مانگو تو کیا وہ دے دے گا؟ اس پر انہوں نے کہا: بخدا! میں تو اس ذات سے دنیا نہیں طلب کرتا جو اس دنیا کا

مالک ہے تو میں کیسے اس شخص سے دنیا طلب کروں جو دنیا کا مالک نہیں''۔

بعض شعرا نے کسی قوم کی تعریف شعر میں اس طرح کی ہے۔

اذا افتقروا اغضو علی الضر حسبة و ان ایسرو عادوا اسرا عا الی الفقر

جب وہ لوگ محتاج ہوتے ہیں تو تکلیف کو عزت کی وجہ سے برداشت کر کے رکھتے ہیں لیکن اگر وہ مالدار ہو جائیں تو جلد از جلد فقر کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

جو آدمی بغیر ضرورت اور بغیر حاجت کے سوال کرتا ہے تو یہ سوال کرنا صریح ملامت ہے اور محض بے مروتی ہے۔ اس طرح بے مروتی سے مال جمع کرنے والے اور سوال کرنے والے بہت ہی کم نظر میں آنے والے یا محفوظ مالدار ہوتے ہیں۔

کیونکہ محرومی انہیں رزق کی تنگی کی جگہوں پر اور ملامت برے کھانے کی جگہ لے جاتی ہے۔ چنانچہ ایسے آدمی کے چہرے پر پانی نہیں رہتا ہوتا ہے تو وہ اسے گرا دیتا ہے اور یہ ہر ذلت چکھتا ہے اگر کوئی عار کو برا سمجھے اور ذلت سے بچنا چاہے تو وہ آدمی سوال کرنے کے بجائے وہ ایسی کمائی کا راستہ اختیار کریگا جس سے اس کا خرچہ پورا ہو سکے اور اسکی عزت بھی محفوظ ہو۔

شاعر کہتا ہے۔

لا تطلبن معیشة بتذلل فلیا تینک رزقک المقدور

و اعلم بانک آخذ کل الذی لک فی الکتاب مقدر مسطور

ذلت کے ساتھ ہرگز معیشت کو طلب نہ کر اسلئے کہ مقدر رزق تیرے پاس ضرور آئے گا جان لو اے مخاطب تو اس رزق کو لینے والا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لوح محفوظ میں لکھ کر مقدر کر دیا ہے۔

دوسری شرط: سوال کی دوسری شرط یہ ہے کہ زمانہ سازگار نہ ہو اور تاخیر کا وقت بھی نہ ہو اور اپنے حالات بھی صحیح نہ ہوں تو یہ آدمی معذورین اور مضطرین میں شامل ہو جاتا ہے تو ایسا آدمی سوال کر سکتا ہے۔

لیکن اگر زمانہ سازگار ہو اور حالات بھی درست ہوں وقت میں گنجائش بھی ہو تو اس

صورت میں دست دراز کرنا (سوال کرنا) قابل ملامت اور نا امیدی ہے۔

تیسری شرط: سوال میں تیسری شرط یہ ہے کہ سوال کرنے سے اپنی مطلوب چیز پانے کا یقین ہو اور گمان محقق ہو۔

سائل اور مسئول کے احوال:

پھر سائل اور مسئول کے احوال کی کل چار صورتیں ہیں۔

پہلی حالت: یہ ہے کہ اگر واقعۃً سائل مستحق ہو اور مسئول کے پاس مال بھی ہو تو اس صورت میں سائل کو دینا باعث عزت اور مروۃ لازم ہے اس صورت میں وہی آدمی سائل کو رد کر سکتا ہے جو بخیل ہو اور اپنی مذمت کو ہلکی سمجھتا ہو۔

اللہ کی پناہ ہے اس صاحب ثروت آدمی سے جو اپنا مال خرچ کرنے سے باز رہتا ہے اور اچھے حال کا مظاہرہ نہیں کرتا جبکہ یہ آدمی اس طرح خرچ کرنے سے آخرت میں نیکیوں کا ذخیرہ اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کا شکر کرنے والا ہوتا ہے۔

ایک بخیل آدمی سے کسی نے پوچھا: تو نے اپنے مال کو خرچ کرنے کے بجائے کیوں روکے رکھا ہے؟ اس نے جواب دیا مصائب کیلئے روکے رکھا ہے۔ اس کے بارے میں منقول ہے کہ پھر یہ شخص مصائب میں گرفتار ہو گیا۔

گویا اس بخیل آدمی نے اپنا حق ساقط کیا اور شکر کے اسباب کو دور کیا تو مشکور کے بجائے مذموم ہو گیا کیونکہ اس کا کوئی حق نہیں رہا اور اسے اجر کے بجائے گناہ ملے اس صورت میں جب رد کرنے کی کوئی راہ نہیں تو ذرا غور کرے چنانچہ اگر تاخیر سے مطالبہ قبول کرنا اس لئے مضر ہے تو اس صورت میں سائل کا مطالبہ جلدی پورا کر دینا چاہیے اور ٹال مٹول نہیں کرنا چاہیے اور ہونا یہ چاہئے کہ اس کے کام پر لبیک عمل کر کے کہے اور قول پر عمل ہونا چاہئے حکماء کہتے ہیں: مسئول کی مروت یہ ہے کہ سائل کی فوراً فریاد رسی کرے اور اس کو الحاح وزاری کی نوبت آنے نہ دے۔

محمد بن حازم نے کہا: بہت سے تیری بخشش کے سوال کرنے کا انتظار کرنے والے

ہیں کہ ان کے عطایا سے سوال کرنا زیادہ باعث عزت ہے۔ اگر تیرے پاس نیکی آسانی سے نہ آئے تو اس کو چھوڑ دے چنانچہ اس سے بچنا بھی مال ہے۔

اولاً سائل سے وعدہ کرنا بہتر ہے یا حاجت روائی؟

اگر وقت باقی ہے اور تاخیر سے دینے میں گنجائش ہے تو اس بارے میں مختلف مذاہب ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سائل سے وعدہ کرنا بہتر ہے اس کے بعد فعلاً انجام دینا چاہئے۔ تا کہ سائل کو اس طرح وعدہ سے اور بعد میں مطلوبہ چیز ملنے سے خوشی ہو اور مسئول کو صاحب کرم اور وفامنش کہا جا سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے العدة عطية کہ وعدہ کرنا ''عطیہ'' ہے۔

فضل بن سھل نے ایک سائل سے جس نے اپنی کسی حاجت کے بارے میں سوال کیا تھا'' کہا میں آج وعدہ کرتا ہوں اور کل پورا کروں گا تا کہ تم امید کی حلاوت چکھو اور میں اس کے ذریعہ وفا کے کپڑے کی زینت حاصل کرلوں۔

یحیٰ بن خالد نے ایک حاجتمند سے وعدہ کیا تو ان سے کہا گیا کہ آپ اپنا وعدہ پورا کرنے پر قادر ہیں؟ انہوں نے کہا حاجت روائی سے پہلے وعدہ نہ کیا جائے تو سائل کو خوشی حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ وعدہ کی مثال مزے کی طرح اور حاجت روائی کھانے کی طرح ہے۔ جس شخص کو اچانک کھانا مل جائے وہ اس شخص کی طرح مزہ حاصل نہیں کر پاتا جو پہلے کھانے کی خوشبو سونگھے اور پھر کھانا کھائے۔ جو آدمی کھانے کی خوشبو کو پاتا ہے وہ کھانا بھی کھالیتا ہے۔ حاجت کو وعدہ کے ساتھ ڈھانپ لینا چاہیے تا کہ حاجت روائی سے قبل اس کے سرور کا مزہ چکھ لے اور حاجت روائی کے وقت کھانے کی طرح سواد آئے۔

بعض بلغانے کہا! جب تم نے اپنے قول کو بہتر طریقے سے پیش کیا تو فعل کو بھی احسن طریقے سے پیش کرو تا کہ زبان اور احسان دونوں کا ثمرہ جمع ہو جائے اور تم جو کام نہیں کر سکتے اس کے بارے میں بات بھی مت کہو کیونکہ کسی گناہ اور لاحق ہونے والے عجز سے خالی نہیں ہو

دوسرا قول:

بعض حضرات کہتے ہیں: بغیر وعدہ کے حاجت روائی کرنا زیادہ بہتر ہے۔ دو میں سے ایک آدمی وعدہ کو حاجت روائی سے مقدم کرتے ہیں پہلا وہ حاجت روا آدمی جو سائل کی جدوجہد کو دیکھے دوسرا وہ بخیل جو اپنے نفس کو اس کام کے لئے تیار کر رہا ہو ان دو اشخاص کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں جس میں حاجت روائی سے قبل وعدہ صحیح ہو۔ جبکہ حالات خوشحالی اور تندرستی میں دن رات کی طرح تبدیل ہو رہے ہیں۔

علماء کہتے ہیں کہ وعدے سے رجوع توڑ دیگا اور وعدے کی توقع میں انتظار کی کڑواہٹ ہوتی ہے اور چیز دیکر واپس مانگنے میں فیصلہ کی بے وقعتی اور احسان کو ذلیل کرنا ہے جو اس کی نیکی کو مکدر اور شکر کو عیب لگا دیتا ہے"

دوسری حالت:

یہ ہے کہ اگر سائل مستحق نہ ہو اور مسئول صاحب خیر بھی نہ ہو تو اس صورت میں رد کرنے کی گنجائش ہے اور نہ دینے میں کوئی قباحت نہیں لیکن رد اس طرح کیا جائے کہ سائل کو کوئی شرمندگی اٹھانی نہ پڑے اور مسئول بھی کسی عذر کے تحت جواب دے سکے کیونکہ نہ تو ہر کمی والا جانتا ہے اور نہ ہی ہر معذور انصاف کرتا ہے۔

تیسری حالت:

یہ ہے کہ سائل مستحق ہو جب کہ مسئول صاحب حیثیت نہ ہو تو اس صورت میں مسئول ایسی راہ اپنائے جس سے اسکی عادت ختم ہو جائے اور اس سے مذمت بھی دور ہو جائے اور ایسی صورت پیدا کرے جس سے آسانی سے معذرت کر سکے اور اندر کے درد کا بھی اظہار کر سکے جس کی وجہ سے وہ منع کرنے پر معذور سمجھا جائے اور سائل کا درد محسوس کرنے پر اس کا شکر کیا جائے۔

ابونصر العتبی کہتا ہے:

الله یعلم انی لست ذابخل ولست ملتمسا فی البخل لی عللا

لکن طاقة مثلی غیر خافیة والنمل یعذر فی القدر الذی حملا

(ترجمہ) اللہ جانتا ہے کہ میں بخیل نہیں ہوں اور نہ ہی بخل کے لئے کوئی علت تلاش کرتا ہوں لیکن میری طاقت کسی پر مخفی نہیں ہے چیونٹی عذر کرتی ہے اس مقدار میں جس کو وہ اٹھاتی ہے بعض دفعہ کاروبار کے ختم ہونے کی وجہ سے نیک کام کرنے سے عاجز ہونے اور اس کی عادت ختم ہونے پر افسوس کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا جسم کمزور ہو جاتا ہے اور پریشانی بڑھ جاتی ہے۔

چوتھی حالت:

یہ ہے کہ سائل مستحق نہ ہو اور مسئول صاحب حیثیت ہو اور خرچ کرنے پر قادر بھی ہو اور سائل کو رد کرنے سے بے عزتی اور کھرا کھوٹا سننے کا خوف ہو تو اس صورت میں خرچ کرنا مندوب ہوگا لیکن یہ خرچ عزت بچانے کی وجہ سے ہوگا نہ کہ سخاوت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے "ماوقی به المرء عرضه فهو له صدقة" یعنی "جو آدمی عزت کے تحفظ کیلئے خرچ کرتا ہے وہ اسکے لئے صدقہ ہے"۔ اگرچہ اس سے اسکی عزت محفوظ ہو اور وہ آدمی اس سے مامون بھی ہو۔ کیونکہ بعض لوگ ایسے ہیں جو حاجت کو ترجیح دیتے ہیں اور خرچ کرنے کا حکم دیتے ہیں تا کہ ناکامی اور ناامیدی کا سامنا کرنا نہ پڑے اور اس لئے بھی کہ مسئول میں رد کرنے کی عادت ہو اور وہ منع کرنے کو جو کنجوسی تک پہنچا دیتا ہے بہت آسان سمجھتا ہو۔

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اسباب کی طرف نظر رکھتے ہیں اور سائل کے احوال بھی دیکھتے ہیں اگر سائل مستحق ہو تو ان کو دینے میں کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور اگر سائل مستحق نہیں ہے تو نہ دینے کو مناسب سمجھتے ہیں تا کہ دوسرے کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

شاعر کا شعر ہے۔

لاتجد بالعطاء فی غیر حق لیس فی منع غیر ذی الحق بخل

انما الجود ان تجود علی من ھو للجود و الندی منک اھل

غیر مستحق کو دے کر سخاوت مت کر اور غیر مستحق کو نہ دینا بخل نہیں ہے۔

بے شک سخاوت یہ ہے کہ تو اس آدمی کو دے جو سخاوت اور مہمانی کا اہل ہو۔

جو صاحب خیر سائل کا جواب دے کر خرچ کرنے کا وعدہ کرتا ہے تو یہ اس وعدہ کے ذریعہ خرچ کرنے کا پابند ہو جاتا ہے اور سائل کا حق اس کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے۔ اب وعدہ کرنے کے بعد رد کرنے کی کوئی صورت نہیں رہتی رد کرنے کی صورت میں بخل پر ملامت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور جھوٹ کے وبال جیسی بری صفت لازم آتی ہے اور ٹال مٹول کرنے کی بھی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اس لئے کہ ٹال مٹول سے نیکی خراب ہو جاتی ہے اور انسان ناشکرا بن جاتا ہے عرب کا محاورہ ہے ٹال مٹول ناکامی کا ایک ذریعہ ہے اور امید دلانا کامیابی کا ایک ذریعہ ہے۔ وعدہ کرنے کے بعد جب اس کام کو سرانجام دے دیا جائے تو اس کے بعد خواہشات نفسانی کی بالکل اتباع نہ کی جائے بلکہ اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کی توفیق دی ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الید العلیا خیر من الید السفلی۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے''۔

شعر

فانک لاتدری اذا جاء سائل — أأنت بما تعطیه ام هو اسعد

عسی سائل ذو حاجة ان منعته — من الیوم سولاان یکون له غد

تجھے معلوم نہیں جب سائل تیرے پاس حاجت لے کر آئے کیا تو عطیہ دے کر زیادہ نیک بخت ہے یا وہ؟ اگر تو آج اس کی التجا کو رد کر دے تو شاید کل کا دن اس کا ہو۔

صاحب خیر کو مدد کرنے سے خوشی ہونی چاہیے

صاحب خیر کو اس بات پر خوشی ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے رزق مقدر کو اس کے ہاتھ پر جاری کیا ہے اس کے ذریعے سائل کو رزق مل رہا ہے۔ صاحب خیر رد اور ناامیدی کے ذریعے اس رزق کو دوسرے کے پاس منتقل نہ کر دے۔

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک شخص کسی زاہد شخص کے پاس اپنی کثرت عیال کی

شکایت لیکر حاضر ہوا تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا: تو دیکھ لوگوں میں اس شخص کو جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو پھر اس کو میرے پاس لے آ''۔

کسی کا رزق کسی انسان کے ذمے نہیں:

ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شخص سے کہا جس کو انہوں نے سواری کے بغیر دیکھا کہ تمہارے گھوڑے کو کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا اسکی خوراک مجھ پر بھاری تھی لہٰذا میں نے اس کو فروخت کر دیا۔ ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کیا تو دیکھتا ہے کہ اس گھوڑے نے اپنا رزق تیرے پاس چھوڑ دیا ہے؟

ابن رومی نے اس موقع پر بڑے خوبصورت اشعار کہے ہیں۔

ان للـه غير مـرعـاک مرعی نـر تـعيـه و غير مائک ماء

ان لـلـه بـالـبـرية لـطـفـا سبـق الامهـات والآبـاء

(ترجمہ) بیشک اللہ تعالیٰ کی تیری چراگاہ کے علاوہ چراگاہ ہے جہاں سے ہم رزق حاصل کرتے ہیں اور تیرے پانی کے سوا پانی ہے بیشک اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر ایسا لطف و کرم ہے جو ماں باپ کے لطف و شفقت سے بڑھ کر ہے۔

خرچ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت ہو اور اللہ کے ہاں اس سے زیادہ نعمتوں کی نیت ہونی چاہئے۔

جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک اعرابی آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور شعر کہا:

يـا عـمر الخير جُزيت الجنة اكس بناتی و امهنه

و كـن لـنـا مـن الـزمـان جنة اقسـم بـالله لتفعلنه

''اے نیکوکار عمر! آپ کو جنت ملے میری بچیوں اور ان کی ماں کے لئے کپڑے عنایت کر دیجئے اور میرے لئے زمانہ میں ڈھال بن جایئے میں قسم کھاتا ہوں اللہ تعالیٰ کی کہ آپ یہ کام ضرور بالضرور کر دیں گے''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں نہ کروں تو کیا ہوگا؟ تو اس اعرابی نے کہا کہ میں اسی وقت اے ابا حفص چلا جاؤں گا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرے چلے جانے کے بعد پھر کیا ہوگا؟ تو اس دیہاتی نے بطور شعر کہا:

یکون عن حالی لتسئلنہ   یوم تکون الاعطیات ھنہ

وموقف المسئول بینھنہ   اما الی نارو اما جنہ

آپ سے میری حالت کے بارے میں ضرور پوچھ ہوگی جس دن عطیہ انسان کیلئے فائدہ مند ہوگا اور ان کے درمیان مسئول کا ٹھکانہ اس دن یا آگ ہوگی یا جنت ہوگی"۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ اشعار سن کر رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہوگئی پھر آپ نے غلام سے کہا اس کو میری یہ قمیص دیدو اس دن کیلئے میرا یہ دینا اسکی شعر گوئی کیلئے نہیں بخدا اس قمیص کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں"۔

اگر صدقہ اور عطیہ اس طرح دیا جائے تو کسی قسم کا شکر اور بدلہ لینے کی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ ہی احسان جتانے کی اور یہ طریقہ خرچ کرنے والے کیلئے بہت بہتر ہے اور لینے والے کیلئے بھی مبارک ہے۔

سخاوت سے بدلہ کی نیت نہ ہو:

(معطی) بخشش (صدقہ) کرنے والے کی جب نیت کسی کو عطاء کرنے سے بدلہ لینے یا شکر گذاری یا تعریف کی ہو تو یہ آدمی سخاوت کی حد سے نکل جاتا ہے اس کو سخی نہیں کہا جاتا ہے کیونکہ اگر عطیہ سے مقصد شکر گذاری اور تعریف ہو تو یہ سراسر دکھلاوا اور ریاکاری ہے جو کہ مذموم ہے اور سخاوت کے منافی ہے اور اگر مقصد بدلہ لینا ہے تو یہ ایسے نفع کی امید والی تجارت ہوئی جسکی کوئی تعریف نہیں کی جاتی اور ایسا آدمی تعریف کا مستحق بھی نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِر کی تاویل فرمائی ہے کہ یعنی وہ شخص جو عطیہ دے کر عطیہ سے افضل چیز کی تمنا کرے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ اپنے

اعمال کے ذریعے احسان مت جتلا اللہ پاک کے ذمے تیرا اجر زیادہ ہوگا۔

شریف آدمی عطیہ عزت سے دیتا ہے:

واضح رہے کہ کریم شریف آدمی عطیہ عزت اور اکرام سے دیتا ہے جب کہ کمینہ صفت آدمی کسی کام کے بدلہ یا سختی سے دیتا ہے وہ سخاوت خوف کی وجہ سے کرتا ہے اور جواب بھی سختی سے دیتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

رایتک مثل الجوز یمنع لبر صحیحا و یعطی خیرہ حین یکسر

میں نے تجھے مثل اخروٹ کے دیکھا ہے جب اخروٹ صحیح وسالم ہو تو مغز کو روکے رکھتا ہے جب ٹوٹ جاتا ہے تو پھر اپنی بھلائی عطا کرتا ہے اے مخاطب تو کسی کام کے عوض یا خوف سے عطیہ دینے سے بچ کر رہنا اس لئے کہ اگر اس طرح عطیہ کرو گے تو تجھ پر کمینوں والی صفات جاری ہونگی بلکہ اس طرح عطیہ کر جو رغبت اور اکرام کے طریقے سے ہوتا کہ تجھ پہ کسی قسم کا عیب نہ لگے۔

عباس ابن احنف نے کہا ہے۔

صرت کانی ذبالة نصبت تضی للناس وھی تحترق

(ترجمہ) میں مثل چراغ کی بتی کے ہوگیا جو لوگوں کو روشنی پہنچانے کیلئے لگائی جاتی ہے جبکہ خود جل رہی ہوتی ہے۔

دوسری قسم نیکی کی اچھے کام کرنا ہے۔ اسکی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) قول۔ (۲) عمل

پہلی قسم قول: اچھے کلام (گفتگو) ہنس مکھ چہرے سے ملنا اور بہتر کلام سے دوستی قائم کرنا ہے یہ باتیں حسن اخلاق اور نرم طبیعت سے پیدا ہوتی ہیں لیکن اس میں حد سے تجاوز کرنا صحیح نہیں ہے اگر حدود سے تجاوز ہو جائے تو یہ مذموم چاپلوسی کرنا ہو جاتا ہے بلکہ اس میں میانہ روی اختیار کرنا ہی تعریف کا مستحق ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد۔ وَالبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيرٌ عِندَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَ خَيرٌ اَمَلًا۔ کی تاویل ''اچھے کلام'' سے کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اموال کے ذریعے ہرگز لوگوں کے دلوں میں گھر نہیں کر سکتے بلکہ ہنس مکھ ہوکر اور اچھے اخلاق کے ذریعہ گھر کر سکتے ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی نے یہ شعر پڑھا۔

وحی ذوی الاضغان نسب قلوبھم　　تحیتک الحسنی فقد یدبغ النغل

(ترجمہ) کئی شاخوں والے قبیلوں کے دلوں کو بھی آپ قید کر لیتے ہیں آپ کا اچھی دعا کرنا ان کی کمینگی کو درست کر دیتا ہے۔

ایک اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ شعر پڑھے۔

فان دحوا بالمکر فاعف تکر ما　　وان خفوا عنک الحدیث فلا تسل

فان الذی یوذیک منہ سماعہ　　و ان الذی قالوا اورائک لم یقل

اگر یہ مکر کے ذریعہ فساد مچائیں تو کرم کے ذریعہ آپ ان کو معاف کر دیجئے اور اگر یہ آپ سے کوئی بات چھپا کر کریں تو ان سے مت پوچھئے کیونکہ اس بات کا سننا آپ کو اذیت پہنچائے گا یہ آپ کے پیچھے وہ کچھ کہتے ہیں۔۔۔ جو نہیں کہا جاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض شعر حکمت سے پر ہوتے ہیں اور بعض بیان جادو ہیں

عقابی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا گیا آپ عام لوگوں سے بھی ہنس مکھ اور قربت سے ملتے ہیں تو انہوں نے کہا میں اس طرح احسان بہت آسان عمل کے ذریعے کر دیتا ہوں اور بہت کم خرچ کر کے اچھے دوست کو تلاش کر لیتا ہوں۔

منثور الحکم میں ہے: جس کی حیاء کم ہو جائے اس کے دوست احباب بھی کم ہو جاتے ہیں۔

کسی شاعر نے کہا:

ابنی ان البشر شیئی ھین　　وجہ طلیق و کلام لین

اے بیٹے! بے شک ہنس مکھ ہونا بہت آسان چیز ہے یہ ہنستے چہرے سے ملنا اور نرم بات کرنا ہے۔

دوسری قسم عمل:

نیکی کی دوسری قسم عمل ہے۔ یہ اپنی وجاہت اور شخصیت کو استعمال کرنا اور ان کی مدد کرنا اور مصائب میں کام آنا ہے یہ چیزیں تب آتی ہیں جب انسان کے اندر دوسرے کیلئے بھلائی کی سوچ ہو اور ایثار کا مادہ ہو۔ اس کے اندر نہ تو حدود سے تجاوز ہو سکتا ہے نہ ہی اس کی کوئی حد ہے بخلاف پہلی قسم کے کیونکہ اس دوسری قسم میں کثرت ہو جانے کی صورت میں دو فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح کرنے والا اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اس آدمی کا اچھا ذکر ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ اس آدمی کے ساتھ تعاون مدد اور اس سے پریشانی کا ہلکی کر دینے کا فائدہ ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر نیکی صدقہ ہے۔ ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی کرنے سے انسان گناہ کے پچھاڑنے سے بچ جاتا ہے"۔ ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی اپنے نام کی طرح واضح ہے قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے نیکی اور اس کے کرنے والے ہونگے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ناشکرے کی ناشکری تمہیں نیک کام سے روک نہ دے کیونکہ شکر کرنے والا ناشکرے کی ناشکری کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ شکر ادا کرتا ہے۔

شاعر حطیہ کا قول ہے۔

من يفعل الخير لا يعدم جوازيه　　　لا يذهب العرف بين الله و الناس

(ترجمہ) جو آدمی اچھا کام کرتا ہے اس کا ثواب (بدلہ) معدوم نہیں ہوتا اللہ اور لوگوں کے درمیان اسکی خوشبو ختم نہیں ہوتی"

جو آدمی نیکی کرنے پر قادر ہو اسے چاہیے کہ نیکی کے فوت ہو جانے اور خود کے عاجز ہونے سے قبل اسے کر لے اور جان لے کہ یہ زمانے کی فرصت اور موقع ہے اور اپنی استطاعت و ہمت پر بھروسہ کر کے موخر نہ کرے۔ اسلئے کہ بہت سے استطاعت اور بلند

ہمت والے لوگ ہیں۔ جنہیں اپنی غفلت کی وجہ سے شرمندگی اٹھانی پڑی ہے۔

شاعر کہتا ہے۔

مازلت اسمع (کم من واثق خجل
حتی ابتلیت مکنت الواثق الخجلا

میں ہمیشہ سنتا رہا کہ بہت سے بھروسے اور بلند ہمت والے شرمندہ ہو گئے یہاں تک میں بھی مبتلا ہوا اور بلند ہمت کے باوجود شرمندہ ہوا اگر آدمی زمانے کے حوادثات کو سمجھنے والا اور اس کے برے انجام سے تحفظ پانے والا ہوتا تو اسکی (غنیمت) مال دولت جمع ہو جاتی اور فرض ادا ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کیلئے نیکی کا دروازہ کھل گیا اسے چاہیے کہ اسے غنیمت جان لے معلوم نہیں کہ کب وہ بند ہو جائے''۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا ثمرہ ہے اور نیکی کا ثمرہ آسانی میں جلدی کرنا ہے۔

نوشیروان سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑی مصیبت تمہارے نزدیک کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نیکی پر قادر ہونے کے باوجود نیکی نہ کرنا۔ حتی کہ اس نیکی کا موقع ہاتھ سے نکل جائے۔

عبدالحمید رحمتہ اللہ علیہ کہتا ہے جس نے فرصت کو اپنے وقت سے موخر کیا وہ اس کے ضائع ہونے کا یقین کر لے۔

ایک شخص نے اپنے قریبی رشتہ دار والی کو یہ شعر لکھ کر بھیجے اس والی نے اس کی رشتہ داری کی رعایت میں ذراستی سے کام لیا تھا۔

اعلی الصراط ترید رعیة حرمتی　　ام فی الحساب تمن بالانعام
للنفع فی الدینا اردتک فانتبه　　لحوائجی من رقدة النوام

(ترجمہ) کیا پل صراط پر تو میری رشتہ داری کی رعایت کرنا چاہتا ہے یا حساب کتاب میں انعام کا احسان جتلائے گا میں نے تو دنیا میں فائدے کے لئے اپنی ضروریات میں تجھے چاہا تھا لہذا خوب سونے والے کی نیند سے بیدار ہو جا۔

نیکی کی شرائط:

واضح رہے کہ نیکی کرنے کی کچھ شرائط ہیں۔ جن کے بغیر نیکی مکمل نہیں ہوگی۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس پر جو احسان کیا ہے عطیہ وغیرہ دیا ہے اسکو راز میں رکھے اور یہ کہ اس کی ایسی اشاعت سے باز رہے جس سے اس کا پتہ چلے بعض حکما کہتے ہیں۔ جب تم نیکی کرو تو چپکے سے کرو اور اگر کوئی تمہاری طرف نیکی کرے تو اس کو ظاہر کرو (پھیلاؤ)''۔

باوجود اس کے کہ نیکی کو چھپانا ظاہر کرنے اور نشر کرنے کے قوی اسباب میں سے ہے اس لئے کہ انسان کی فطرت ہے کہ جس کو مخفی رکھنا چاہئے اس کو ظاہر کرتا ہے۔

نیکی کو چھوٹا سمجھئے:

نیکی کی شرائط میں ایک یہ ہے کہ نیکی جتنی بڑی ہو اس کو چھوٹی سمجھنا اور زیادہ نیکی کو بھی کم سمجھنا۔ تاکہ نیکی کرنے والا نیکی کر کے اترانے والا اور مغرور نہ بن جائے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا نیکی کے اندر تین خصلتیں ہونا ضروری ہیں جن کے بغیر نیکی ادھوری رہتی ہے۔

(۱) نیکی جلدی کرنا۔ (۲) نیکی کو چھوٹا سمجھنا۔ (۳) نیکی کو چھپانا۔

اس لئے کہ نیکی جلدی کرنے سے گویا اس کو خوش آمدید کہا اور جب نیکی کو چھوٹا سمجھا تو گویا اسکی عظمت کی اور نیکی کو جب چھپایا تو گویا نیکی کو مکمل کیا۔ کسی شاعر نے کہا۔

زاد معروفک عندی عظما   انہ عندک مستور حقیر

وتناسیت کان لم تأتہ   وھو عند الناس مشھور حظیر

میرے نزدیک تمہاری نیکی کی عظمت بڑھ گئی کہ تم نے نیکی کو حقیر سمجھ کر چھپایا اور تم نیکی کر کے ایسے بھول گئے جیسے تم نے نیکی ہی نہیں کی اور لوگوں کے نزدیک اس نیکی کی قدر بڑھ کر خوب مشہور ہوگئی۔

احسان مت جتلایئے:

نیکی کی شرائط میں ایک یہ بھی ہے کہ نیکی کرنے کے بعد احسان جتلانے سے بچا جائے اور نیکی کرنے کے بعد اپنے عمل سے خود پسندی بھی نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ دونوں صفتیں ناشکری پیدا کرتی ہیں اور اجر وثواب بھی ضائع ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نیکی کر کے احسان مت جتلاؤ اس لئے کہ اس سے ناشکری پیدا ہوتی ہے اور اجر وثواب ضائع ہوتا ہے اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی۔ لَاتُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی''۔ (ترجمہ) اور اپنی نیکیوں کو احسان جتلا کر اور اذیت دیکر باطل مت کرو۔

حضرت ابن سیرین نے ایک شخص کو دوسرے سے یہ کہتے ہوئے سنا میں نے یہ نیکی کی یہ نیکی کی۔ اس پر حضرت ابن سیرین نے کہا کہ خاموش ہو جاؤ اسلئے کہ نیکی کی اس وقت کوئی وقعت نہیں ہوتی جب اس کو گنا جائے''۔

بعض حکماء کہتے ہیں: احسان جتلانا نیکی کو ختم کر دیتا ہے بعض ادباء کہتے ہیں نیکی کو ''احسان جتلانا'' گدلا کر دیتا ہے اور شرافت کو حقارت ضائع کر دیتی ہے۔

بعض بلغاء کہتے ہیں جس نے نیکی کر کے احسان جتلایا اس نے شکر کو ساقط کر دیا اور جو نیکی کر کے خود پسند ہو گیا تکبر کرنے لگا۔ اس نے اجر وثواب کو ضائع کر دیا بعض فصحاء کہتے ہیں کہ نیکی کی قوت احسان جتلانے کی کمزوری سے ہے یعنی احسان جتلانا جتنا کم اور ضعیف ہوگا نیکی اتنی ہی طاقتور ہوگی۔

نیکی کو حقیر مت سمجھئے:

نیکی کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نیکی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اگر چہ وہ تھوڑی اور کم ہو اس لئے کہ بعض مرتبہ نیکی کرنے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں لیکن انسان نیکی کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ جس نے تھوڑی اور کم نیکی کو حقیر سمجھا وہ آدمی اس نیکی کو کر نہیں پاتا تو زیادہ نیکیاں بھی ہاتھ سے چلی جاتی ہیں تھوڑی نیکی کو بھی انجام دینا اسے ترک کر دینے سے

افضل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں نیکی کا چھوٹا ہونا اسے کرنے سے نہ روکے۔ عبدالرحمٰن بن جعفر کہتے ہیں کہ تھوڑی سی نیکی کرنے سے بھی شرم نہ کر اس لئے کہ بخل اس سے بھی کم ہے اور زیادہ نیکی کرنے میں بزدلی کا مظاہرہ نہ کرنا اس لئے کہ تو اس سے بڑھ کر ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اعمل الخير ما استطعت و ان كا ن قليلا فلن تحيط بكله

ومتى تفعل الكثير من ار خير اذا كنت تار كا لاقله

(ترجمہ) جتنی استطاعت ہے نیکی کے کام کرو اگرچہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ تو ساری نیکیوں کا احاطہ نہیں کرسکتا اور تو زیادہ نیکی کب کریگا جب کہ تو کم نیکی کا بھی تارک ہے۔

وجاہت کو استعمال کیجئے:

جب یہ بات طے ہے کہ ایک نیکی وہ ہے جو کرنے والے پر کلفت اور مشقت نہیں ہوتی اور یہ نیکی وجاہت ہے جس سے کم درجہ آدمی سایہ حاصل کرتا ہے اور ماتحت نرمی پاتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا کہ۔

ظل الفتى ينفع من دونه وماله فى ظله حظ

(ترجمہ) نوجوان کا سایہ دوسرے شخص کو فائدہ دیتا ہے حالانکہ اپنے سائے سے اسے کچھ نصیب نہیں۔

واضح رہے کہ انسان تمام لوگوں کے ساتھ بھلائی اور احسان نہیں کرسکتا اور نہ ہی سب لوگ اکیلے انسان پر احسان کرسکتے ہیں اس لئے لوگوں میں جو اہل فضل اور اچھے لوگوں پر اس معاملے میں اعتماد کر کے قابل محبت وعنایت لوگوں کا قصد کرلیا جائے تا کہ ان میں آپ کا احسان بڑھے اور آپ کی بھلائی پاکیزہ کہلائے (اچھے اور اہل فضل کو احسانات سے فائدہ پہنچادیں)

بھلائی نیک لوگوں سے کیجئے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھلائی اس وقت تک نفع نہیں پہنچاتی جب تک اس کو شریف اور نیک لوگوں میں نہ کیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسکی بھلائی اچھے اور یاد رکھنے والے لوگوں میں کر دیتے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

ان الصیعة لا تکون ضیعة   حتی یصاب بها طریق المصنع

فاذا صنعت ضیعة فاعمل بها   لله اولذی القرایة اودع

(ترجمہ) بے شک نیکی اس وقت تک نیکی نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے ذریعے نیکی کے راستے پر نہ پہنچا جائے۔

جب تیرا کسی نیکی کا ارادہ ہو تو اس کو اللہ کیلئے کر یا رشتہ دار کیلئے کر یا پھر چھوڑ دے۔

''منثور الحکم'' میں لکھا ہے کہ اس نیکی میں کوئی بھلائی نہیں جو نا قابل بھلائی شخص سے کی جائے جیسا کہ اس شعر میں ضرب المثل ہے۔

کحمار السوء ان اء شبعة   رمح الناس و ان جاع نهق

(ترجمہ) اس گدھے کی طرح ہے جسکا اگر تو نے پیٹ بھر دیا تو لوگوں کو لات مارے گا اور اگر تو نے بھوکا رکھا تو ڈھینچوں ڈھینچوں کریگا۔

بعض حکماء کہتے ہیں۔۔۔ کہ درخت لگائے جانے کی مقدار میں درخت اگانے والے کو اسکا پھل ملتا ہے۔

بعض شعراء نے کہا ہے۔

لعمرک ما المعروف فی غیر اهله   وفی اهله الا کبعض الودائع

فمستودع ضاع الذی کان عنده   و مستودع ماعنده غیر ضائع

وما الناس فی شکر الضیعة عندهم   وفی کفرها الا کبعض المزارع

فمزرعة طابت واضعف بنتها ومزرعة اكدت على كل زراع

(ترجمہ) تیری عمر کی قسم اہل اور نا اہل کے ساتھ نیکی کرنا کچھ ودیعتوں کی طرح ہے۔ بعض امین اسے ضائع کر دیتے ہیں اور بعض امین امانت کو ضائع نہیں کرتے اور نیکی کے شکر اور ناشکری کے بارے میں لوگ کھیتی کی طرح ہیں بعض کھیتیاں اچھی ہوتی ہیں مگر پیداوار کمزور اور بعض کھیتیاں کسان کو کچھ نہیں دیتیں۔

نیکی کا بدلہ دیں:

جس آدمی کے ساتھ نیکی کی جائے وہ آدمی نیکی کی قید میں جکڑ جاتا ہے اور احسان کی ملکیت میں غلام بن کر پھنس جاتا ہے۔ لہٰذا اگر ایسے آدمی میں برابر کرنے اور بدلہ دینے کی طاقت ہے تو اس پر لازم ہے کہ نیکی اور احسان کا بدلہ دے۔ اگر وہ نیکی کا بدلہ نہیں دے سکتا تو اس نیکی کو عام اور مشہور کر دے اور نیکی کرنے والے کا شکر ادا کرے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔۔۔ کہ جس آدمی کے ساتھ کوئی نیکی کی جائے تو وہ اس نیکی کو مشہور کر دے۔ اگر مشہور کر دیگا تو گویا اس نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا اور اگر اس نے اسکی نیکی کو چھپایا تو گویا کہ اس نے ناشکری کی۔

جس نے محسن کی تعریف کی گویا یہ بدلہ دے دیا:

حضرت امی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میرے پاس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں اس وقت ان دو شعروں کو پڑھ رہی تھی۔

ارفع ضعيفک لا يحونک ضعفه يوما فتدرکه العواقب قدنمى

يجزيک اويثنى عليک و ان من اثنى عليک بما فعلت فقد جزى

(ترجمہ) اپنے ضعیف کو اٹھا تجھ سے اس کی کمزوری خیانت نہیں کریگی کسی بھی دن ورنہ اسے بڑھتے ہوئے انجام پکڑ لیں گے یا وہ تجھے بدلہ دے دے یا تیری تعریف کر دے اور جو شخص تیرے عمل کے بدلے تیری تعریف کر دے گویا اس نے تیرا بدلہ دے دیا۔

چنانچہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ اشعار سن کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔۔ مجھ سے اس یہودی کا یہ قول دور کرو اللہ اسے قتل کردے۔

میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام۔۔ اللہ رب العزت کا یہ پیغام لیکر تشریف لائے کہ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کے ساتھ احسان کرے اور اس کے پاس بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز نہ ہوتو وہ دعا دے اور تعریف کردے تو اس کا بدلہ ہو جائیگا۔

''منثور الحکم'' میں لکھا ہے کہ شکر کرنا نعمتوں کی قید ہے۔ عبدالحمید کہتے ہیں جو شخص انسان کا شکر گزار نہیں ہوتا اسکو جانوروں میں شمار کر۔

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ ہر نعمت کی قیمت ''شکر کرنا'' ہے۔

بعض حکماء کہتے ہیں کہ نعمتوں کی ناشکری اترانے (تکبر) کی علامت اور نخوت کے اسباب میں سے ہے۔

بعض فصحاء کہتے ہیں کہ کریم آدمی یا تو شکر گذار ہوتا ہے یا اس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور کمینہ آدمی ناشکرا ہوتا ہے یا اس کی ناشکری کیجاتی ہے۔

اگر کسی شخص نے خود پر احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کیا اور اسکی مہربانی کو مشہور کیا تو اس نے نعمت کا حق ادا کردیا اور احسان کے موجب کو پورا کردیا۔ تو اب یہ نعمت اس کے شکر کے اتمام میں اس کے پاس ہمیشہ رہیگی تا کہ وہ مزید نعمت کا مستحق اور پے در پے احسانات کا حقدار بن سکے۔

بعض بلغاء کہتے ہیں۔۔۔ شکر کے ساتھ نعمت زائل نہیں ہوتی اور ناشکری کے ساتھ نعمت باقی نہیں رہتی۔

حجاج کے ایک احسان مند کا واقعہ:

حکایت ہے کہ خوارج کے کچھ لوگ حجاج کے پاس لائے گئے ان لوگوں میں حجاج کا ایک دوست بھی تھا۔ چنانچہ حجاج نے اس کو چھوڑ دیا اور آزاد کردیا جب یہ شخص اپنے سردار قطری بن الفجاء کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ تم اللہ کے دشمن حجاج سے جنگ کرو''۔ تو اس شخص نے جواب دیا اور کہا کہ ایسا کیسے۔۔۔۔ ہوسکتا ہے۔؟ کیا یہ ہاتھ اپنے چھوڑنے

والے کو باندھے گا؟ اور کیا اپنے آزاد کرنے والے کو غلام بنانے کی کوشش کرے گا؟

پھر اس نے یہ اشعار کہے:

أاقاتل الحجاج عن سلطانه ... بید تقربا نها مولاته

انی اذن اخو الدناءة و الذی ... شهدت بأقبح فعله غدراته

ماذا اقول اذا وقفت ازاءه ... فی الصف و احتجت له فعلاته

(ترجمہ) کیا میں حجاج کی سلطنت کے خلاف ایسے ہاتھ سے لڑوں جو ہاتھ اسکا غلام ہونے کا اقرار کر چکا ہے۔ اس وقت میں بے مروت اور گھٹیا شخص ہونگا اور وہ شخص ہونگا جس کے افعال قبیحہ کی اسکی غداری گواہی دے رہی ہوگی۔ اس وقت میں کیا کہونگا جب میں اس کے مقابلے کیلئے صف میں کھڑا ہونگا۔ جب کہ اس کے افعال اس کے حق میں دلائل دے رہے ہونگے۔

أ اقول جار علی؟ لا انی اذن ... لأحق من جارت علیه ولاته

ونحدث الاقوام ان ضائعا ... غرست لدی فحنظلت نخلاته

(ترجمہ) میں کیا کہوں کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا؟ نہیں اگر میں ایسا کہوں گا تو اس وقت میں اسکا زیادہ مستحق بن جاؤنگا کہ جس پر سلطان ظلم کرے۔

اور لوگ باتیں کرینگے کہ میرے لئے احسان کا بیج بویا گیا مگر اسکا پھل کڑوا ہو گیا۔ (یعنی میں نے احسان کا بدلہ ظلم سے دیا)

سب سے زیادہ شکر گذار:

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ "نیکی کی مثال غلامی کی ہے اور اس کا بدلہ آزادی ہے لوگوں میں سب سے زیادہ شکر کرنے والا شخص وہ ہے جو یہ کہے۔

لا شکرن لک معروفا هممت به ... ان اهتمامک بالمعروف معروف

ولا الومک ان لم یمضه قدر ... فالشئی بالقدر الحتوم مصروف

(ترجمہ) میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں اس نیکی پر جس کا تو نے ارادہ کیا۔ اس لئے کہ

تیرا نیکی کا ارادہ کرنا بھی نیکی ہے۔

میں تجھے ملامت نہیں کرونگا اگر تقدیر اسے پورا ہونے نہ دے کیونکہ ہر چیز مقرر شدہ تقدیر کے ساتھ پھیر دی جاتی ہے۔

شعر میں موجود شکر کی وضاحت:

یہ شکر کی وہ قسم ہے۔ جو نیکی اور احسان سے پہلے ہوتا ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔

کبھی تو یہ مشکور پر حسن اعتماد کی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کی نیکی اور احسان اس تک ضرور پہنچے گا اور شکر گذار کو بھر پور یقین ہوتا ہے کہ اس کا خیال اس بارے میں غلط ثابت نہ ہوگا اسلئے پہلے سے بھی شکریہ ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ عتابی کا شعر ہے۔

قد اورقلت فیک آمالی بوعدک لی　　ولیس فی ورق لآمال لی ثمر

(ترجمہ) تیرے وعدے کی وجہ سے میری امیدیں تجھ سے وابستہ ہو چکی ہیں حالانکہ امیدوں کی وابستگی سے مجھے کچھ پھل ملنے والا نہیں۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایسا کبھی امید کرنے والے کے جوش کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور امید کرنے والے کو اس جوش کی طرح کی امید پوری ہونے کی توقع بھی ہو سکتی ہے لہٰذا وہ حق کو جلدی لینے بغیر خود راضی نہیں ہوتا اور فوری شکر کئے بغیر بھی دم نہیں لیتا۔

اور جس شخص کو اپنے احسان کیلئے صاف ستھرا معدن اور احسان کا باغ لگانے کیلئے زمین مل جائے وہ نہ تو ایسا موقع ضائع کرتا ہے اور نہ ہی یہ باغ اس کو فائدے سے محروم کرتا ہے۔

اور کبھی ایسا مامول (جس سے امید لگائی جائے) کو احسان میں مفید کرنے اور بھلائی کی ترغیب دینے کیلئے کہا جاتا ہے چنانچہ نقصان اسکا یہ ہوتا ہے کہ جتنا شکر پہلے کیا ہوتا ہے امید پوری نہ ہونے پر اتنی ہی مایوسی ہوتی ہے۔

چنانچہ بعض متقدمین ادیبوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارا ایسے احسان اور نیکی پر شکر کرے جو تم نے نہیں کیا۔ تو وہ نیکی کرنے میں جلدی کرو ورنہ شکر مذمت میں تبدیل ہو جائیگا۔

جو شخص منعم کی نیکی چھپائے اور شکریہ ادا نہ کرے تو وہ شخص نعمت کا ناشکرا اور احسان کا

انکار کرنے والا ہوتا ہے۔لوگوں میں سب سے برا شخص اور سب سے برا طریقہ وہ ہے کہ جس کی وجہ سے رد کرنے کی قباحت اور منع کرنے کی برائی واجب ہو جائے (اور وہ منع کئے جانے کا حقدار بن جائے)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کرتا"۔

ایک ادیب کا قول ہے کہ جو شخص اپنے منعم کا شکر گذار نہ ہو وہ مزید نعمت سے محرومی کو واجب کر لیتا ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ جو شخص احسان کا انکار کرے وہ قطع تعلق کی قباحت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

ایک ادیب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کچھ اشعار مجھے سنائے۔

من جاور النعمة بالشكر لم — يخش على النعمة مغتا لها

لو شكروا النعمة زادتهم — مقالة الله التى قالها

لئن شكرتم لازيدنكم — لكنما كفرهم غالها

والكفر بالنعمة يدعو الى — زوالها و الشكر ابقى لها

(ترجمہ) جو شخص نعمت کو شکر کے ساتھ رکھے وہ نعمت پر کسی چھیننے والے کا خوف نہیں رکھتا اگر لوگ نعمت کا شکر کریں تو اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد ان کے لئے بڑھائے گا وہ ارشاد "اگر تم شکر کرو گے تو میں یقیناً تمہیں زیادہ دوں گا" لیکن لوگوں کی ناشکری نے نعمت کو چھین لیا اور نعمت کی ناشکری اس کے زوال کو دعوت دیتی ہے اور شکر نعمت کو باقی رکھتا ہے"۔

یہ بحث قاعدہ ثانیہ جو کہ الفت کے اسباب میں تھا کے متعلق تھی جواب تمام ہوتی ہے۔

تیسرا قاعدہ:

یہ کفایت کرنے والا مادہ (وسائل) ہے اس لئے کہ انسانی ضرورت لازم ہوتی ہے جس سے کوئی بشر خالی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ"

اور ہم نے انہیں جسم نہیں بنایا وہ کھانا نہیں کھاتے اور ہمیشہ باقی رہنے والے نہیں'' ۔

چنانچہ اگر وہ مادہ ووسائل جن پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے نہ رہیں تو اس کی زندگی بھی باقی نہیں رہ سکتی اور نہ ہی دین سیدھا رہ سکتا ہے اور اگر وسائل میں سے کوئی چیز اس کے لئے ناممکن ہو جائے تو اس کے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور مادے کے تعذر کا ایک خلل اس کی دنیا میں واقع ہو جائے گا کیونکہ جو چیز کسی دوسری چیز کے سہارے قائم ہو وہ اس چیز کے کامل ہونے سے کامل اور اس کے ناقص ہونے سے ناقص رہ جاتی ہے۔

پھر چونکہ وسائل ضروریہ بغیر طلب بھی مشکل ہو جاتے اور بغیر سبب بھی معدوم ہو جاتے ہیں اور پھر مودت کے اسباب بھی مختلف ہوتے ہیں کمائی کے ذرائع بھی مختلف جہات پر ہوتے ہیں یہ اس لئے ہے کہ اسباب کا مختلف ہونا لوگوں کی محبت اور دل چسپی کی وجہ بنتا ہے اور جہات کا مختلف اور زیادہ ہونا اس کے طالبین کی وسعت کے لئے ہوتا ہے تاکہ یہ سب لوگ ایک ہی سبب پر جمع نہ ہو جائیں اور گھتم گتھا نہ ہوں۔ یا ایک ہی جہت میں مشترک ہو کر ایک دوسرے کو نہ روکنے لگیں۔

چنانچہ ان اسباب کی طرف اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی عقلوں کے ذریعے ہدایت کی اور ان کی طبیعت کے اعتبار سے راہنمائی فرمائی تاکہ ایک ہی شخص مختلف معاشی ذرائع کو اختیار نہ کر بیٹھے اور پھر تھک ہار کر عاجز ہو کے بیٹھ جائے اور نہ ہی ایسا کیا کہ لوگ مختلف ذرائع اکتساب ہونے کی وجہ سے وسائل کے حوالے سے ایک دوسرے سے تعاون نہ کر سکیں اور بے کار ہو رہیں۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور وہ اس کے ذریعے معاملات کے انجام پر مطلع فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے واقعات اور تذکرے بیان کئے ہیں چنانچہ فرمایا۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى.

اس (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی صورت عطا کی پھر ہدایت فرمائی۔۔۔(طٰہٰ)

اس آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔

قتادہ کہتے ہیں کہ یعنی ہر چیز کو وہ کچھ عطا کیا جو اس کے لائق تھا پھر اسے ہدایت فرمائی مجاہد کہتے ہیں کہ۔ ہر چیز کو اس کی صورت عطا کی پھر اسکی معیشت کی طرف رہنمائی کی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر چیز کو اس کا جوڑا عطا کیا پھر اسے نکاح کی طرف رہنمائی کی۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے۔

(یَعلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الحَیٰوۃِ الُّدنُیا وَهُمُ عَنِ الآخِرَۃِ هُم غَافِلُونَ")

(ترجمہ) وہ لوگ دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔

یعنی دنیا میں وہ اپنی معیشت کو جانتے ہیں کہ کب فصل کاٹنی ہے کب بیج بونا ہے وغیرہ

ایک آیت کی تفسیر:

ایک اور ارشاد باری ہے۔

وَقَدَّ رَ فِیُهَا اقوَاتَهَا فِیُ اَرُبَعَۃِ اَیَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِینَ.

(ترجمہ) اور اس میں ان کے رزق کو چار دن میں مقرر کر دیا برابر ہے پوچھنے والوں کے لئے۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ ہر شہر میں وہ رزق مقدر کیا جو دوسرے میں نہ تھا تاکہ وہ ایکدوسرے کے ذریعے زندگی گذاریں۔ ایک شہر سے دوسرے شہر تجارت کر کے دوسری چیز پہنچائیں۔

حضرت حسن بصری اور عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ سواء للسائلین کا مطلب ہے کہ ان کے رزق میں اضافہ کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جن طریقہ ہائے کسب اور معاش کی طرف رہنمائی کی تھی اسے دین اور شریعت بنا دیا تاکہ ان کا فیصلہ کرنے والا اور نگران بن جائے اور تاکہ وہ اپنے وسائل تک اس کے مقرر کئے ہوئے طریقے سے پہنچیں اور اسی کی تدبیر سے معاش کے اسباب کو تلاش کریں اور اپنے ارادے میں تنہا نہ ہوں اور مغلوب ہو جائیں اور ان پر ان کی خواہشات

حاوی نہ ہو جائیں اور وہ ایک دوسرے سے ٹوٹ کر رہ جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الحَقُّ اَهوَاۤءَ هُم لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالاَرضُ وَمَن فِيهِنَّ".

اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا تو آسمان اور زمین اور اس میں جو لوگ ہیں سب تباہ و برباد ہو جاتے"

مفسرین اس جگہ فرماتے ہیں"

یہ اللہ ہے جس کا جلال عظیم ہے اس نے اسی لئے مطلوبہ وسائل کا حصول بذریعہ الہام نہیں رکھا بلکہ عقل کو اس طرف رہنمائی دی اور دین کو اس کا فیصلہ کرنے والا بنایا تا کہ خوش بختی مکمل ہو اور مصلحت عام رہے۔

معاش کے دوارکان:

پھر اللہ جل شانہ نے ان کی ضرورت کی رکاوٹ اور منافع تک رسائی کو دو طریقوں سے بنایا۔

(۱) وسائل (مادہ) (۲) اور کسب (محنت)

چنانچہ مادہ یہ بڑھنے والے اصول کے افراد سے حاصل ہوتا ہے اور یہ دو چیزیں ہیں۔ بڑھنے والے پودے اور نسل بڑھانے والے جانور۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے'

"وَاَنَّهُ هُوَ اَغنٰى وَاَقنٰى"

(ترجمہ) اور اس نے ہی انہیں غنی کیا اور مال عطا کیا (بے نیاز کر دیا)

ابو صالح کہتے ہیں کہ اس نے اپنی مخلوق کو مال کے ذریعے غنی کر دیا اور "اقنی" یعنی ان کے لئے قنیہ (پالتو جانور) بنائے اور یہی اموال کی بنیادیں ہیں۔

کسب:

کسب مادے تک پہنچانے والے افعال اور ضرورت تک لیجانے والے تصرف سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے دو طریقے ہیں۔

تجارت میں آمدورفت۔ کاریگری حرفت وصناعت

اور یہی دونوں چیزیں مادے کی دونوں صورتوں کی فرع (قسم) ہیں چنانچہ یہ جانے پہچانے وسائل کے لئے اسباب اور کمانے کے معروف طریقے اور ان کی جہات قرار پائیں اس کی بھی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ ترقی زراعت ۲۔ افزائش نسل حیوانات۔ ۳۔ تجارتی منافع۔ ۴۔ صنعتوں سے آمدنی

حسن بن رجاء نے بھی مامون سے اسی قسم کی بات نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے مامون کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ

لوگوں کی معیشت چار قسموں پر مشتمل ہے۔ زراعت، صناعت، تجارت اور امارت۔ جو شخص ان چاروں سے باہر نکل جائے وہ اس پر بوجھ ہوگا۔

لہٰذا اب جب کہ وسائل کے اسباب طے ہو چکے تو اب ہم ان میں سے ہر ایک کے بارے میں مختصر سا کلام کریں گے۔

زراعت:

اسباب میں سے پہلا سبب زراعت ہے یہ دیہات میں رہنے والوں اور شہروں اور قصبوں کے رہنے والوں کا ذریعہ آمدنی ہے اس کا نفع عام اور نتائج بہت ہی پورے ہونے والے ہیں۔ اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ضرب المثل قرآن میں بیان فرمائی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَموَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ.

(ترجمہ) ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں اس دانے (بیج) کی مثال ہے جس نے سات بالیاں اگائی ہوں ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جتنا

چاہے بڑھاتا ہے جس کے لئے چاہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ ''سونے والی آنکھ کے لئے بہترین مال بیدار رہنے والی آنکھ ہے''۔ ایک اور ارشاد ہے کہ تمہارے لئے کھجور کا درخت بہتر ہے جو گڑھے والے چشمے سے پیتا ہے اور نرم زمین میں اگتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے بارے میں ایک اور ارشاد فرمایا کہ ''درخت کیچڑ میں اندر تک دھنسے (مضبوط قائم) رہتے ہیں اور قحط میں کھانا فراہم کرتے ہیں''۔

بعض سلف کا قول ہے کہ بہترین مال نرم زمین میں گڑھے والا چشمہ ہے جب تم سو جاتے ہو وہ جاگتا ہے اور جب تم غائب ہو وہ حاضر ہوتا ہے اور تمہارے موت کے بعد تمہارا جانشین ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے فرمایا کہ

''رزق کو زراعت والی زمین میں تلاش کرو'' (یعنی کھیتی میں)

معتضد سے مروی ہے کہ اس نے کہا ''میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے مجھے ایک بیلچہ دیا اور فرمایا کہ یہ زمین کے خزانوں کی چابی ہے۔

کسریٰ نے موبذ سے پوچھا کہ میرے اس تاج کی قیمت کیا ہے؟ تو اس نے سر جھکایا اور پھر کچھ دیر سوچا اور کہنے لگا کہ میں اس کی قیمت نہیں جانتا سوائے یہ کہ نیسان ( ) کے مہینے میں بارش ہو اور وہ جو رعیت کو فائدہ پہنچائے تو وہ بھی بادشاہ کے تاج کی قیمت نہیں ہو سکتی۔

عبداللہ بن عبدالملک کی ملاقات ابن شہاب زھری سے ہوئی اس نے کہا کہ آپ مجھے ایسے مال کی نشاندہی کر دیجئے جسے میں استعمال میں لاؤں (اختیار کروں) تو ابن شہاب زھریؒ نے یہ شعر ارشاد فرمائے۔

تتبع خبايا الارض و ادع مليكها   لعلك يوما ان تجاب فترزقا

فيؤتيك مالا واسعاذا متانة   اذا مامياه الارض غارت تدفقا

(ترجمہ) زراعت کی زمین تلاش کر اور اس کے مالک سے دعا کر شاید وہ کسی دن

قبول کر لے تو تجھے رزق دیا جائے تو وہ تجھے رکنے والا وسیع مال عطا کرے جب کہ زمین کا پانی اور زمین کی تہوں میں جا اترے۔

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ درخت افضل ہیں یا کھیتی؟ لیکن اس موضوع پر کلام کرنے کی گنجائش ہماری اس کتاب میں نہیں ہے۔ صرف اتنی سی بات ذکر کرتا ہوں کہ جن لوگوں نے کھیتی کو افضل کہا ہے وہ اس کا فائدہ نزدیک اور اس کی نعمتوں کے وفور کی بناء پر کہا ہے اور جن لوگوں نے درخت کو افضل کہا ہے وہ اس کی جڑ کے مضبوط ہونے اور اس کے پھل کے مسلسل ہونے کی بناء پر کہا ہے۔

افزائش نسل حیوانات:

وسائل کے اسباب میں دوسری چیز جانوروں کی نسل کی افزائش ہے۔ یہ خانہ بدوشوں دیہاتوں اور صحراؤں کے خیموں میں رہنے والوں کا وسیلہ ہے کیونکہ ان کا ٹھکانہ کوئی مستقل نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ شہروں میں رہتے ہیں اس لئے انہیں ایسے اموال کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے ساتھ نقل مکانی کرتے رہیں اور سفر اور کوچ میں ان کی افزائش اور نمو میں کوئی خلل بھی واقع نہ ہو لہٰذا وہ جانوروں کو منتخب کرتے ہیں کیونکہ جانور نقل مکانی خود کر لیتے ہیں اور چارہ پانی کے لئے مالک کو محنت نہیں کرنی پڑتی۔ پھر یہ سواری کے کام بھی آتے ہیں اور دودھ بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ خیمے والوں خانہ بدوشوں کے لئے ان پر اکتفاء کرنا آسان ہوتا ہے کہ ان میں مشقت و محنت کم ہوتی ہے اور پالنا زیادہ دشوار بھی نہیں اور ان کا فائدہ انہیں بہت زیادہ ہے کیونکہ ان کی نسل بھی خوب بڑھتی ہے اور آسودگی بھی ان سے خوب حاصل ہوتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے مخلوق پر ان کے کاموں کی درستگی کے لئے الہام اور بندوں کے درمیان ان کے منافع کی تقسیم پر رہنمائی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین مال ''مھرۃ مامورۃ'' اور ''سکۃ مابورۃ'' ہے''۔ مھرہ مامورہ کا مطلب نسل کثیر والے جانور (مامور کا معنی کثرت کا ہے) اور اسی معنی سے حضرت حسن اور قتادہ نے قرآن کے ارشاد ''امرنا مترفیھم'' کی تاویل ''امرنا بمعنی کثرنا''

(ہم زیادہ کردیتے ہیں ان کی تعداد) کے معنی سے کی ہے۔

''سکہ مابورہ'' کا معنی ''نخلہ مابورہ'' ہے یعنی وہ کھجور کا درخت جس کی تابیر (یعنی فاضل شاخوں اور پتوں کو کاٹنے کا عمل تابیر کہلاتا ہے) کی گئی ہو۔

اسی طرح بھیڑ بکریوں کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ''کہ ان کا گھی معیشت اور ان کی اون عمدہ سامان اور مال ہے۔

ابو ظبیان کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا ''کہ اے ابو ظبیان تمہارے پاس مال کتنا ہے؟ تو میں نے جواب دیا کہ میرا وظیفہ دو ہزار ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ان دو ہزار سے کھیتی اور افزائش نسل کے لئے جانور لے لو اس سے پہلے کہ تو قریش کے جوانوں سے ملے جن کے ہاں وظیفہ کو مال نہیں گنا جائے گا۔

حکایت ہے کہ ایک عورت خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی اور بولی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں نے جانور رکھے تا کہ ان کی نسل بڑھے اور دودھ حاصل کروں مگر وہ بڑھ نہیں رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ان کا رنگ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کالا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے تھنوں پر مٹی لیپ دے۔ یہ بالکل اس طرح کا ارشاد ہے جو آپ نے نکاح کرنے والوں کے لئے ارشاد فرمایا کہ اندھیرے میں جاؤ روشنی میں مت آؤ''

تجارت:

وسائل کے اسباب میں تیسری چیز تجارت ہے یہ زراعت اور افزائش حیوانات کی ایک فرع ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نوے فیصد رزق تجارت اور کھیتی باڑی میں ہے۔ (الحدیث) اور باقی رزق سائبات میں ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اپنی جگہ پر رہ کر کچھ کیا جائے اور یہ ذخیرہ اندوزی کرنا ہے جس سے باقدر بامرتبہ لوگ دور رہتے ہیں اور فطروں میں رہنے والے لوگ اس میں رغبت رکھتے ہیں۔

دوسری قسم مال لیکر سفر کرنا اور اسے دوسرے شہروں میں پہنچانا ہے اور یہ کاروبار اہل مروت کے زیادہ لائق ہے اس میں نفع اور مال زیادہ ہے یہ الگ بات ہے کہ یہ ذرا خطرے والا کام ہے اور اس میں دھوکا بھی خوب ہوتا ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسافر اور اسکا مال خطرے میں ہیں سوائے یہ کہ جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے''۔

توراۃ میں مذکور ہے کہ اے ابن آدم سفر کر اللہ تعالیٰ تجھے رزق دے گا''۔

صناعت (کاریگری محنت)

وسائل کے اسباب میں یہ چوتھا سبب ہے اور یہ سابقہ تین اسباب سے ہی متعلق ہے۔اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) صناعۃ فکر۔(۲) صناعۃ عمل۔ (۳) اور ان دونوں کے درمیان مشترک صناعت

کیونکہ لوگ صناعت کے آلات ہیں ان میں سب افضل وہی ہے جو بہترین اور افضل جنس (مال) تیار کرتا ہے اور سب سے رذیل وہ شخص ہے جو رذیل ترین جنس (مال) تیار کرے۔کیونکہ طبیعت انسانی اپنی پسندیدہ چیز کی طرف انسان کو لیجاتی ہے اور اپنے مشابہہ چیز کی طرف بلاتی ہے۔

سکندر اعظم جب زمین کے دور دراز علاقوں کی طرف نکلنے لگا تو اس نے ارسطو سے کہا کہ میرے ساتھ نکلو تو ارسطو نے کہا کہ میرا جسم کمزور ہے اور نقل و حرکت بھی ضعیف ہے اس لئے مجھے زحمت مت دو۔تو سکندر نے کہا کہ میں اپنے عمال (امراء) کے ساتھ کیا کروں ان کو کیا کام سونپوں؟ تو ارسطو نے کہا غور کرو کہ جس کے پاس غلام وغیرہ ہوں تو ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو انہیں لشکر کی ذمہ داری دو جس کے پاس زمین ہو تو اس کی تدبیر اچھی کرو اس کو خراج کی وصولی پر لگا دو''۔۔۔چنانچہ ارسطو نے اسے طبیعتوں کا لحاظ رکھنے کی تنبیہ کی جس نے اسے تجربہ کرنے کی کلفت سے مستغنی کر دیا۔

سب سے افضل محنت غور وفکر ہے:

محنتوں میں سب سے افضل محنت غور وفکر والی محنت ہے جب کہ رذیل ترین محنت عمل والی محنت ہے کیونکہ عمل فکر کا نتیجہ ہوتا ہے اور فکر ہی اس کی مدیر ہے۔

غور وفکر والی محنت کی دو قسمیں ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ صحیح آراء کے نتائج سے پیدا ہونے والی تدبیروں پر واقف ہونا جیسے لوگوں کا نظام وطرز زندگی اور شہروں کا نظام ونسق (شہریت وعمرانیات) ہم نے عمرانیات کے موضوع پر ایک مختصر منفرد کتاب لکھی ہے لیکن موجودہ کتاب (ادب الدنیا والدین) اس جگہ کسی اضافے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

ان میں دوسری قسم یہ ہے کہ غور وفکر سے پیدا ہونے والی معلومات کو جاننا۔ (اس بارے میں تفصیل اس کتاب کے باب ''فضل العلم'' میں گذر چکی ہے)

عمل کی محنت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) احسان والا عمل۔ (۲) بہیمانہ عمل

احسان والا عمل:

یعنی عمل صنعتی ہی مرتبے کے اعتبار سے دیگر محنتوں سے اعلیٰ ہے اس لئے کہ اس عمل کو سیکھنے میں محنت کی اور اس کے حصول میں مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ عمل بھی معلومات فکریہ میں سے ہوگیا۔

بہیمانہ عمل:

جس میں محض محنت ومشقت ہی ہے۔ یہ وہ محنت ہے جس کو کمتر انسان ہی اپناتے ہیں اور کم ظرف اور خسیس طبائع ہی اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اکثم بن صیفی کا قول ہے کہ ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔

فکر وعمل پر مشترک محنت:

وہ محنت جو فکر اور عمل کے درمیان مشترک ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے

فکر کی محنت (صنعت فکر) غالب ہو اور صنعت عمل اس کے تابع ہو جیسے کتابت وغیرہ۔

دوسری قسم یہ ہے کہ صنعت عمل غالب ہو اور صنعت فکر اس کے تابع ہو جیسے تعمیرات وغیرہ

ان دو قسموں میں وہ قسم اعلیٰ ہے جس میں (صنعت فکر) فکر کی محنت غالب اور عمل کی محنت اس کے تابع ہو۔

انسان کو کسب میں اس کی سوچ پر چھوڑ دیا:

یہ مخلوق کے وہ احوال ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اپنے وسائل کے حصول کیلئے سوار کر دیا ہے اور اس نے انسان کو اپنے کسب معاش کے سلسلے میں ان کی اپنی سوچ فکر کے حوالے کر دیا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے حصول کے لئے انسانوں کے عزائم اور ہمتوں میں فرق مراتب رکھا ہے۔ تاکہ یہ محنت ان کی الفت کا سبب بنے چنانچہ پاک ہے وہ ذات جو اپنی لطیف حکمت کے ساتھ ہم میں منفرد ہے اور جس نے اپنی قدرت کے عزائم کو ہماری ذکاوت کیلئے ظاہر فرما دیا ہے۔

جب کسب و معاش کے بارے میں بات اور جہات واضح ہوگئیں تو انسان کے احوال تین امور سے خالی نہیں ہوتے۔

بقدر کفایت رزق تلاش کیجئے:

پہلا امر یہ ہے کہ انسان کفایت کے بقدر طلب معاش کرے اور اپنی حاجت کے موافق رزق تلاش کرے بغیر اس کے کہ اس سے زیادہ حد سے تجاوز کرے یا حاجت سے کم پر اکتفاء کرے یہ طالبین رزق کی قابل تعریف حالت ہے اور میانہ روی اختیار کرنے والے کیلئے ایک قابل انصاف بات ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ تعالی نے چند کلمات بطور وحی عطاء کیے جو میرے کان پر پڑے اور میرے قلب میں محفوظ ہو گئے وہ یہ ہیں جو آدمی اپنے مال کا زائد حصہ عطیہ کر دے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے اور جو اس کو روکے رکھے تو اس کے حق میں "شر" ہے اور کفایت کی مقدار رزق میں اللہ تعالیٰ ملامت نہیں کرتا"

دنیا کتنی کافی ہے:

حمیر سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دنیا کس قدر کافی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تیری بھوک کو ختم کر دے اور تیرے ستر چھپانے کو کافی ہو اگر گھر ہو تو وہ کافی ہے اگر سواری کو گدھا موجود ہو تو کیا ہی بات ہے۔ روٹی کے ٹکڑے ہوں اور پانی کا ایک مٹکا ہو اور ازار سے زائد (اوپر) کوئی چیز ہو تو اس بارے میں تجھ سے پوچھ گچھ ہوگی۔

جس کی بیوی گھر اور خادم ہو وہ بادشاہ:

قرآن کریم کی آیت۔اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَاءَ وَ جَعَلَکُمْ مُلُوْکًا الخ۔ کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں جس کے پاس گھر بیوی اور خادم ہو وہ آدمی بادشاہ ہے۔ اس بارے میں حضرت زید بن اسلم ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس گھر اور خادم ہو وہ بادشاہ ہے یہ اس معنی میں اس طرح صحیح ہے کہ بیوی خادم اس کے حکم کے تابع ہوتے ہیں اور اسکی اجازت کے بغیر باہر نہیں جاسکتے گھر ہی میں رہتے ہیں۔

تو جو شخص بقدر کفایت رزق تلاش کرے اور زائد لوازمات سے تجاوز نہ کرے تو اس سے صرف حلال طلب کیا جائے گا اس میں طلب کی خوبصورتی اور شبہات سے بچنا مطلوب ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال اور حرام واضح ہیں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے وہ مشتبہات ہیں چنانچہ جس میں شک ہو اس کو چھوڑ کر یقین کو اختیار کرو اس لئے کہ تم اس چیز کو ہرگز گمشدہ نہیں پاؤ گے جسے تم نے اللہ کیلئے چھوڑا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے زہد کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ’’زہد یہ نہیں کہ مال کو ضائع کیا جائے اور نہ ہی یہ کہ حلال کو حرام کر دیا جائے بلکہ زہد یہ ہے کہ اپنے پاس جو کچھ ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اس پر بھروسہ کرنا اور مصیبت کے بدلہ کو اس کی بقاء سے زیادہ ترجیح دینا‘‘

عمر بن عبدالعزیز کا ایک خط:

عبداللہ بن مبارک حکایت بیان کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جراح بن عبداللہ کو پیغام لکھ کر بھیجا کہ اگر تیرے اندر استطاعت ہے تو حلال چیزوں میں سے جو تیرے اور حرام کے درمیان آڑ ہوں ان کو چھوڑ دے اس لئے کہ جو آدمی مکمل حلال ہی کو گھیر لے تو اس کا نفس حرام کی طرف مائل ہونے کا شوق رکھنے لگے گا۔ مفسرین حضرات نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد۔ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ میں مختلف تاویلیں کی ہیں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس سے مراد کسب حرام ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس سے وہ شخص مراد ہے جو بعد میں ملنے والی نعمت پر یقین نہ کرتے ہوئے خرچ کرے۔ یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں۔ دراہم بچھو ہیں جب تک تو ان پر صحیح دم کرتا رہے اس کو استعمال میں لا ورنہ مت لا۔

بعض کہتے ہیں جس کی احتیاط کم ہو جائے اس کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں۔

بعض بلغاء کہتے ہیں سب سے بہتر مال وہ ہے جسے حلال کما کر بخشش و عطایا میں خرچ کیا جائے اور سب سے زیادہ حرام مال وہ ہے جو حرام طریقے سے حاصل کیا جائے اور گناہوں میں خرچ کیا جائے۔ فقیہ اوزاعی اس طرح کے اکثر احوال کو اشعار میں بیان کرتے ہیں۔

المال ینفد حله و حرامه ۔۔۔ یوما و یبقی بعده آثامه
لیس التقی بمتق لإلهه ۔۔۔ حتی یطیب شرابه و طعامه
ویطیب مایجنی و یکسب اهله ۔۔۔ و یطیب من لفظ الحدیث کلامه
نطق النبی لنا به عن ربه ۔۔۔ فعلی النبی صلاته و سلامه

(ترجمہ) مال حلال کا ہو یا حرام کا ایک دن ضرور ختم ہو جائیگا لیکن اس کا گناہ اس کے بعد بھی رہے گا متقی صرف اس کا نام نہیں کہ وہ محض اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو جب تک کہ اسکا کھانا پینا بھی حلال نہ ہو جائے۔

اور جو وہ حاصل کرے اور اپنے گھر والوں کے لئے کمائے پاک ہو اور اس کی گفتگو بھی پاک ہو جائے ہمیں یہ باتیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے لے کر بیان کی ہیں۔ سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا درود اور سلام ہو۔

لوگوں کی تین اقسام:

ابن المعتمر السلمی حکایت بیان کرتے ہیں: لوگوں کی تین اقسام ہیں۔

(۱) مالدار (۲) فقیر (۳) درمیانے قسم کے لوگ

پس فقراء مردے ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ قناعت کی عزت عطا کر کے مستغنی کر دے اور مالدار قسم کے لوگ نشے میں مست ہیں سوائے ان کے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ ان کو لوگوں کی توقعات کے ساتھ محفوظ کر دے۔

سب سے زیادہ خیر اور بھلائی درمیانے قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے اور سب سے زیادہ شر اکثر فقراء اور مالداروں کے ساتھ ہے اس لئے کہ فقراء قسم کے لوگ کمزور ہیں اور مالدار لوگ اپنی مالداری پر اتراتے ہیں۔

دوسرا امر:

کفایت کے بقدر طلب کرنے سے کوتاہی کرنا اور وسائل کی تلاش میں اضافہ کرنے میں سستی کرنا یہ تقصیر تین وجہ سے ہو سکتی ہے۔

(۱) سستی کی وجہ سے (۲) توکل کی وجہ سے (۳) زہد اور قناعت کی وجہ سے

اگر یہ تقصیر سستی کی وجہ سے ہو تو پھر چستی کی دولت اور رشک کی خوشی سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قریب ہے کہ حسد تقدیر پر غالب آ جائے اور قریب ہے کہ فقر (محتاجی) کفر بن جائے۔

زندگی سے اوپر نیچے اور برابر:

بزرجمہر کا قول ہے کہ اگر کوئی چیز حیات (زندگی) سے اوپر ہے تو صحت ہے اور برابر

ہے تو غنی (مالداری) ہے اور اگر موت سے اوپر ہے تو مرض ہے اس سے برابر ہو تو وہ فقر ہے۔

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ قبر فقر سے بہتر ہے۔

دریائے نیل کا ایک پتھر:

دریائے نیل میں ایک پتھر پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

عقب الصبر نجاح و غنی　　　ورداء الفقر من نسج الكسل

(ترجمہ) صبر کے بعد کامیابی اور مالداری ہے اور فقر کی چادر سستی سے بنی ہوئی ہے۔

بعض شعراء کہتے ہیں۔

اعوذبک اللهم من بطر الغنى　　　ومن نهكة البلوى ومن ذلة الفقر

ومن امل يمتدفي كل شارق　　　يرجعنى منه بحظ يد صفر

اذالم تدنسنى الذنوب بعارها　　　فلست ابالى ما تشعت من امرى

اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں مالدار کی اتراہٹ سے اور مصیبت کی زیادتی سے اور فقر کی ذلت سے اور اس امید سے جو آفتاب کے طلوع کے ساتھ بڑھ جاتی ہے اور مجھے خالی ہاتھ لوٹاتی ہے۔ جب مجھے گناہ اس کی عار کے ساتھ آلودہ نہ کرے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں میرا معاملہ پراگندہ ہو جائے۔

اور اگر تقصیر توکل کی وجہ سے ہو تو یہ عجز ہے اور نفس اس سے معذور ہے اور بلند ہمتی کو چھوڑنا ہے جس کا کہ اس نے نام تبدیل کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے توکل کا حکم اس وقت دیا ہے جب امیدیں ختم ہو جائیں اور محتاجی کے بعد قدر و قضاء کے حوالے معاملہ کیا جاتا ہے۔

توکل یہ نہیں ہے:

حضرت ابوقلابہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص کا ذکر خیر اس طرح ہوا کہ یہ شخص ہمارے ساتھ صبح کیلئے نکلا جہاں ہم اترتے تو وہ شخص بھی اتر کر سوار ہونے تک نماز میں مشغول رہتا اور جب سوار ہو جاتے تو یہ شخص سواری کے دوران بھی

اترنے تک ذکر میں مشغول رہتا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے تم میں جو اپنے جانور کیلئے چارہ کا بندوبست کرتا ہے اور اپنے لئے کھانے کا بندوبست کرتا ہے؟

ہم نے کہا ہم سب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اس شخص سے بہتر ہو" (الحدیث)

توکل اور عزم:

بعض حکماء کہتے ہیں توکل اس چیز کا نام نہیں ہے کہ سمجھداری اور مضبوط ارادے کیلئے اس کو ضائع کر دیا جائے اور نہ ہی توکل کیلئے سمجھداری اور مضبوط ارادے کو ضائع کر دے۔

(۳) اگر تقصیر زہد اور قناعت کی وجہ سے ہو اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے نفس کا غنی اور مالداری کے پیچھے پڑنے پر محاسبہ کرتا ہو اور اس پر خواہشات کے ہلاکت خیز نتائج سے ڈرتا ہو چنانچہ فقر کو مالداری پر ترجیح دیتا ہو نفس کو خواہشات کے اپنانے پر زجر کرتا ہو۔ حضرت ابودردار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بھی سورج طلوع ہوتا ہے اس کے دونوں جانب دو فرشتے آواز لگاتے ہیں ان کی آواز پوری کائنات سنتی ہے سوائے جن وانس کے۔ اے لوگو! اللہ کی طرف آؤ بیشک جو کچھ کم ہو اور کافی ہو وہ اس چیز سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غافل کرنے والی ہو"

صبر کے ساتھ خوشحالی کا انتظار عبادت ہے:

زید بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "صبر کے ساتھ کشادگی کا انتظار کرنا عبادت ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تھوڑے رزق پر راضی ہو اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل پر بھی راضی ہو جاتا ہے"

فقر کی ایک عزت اور شرافت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقر کی شرافت اور عزت میں سے ایک بات یہ ہے کہ تم کسی کو اللہ تعالیٰ کی اسلئے نافرمانی کرتے

ہوئے نہیں پاؤ گے کہ وہ محتاج ہو جائے محمود وراق نے ان باتوں کو اشعار میں ذکر کیا ہے۔

یا عائب الفقر الا تزدجر — عیب الغنی اکثر لو تعتبر

من شرف الفقر و من فضله — علی الغنی ان صح منک النظر

انک تعصی لتنال الغنی — ولست تعصی الله کی تفتقر

(ترجمہ) اے فقر کے عیب لگانے والے تو کیوں نہیں روکتا مالداری کا عیب زیادہ ہے اگر تو اعتبار کرے فقر کی شرافت اور فضیلت مالداروں پر یہ ہے کہ اگر تیری نظر صحیح ہو۔ تو گناہ اس لئے کرتا ہے تا کہ مالداری کو پالے اور تو اللہ کی نافرمانی اس لئے نہیں کرتا ہے کہ تو کہیں محتاج نہ ہو جائے۔

ابن المقفع نے کہا:

دلیلک ان الفقر خیر من الغنی — وان قلیل المال خیر من المثری

لقاءک مخلوقا عصی الله بالغنی — ولم تر مخلوقا عصی الله بالفقر

(ترجمہ) تیری دلیل اس بات پر کہ فقر بہتر ہے مالداری سے حالانکہ کم مال ہونا زیادہ مال سے بہتر ہے (یہ ہے کہ) تو نے مالداری کے ذریعے اللہ کی نافرمانی کرنے والے لوگوں سے ملاقات کی ہے اور تو ان لوگوں سے نہیں ملا جو کہ فقر کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں"

مگر یہ حال تب صحیح ہے جب نفس نصیحت قبول کرے اطاعت کرے اور ٹھیک چلے ہر بات کے جواب پر اسکی گردن کی رسی نرم پڑ جائے اس کا عناد رسواء اور ذلیل ہو جائے اور نفس اس بات کو جان لے کہ جو قلیل پر قناعت نہیں کرتا وہ کثیر پر بھی قناعت نہیں کرتا۔

حضرت حسن بصریؒ کا عمر بن عبدالعزیز کو خط:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اے میرے بھائی! جو اللہ تعالیٰ سے غنی طلب کرے اسکو کفایت حاصل ہو جاتی ہے اور جو لوگوں سے مستغنی ہو جائے وہ مالدار ہو جاتا ہے جسکا تھوڑی دنیا پر پیٹ نہیں بھرتا تو اسکو دنیا

کی کثرت بھی فائدہ نہیں پہنچاتی۔

اے بھائی! آپ پر لازم ہے کہ کفایت کو لازم پکڑیں اور اپنے آپ کو عفت کے دامن میں رکھیں زیادہ فضول چیزوں کو جمع کرنے سے بچیں اس لئے ان چیزوں کا حساب کتاب زیادہ لمبا ہوگا۔

نفس کو سدھارنے کا طریقہ:

بعض حکماء کہتے ہیں: تیرے پاس جو کچھ ہے وہ تجھے قناعت پر اکتفاء کرنے نہ دے تو غنی (مالداری) تجھ سے دور رہے گی''۔ جس کا نفس نصیحت قبول کرنے سے اعراض کرے زہد سے باز رہے تو ایسے نفس پر جبر کرنیکا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔ البتہ محنت اور مروت کے ساتھ ساتھ ایسے آسان راستے پر ڈالا جائے جس سے وہ نفس متنفر نہ ہو جب اس آسان راستہ پر استقرار ہو جائے تو اس سے کم پر اتارا جائے حتی کہ یہ نفس بتدریج مطلوب تک پہنچ جائے اور پھر ریاضت اور مشق کے ذریعہ پسندیدہ حال پر استقرار ہو جائے اور اس سے پہلے حکماء کا قول گذر چکا کہ ناپسندیدہ بات کو مشق کے ذریعے آسان بنایا جاسکتا ہے۔

(طلب کفایت کے متعلق تقصیر کا یہ حکم امر ثانی میں تھا)

امر ثالث:

کفایت پر قناعت نہ کرنا اضافے اور کثرت کا طلب کرنا اس کے داعی کل چار اسباب ہیں

پہلا سبب:

یہ ہے کہ خواہشات نفسانی یہ چاہتی ہیں کہ مال اور وسائل میں زیادتی ہو اسکے بغیر خواہشات نفسانی کو چین وسکون نہیں ہوتا چونکہ خواہشات کی کوئی انتہاء نہیں ہے لہذا خواہشات جس چیز کو (مال) طلب کریں اسکی بھی کوئی انتہاء نہیں ہوگی تو یہ غیر متناہی کو طلب کرنے کا ذریعہ بنیں گی جس شخص کی طلب کی منتہاء نہیں اس کی محنت ومشقت اور تھکاوٹ بھی دائمی ہوگی چنانچہ خواہش کے حصول سے بھی انسان کو حقیقتاً لطف ولذت حاصل نہیں ہوگی کیونکہ غلبہ شہوت نفسانی کی وجہ سے محنت ومشقت بڑھ جائیگی شہوات کے مغلوب

ہونے کی مذمت اور غیر ضروری اشیاء کے حصول کی مذمت تو ہوگی ہی مزید یہ کہ یہ شخص جانور کی طرح ہو جائے گا جو اپنی طلب کو خواہشات کی جانب پھیر چکا ہے جس بناء پر نہ وہ عقل کے ذریعہ ان خواہشات کو زجر کر سکتا اور نہ ہی قناعت کے ذریعے اس سے باز آ سکتا ہے۔

ایک ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اور خواہش کے درمیان آڑ پیدا فرما دیتا ہے اور اس کے اور اس کے قلب کے درمیان بھی آڑ پیدا فرما دیتا ہے اور جس کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتا ہے اسکو نفس کے حوالے کر دیتا ہے''۔

شاعر کا قول ہے:

وانک ان اعطیت بطنک همه وفر جک نالا منتهی الذم اجمعا

اگر تو اپنے پیٹ اور شرمگاہ کو ان کی خواہشیں دے دے تو یہ دونوں مذمت کی تمام انتہائیں پالیں گے۔

دوسرا سبب:

مال کی کثرت اور اضافہ اس لئے چاہے اور طلب کرے تاکہ مال خیر کے راستوں میں خرچ کیا جائے اور مال کے ذریعہ نیکی میں تقرب حاصل کر سکے اور اسی کے ذریعے اچھے کام اور بھلائی کے کام کر سکے اور مال کے ذریعے پریشان حال لوگوں کی دستگیری ہو تو یہ اچھی اور قابل تعریف وجہ اور سبب ہے۔

اور مال کے ذریعہ خواہشات پوری کرنے کا خیال نہ ہو اور مال کو شبہات سے بچ کر حاصل کیا گیا ہو اور اس سے فائدہ حاصل کرنے اور دوسروں کو پہنچانے میں اچھا طریقہ اختیار کیا گیا ہو اضافہ اور امکان کے بقدر فائدہ پہنچایا گیا ہو تو ان دونوں صورتوں میں یہ اچھی بامرتبہ چیز ہے کیونکہ

مال مکارم کے حصول کا ذریعہ ہے:

مال مکارم کے حصول کا ذریعہ بھی ہے دین میں مددگار بھی ہے دوستوں اور بھائیوں کی دل جوئی کا ذریعہ بھی ہے چنانچہ جس شخص کے پاس مال نہ ہو اس شخص کے لئے لوگوں کی طرف سے رغبت بھی کم ہو جاتی ہے اور اس کی ہیبت دبدبہ بھی کم ہو جاتا ہے اور جس شخص کا دبدبہ اور رغبت ختم ہو جائے معاشرے میں اسے حقیر سمجھا جاتا ہے حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل دنیا کا حسب بنانے والا یہ مال ہے"

"خیر" سے مراد مال ہے:

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: قرآن کریم میں جہاں "خیر کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد مال ہے جیسا کہ۔ وَ اِنَّہ لِحُبِّ الخَیرِ لَشَدِیْدٌ۔ میں خیر سے مراد مال ہے اسی طرح۔ اِنِّی اَحبَبْتُ حُبَّ الخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّی۔ میں بھی خیر سے مراد مال ہے اور اسی طرح۔ فَکَاتِبُوْھُمْ اِنْ عَلِمتُمْ فِیهِمْ خَیرًا میں بھی خیر سے مراد مال ہے حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد: اِنِّیٓ اَرَاکُمْ بِخَیرٍ۔ میں بھی "خیر" سے مراد مال ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لفظ خیر سے مال اس لئے مراد لیا ہے کہ اس مال کو خیر کے راستے میں خرچ کیا جاتا ہے۔ تو جس چیز کو خیر کے کام میں ادا کیا جائے وہ اپنے نفس کے اعتبار سے خیر ہوتی ہے۔

ایک آیت کا مطلب:

قرآن کریم کی آیت رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنیَا حَسَنَةً وَّ فِی الاٰخِرَةِ حَسَنَةً۔ میں اہل تفسیر نے مختلف تفسیریں بیان کی ہیں چنانچہ حضرت سعدی اور حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: الحسنۃ فی الدنیا سے مراد "مال" ہے فی الاخرۃ۔ سے مراد "جنت" ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور سفیان الثوری فرماتے ہیں اَلحَسَنَةَ فِی الدُّنیَا سے مراد علم اور عبادت ہے "وفی الاخرۃ" سے مراد "جنت" ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دنیا میں دراہم ودنانیر اللہ تعالیٰ کی

مہریں ہیں جسے نہ کھایا جاتا ہے اور نہ ہی پیا جاتا ہے لیکن اس کے ذریعہ سے جہاں چاہیں اپنی حاجت کو پورا کیا جاتا ہے۔

تعریف اور بزرگی کا حصول:

قیس بن سعد نے فرمایا: اے اللہ! مجھے تعریف اور بزرگی عطا فرما چنانچہ تعریف اچھے کام کے ساتھ ہوتی ہے اور بزرگی مال کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ ''ابی زناد'' سے کہا گیا کہ آپ دراہم سے کیوں محبت رکھتے ہیں جبکہ یہ آپ کو دنیا کے قریب کر رہے ہیں؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ دراہم دنیا کے قریب تو کر دیں گے لیکن یہ دراہم مجھے دنیا کے مصائب سے بچاتے بھی ہیں۔

بعض حکماء نے کہا: جس کا حال صحیح ہو جائے وہ اپنی دو معزز چیزیں بچالیتا ہے۔

(۱) دین (۲) عزت

اہل مال کا دبدبہ:

''منثور الحکم'' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جو مستغنی ہو وہ اپنے اہل کے لئے مکرم ہوتا ہے۔

ایک مالدار آدمی کا کچھ علماء کے پاس سے گذر ہوا تو اس آدمی کیلئے کچھ ہلچل ہوئی اور اسکا اکرام کیا تو کسی نے پوچھا کہ کیا تم اس آدمی کے محتاج ہو؟ جواب دیا نہیں لیکن ہم نے دیکھا کہ مالدار کے پاس ہیبت اور دبدبہ ہوتا ہے۔

ایک شخص نے محمد بن عمیر اور عتاب بن ورقاء سے دس دیتوں کے سلسلے میں مدد کی درخواست کی تو محمد نے کہا مجھ پر ایک دیت میرے ذمے ہے اور عتاب سے کہا باقی میرے ذمے ہیں۔ تو محمد نے کہا: بزرگی پر بہترین مدد آسانی کرنا ہے۔

احنف بن قیس نے کہا:

(ترجمہ) ''اگر میری مروت مال کی کثرت سے بڑھتی تو میں اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا اور اس کو خرچ کرنے والا بن جاتا بے شک کسی کو مروت کی استطاعت نہیں جب تک کہ مروت کا مال فاضل نہ ہو''

کہا جاتا ہے کہ ''دراہم'' مرہم ہیں جن سے زخموں کا علاج کیا جاتا ہے۔

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ فقر رسوا کن مالداری خوش کن محتاجی رذالت اور سوال کرنا بے وقعتی ہے۔

مالداری افضل ہے یا فقر؟

مالداری اور فقر کے درمیان فضیلت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

جبکہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ وہ فقر جس سے محتاجی ہو یا وہ مالداری جس میں تکبر وفخر ہو ''مکروہ'' ہے۔

۱۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ فقر پر مالداری کو فضیلت حاصل ہے اسلئے کہ مالدار آدمی بااختیار ہوتا ہے جب کہ غریب فقیر عاجز ہوتا ہے صاحب اختیار افضل ہوتا ہے عاجز سے اس بات کا وہ قائل ہے جو شہرت پسند ہو۔

۲۔ دوسری جماعت کا کہنا کہ فقر کو فضیلت حاصل ہے مالداری پر اسلئے غریب فقیر شخص ترک کرنے والا ہوتا ہے جب کہ مالدار شخص خلط ملط کرنے والا ہوتا ہے اور کسی چیز کو ترک کرنا خلط ملط کرنے اور شبہ پیدا کرنے والے سے افضل ہے اس قول کا قائل وہ شخص ہے جس پر سلامتی کی محبت غالب ہوتی ہے۔

۳۔ اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ فقر اور غنی کے درمیان والی حالت افضل ہے آدمی فقر کی حد سے نکل کر غنی کے ادنیٰ مرتبے پر چلا جائے تو اس آدمی کو دونوں امر یعنی فقر اور غنی کی فضیلت حاصل ہو جائے گی اور اس طرح یہ آدمی دونوں کی قابل مذمت حالتوں سے بھی بچ جائیگا۔ یہ مذہب اس آدمی کا ہے جو درمیانی امور کو افضل سمجھتا ہے ہر ایک کی دلیل اپنی اپنی جگہ پر موجود ہے جو اعادہ کرنے سے مستغنی کر دیتی ہے۔

تیسرا سبب:

مال کی کثرت اور ذخیرہ کر کے اولاد کیلئے چھوڑے رکھنا۔ یعنی اپنے آپ سے انتہائی

بخل اور کنجوسی کر کے اور اپنے آپ پر خرچ کئے بغیر اپنے وارثین پر شفقت کرتے ہوئے اپنے مال کو ان کیلئے چھوڑے رکھنا اس طرح وارثین کیلئے انتہائی محنت سے جمع کردہ مال کو چھوڑے رکھنا برا اقدام ہے اس طرح کرنے والا کئی وجوہات سے ملامت کا مستحق ہو جاتا ہے جو کہ کسی ذی عقل پر مخفی نہیں ہیں۔

پہلی وجہ:

آدمی اپنے خالق سے بدظن ہو کر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ان لوگوں کو رزق خود اس شخص کے واسطے سے دیا جا رہا ہے کہا جاتا ہے ناامیدی نے انسان کو قتل کر دیا ہے اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا دل کی راحت ہے۔ عبدالحمید کہتے ہیں کہ تو کیسے اپنی حالت پر برقرار ہے جبکہ زمانہ تجھے پلٹ رہا ہے۔

دوسری وجہ:

یہ عقیدہ ہو جاتا ہے کہ اولاد پر مختلف حالات آنے کے باوجود یہ مال اس کے پاس باقی رہے گا کہا جاتا ہے کہ زمانہ حسد کرنے والا ہے یہ شئی کو تبدیل کر دیتا ہے۔ ''منثور الحکم'' میں ہے کہ مال رنجیدہ کرنے والی چیز ہے۔

بعض حکماء کہتے ہیں: اگر چہ دنیا تیرے لئے باقی ہے لیکن تو دنیا کیلئے باقی نہیں رہ سکتا۔

چوتھی وجہ:

اپنے مال کے منافع سے محروم ہو جاتا ہے اور اپنے حالات کی بھرپور درستگی سے محروم رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''مال یا تو تیرا ہے یا تیرے وارثین کا یا مال ہلاک ہو جائیگا لیکن تو ان تینوں میں سے سب سے زیادہ بدبخت مت بن۔

عبدالحمید کہتا ہے کہ اپنی جھوٹی امیدوں کو دور پھینک دے اور خود اپنے مال کا وارث بن''

پانچویں وجہ:

تیری محنت سے حاصل کردہ مال کو وارثین یوں ہی حاصل کر لیتے ہیں چنانچہ تیری

کوشش محروم اور تیری محنت مذموم ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے بعض مرتبہ قابل رشک آدمی کی خوشی اسکی بیماری ہوتی ہے اور بہت سے بیماری کی وجہ سے قابل رحم انسانوں کی بیماری اس کیلئے شفاء ہوتی ہے۔

جیسے کسی شاعر کا قول ہے:

ومن كلفة الفنس فوق كفا فها فما ينقضي حتى الممات عناوه

نفس جس شخص کو کفایت سے زیادہ مال پر مجبور کر دے تو اسکی مشقت کبھی دور ہو نہیں سکتی یہاں تک کہ اسے موت آ جائے۔

چھٹی وجہ:

یہی مال (جو وارثین کے لئے چھوڑا ہوا ہے) اسکے لئے قابل مواخذہ ہوتا ہے اس کے لئے اختیار کئے جانے والے افعال و جرائم کا حساب ہوگا حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ھشام بن عبدالملک جب بیمار ہوتے تو ان کی اولاد ان پر رونا شروع کر دیا کرتی تو انہوں نے اپنی اولاد سے کہا: ھشام نے تو تمہارے لئے دنیا کی سخاوت کر دی اور تم اس پر رور ہے ہو اور تمہارے لئے جو کچھ کمایا سب چھوڑ دیا ہے کیا ہی برا حال ہوگا اگر ھشام بن عبدالملک کی مغفرت نہ ہو سکی۔ ان ہی معانی کو محمود وراق نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے۔

تمتع بمالك قبل الممات والا فلا مال ان انت متا

شقيت به ثم خلفته لغيرك بعد اوسحقا و مقتا

فجادو اعليك بزور البكاء وجدت عليهم بماقد جمعتا

وا رهنتهم كل مافي يديك دخلوك رهنا بماقد كسبتا

(ترجمہ) موت سے قبل اپنے اموال سے فائدہ اٹھا لے وگرنہ مرنے کے بعد تیرا مال تیرا نہیں رہیگا جس کو تو نے مشقت سے کمایا تھا پھر تو نے اس کو غیر کیلئے دوری بربادی اور عیب جوئی کے لئے چھوڑ دیا۔ وارثین تجھ پر جھوٹے نوحوں کی سخاوت کریں گے اور تو ان کے لئے اس کی سخاوت کر چکا جو تو نے جمع کیا تھا۔

تیرے پاس جو کچھ تھا تو نے سب ان کیلئے رہن رکھوا دیا اور انہوں نے تجھے تیری کمائی ہوئی دولت اور اعمال کے لئے رہن چھوڑ دیا۔

امارت سے نفس کو بچانا بہتر ہے:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے گورنر بنا دیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباس! اے نبی کے چچا! تھوڑی چیز جو آپ کیلئے کافی ہو بہتر ہے اس زیادہ چیز سے جو آپ کو ہلاک کر دے۔ اے عباس! اے نبی کے چچا! وہ نفس جسے آپ بچا سکیں اس امارت سے بہتر ہے جسے آپ شمار نہ کر سکیں۔ اے عباس! اے نبی کے چچا! حکومت (امارت) کی ابتداء ندامت، اس کا درمیان ملامت اور اسکا آخر قیامت کے دن رسوائی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مگر جس نے انصاف سے کام لیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنے اقارب سے کیسے انصاف کر سکتے ہو؟

آگے مال بھیجو:

ایک شخص نے حسن بصریؒ سے کہا: میں موت سے ڈرتا ہوں اور اسے ناپسند سمجھتا ہوں تو حسن بصریؒ نے جواباً فرمایا تو نے اپنے پیچھے مال چھوڑ رکھا ہے اگر تو مال آگے کیلئے چھوڑتا تو تجھے اس سے جا ملنے پر خوشی ہوتی۔

منثور الحکم میں ہے: مرنے والے کے مال کی کثرت سے وارثین تسلی حاصل کرتے ہیں"۔ اس معنی کو ابن الرومی نے بیان کیا ہے چنانچہ اس نے کہا اور خوب کہا:

ابقیت مالک میراثا لوارثه — فلیت شعری ما ابقی لک المال؟
القوم بعدک شافی حال تسرهم — فکیف بعد هم حالت بک الحال
ملوا البکاء فما یبکیک من احد — و استحکم القول فی المیراث و القال
الهتهم عنک دنیا ابلت لهم — وادبرت عنک والایام احوال

(ترجمہ) تونے اپنا مال وارثین کیلئے باقی رکھا ہے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تیرے مال نے تیرے لئے کیا باقی رکھا تیرے بعد لوگ خوش کن حال میں رہیں گے ان کے بعد تیرا حال کیسا بگڑ گیا۔

وہ لوگ رونے سے تنگ آچکے اب تجھ پر کوئی روتا نہیں ہے اور اب تو گفتگو اور جھگڑا میراث کے بارے میں پکا ہو چکا۔ انہیں دنیا نے تیری طرف سے غافل کر دیا جو ان کی طرف آگے بڑھی اور تجھ سے منہ موڑ گئی اور دن بدلتے رہتے ہیں۔

چوتھا سبب:

مال جمع کرے اور اس پر کثرت اور انصاف کو چاہے اسے مال جمع کرنا اچھا لگتا ہو اور اسی میں لگا رہے۔ تو یہ حالت انسان کی بہت بری حالت ہے اور یہ بدنصیبی اور محرومی کی حالت ہے ایسے حالات کی وجہ سے انسان چاروں طرف سے ملامت کا شکار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ مال اس کیلئے وبال اور مذمت بن جاتا ہے اس پر یہ آیت صادق آتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ.

اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو آپ خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی۔

دولت کونسی اختیار کریں؟:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بربادی ہو سونے کیلئے بربادی ہو چاندی کیلئے یہ بات اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گذری انہوں نے کہا کہ پھر ہم کون سا مال اختیار کریں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہارے لئے اس بارے میں معلوم کر کے بتاؤں گا پھر حضرت عمر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر یہ بات شاق گذری ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ پھر ہم کونسا مال اختیار کریں؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذکر کرنے والی زبان شکر کرنے والا

دل اطاعت گذار بیوی جو تمہارے دین میں تمہاری مددگار ہو"۔

شہر بن جوشب نے امامہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: اھل صفہ میں ایک شخص کا انتقال ہوا تو اسکے کمر بند سے ایک دینار ملا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسکو ایک مرتبہ داغا جائیگا پھر دوسرے شخص کا انتقال ہوا اس کے کمر بند سے دو دینار ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دو مرتبہ داغا جائیگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہونے کے باوجود ان دونوں آدمیوں کیلئے آپ نے وعید ذکر فرمائی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اذا كنت ذامال ولم تك ذاندى　　فـانـت اذن و الـمقترن سواء

عـلـى ان فى الاموال يوما تباعة　　عـلـى اهـلهـا و الـمقترن براء

(ترجمہ) جب تو مالدار ہو لیکن بخشش دینے والا نہ ہو تو اس وقت تو اور مفلس برابر ہیں۔ ایک دن اس مال کی وجہ سے تجھ پر تاوان آئیگا لیکن مفلس آدمی تاوان سے بری ہوتا ہے۔

امام شافعی کے استاد ربیع نے کچھ اشعار کہے۔

ان الـذى رزق اليسار فلم يصب　　حـمـدا اولا اجـرا لـغير مـوفـق

و الـجـد يـدنـى كـل شى شـاسع　　والـجـد يـفتـح كـل بـاب مـغلق

و احـق خـلـق الـلـه بـالهم امـرؤ　　ذوهـمة عـلـيـا و عـيـش ضـيـق

ومـن الـدليل على القضاء وكونه　　بوس اللبيب و طيب عيش الاحمق

(ترجمہ) وہ شخص جس کو آسانی عطا کی گئی مگر اس کو نہ تعریف ملی نہ اجر تو ایسا شخص غیر موفق ہے اور کوشش محنت ہر دور چیز کو بھی قریب کر دیتی ہے اور بند دروازے کو بھی کھول دیتی ہے اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ رحمت کا حق رکھنے والا شخص بلند ہمت اور تنگ زندگی گزارنے والا شخص ہے تقدیر اور اس کی کون پر دلیل عقلمند کا بدحال ہونا بے وقوف کی زندگی کا اچھا ہونا ہے۔

جمع مال کی آفت:

مال جمع کرنے کی آفت یہ ہے کہ

مال جمع کرنے اور اسکی کثرت کو چاہنے والا اسے ذخیرہ کرنے والا شخص جو کہ صحیح راہ راستے سے ہٹ کر گمراہی کی طرف چلا جائے اور اس سے خواہشات نفسانی کا شکار ہو جائے ایسے انسان پر مال کی محبت غالب آ جاتی ہے اور انسان لمبی لمبی امیدیں باندھتا ہے اور یہ مال انسان کے اندر مزید جمع کرنے کی حرص پیدا کرتا ہے اور موجودہ مال پر بخل کرنے کے ساتھ ساتھ لمبی لمبی امیدیں بھی باندھتا ہے حرص اور بخل تمام برائیوں کی جڑ اور ہر ملامت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

کیونکہ بخل حقوق اداء کرنے میں رکاوٹ ہے اور قطع رحمی اور نافرمانی پر ابھارتا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے کو سب سے بری چیز جو دی گئی وہ غم دینے والا بخل اور بے غیرت بنانے والی بزدلی ہے۔

حرص انسان کے فضائل کی قاتل ہے:

بعض حکماء کہتے ہیں: مالدار بخیل شخص طاقتور بزدل شخص کی طرح ہے۔

انسان پر حرص غالب آ کر انسان کے فضائل کو دور کر دیتی ہے اور انسان کو مکمل طور پر عبادت سے روکتی ہے یہی حرص انسان کو شبہات میں پھنسا دیتی ہے اس لئے کہ حصر کی وجہ سے انسان شبہات سے کم بچ جاتا ہے چنانچہ یہ تین بری خصلتیں رذائل کی جامع اور فضائل کو سلب کرنے والی ہیں۔ حرص کی زیادتی سے رزق کے اندر کوئی زیادتی نہیں ہوتی بلکہ انسان کا نفس ذلیل ہو جاتا ہے اور یہ خالق کو بھی ناراض کر دیتا ہے۔

حریص اور زاہد کھاتے ایک جیسا ہی ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”زیادہ حرص کرنے والا اور قناعت کرنے والا زاہد یہ دونوں رزق کے کھانے میں برابر ہوتے ہیں ان کے کھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی (یعنی کھانا پورا کھاتے ہیں) پھر جہنم میں کیوں لگاتار گرتے ہیں؟ بعض حکماء کہتے ہیں:

حرص دین اور مروت کو فاسد کر دیتی ہے بخدا جب بھی میں کسی حریص کے چہرہ سے حرص کو پہچانتا ہوں تو اس میں مجھے دکھاوا نظر آتا ہے۔ کسی نے کہا: حریص آدمی ذلت کا قیدی ہے یہ ذلت اس کے ساتھ لگی رہتی ہے جدا نہیں ہوتی۔ بعض بلغاء کہتے ہیں غالب تقدیر کو ایک دوسرے سے غلبہ حاصل کرنے کے ذریعہ سے نہیں پایا جاسکتا اور متعین رزق بھی ایک دوسرے سے دشمنی اور سختی کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اپنے نفس کو تقدیر کے سامنے جھکا دے اور جان لے کہ حرص کے ذریعہ بھی (جتنا حصہ متعین ہے اتنا ہی حاصل کیا جاسکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

''ایک ادیب کا قول ہے کہ بہت سے حصے (نصیب کے) ایسے ہیں جنہیں طلب نہ کرنے والے حاصل کر لیتے ہیں اور بہت سی دولتیں ایسی ہیں کہ جنہیں نہ چاہنے والے جمع بچا لیتے ہیں''

ایک ادیب نے مجھے محمد بن حازم کے یہ اشعار سنائے۔

یا اسیر الطمع الکاذب فی غل الهوان

ان عزا الباس خیر لک من ذل الامانی

سامح الدهر اذا عز وخذ صفوا الزمان

ربما اعدم ذوالحرص و الری ذوالستوانی

(ترجمہ) اے جھوٹی لالچ کے ذلت کے طوق میں جکڑے ہوئے قیدی بے شک ناامیدی کی عزت تیرے لئے امید کی ذلت سے بہتر ہے۔ زمانہ جب نخرے کرنے لگے تو اسے چھوڑ دے اور زمانے کی خالص چیزوں کو اپنا لے کیونکہ کبھی کبھار حریص شخص کے پاس کچھ نہیں رہتا اور سست آدمی مالدار ہو جاتا ہے۔

حریص کی کوئی انتہا نہیں ہوتی:

حریص آدمی کی کوئی مطلوبہ انتہا نہیں ہوتی جس پر وہ جا کر ٹھہر جائے اور نہ ہی اس کا کوئی آخر ہوتا ہے جس پر وہ قناعت کر لے اس لئے کہ حریص آدمی جب اپنی امید کو بھی پہنچ

جائے تب بھی اسے مزید حاصل کرنے کی حرص ورغلاتی ہے۔لیکن جب حریص اپنی امید کو نہ پہنچے تو وہ اپنی کوشش کے ضیاع کو تو ملامت سمجھتا ہے اور اسی امید پر قائم رہنے کو سمجھداری سمجھتا ہے لہٰذا وہ پہلے سے زیادہ امید لگاتا ہے اور اپنی تمناؤں کو اور وسیع کر دیتا ہے

بوڑھے افراد کی حرص:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم جب بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی دو خصلتیں جوان باقی رہ جاتی ہیں۔ (۱)حرص (۲)امید

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ بوڑھا آدمی نوجوان سے زیادہ دنیا پر حریص ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا بوڑھے۔ دنیا کی ذلت چکھ چکے ہیں اور نوجوانوں نے ابھی تک مکمل دنیا کی لذت نہیں چکھی۔

اگر حریص اپنے نفس کو ٹھیک کر لے تو عقل نصیحت کو قبول کرنا شروع کر دے گی پھر معلوم ہوگا کہ مکمل سعادت اور اچھی توفیق رضاء بالقضاء اور تقدیر پر قناعت کرنا ہے۔

طلب میں میانہ روی رکھو:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طلب میں میانہ روی اختیار کرو اس لئے کہ تمہیں جو رزق دیا گیا ہے وہ تمہاری اشد طلب کی وجہ سے ہے اور اگر تمہیں محروم کر دیا جائے تم اسے ہرگز نہیں پاسکو گے اگرچہ تم حرص کرنے لگو“

اللہ کے ادب کے مطابق زندگی سنواریئے:

روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتے ہیں فرماتے ہیں کہ آپ پڑھیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى۔

(ترجمہ) اور اپنی آنکھوں کو اس طرف مت دوڑا جو ہم نے دنیاوی سامان جوڑے کر کے دیا ہے اس میں دنیا کی زندگی کی خوبصورتی ہے تاکہ ہم اس میں انہیں آزمائیں اور

تیرے رب کا عطیہ بھلائی اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز لگانے والے کو حکم دیا جو اللہ تعالیٰ کے بتلاتے ہوئے ادب کے مطابق اپنے آپ کو نہیں سنوارتا تو اس کا نفس دنیا کی حسرت کے مارے کٹ جاتا ہے''۔

کہا گیا ہے بعض کتابوں میں یہ بات آئی ہے کہ اپنی آنکھوں کو اپنی طرف لوٹاؤ اس میں تمہارے لئے مصروفیت ہے۔

قرآن کی ایک آیت کی تفسیر:

مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَلَنُحْيِيَنَّه حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ (ترجمہ) تو ہم اسے ایک پاک زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔ کی تاویل یہ بیان کی ہے کہ اس سے مراد قناعت ہے۔

اکثم بن صیفی کہتے ہیں: جو قناعت کے بدلے حرص کو فروخت کرتا ہے وہ غنی اور مروت کے ساتھ کامیاب ہو جاتا ہے۔ (یعنی ان دونوں کو پالیتا ہے)

بعض سلف کہتے ہیں: کوشش کرنے والا جاہل ناکام ہو جاتا ہے اور ہدایت یافتہ امانت دار کامیاب ہو جاتا ہے۔

قناعت تنگدست کی عزت ہے:

بعض حکماء کہتے ہیں: جو قناعت اختیار کرے وہ مالدار ہو جاتا ہے اگر چہ وہ مفلس ہو اور جو قناعت اختیار نہیں کرتا وہ فقیر رہتا ہے اگر چہ وہ زیادہ مال والا ہو۔ بعض بلغاء کہتے ہیں: جب تجھے عزت چاہئے ہو تو اطاعت کے ذریعے حاصل کر اور مالداری چاہئے ہو تو قناعت سے حاصل کر جس نے اللہ کی اطاعت کی اللہ تعالیٰ اسکی مدد کرتا ہے جس نے قناعت کو لازم پکڑا اس سے فقر زائل ہو گیا۔ بعض ادباء کہتے ہیں: قناعت تنگ دست شخص کی عزت ہے اور صدقہ خوشحال شخص کی ڈھال ہے۔

بعض ادباء کہتے ہیں:

انی اری من لہ قنوع یدرک ما نال من تمنی
و الرزق یاتی بلاعناء وربما فات من تعنی

میں قناعت کرنے والے شخص کو دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی آرزوؤں کو پالیتا ہے اور رزق بغیر محنت کے آتا ہے اور بہت سے اس کو محنت اور کوشش کرنے کے باوجود کھو دیتے ہیں۔

قناعت کی تین صورتیں:

قناعت کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:

دنیا میں گذارے کے بقدر پر قناعت کرنا۔ اس کے علاوہ سے اپنے آپ کو پھیر لینا یہ اہل قناعت کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔

شاعر کا شعر ہے:

اذا شئت ان تحیا غنیا فلاتکن علی حالة الارضیت بدونها

جب تو چاہے کہ مالدار ہو کر زندہ رہے تو مالداری کی حالت کے علاوہ کسی بھی حالت پر راضی ہو جا۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد وہ شخص ہے جو دنیا میں گذارے کے بقدر سے مال تجاوز نہ کرے۔

بعض حکماء کہتے ہیں: کفایت پر راضی رہنے سے عفت حاصل ہوتی ہے۔

بعض ادباء کہتے ہیں: بہت سی تنگدستی کشادگی سے افضل ہوتی ہیں اور محنت و کوشش بے کار رہنے سے بہتر ہے۔

بعض اہل ادب نے مجھے اشعار سنائے اور ذکر کیا کہ یہ اشعار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہیں۔

افادتنی القناعة کل عز و ای غنی اعز من القناعة
فصیر ھا لنفسک راس مال وصیر بعد ھا التقوی بضاعة

تحرز حين تغنى عن بخيل وتنعم في الجنان بصبر ساعة

(ترجمہ) مجھے قناعت ہر مرتبہ فائدہ دیتی ہے کونسی دولت ہے جو قناعت سے زیادہ مکرم ہو بس تو قناعت کو اپنے لئے رأس مال (دولت) بنالے اور قناعت کے بعد تقویٰ کو قیمتی اثاثہ بنالے تو بچتا ہے جب تو بخیل سے مستغنی ہوتا ہے اور جنت میں صبر کے ذریعہ انعام حاصل کریگا۔

قناعت کی دوسری صورت:

قناعت کے ذریعہ کفایت حاصل ہو جائے اور زائد چیزوں کو چھوڑ دیا جائے یہ اہل قناعت کی درمیانی حالت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے اور اس کے رزق کے درمیان پردہ نہ ہو اگر اس نے قناعت اور میانہ روی اختیار کی ہو تو رزق اس کے پاس آتا رہیگا اور اگر اس نے پردہ زائل کر دیا تو وہ اپنے رزق میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ بعض حکماء کہتے ہیں: کفایت سے زائد طلب کرنا اسراف ہے۔ بعض بلغاء کہتے ہیں جو تقدیر کے بقدر راضی رہے وہ آسانی کے ساتھ قناعت کر سکتا ہے۔

شاعر بختری نے کہا:

تطلب الاكثر في الدنيا قد تبلغ الحاجة منها بالاقل

تو دنیا میں زیادہ کا خواہشمند ہے جب کہ قلیل کے ذریعے حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

مجھے ابراہیم بن مدبر کے کچھ اشعار سنائے گئے۔

ان القناعة و العفاف ليغنيان عن الغنى

فاذا صبرت عن المنى فاشكر فقد نلت المنى

قناعت اور عفت یہ دونوں چیزیں دولت سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ جب تو تمنا کرنے سے رک جائے تو اللہ کا شکر ادا کر کہ یقیناً تو نے اپنے مقصد کو پالیا ہے۔

قناعت کی تیسری صورت:

قناعت کے ذریعہ جو حاصل ہو رہا ہو اسی پر موقوف رہنا۔ جو چیز آ رہی ہو اس کو ناپسند نہ کرنا اگر چہ زیادہ ہو اور جو چیز ملنا مشکل ہو اسے طلب نہ کیا جائے اگر چہ وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو یہ اہل قناعت کی ادنی حالت ہے۔

اس لئے کہ یہ حالت رغبت اور رہبت کی کیفیات کے درمیان مشترک ہے رغبت یہ ہے کہ کفایت سے زیادہ جو مال آئے اسکو ناپسند نہ کیا جائے اور رہبت یہ ہے کہ مشکل چیز کو وسائل کی کمی کی وجہ سے طلب نہ کیا جائے حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا کہ ''جس شخص کی قناعت خوب اچھی ہو جائے تو اسکو ہر شوربا اچھا لگنے لگتا ہے''

جو تمہارا ہے وہ تمہیں مل کر رہے گا:

حضرت حسن بن حسن سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دنیا بدلتی رہتی ہے دنیا کی جو چیز تمہارے لئے ہے وہ چیز تمہارے پاس تمہارے کمزور ہونے کے باوجود آ جائے گی اور جو چیز تمہارے خلاف آتی ہے تو تم اس کو قوت کے ذریعہ بھی دور نہ کر سکو گے جس کی کوئی چیز کھو گئی اور اس سے امید بھی منقطع ہوئی تو اس شخص کے بدن کو آرام مل گیا اور جو شخص اللہ کے دیئے ہوئے رزق پر راضی رہے تو اسکی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔

دنیا کے دو روپ:

ابو حازم الاعرج کہتے ہیں کہ میں نے دنیا کو دو چیزوں میں منحصر پایا۔

(۱) پہلی چیز یہ کہ جو چیز میری ہے میں اس کو اس کے وقت سے پہلے کبھی حاصل نہیں کر سکوں گا اگر چہ میں اسے آسمان اور زمین کی قوتوں کے ساتھ طلب کروں۔

(۲) دوسری وہ چیز جو کسی اور کی ہے (تقدیر میں کسی اور کے لئے ہے) تو یہ وہ ہے کہ جو وقت سے دور نکل گئی تو بھی میں اسے حاصل نہیں کر سکتا اور جو باقی رہ گئی ہے اسے بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ جو چیز میری ہے اسے میرے علاوہ دوسروں سے بچایا جائے گا اور اسی

طرح جو دوسروں کی ہے اسے مجھ سے بچایا جائے گا۔ تو اب میں ان دونوں میں سے کسی چیز کی طلب میں عمر کو تمام کروں اور خود کو ہلاک کروں۔

ابو تمام الطائی کہتا ہے۔

لاتاخذنی بالزمان فلیس لی — تبعا ولست علی الزمان کفیلا

من کان مرعی عزمه و همومه — روض الامانی لم یزل مهزولا

لوجاز سلطان القنوع و حکمه — فی الخلق ما کان القلیل قلیلا

الرزق لاتکمد علیه فانه — یاتی ولم تبعث الیه رسولا

زمانہ کے معاملے میں میرا مواخذہ نہ کر نہیں ہے میرا کوئی ساتھی اور نہ ہی میں زمانہ پر کفیل ہوں جس کے غم اور عزم چراگاہ امیدوں کے باغات ہوں تو وہ ہمیشہ شکست خوردہ رہتا ہے۔ اگر قناعت کرنے والے بادشاہ اور اس کا حکم مخلوق میں چلے تو کم بھی کم نہیں ہوگا رزق پر غم نہ کر یہ رزق تیرے پاس بغیر قاصد بھیجے ہوئے آتا ہے۔

مجھے بعض اہل ادب نے ابن اون کے یہ شعر سنائے۔

(ترجمہ) جو کچھ ہوگا اس پر تقدیر کا قلم چل چکا لہٰذا حرکت کرنا اور نہ کرنا برابر ہے تو پاگل ہے کہ رزق کیلئے اتنی کوشش کرتا ہے جبکہ یہ رزق جنین کو ماں کے پیٹ کے اندر دیا جا رہا ہے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ سے جو سب سے زیادہ کریم مسئول اور امیدوں کا افضل ترین مرجع ہے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے احکامات کی ادائیگی میں ہمیں بہترین توفیق عطا فرمائے اور ممنوعات سے ہماری رغبت اور چاہت کو دور کر دے تاکہ دولت کی تباہ کاریوں اور خواہشات کی ہلاکتوں سے ہم محفوظ رہ سکیں۔

شریک بن ابی نمر سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت میں سب سے بہتر وہ ہے جس کو مال اس وجہ سے نہ دیا گیا ہو کہ وہ اس پر اترائے گا اور نہ ہی وہ مفلس کیا گیا جس کی وجہ سے لوگوں سے سوال کرے''

پانچواں باب

تربیت نفس

(ذاتی کردار اور چال چلن کا بیان)

یہ بات پیش نظر رہے کہ نفس انسانی کی جبلت میں ایسی عادات رکھی گئی ہیں جو نا معلوم ہوتی ہیں اور ایسے اخلاق رکھے گئے ہیں جو بھی محتاج راہنمائی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہی وجہ ہے کہ جبلی طور پر اچھی عادات اور عمدہ اخلاق والے کو بھی تعلیم و تربیت سے بے نیاز نہیں رکھا جا سکتا اور نہ ہی مرضی و مقصود کے مطابق افعال کے صدور پر اسے تعلیم و تربیت سے محروم رکھا جا سکتا ہے۔

کیونکہ اچھی عادات و اخلاق کے مقابلے میں برے بھی ہوتے ہیں اتباع اور فرمانبرداری کی وجہ سے اچھے اخلاق و عمدہ عادات نیک بخت و کامیاب ہو جاتے ہیں جبکہ بری عادات و اخلاق خواہش کی پیروی کی وجہ سے تباہی کے دہانے تک جا پہنچتے ہیں۔

عقل کے بھروسے تربیت سے غفلت نہ کریں:

لہٰذا اگر عقل کی بناء پر نفس انسانی کی تربیت سے غفلت کی جائے [1]۔ یا اس بھروسے پر غفلت کی جائے کہ طبیعت خود ہی نفس انسانی کو اچھائی کی طرف لے جائے گی تو یہ غفلت نہ صرف ''نفس انسانی'' کو کامیابی کے راستے سے ہٹا دے گی بلکہ ہمیشہ کی شرمندگی اور ندامت بھی اس کے گلے کا ہار بن کر رہ جائے گی۔

نتیجۃً ''نفس انسانی'' نہ صرف یہ کہ ادب و تربیت سے محروم رہ جائے گا بلکہ وہ جہالت کا شکار بھی ہو جائے گا۔ کیونکہ ادب تجربہ سے حاصل ہوتا ہے یا اچھی عادات کی طرف راہنمائی سے۔ اس میں ہر قوم اور جماعت کا اپنا طریقہ اور انداز ہوتا ہے۔ اس (ادب و تربیت) کو نہ

---

[1] جیسے کہ آجکل بہت سے لوگ اپنے بچوں کی تربیت سے غفلت کرتے ہیں اور اگر انہیں سمجھایا جائے تو کہتے ہیں کہ ''بڑے ہو کر خود ہی سمجھ جائیں گے'' (مترجم)

ہی عقل پر چھوڑا جاسکتا ہے اور نہ ہی طبیعت کے رخ پر یہاں تک کہ تجربہ اور مشقت سے اسے حاصل کیا جائے اور تسلسل، مہارت اور دلیری سے مفید راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد عقل اس کی نگراں اور طبیعت اس کی معاون بن جاتی ہے اور یہی صحیح طریقہ ہے کیونکہ اگر عقل ادب و تربیت سے بے نیاز ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام بھی عقل کی تربیت سے بے نیاز ہوتے حالانکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھے کریمانہ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے" (الحدیث)

کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ کی تربیت کس نے کی؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ "میری تربیت (انسانوں میں سے) کسی نے نہیں کی۔ بلکہ میں نے جاہل کی جہالت کو دیکھا اور اس سے کنارہ کشی کی"

عمدہ اخلاق قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے شریفانہ اور عمدہ اخلاق کو اپنے اور انسان کے درمیان ملاقات کا ذریعہ بنایا ہے لہٰذا آدمی کے لئے یہ کافی ہے کہ انہی عمدہ اخلاق کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قربت تلاش کرے"

اردشیر بن بابک نے کہا ہے کہ "ادب و تربیت کی فضیلت و بزرگی کے لئے یہ کافی ہے کہ ہر زبان سے اس کی تعریف نکلتی ہے اور ہر جگہ اسی سے زینت و وقار حاصل کیا جاتا ہے اور زمانے میں اسی کا ذکر باقی رہتا ہے"۔

بے ادب عالم کھنڈر کی طرح ہے:

مہبود نے کہا ہے کہ "وہ شریف عالم جو باادب اور تربیت یافتہ نہ ہو اس کی مثال ویران کھنڈر کی سی ہے، اس کی چھت خواہ کتنی ہی بلند ہو وہ اتنا ہی وحشت ناک ہوتا ہے اس کی مثال اسی خشک نہر کی سی ہے جو خواہ کتنی ہی گہری اور چوڑی کیوں نہ ہو اتنی دہشت انگیز ہوتی ہے اور اس کی مثال ایسی عمدہ زمین کی سی ہے جو اگر زیادہ دیر تک ایسی ہی پڑی رہے تو اس میں نقصان دہ اور بے فائدہ بوٹیاں اور پودے اگنے لگتے ہیں اور وہ جگہ کیڑے مکوڑوں اور

حشرات الارض کا مسکن (ٹھکانہ) بن جاتی ہے"

ادب کی ضرورت کھانے پینے سے زیادہ ہے:

ابن المقفع کا قول ہے کہ "جتنی ضرورت ہمیں ادب و تربیت کے لئے ہے اتنی ضرورت ہمیں کھانے پینے اور حواس وعقل کی نہیں ہے کیونکہ ادب ہی وہ چیز ہے جو ہماری عقلوں کی غذا ہے کیونکہ مٹی میں دفن ہونے والے دانے میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنی خوشنمائی اور رونق کو "پانی" کی مدد کے بغیر ظاہر کرے وہ پانی جو اس دانے کو سیراب کرنے کے لئے اپنے ٹھکانے سے بھیجا جاتا ہے"

امام اصمعی رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ "ایک اعرابی نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے بیٹے! ادب وہ سہارا ہے جس سے اللہ تعالیٰ عقل کی تائید و مدد فرماتے ہیں ادب وہ زیور ہے جس سے اللہ تعالیٰ گرے پڑے حسب نسب والے کو بھی سنوار دیتے ہیں لہٰذا عقلمند اس ادب سے بے نیاز نہیں رہ سکتا جو اس کی خوشنمائی اور عمدگی کے اظہار کا ذریعہ ہے خواہ اس کی عقل سلیم (جبلی طور پر ذہین) ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے زمین (خواہ اس کی مٹی کتنی ہی زرخیز کیوں نہ ہو) پانی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی جو اس سے پھلوں اور اناج کی پیداوار کا ذریعہ ہے"

ادب عقل کی صورت ہے:

کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ "ادب، عقل" کی صورت ہے لہٰذا جیسے چاہو اپنی عقل کی صورت بنالو اچھی یا بری"۔

ایک اور حکیم کا مقولہ ہے کہ "وہ عقل جس کی ادب و تربیت نہ کی گئی ہو بانجھ درخت کی طرح ہے جس پر کبھی پھل نہیں آتے اور مودب عقل پھل دار درخت کی طرح ہے"۔

کہا جاتا ہے کہ ادب بھی ایک مرتبہ ہے۔

فضیلت کا دارومدار عقل پر ہے:

کسی عقلمند دانا کا قول ہے کہ "فضیلت کا دارومدار عقل اور ادب پر ہے حسب نسب اور خاندان پر نہیں اس لئے کہ جو بے ادب ہے اس نے اپنا نسب ضائع کر دیا اور جو کم عقل ہے

اس نے اپنی اصل کھودی“

کسی ادیب نے کہا ہے کہ ”اپنے دل کو ادب کے ذریعے کار آمد بناؤ جیسے آگ کو لکڑی کے ذریعے کار آمد بنایا جاتا ہے ادب کو غنیمت سمجھو اور اس میں اپنے حصے کی حرص رکھو چنانچہ رغبت کرنے والا تمہیں چاہے گا اور بیگانہ تمہاری صلاحیت سے خوف کھائے گا اور تم سے فائدے کی امید رکھے گا۔

ہر فضیلت کا حصول ادب سے ہے:

کسی عقلمند عالم نے کہا ہے کہ ”ہر قسم کی فضیلت حاصل کرنے کا ذریعہ ادب ہی ہے اور ہر قسم کی شریعت تک پہنچنے کا ذریعہ بھی ادب ہی ہے“۔

کسی عقلمند نے کہا ہے کہ: ادب میرے نسب کو چھپالیتا ہے“۔

اس معنی کے لحاظ سے کسی شاعر نے کہا ہے کہ ۔

فما خلق اللہ مثل العقول ولا اکتسب الناس مثل الادب

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے عقل جیسی کوئی چیز پیدا نہیں کی اور نہ ہی لوگوں نے ادب جیسی کوئی چیز حاصل کی۔

وما کرم المرء الاالتقی ولا حسب المرء الاالنسب

(ترجمہ) نہ تو کوئی شخص تقوی کے بغیر شرافت حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اچھے نسب کے بغیر کوئی شخص اچھے خاندان والا ہو سکتا ہے۔

وفی العلو زین لاھل الحجا وآفة ذی الحلم طیش الغضب

(ترجمہ) مذمت کے قابل لوگوں کے لئے علم زینت ہے اور بردبار اور باوقار لوگوں کے لئے تیزی اور غصہ آفت اور مصیبت ہے۔

امام اصمعی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ۔

و ان یک العقل مولوداً فلست اری ذاالعقل مستغنیاً عن حادث الادب

(ترجمہ) اور اگر عقل مولود (کی شکل میں) ہوتی تو میری رائے میں کوئی عقل والا

ادب سے بے نیاز نہیں رہ سکتا تھا۔

انی رایتهما کالماء مختلطا بالقرب تظهر منه زهرة العشب

(ترجمہ) میں نے ان دونوں (عقل اور ادب) کو پانی اور مٹی کی طرح ملے جلے دیکھا ہے جس سے گھاس کی کونپلیں اپنی بہار دکھاتی ہیں۔

وکل من اخطاته فی موالده غریزة العقل حاکی البهم فی الحسب

(ترجمہ) اور جو پیدائش ہی سے خوب عقل سے غلطی کر جائے وہ حسب میں جانوروں کے مشابہہ ہوگا۔

ادب وتربیت کی عمر:

ادب وتربیت اس وقت بھی ضروری ہے جب انسان ننھا بچہ ہوتا ہے تاکہ باپ بچپن ہی سے اس کی تربیت وتادیب کا آغاز کر سکے۔

اور ادب وتربیت اس وقت بھی ضروری ہے جب انسان جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ دیتا ہے اور اپنی عقل خود استعمال کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا پہلے دور کے لحاظ سے باپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کو بچپن ہی سے ابتدائی ادب آداب سے مانوس کروائے اور رفتہ رفتہ ان کے موڈ اور مزاج کو آداب کے مطابق ڈھالے کیونکہ اس طرح اولاد بچپن ہی سے آداب کی خوگر ہو جاتی ہے بلکہ بڑے ہو کر ادب و تربیت کے معاملات کو سمجھ کر ان پر خود عمل کرنا ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے بچپن کی عادات جوانی کے دور میں طبیعت میں بآسانی ڈھل جاتی ہیں۔

اور بچپن میں اگر ان باتوں سے غفلت کی جائے تو بڑے ہو کر یہ باتیں سیکھنا سکھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کوئی باپ اپنے بچے کو اس اچھے ادب سے زیادہ بہتر تحفہ نہیں دیتا جو اسے فائدہ پہنچائے یا کسی بری جہالت سے اسے بچائے اور اس سے روک دے"

بچے کی تربیت میں جلدی کریں:

کسی حکیم کا قول ہے کہ ''بچوں کی تربیت میں جلدی کرو کہیں تمہیں دوسری مشغولیات نہ آ پکڑیں اور تم پریشان خاطر ہو جاؤ''

کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

ان الغصون اذا قومتها اعتدلت ولا یلین اذاقومته الخشب

(ترجمہ) نئی نئی نرم شاخوں کو جب تم موڑنا چاہو تو وہ اسی رخ پر مڑ جائیں گی لیکن پرانی اور سخت ٹہنیاں ہرگز نہ مڑیں گی خواہ تم انہیں کتنا ہی موڑو۔

قد ینفع الادب الاحداث فی صغر ولیس ینفع عندالشیبة الادب

(ترجمہ) بچپن میں مختلف موقعوں پر سکھایا ہوا ادب مفید ہوتا ہے لیکن بڑھاپے میں ادب کی ضرورت محسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے کہ ؎

ینشو الصغیر علی ما کان والده ان الاصول علیها ینبت الشجر

(ترجمہ) بچے کی نشو نما انہی عادات واطوار کے مطابق ہوتی ہے جو اس کے باپ کے ہوتے ہیں کیونکہ درخت اپنی جڑوں پر ہی کھڑے ہوتے ہیں''۔

رہا ادب وتربیت کا وہ دور جب انسان بڑا ہو کر اپنی عقل خود استعمال کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اس وقت ادب وتربیت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وصفی اور اصطلاحی ادب اور (۲) استصلاحی اور اکتسابی ادب۔

موافقت اور اصطلاحی ادب:

ادب وتربیت کا یہ وہ انداز وطریقہ ہے جو عقلمندوں اور داناؤں کے مقرر کردہ (اور پسندیدہ) طریقے کی پیروی پر مشتمل ہے۔ ان کے پاس اپنے مقررہ طریقوں اور اپنے متفقہ قواعد پر کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ انسان اگر ان کی باتوں اور مقرر کردہ عرف سے اتفاق نہ کرے تو بے ادب کہلائے اور مذمت کے قابل ٹھہرے کیونکہ جو چیزیں لوگوں کے باہم اتفاق سے طے ہو چکی ہوں ان سے بچنا بھی موافقت اور رضامندی سے ہی ہوتا ہے جو عقلی

طور پر قابل مذمت ٹھہرتا ہے جب تک مخالفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہو حالانکہ عقلی لحاظ سے یہ بات قابل برداشت ہوسکتی ہے کہ عام طور پر جوادب آداب دانا اور عقل مند لوگوں کے مقرر کردہ ہوتے ہیں ان کے برخلاف کچھ اور آداب مقرر ہو جائیں اور لوگ ان کو اچھا سمجھنے لگیں اور ان کے علاوہ دیگر چیزوں کو برا سمجھنے لگیں اس طرح یہ باتیں بھی دیگر عقلی معاییر [1] میں شریک ہو جاتی ہیں کیونکہ پھر ان کو چھوڑنے والے کو بھی برا بھلا کہا جاتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی ان کو برا بھلا نہ کہے کیونکہ عقلی لحاظ سے وہ بھی ممکن ہونا ثابت ہو چکی ہوتی ہیں۔

استصلاحی [2] اور اکتسابی آداب:

یہ ادب وآداب کے وہ قواعد وضوابط ہیں جن کی مخالفت عقل برداشت نہیں کرسکتی اور نہ ہی ان کی عمدگی اور خرابی میں عقلمند اور دانا لوگوں کا اختلاف رائے ہوتا ہے۔ ان قواعد وضوابط کی وجوہات عقل کے ذریعے مستنبط اور دلائل کے ساتھ مرتبط ہوتی ہیں اور نفس کے اطمینان کے لئے بطور تائید کے اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی موجود ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ ''الہام کر دیا اللہ نے اس (نفس) کو اس کے برائی کے کام اور بھلائی کے کام''۔ (الآیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیئے نفس کے لئے اس کی بھلائی کے کام بھی جو اس نے کرنے ہیں اور برائی کے کام بھی۔ ہم ہر چیز کی وجہ عنقریب بیان کریں گے کیونکہ یہی زیادہ مناسب ہے۔

نفس کے بارے میں حسن ظن میں مبتلا نہ ہوں:

چنانچہ ادب استصلاحی اور اکتسابی کا پہلا مقدمہ یہ ہے کہ اپنے نفس کے بارے میں حسن ظن میں مبتلا نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں آدمی سے اس کی بری عادتیں اور برے اخلاق پوشیدہ رہتے ہیں۔ کیونکہ نفس تو ہمیشہ اپنی خواہشات پر عمل کرنے کا کہتا ہے اور نیکی کے راستے کی طرف جانے سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''بے شک نفس بری

---

[1] معاییر:۔ معیار کی جمع ہے۔

[2] استصلاح: باب استفعال سے ہے کسی چیز کو درست سمجھنا۔

باتوں کا حکم دینے والا ہے''۔(الآیہ) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تیرے دشمنوں میں سب سے زیادہ سخت دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے پھر تیرے گھر والے اور پھر اولاد'' (الحدیث)

ایک اعرابیہ نے ایک شخص کو دعا دیتے ہوئے کہا ''اللہ تعالیٰ تیرے نفس کے سوا تیرے تمام دشمنوں کو رسوا کرے''۔

اس دعا کو کسی شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ۔

قلبی الی ماضرنی داعی یکثر اسقامی و اوجاعی

میرا دل مجھے اسی کی طرف بلاتا ہے جو مجھے نقصان پہنچاتا ہے اور میری بیماریاں اور تکلیفیں بڑھاتا ہے۔

کیف احتراسی من عدوی اذا کان عدوی بین اضلاعی

میں اپنے دشمن سے کیسے بچ سکتا ہوں جبکہ میرا دشمن میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔

نفس کو بے مہار مت بنایئے:

کیونکہ نفس اگر ایسا ہو جائے تو حسن ظن رکھنے کی وجہ سے آدمی اپنے نفس سے اپنے معاملات میں مشورہ کرنے لگتا ہے اور اس طرح آدمی اپنے نفس کو (بے مہار) زبان دراز بنا دیتا ہے اور اس کا اخلاق خراب کر دیتا ہے۔

اس کے برخلاف آدمی جب اپنے نفس سے حسن ظن ختم کر دیتا ہے اور اس کو ویسا ہی دھوکے باز مکار اور فریبی سمجھتا ہے جیسا وہ ہوتا ہے تو پھر نفس کو اس کی بات ماننی پڑتی ہے لہٰذا آدمی کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کی نافرمانیوں سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان مبارک ہے کہ ''عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی تدبیر سے عاجز ہو جائے''۔

اور کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ ''جس نے اپنے نفس کی تدبیر کر لی اس نے اپنے نفس کو لوگوں کا سردار بنا لیا''

نفس سے بدگمانی کا حکم:

رہی نفس سے بدگمانی تو لوگوں کی آراء اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض لوگ اس کو پسند نہیں کرتے کیونکہ اس سے نفس کی فرمانبرداری اور خیر خواہی کو بٹہ لگتا ہے۔ اس لئے کہ نفس کی چالاکیاں اگرچہ بہت گمراہ کن ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھی آدمی کا نفس اس سے اچھی بات بھی کرتا ہے۔ تو جس طرح نفس سے حسن ظن رکھنے کی بناء پر انسان اس کی برائیوں سے لاپرواہ ہوجاتا ہے اسی طرح اس سے بدگمانی کے نتیجے میں اس کی اچھائیوں سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور جو اپنے نفس کی اچھائیوں سے محروم رہا تو گویا وہ اس کی برائیوں سے بھی غافل اور لاپرواہ رہا نتیجۃ وہ اپنے نفس کی برائیوں کو ٹھیک کر سکے گا اور نہ ہی اس کو اچھائیوں کی طرف راغب کر سکے گا۔

نفس پر الزام ڈالنے میں جلدی نہ کریں:

حافظ نے اپنی کتاب البیان میں کہا ہے کہ "اپنے نفس کو متہم ٹھہرانے میں اعتدال سے کام لینا چاہئے اور اس سے حسن ظن رکھنے میں بھی درمیانہ راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر نفس سے بدگمانی میں حد سے بڑھا تو اس پر ظلم کرے گا اور اس کو مظلوموں کی طرح ذلیل کردے گا اور اگر حسن ظن میں حد سے بڑھا تو دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں ایک قسم کی مشغولیت ہے اور ہر قسم کی مشغولیت میں قدرے سستی ہوتی ہے اور ہر سستی میں کچھ نہ کچھ جہالت بھی ہوتی ہے۔

احنف بن قیس کہتے ہیں کہ "جو اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے وہ دوسرے پر اور زیادہ ظلم کرتا ہے اور جو اپنے دین کو منہدم کرتا ہے وہ اپنی بزرگی کو بھی منہدم کر بیٹھتا ہے"۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نفس سے بدگمانی رکھنا اس کی تربیت کی خاطر زیادہ ابلغ ہے اور اس کی محنت کے لئے زیادہ مناسب ہے کیونکہ نفس میں سرکشی اور تکبر کا مادہ ہوتا ہے جو اس سے ناراض ہوئے بغیر اور اسے متہم کئے بغیر نہیں جاتا۔ کیونکہ نفس سے عموماً محبت ہوتی ہے اور محبت کے اسی بھروسے کی وجہ سے نفس سرکشی کرتا ہے اور چالاکی سے دھوکہ دیتا ہے۔ اگر

اس سے بدگمانی نہ کی جائے تو اس کی سرکشی بڑھ جاتی ہے اور یہ دھوکہ کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ چنانچہ آدمی اس کے ساتھ آسان معاملہ کرنے پر قناعت کرتا ہے اور اس کے کاموں پر شک و شبہ کرنے میں ہی عافیت سمجھتا ہے حالانکہ حکماء اور داناؤں کا قول ہے کہ ''جو اپنے نفس سے راضی ہو جاتا ہے لوگ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں''

کشاجم نے کہا ہے کہ

لم ارض عن نفسی مخافة سخطها ورضا الفتی عن نفسه اغضا بها

میں اپنے نفس سے کبھی اس خوف کی وجہ سے راضی نہیں ہوا کہ کہیں وہ مجھ سے ناراض ہی نہ ہو جائے۔ کیونکہ انسان کا اپنے نفس سے راضی ہو جانا اسے غضبناک کر دیتا ہے۔

ولوانني عنها رضيت لقصرت عما تزيد بمثله آدابها

اور اگر اس سے میں راضی ہو جاؤں تو یہ ان آداب پر عمل کرنے سے کوتاہی کرے گا جو اس جیسے کی تربیت کے لئے سکھائے جاتے ہیں۔

و تبينت آثار ذاک فاكثرت عذلى عليه فطال فيه عتابها

جب اس کی کوتاہیوں کے آثار ظاہر ہوئے تو میں نے اس پر ملامت زیادہ کر دی سو اس کی ناراضگی طویل ہونے لگی۔

اور ابوتمام الطائی کے اس قول کو بھی پسند کیا گیا ہے کہ۔

ويسئى بالاحسان ظنا لا كمن هو بابنه وبشعره مفتون

وہ حسن ظن کے ساتھ برائی کرتا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہو یا اس کے بالوں پر مر مٹا ہو۔

چنانچہ وہ لوگ نفس کے ساتھ عمدہ طریقے سے بدگمانی اور اس کی مستقل مزاجی کو قابل مذمت نہیں سمجھتے بلکہ اس کی فضیلت کے لئے زیادہ بلیغ اور زیادہ باعث زیادتی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے نفس کی چھپائی ہوئی پوشیدہ باتوں اور خفیہ چالاکیوں سے آگاہ ہو گیا اور سرکشی کی صورت میں اس کی بات نہ مانی اور اس سے ہدایت کی بات منوالی تو گویا کہ وہ شخص اپنے نفس کے قبضے سے نکل کر اس کا مالک بننے میں کامیاب ہو گیا اور اس سے مغلوب

ہونے کے بجائے اس پر غالب ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

ابو حازم حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''زبردست وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو پالے'' (الحدیث)

عون بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ''اگر تیرا نفس تیری وہ باتیں نہ مانے جو اسے پسند نہیں تو تو بھی اس کی وہ باتیں نہ مان جو اسے پسند ہیں اور جو شخص تیرے معاملے کو نہیں جانتا اس کی تعریف سن کر دھوکے میں نہ آجانا۔

نفس سے زیادہ طاقتور بنیں:

بعض بلغاء کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کے مقابلے میں طاقتور رہا تو گویا کہ وہ طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا اور جس نے صبر کر کے اپنی شہوت کو قابو میں رکھا وہ مروت میں انتہاء کو پہنچ گیا۔ اس وقت چونکہ آدمی اپنے نفس کی چالاکیوں اور مکاریوں سے آگاہ ہو چکا ہے لہٰذا وہ اس کے ٹیڑھے پن کو اور فساد کو بآسانی درست کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

نفس کی پہچان کریں:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے فرمایا کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان اپنے رب کو کب پہچان لیتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب وہ اپنے نفس کو پہچان لے''۔ پھر جن باتوں کی نفس نے اصلاح کر لی ہے ان کا خیال رکھے اور اس کی شرارتوں اور چالاکیوں سے غافل نہ ہو یا اس کو بالکل مہمل نہ چھوڑے۔ تاکہ اس کی اصلاح مکمل ہو جائے اور رفتہ رفتہ نفس سعادت مندی کا درجہ حاصل کر لے کیونکہ اگر اصلاح کے بعد غفلت اختیار کی جائے تو نفس دوبارہ ضائع ہو جاتا ہے۔

ہم اس اکتسابی ادب کی چند فصلیں سفر... ذکر کریں گے جن میں وہ باتیں ہوں گی جن کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے اخلاق ادب وغیرہ اور یہ چھ فصلیں ہوں گی۔

پہلی فصل:

تکبر اور خود پسندی کے بیان میں

کیونکہ یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن سے آدمی کے فضائل سلب ہو جاتے ہیں اور وہ گھٹیا عادات کا خوگر ہو جاتا ہے۔ جس شخص میں یہ دو بیماریاں ہوں وہ کسی کی نصیحت و تربیت بھی قبول نہیں کرتا کیونکہ تکبر تو اپنے مقام و مرتبہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور عجب (خود پسندی) کی بیماری اپنی خوبیوں اور فضیلت کی وجہ سے ہوتی ہے لہٰذا تکبر کرنے والا خود کو دیگر علم حاصل کرنے والوں سے بلند مرتبہ سمجھتا ہے لہٰذا علم سے بھی محروم رہ جاتا ہے اور خود پسندی میں مبتلا شخص خود کو صاحب فضیلت سمجھتے ہوئے ادب و تربیت سیکھنے سے محروم رہ جاتا ہے۔

لہٰذا یہ ضروری تھا کہ پہلے ان دونوں بیماریوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مذمت و ملامت اور برائی کو بیان کر دیا جائے۔

تکبر ناراضگی کا باعث ہے:

رہا تکبر تو یہ ناراضگی کا باعث ہے محبت والفت سے غافل کر دیتا ہے مسلمان بھائیوں کے سینوں میں غصے کی آگ بھڑکا دیتا ہے اس کے برے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر شخص اس کو برا سمجھتا ہے چنانچہ اسی لئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”میں آپ کو شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں، کیونکہ ان دونوں چیزوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی معرفت سے محروم فرما دیتے ہیں“۔

اردشیر بن بالک کا قول ہے کہ ”تکبر حماقت کی زیادتی کے علاوہ اور کچھ نہیں، احمق کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ اسے کہاں لے جائے آخر وہ (حماقت) آدمی کو تکبر کی طرف لے جاتا ہے اور کیا ہی سچ کہا ہے۔

انسان کی حقیقت:

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ مطرف بن عبداللہ بن الشخیر نے مہلب بن ابی صفرہ کو

دیکھا وہ ایک نہایت قیمتی جبہ پہنے ہوئے تھا جو زمین پر گھسٹ رہا تھا اور بہت متکبرانہ چال چل رہا تھا لہٰذا انہوں نے مہلب سے کہا کہ اے اللہ کے بندے! ایسی چال کیوں چل رہے ہو جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرے؟ مہلب نے کہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں کون ہوں؟ مطرف نے کہا "ہاں میں تجھے جانتا ہوں تیری ابتداء ایک گندے نطفے سے ہوئی ہے اور انتہاء ایک مردار لاش کی صورت میں ہوگی اور تیرے جسم اور آنتوں میں پیشاب اور پاخانہ بھرا ہوا ہے"

اسی بات کو ابن عوف نے اپنے اشعار میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ؎

عجبت من معجب بصورته　　وكان بالا مس نطفة مذره

(ترجمہ) مجھے حیرت ہوتی ہے اس شخص کو دیکھ کر جو اپنی صورت کو دیکھ کر خوش ہوتا رہتا ہے حالانکہ کل تک وہ ایک گندہ نطفہ تھا۔

وفي غد بعد حسن صورته　　يصير في اللحد جيفة قذره

(ترجمہ) اور اس حسن و جمال کے بعد کل اس کا یہ حال ہوگا کہ وہ قبر میں ایک مردار لاش کی صورت میں پڑا ہوگا۔

وهو على تيهه و نخوته　　مابين ثوبيه يحمل العذرة

(ترجمہ) اور اس وقت اس کے غرور وتکبر کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے دو کپڑوں کے درمیان گندگی اٹھائے گھومتا پھرتا ہے۔

حالانکہ مہلب بن ابی صفرہ اس بات سے بہت افضل تھا اس بات کو سن کر بھی دھوکے میں مبتلا رہتا۔ لیکن بہر حال یہ غلطی غرور وتکبر اور حد سے زیادہ خود اعتمادی کی وجہ سے تھی۔

حماقت اور جہالت کی مثال:

رہی واضح حماقت اور ناپسندیدہ جہالت تو جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ نافع بن جبیر بن مطعم، علاء بن عبدالرحمٰن الخرقی کے حلقے میں بیٹھے وہ لوگوں میں وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ علاء بن عبدالرحمٰن جب فارغ ہوئے تو نافع نے پوچھا کہ "تمہیں معلوم ہے

کہ میں تمہاری مجلس میں کیوں بیٹھتا ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ ''آپ اس لئے ہماری مجلس میں بیٹھتے ہیں تا کہ آپ مجلس میں کچھ علم کی بات سنیں''۔ نافع نے کہا نہیں بلکہ میں اس لئے بیٹھتا ہوں تا کہ تم لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر اللہ کی رضا کی خاطر تواضع اختیار کروں۔ (یعنی بڑا آدمی چھوٹوں میں بیٹھ کر تواضع ظاہر کرتا ہے)

اب بھلا ایسے لوگوں سے بھی فضیلت کی امید کی جاسکتی ہے؟ یا کوئی ملامت فائدہ دے سکتی ہے؟

ابن المعتز نے کہا ہے کہ ''جب اس طرح کے لاعلم لوگ جب اہل علم و کمال کے سامنے اپنی جہالت علمی بے مائیگی سے آگاہ ہو جاتے ہیں تو وہ تکبر کے ذریعے مدد حاصل کرتے ہیں تا کہ اپنے چھوٹے پن کو بڑا کر سکیں اور اپنی حقارت کو دور کر سکیں۔ حالانکہ ایسا ہوتا نہیں ہے''۔

خود پسندی خوبیوں کی قاتل ہے:

رہی خود پسندی (اعجاب) تو اس کی وجہ سے خوبیاں پس پشت چلی جاتی ہیں اور بری صفات ظاہر ہو جاتی ہیں انسان قابل مذمت افعال میں مبتلا ہو جاتا ہے اور عمدہ اعمال و فضائل سے محروم رہ جاتا ہے روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''عجب نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اعجاب صواب (صحیح) کی ضد ہے اور عقل کے لئے فتنہ ہے۔

تواضع بڑی نعمت ہے:

بزرجمہر کا مقولہ ہے کہ ''تواضع ایسی نعمت ہے کہ جس کے پاس یہ نعمت ہو کوئی دوسرا اس نعمت والے سے حسد نہیں کرتا (کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے) اور عجب وہ بلا و آزمائش ہے کہ اس میں مبتلا شخص پر کسی کو رحم نہیں آتا''۔

کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ ''کسی شخص کا عجب (خود پسندی) میں مبتلا ہو جانا خود اپنی عقل

سے حسد کرنے کے مترادف ہے اور تکبر سے حاصل ہونے والی ناراضگی کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور عجب جس جہالت تک پہنچاتا ہے اس کی بھی کوئی انتہاء نہیں ہے یہاں تک کہ یہ چیزیں مشہور و معروف خوبیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور فضائل کو مٹا ڈالتی ہیں ایسی خطا سے بچتے رہنا جو ساری نیکیوں کا خاتمہ کر دیتی ہے اور وہ مذمت جو ہر فضیلت کو منہدم کر دیتی ہے یہ ان نقصانات کے علاوہ ہیں جو لوگوں کے غصے اور کینے کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔

چار مغروروں کو قتل کرنے کی خواہش:

عمر بن حفص بیان کرتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ کسی نے حجاج بن یوسف سے پوچھا کہ آپ عراق میں خود کو کس مقام پر دیکھتے ہیں حجاج نے جواب دیا کہ میں خود کو بہت اچھے مقام پر دیکھتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ مجھے موقع دیتا تو میں چار افراد کو قتل کر کے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتا۔ کسی نے پوچھا کہ وہ چار افراد کون ہیں؟ تو حجاج نے جواب دیا کہ ان میں سے ایک مقاتل بن مسمع ہے بجستان کا گورنر۔ لوگ اس کے پاس آئے تو اس نے ان کو مال و منال عطا کئے اور جب یہ عہدے سے معزول کر دیا گیا تو بصرہ کی مسجد میں آیا تو لوگوں نے اپنی چادریں اس کے لئے بچھا دیں یہ ان کے اوپر چلنے لگا اور اپنے ساتھ چلنے والے ایک آدمی سے کہنے لگا کہ کرنے والوں کو یہ کام کرنے چاہئیں۔

(۲) دوسرا آدمی عبداللہ بن زیاد بن ظبیان التیمی ہے۔ اس نے اہل بصرہ کو ڈرایا۔ ایک مرتبہ خطبہ دیا اور بہت مختصر اور فصیح و بلیغ خطبہ دیا مسجد کے مختلف گوشوں سے لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم میں آپ جیسے لوگ کثرت سے پیدا کریں تو اس نے کہا کہ ارے تم نے تو (معاذ اللہ) اللہ کو مشقت میں ڈال دیا۔ (یعنی مجھ جیسے لوگ پیدا کرنا اللہ کے لئے بہت مشکل کام ہے) **نعوذ باللہ من ذلک۔**

(۳) تیسرا آدمی معبد بن زرارۃ ہے۔ یہ ایک مرتبہ راستے میں بیٹھا ہوا تھا کہ قریب سے ایک عورت گذری اور اس نے اس سے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے! فلاں فلاں جگہ کا راستہ کہاں سے ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا اری نادان! بھلا مجھ جیسے لوگ بھی اللہ کے

بندے ہوتے ہیں؟''۔ (معاذ اللہ من ذالک)۔

(۴) چوتھا آدمی ابوسمال الاسدی ہے۔ ایک مرتبہ اس کی سواری گم ہوگئی۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا لیکن نہ ملی۔ تو اس نے کہا کہ اگر اللہ نے میری سواری مجھے واپس نہ کی تو میں کبھی نماز نہ پڑھوں گا۔ لوگوں نے دوبارہ اس کی سواری تلاش کرنا شروع کی اس مرتبہ سواری مل گئی لہٰذا لوگوں نے اس سے کہا کہ تیری سواری مل گئی ہے اب تو نماز پڑھا کر! تو اس نے کہا کہ وہ قسم تو میں نے مجبوری کی حالت میں کھائی تھی''۔ (انتہی)

غور کرنے کی بات ہے کہ عجب نے کس طرح ان لوگوں کی حماقت کو واضح کیا اور اول و آخر دونوں جہانوں میں عبرت کا نقصان بنا کر رکھ دیا۔ اگر تکبر کرنے والا یا خود پسندی میں مبتلا شخص اس بات سے آگاہ ہو جائیں کہ وہ کتنی بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں تو کبھی خود کو بلند مرتبہ نہ سمجھیں اور اپنی سختی اور نفرت کو نرمی اور سکون سے بدل لیں۔

انسان کا تکبر قابل حیرت ہے:

احنف بن قیس کہتے ہیں کہ ''مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وہ شخص جو دو مرتبہ پیشاب کی جگہ (پہلی مرتبہ باپ کی شرمگاہ سے ہوتا ہوا ماں کے رحم میں اور پھر وہاں سے پیدائش کے وقت) سے گذرتا ہے وہ کیسے تکبر کرتا ہے''۔

کسی شاعر نے انسان کی صفت اس طرح بیان کی ہے کہ ۔

یا مظهر الكبر اعجابا بصورته   انظر خلاك فان النتن تثريب

اے اپنی صورت دیکھ کر خوش ہو ہو کر تکبر کا اظہار کرنے والے! اپنے تنہائی کے مقام کو دیکھ کہ کس قدر گندگی بھری پڑی ہے۔

لو فكر الناس فيما في بطونهم   ما استشعر الكبر شبان ولا شيب

اگر لوگ اس چیز کے بارے میں غور و فکر کریں جو ان کے پیٹ میں ہے تو کبھی تکبر کو محسوس بھی نہ کریں خواہ جوان ہو یا بوڑھا۔

هل في ابن آدم مثل الراس مكرم   هو بخمس من الاقذار مضروب

بھلا انسان کے جسم میں سر سے زیادہ معزز حصہ بھی کوئی ہوتا ہے اور وہ بھی پانچ قسم کی گندگیوں کا حامل ہے۔

انف یسیل و اذن ریحھا سھک　　　و العین مرفضة و الثغر ملعوب

بہتی ناک اور میلا بدبودار کان بہتی آنکھ اور تھوک سے بھری ہوئی بتیسی۔

یا بن التراب وما کول التراب غدا　　　اقصر فانک ماکول و مشروب

اے مٹی کے بیٹے! کل کو تو مٹی کی خوراک بننے والا ہے خیال رکھ کیونکہ تجھے بھی کھایا پیا جائے گا۔

یہ اشعار اس شخص کے لئے زیادہ مفید ہیں جو تکبر اور خود پسندی سے پرہیز کرنے والا ہو جسکی دنیا میں قدر کی جاتی ہو اور اسے ان بیماریوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی ہو کیونکہ وہ عالی ہمتی کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ کو بھی کم سمجھتا ہے اور بڑے سے بڑے کو بھی چھوٹا سمجھتا ہے۔

محمد بن علی کا کہنا ہے کہ "کسی شریف آدمی کی شان کے لائق یہ بات نہیں کہ وہ دنیا کی کسی چیز کو اپنے لئے خطرہ سمجھے کیونکہ اس صورت میں اس کی قدر اس کی نگاہوں میں کم ہو جائے گی۔

ابن اسماک نے عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا کہ بزرگی میں تیرا تواضع اختیار کرنا تیری بزرگی سے بہتر ہے۔

کہا جاتا تھا کہ یہ دو اسم الگ الگ ہیں لیکن ان کا معنی ایک ہی ہے یعنی تواضع اور شرف۔

تکبر کے اسباب:

تکبر کے کچھ اسباب بھی ہیں جن کی وجہ سے آدمی تکبر میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ان میں سے اہم ترین سبب اثر و رسوخ، پہنچ، بڑے لوگوں میں بات کا مانا جانا اور اپنے ہم منصب لوگوں سے کم سے کم ملاقات ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اپنے جوتوں کی آواز کو بھی مجھ سے دور کر لو یہ ان لوگوں کے

دلوں کے لئے بہت نقصان دہ ہیں جنہوں نے اپنے دلوں کو پاک کرلیا ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے چلنے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واپس چلے جاؤ، کیونکہ یہ پیچھے آنے والے کے لئے لغزش ہے اور جس کے پیچھے چلا جارہا ہے اس کے لئے آزمائش"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تواضع:

قیس بن حازم بیان کرتے ہیں کہ "ایک شخص کو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا گیا وہ ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا کہ گھبراؤ مت میں تو صرف ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کے ٹکڑے کھایا کرتی تھی"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات صرف اس لئے ارشاد فرمائی تا کہ تکبر کا مادہ ختم ہو جائے خود پسندی کا سد باب ہو جائے اشراف نفس اور خود کو بڑا سمجھنے کا مادہ بالکل ہی ختم ہو جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تواضع:

ایسی ہی ایک مثال خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات میں بھی ملتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے آواز لگوائی کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ جب لوگ مسجد میں پہنچ گئے تو آپ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد وثنا اور درود شریف پڑھنے کے بعد فرمایا "اے لوگو! میں نے اپنے آپ کو دیکھا (یعنی ایک وہ وقت بھی تھا) کہ میں بنی مخزوم کی اپنی بعض خالاؤں کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور وہ مجھے ایک مٹھی بھر کھجور اور کشمش دیا کرتی تھیں اور آج یہ دن ہے (کہ میں مسلمانوں کا امیر ہوں)"

یہ سنتے ہی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امیر المومنین! "آپ تو انکساری سے کام لے رہے ہیں"۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بات سنتے ہی آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ارے عوف کے بیٹے! میں تنہا تھا تو میرے نفس نے مجھ سے کہا کہ تو امیر المومنین ہے بھلا تجھ سے افضل بھی کوئی ہوسکتا ہے"۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ

میں اپنے بارے میں لوگوں کو بتادوں کہ میں کیا تھا''

خود پسندی کے اسباب:

اسی طرح عجب کے بھی کچھ اسباب ہیں۔ان میں سے قوی ترین اسباب یہ ہیں کہ انسان ان لوگوں کی صحبت اختیار کرے جو اس کی تعریف کرتے ہیں اور خوشامدوں اور چاپلوسیوں میں مشغول رہتے ہیں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے منافقت کو عادت اور کمائی کا ذریعہ بنالیا ہے اور چاپلوسی کو بطور دھوکہ اور کھیل استعمال کرتے ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ کمزور عقل والے لوگ ان کو قبول کر لیتے ہیں تو یہ ان کو دھوکہ دینے لگتے ہیں اور ان کا مذاق اڑانے کا ذریعہ بناتے ہیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کسی اور آدمی کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو فرمایا تم نے اس کی شاخ کاٹ دی اگر وہ اس کو سن لیتا تو اس کے بعد کامیاب نہ ہوسکتا تھا''۔ (یعنی اس کی تعریف کرنا اسے اس کے عمل سے بے پرواہ کردیتا)

کسی کی تعریف منہ پر مت کرو:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ'' تعریف کرنا ذبح کرنے کے مترادف ہے''۔ ابن المقفع کا مقولہ ہے کہ'' تعریف کرنے والے کے سامنے رہنے والا ایسا ہے جیسے خود اپنی تعریف کرنے والا''۔ کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ'' جو آدمی اپنی ایسی تعریف پر راضی ہو جس کا وہ مستحق نہیں تو گویا کہ اس نے خود کو مزاح کا نشانہ بنالیا''۔

روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' غیر واقعی اوصاف پر فخر یا غیر واقعی اوصاف پر تعریف کرنے سے بچو، کیونکہ یہ ذبح کردینے کے مترادف ہے اگر تم میں سے کسی نے اپنے (مسلمان) بھائی کی تعریف کرنی ہو تو اس کو یوں کہہ لینا چاہئے کہ میں گمان کرتا ہوں (کہ میرے مسلمان بھائی میں فلاں فلاں خوبی ہوگی۔مترجم) اور اللہ کے مقابلے میں کسی کی تعریف نہیں کرتا''۔ (یا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو۔مترجم)''

بیان کیا گیا ہے کہ (قرآن کریم سے) پہلی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا کہ

''عجب ہے اس شخص کا معاملہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں خیر ہے حالانکہ (حقیقتاً) نہیں تو وہ کیسے خوش ہوتا ہے؟ اور عجیب ہے اس شخص کا معاملہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں شر ہے اور (حقیقتاً) بھی اس میں شر ہے تو (اس کے باوجود بھی) وہ کیسے غصہ کرتا ہے''؟

کسی شاعر نے کہا ہے کہ ۔

یا جاھلا غرہ افراط مادحہ

لا یغلبن جھل من اطراک علمک بک

اے وہ جاہل جسے تعریف کرنے والے کے غلو نے دھوکے میں ڈال دیا ہے تجھے اس کا جہل مغلوب نہ کردے جس نے تیرا علم تجھ سے دور کردیا ہے۔

اثنی وقال بلا علم احاط بہ وانت اعلم بالمحصول من ریبک

اس نے تعریف کی اور بغیر علم محیط کے بات کی حالانکہ تجھے جو اپنے شک کا علم حاصل ہے تو اسے زیادہ جانتا ہے۔

یہ وہ معاملہ ہے جس کے بارے میں عقلمند کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ نفس کو اس میں مبتلا ہونے سے روکے اور اپنے لئے کی گئی تعریف کا انکار کرے، کیونکہ نفس ''تعریف'' کی طرف مائل ہوتا ہے اور تعریف سن کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ ۔

یھوی الثناء مبرز و مقصر حب الثناء طبیعة الانسان

(ترجمہ) ظاہر و پوشیدہ تعریف سے محبت کرتا ہے (کیونکہ) تعریف مدح سے محبت کرنا انسان کی طبیعت ہے۔

نفس کی تعریف پر سختی کا معاملہ کریں:

لہٰذا اگر ابتدائی تعریف کے دوران نفس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا اور اپنی خواہش کو پھر اس کے پیچھے لگا دیا تو قابل تعریف فضائل و خوبیاں بھی چھوٹ جاتی ہیں اور انسان قابل مذمت حرکتوں کا مرتکب ہونے لگتا ہے چنانچہ ظاہری تعریف جھوٹ بن جاتی ہے اور اندر

چھپی برائی سچ ہوتی ہے اور اگر دونوں کا تقابل کیا جائے تو سچائی زیادہ اہم ٹھہرتی ہے اور یہ ایسا دھوکہ ہے جس سے نہ کوئی عقلمند راضی ہوتا ہے اور نہ کوئی عقلمند اس سے دھوکہ کھاتا ہے۔

تعریف کرنے والا حسن ظن نہیں رکھتا:

یہ بات بھی سامنے رہنی چاہئے کہ تعریف کر کے قربت حاصل کرنے والا قبولیت کے باوجود اسراف کا مرتکب ہوتا ہے اور انکار کے باوجود روکتا ہے لہٰذا اس تعریف کی تصدیق کے باوجود اس کے دل میں حسن ظن قائم نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود تعریف کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے (کہ یہ جھوٹی ہے) وگرنہ تعریف کرنے والے کی تہمت اسی پر غالب ہوتی ہے، کم ہی ایسی تعریفیں ہوتی ہیں جو پوری کی پوری سچائی پر مبنی ہوں اور حق ہوں چنانچہ اہل علم وفضل اپنی زبانوں پر مدح وثناء وغیرہ لانا اور چاپلوسی وغیرہ کرنے سے بہت پرہیز کرتے ہیں۔ مکحول نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''عیب لگانے والے، لعنت کرنے والے اور اپنی کمزوری ظاہر کرنے والے نہ بنو''۔

(الحدیث۔ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مترجم)

امام اصمعی کا خود پسندی سے اجتناب:

امام اصمعی نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کی جاتی تو آپ رضی اللہ عنہ اس طرح دعا کرتے کہ اے اللہ! آپ مجھے مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، اور میں خود اپنے بارے میں دوسروں سے زیادہ جانتا ہوں، اے اللہ! لوگ جو مجھے سمجھتے ہیں مجھے اس سے بہتر بنا دیجئے اور لوگ میری جن باتوں سے واقف نہیں وہ معاف کر دیجئے اور لوگ جو کچھ میرے بارے میں کہتے ہیں اس پر میرا مواخذہ نہ فرمایئے''۔

کسی شاعر نے کہا ہے کہ۔

اذا لمرء لم یمدحه حسن فعاله　　فمادحه یهذی و ان کان مفصحا

(ترجمہ) جب کسی شخص کو اس کے اچھے افعال واعمال ہی قابل تعریف نہ بنا سکیں تو اس کی تعریف کرنے والا بکواس کرتا ہے خواہ وہ فصیح وبلیغ ہی کیوں نہ ہو۔

بسا اوقات ''تعریف'' کی محبت اپنے صاحب (یعنی تعریف سے محبت کرنے والے) کو اس حال میں پہنچا دیتی ہے کہ وہ خود اپنی تعریف کرنے لگتا ہے یا تو یہ وہم ہوتا ہے کہ لوگ اس کی فضیلت سے غافل ہیں اور اس کا حق ادا نہیں کرتے۔ یا اس لئے کہ پھر وہ لوگوں کو تعریف میں مبالغہ کر کر کے دھوکہ دیتا ہے لہٰذا لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی بات سچ اور قابل اتباع ہے اور ایسا سچ ہے جس کو سنا جا سکتا ہے۔

یا پھر اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کو اپنی تعریف اور مدح سرائی سن کر مزا آتا ہے جیسے وہ شخص جو اگر کسی خوشنما نغمے کی آواز نہ سنے تو خود ہی گنگنانا شروع کر دیتا ہے وجہ خواہ کوئی بھی ہو بہرحال یہ ایک واضح طور پر جاہلانہ حرکت اور صاف صاف دکھائی دینے والا عیب ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے کہ۔

وما شرف ان یمدح المرء نفسه   ولکن اعمالا تذم و تمدح

یہ کوئی عزت کی بات نہیں کہ کوئی اپنے آپ کی تعریف کرے لیکن اعمال خود مذمت اور مدح کرواتے ہیں۔

وما کل حین یصدق المرء ظنه   ولا کل اصحاب التجارة یربح

اور ضروری نہیں کہ ہر وقت آدمی کا گمان سچ ثابت ہو (جیسے کہ) ہر تاجر کے لئے ضروری نہیں کہ اسے ہمیشہ نفع ہی ہو۔

ولا کل من ترجو لغیبک حافظا   ولا کل من ضم الودیعة یصلح

اور نہ ہی ہر وہ شخص جسے تو اپنی غیر موجودگی میں اپنا حمایتی سمجھتا ہے (ضروری نہیں کہ وہ تیرا حمایتی ہی ہو) اور نہ ہی وہ شخص جس کے پاس ودیعت رکھوائی جاتی ہے (ودیعت رکھوانے کا اہل ہوتا ہے۔

نیک مسلمانوں سے سبق لینا چاہئے:

عقلمند کے لئے یہ بہت مناسب ہے کہ وہ اپنے سچے دل والے (مسلمان) بھائیوں

سے ہدایت حاصل کرے جو اپنے دلوں کو ان بیماریوں (تکبر وعجب) سے پاک کر چکے ہیں اور اپنی خوبیوں اور عیوب کو یکساں طور پر جانچنے والے ہیں اور عیوب کی نشاندھی پر ان کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں (وہ عیوب جن سے عام طور پر لوگ صرف نظر کر لیتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ زیادہ صاحب نظر اور سلیم الفکر ہوتے ہیں اور اپنے جس عیب سے آگاہ ہوتے ہیں اس کے بدلے اپنے اندر کسی خوبی کو پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے عیب کی نشاندھی کرنے والے کو تعریف کرنے والے کا مقام دیتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے، جب وہ اس میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو اس کو ٹھیک کر دیتا ہے"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو ہمیں ہمارے عیوب سے آگاہ کرے"۔

خیر خواہ سے نشاندھی قبول کریں:

کسی حکیم دانا سے پوچھا گیا کہ "کیا آپ یہ بات پسند کرتے ہیں کہ کوئی آپ کو آپ کے عیوب کے بارے میں بتائے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں کیوں نہیں مگر ناصح (خیر خواہ) سے (یعنی جو واقعتاً نصیحت کا ارادہ رکھتا ہو محض تنقید برائے تنقید نہ کرتا ہو یا صرف کیڑے نہ نکالتا ہو)۔

اور اسی بات کے ہم معنی واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ہم حمص پر گورنر مقرر کرنا چاہتے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایسا شخص مقرر کریں جو آپ سے صحیح گمان رکھتا ہو اور آپ کے لئے صحیح ہو"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ہی وہ شخصیت ہیں"۔ تو آپ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر مجھے آپ سے بدگمانی ہوگئی تو آپ کو مجھ سے فائدہ نہ پہنچے گا اور اگر آپ کو بھی مجھ سے بدگمانی ہوگئی تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

کتاب منثور الحکم میں ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا عیب ظاہر کر دیا تو گویا کہ اس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور جب تکبر کے اسباب ختم کر دیئے اور عجب کے مادے سے نجات حاصل کر لی تو تکبر سے تواضع کی طرف منتقل ہو جائے گا اور عجب سے محبت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ یہی چیز بزرگی اور کرامت کا بڑا سبب نعمتوں کا باعث اور دل کی صفائی کا بہترین ذریعہ ہے جو اس کو محبت کی طرف لے جاتا ہے اور بغض ونفرت سے دور کر دیتا ہے۔

تین چیزیں چھوڑیئے تین حاصل کیجئے:

کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ ''جس نے تین چیزوں سے نجات حاصل کر لی اسے تین چیزیں ملیں گی، جس نے فضول خرچی سے نجات حاصل کر لی اس نے عزت پالی، جسنے کنجوسی سے نجات حاصل کر لی اس نے شرافت پالی اور جس نے تکبر سے نجات حاصل کر لی اس نے بزرگی پالی''

مصعب بن الزبیر کا مقولہ ہے کہ ''تواضع، شرافت و بزرگی کی شکار گاہ ہے''

متواضع کے دوست بہت ہوتے ہیں:

منثور الحکم نامی کتاب میں لکھا ہے کہ ''جو ہمیشہ تواضع اختیار کرتا ہے اس کے دوست بہت ہوتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقام و مرتبے اور عہدے و منصب کسی کے لئے بہت اثرات چھوڑ جاتے ہیں جس سے ان کے برے مزاج اور طبیعت کا پتہ چلتا ہے۔

اور یہی عہدے و مناصب کبھی کسی کے اچھے اور عمدہ اثرات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں جس سے ان کی بلند اخلاقی اور اچھی طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ بدلتے حالات ہی سے انسان کا اخلاقی جوہر سامنے آتا ہے اور اس کے چھپے ہوئے راز ظاہر ہوتے ہیں خصوصاً اس وقت جب بہت سے مسائل اچانک آدمی پر حملہ آور ہو جائیں اور بچ نکلنے کا موقع ہی نہ دیں۔

بدلتے حالات سے انسان کا اندازہ ہوتا ہے:

کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ ''بدلتے حالات ہی سے لوگوں کے جوہر کا پتہ چلتا ہے''۔

فضل بن سہل نے کہا ہے کہ ''جسے اس کے مرتبے سے بلند عہدہ یا منصب مل جائے تو وہ متکبر

ہو جاتا ہے اور اگر کسی کو اپنے مقام و مرتبے سے کم درجے کا مقام و مرتبہ مل جائے تو وہ **متواضع** بن جاتا ہے"۔

کسی عقلمند کا مقولہ ہے کہ "اپنے مقام و مرتبے اور منصب کے لحاظ سے **لوگوں کی دو** قسمیں ہوتی ہیں۔

ایک وہ شخص جو اپنے فضل وقار اور مروت کی وجہ سے اچھے اور باوقار اعمال کرتا ہے **اور** دوسرا وہ شخص ہے جو اپنی کمی اور نیچ پن کی وجہ سے عمل کر کے اچھا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ (اچھا ظاہر کرتا ہے) جو شخص اپنے عمل کے بغیر ہی باوقار ہو وہ تواضع اور کشادہ روئی **میں** بڑھتا ہے اور جو اپنے عمل سے بڑا بننے کی کوشش (دکھانے کے لئے) کرے وہ جبر اور **تکبر کا** لبادہ پہنے ہوئے ہے۔

دوسری فصل:

حسن خلق کے بیان میں

روایت کیا گیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ''اسلام'' کو بطور دین کے پسند فرمایا ہے۔ لہٰذا حسن خلق اور سخاوت کے ذریعے اس کا اکرام کرو۔ کیونکہ یہ (اسلام) انہی دو چیزوں سے مکمل ہوتا ہے''

بداخلاقی بدترین بیماری ہے:

احنف بن قیس نے ایک مرتبہ لوگوں سے پوچھا کہ ''کیا میں تمہیں سب سے زیادہ بدترین بیماری نہ بتاؤں؟ لوگوں نے کہا ضرور۔ تو آپ نے کہا کہ بداخلاقی اور گندی زبان سب سے زیادہ خطرناک بیماریاں ہیں''

کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ ''جس کے اخلاق خراب ہوں اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے اور اس قول کی وجہ ظاہر ہے''

اچھے اخلاق والا سکون میں ہوتا ہے:

کسی عقلمند کا قول ہے کہ ''اچھے اخلاق والا خود بھی سکون سے رہتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے خود کو محفوظ سمجھتے ہیں اور بداخلاق خود بھی پریشان رہتا ہے اور لوگ بھی اس سے تنگ رہتے ہیں''

اور کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ ''اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ رہو''

کسی شاعر نے کہا ہے کہ۔

اذا لم تتسع اخلاق قوم تضیق بهم فسیحات البلاد

جب کسی قوم کے اخلاق میں وسعت نہ رہے تو ان کے لئے بڑے بڑے شہروں کی وسعتیں تک تنگ ہو جاتی ہیں۔

اذا ما المرء لم یخلق لبیبا فلیس اللب عن قدم الولاد

اور اگر کسی شخص کے لئے عقل پیدا ہی نہیں کی گئی تو عقل کی بنیاد پہلے پیدا ہونا (بڑی عمر) نہیں ہے۔

خوش اخلاق کے دشمن کم ہوتے ہیں:

چنانچہ جس شخص کے اخلاق اچھے ہوں اس کے دوست احباب زیادہ اور دشمن کم ہوتے ہیں اسی وجہ سے اس کے لئے مشکل کام بھی آسان اور سخت دل نرم ہو جاتے ہیں۔ روایت کیا گیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اچھے اخلاق اور اچھے پڑوسی سے گھر آباد ہوتے ہیں اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے''۔

اخلاق کی وسعت رزق کے خزانے کھولتی ہے:

کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ ''اخلاق کی وسعت (خوش اخلاقی) رزق کے خزانے کھول دیتی ہے اور اس کا سبب وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ اچھے اور سعادت مند دوستوں کی زیادتی اور بے وفاؤں اور دشمنوں کی کمی۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مجھے تم میں سب سے زیادہ وہ پسند ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں جن کے ساتھ ہر طرف سے اتفاق کیا جاتا ہو جو دوسروں سے الفت رکھتے ہیں اور دوسرے ان سے الفت رکھتے ہیں''۔

اچھے اخلاق کیا ہیں؟:

اچھے اخلاق یہ ہیں کہ انسان سادہ طبیعت، نرم مزاج، خوشگوار چہرے، عمدہ گفتگو اور بہت کم ناگواری کا اظہار کرنے والا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اوصاف بیان فرمائے ہیں چنانچہ فرمایا کہ ''اہل جنت سب کے سب آسان، سادہ، نرم اور خوش گوار چہرے والے ہوں گے''۔ (الحدیث) اسی لئے ہم نے ان اوصاف میں سے چند مخصوص اوصاف بیان کر دیئے ہیں۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے کہ

اصفو و اکدر احیانا لمختبری   ولیس مستحسناً صفوبلا کدر

میں اپنا امتحان لینے والے سے کبھی نرمی کا معاملہ کرتا ہوں اور کبھی سختی کا کیونکہ سختی (کدورت) کے بغیر نرمی اچھی نہیں ہوتی۔

یہاں کدورت سے مراد فحش کلامی اور بداخلاقی نہیں کیونکہ یہ تو بری چیزیں ہیں ان کو کوئی اچھا نہیں سمجھتا یہ تو ایسے عیب ہیں جن سے کوئی راضی نہیں ہوتا بلکہ کدورت سے مراد وہ ناگواری ہے جسے دیکھ کر کوئی شخص ایسی کسی حرکت کے ارتکاب سے رک جاتا ہے جس پر اس کو ملامت و مذمت کا اندیشہ ہوسکتا تھا لہٰذا جب یہ معلوم ہوگیا کہ حسن اخلاق کی کچھ مقررہ حدود اور موقع محل ہوتے ہیں تو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر آدمی ان حدود سے آگے بڑھ جائے تو خوشامدی بن جائے گا اور اگر حسن اخلاق کا اظہار موقع ومحل کی مناسبت سے نہ کیا جائے تو آدمی منافق بن جاتا ہے اور یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ خوشامد اور چاپلوسی ذلت ہے اور منافقت کمینگی ہے ایسے شخص کے لئے نہ کوئی محبت ہوتی ہے اور نہ عمدہ یادگار۔ حکیم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''لوگوں میں سے سب سے بدترین آدمی وہ ہے جو دو چہروں والا (دوغلا) ہو اس کے پاس اس چہرے کے ساتھ آئے اور اس کے پاس دوسرے چہرے سے''۔

مکحول نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ مناسب نہیں کہ دو چہروں والے کے لئے اللہ کے ہاں کوئی مقام ومرتبہ ہو''

دوغلے سے آدھے چہرے والا اچھا ہے:

سعید بن عروۃ کہتے ہیں کہ ''اگر میرا چہرہ آدھا ہو اور زبان بھی آدھی ہو تو اپنی تمام تر بدصورتی کے باوجود یہ دونوں چیزیں (یعنی آدھا چہرہ اور آدھی زبان) مجھے اس سے زیادہ پسند ہیں کہ میں دو چہروں والا (دوغلا) دو زبانوں والا اور دو مختلف باتوں والا ہوں''۔

کسی شاعر نے کہا ہے کہ ۔

خــل الــنــفــاق لاهــلــه　　　وعــلــيــک فــالــتــمــس الطريقا

منافقت کو منافقوں کے لئے رہنے دو اور سیدھے راستے کی تلاش اپنے ذمے لازم کرلو۔

وارغب بنفسک ان تری الاعدوا او صدیقا

اور (اصلاح کے لئے) اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو جاؤ قبل اس سے کہ تمہیں دوست یا دشمن سمجھا جانے لگے۔

ابراہیم بن محمد نے کہا ہے کہ۔

وکم من صدیق وده بلسانه خئون بظهر الغیب لایتذمم

کتنے ہی دوست ایسے ہوتے ہیں جو صرف زبانی محبت کرتے ہیں اور پیٹھ پیچھے خیانت کرنے والے ہوتے ہیں جن کی مذمت نہیں کی جاتی۔

یضاحکنی عجبا اذاما لقیته ویقذ عنی منه اذاغبت اسهم

وہ خود پسندی سے مجھے ہنساتا ہے جب میں اس سے ملتا ہوں اور جب میں غائب ہوتا ہوں تو وہ تیوریاں چڑھا کر مجھے گالیاں دیتا ہے۔

کذلک ذوالوجهین یرضیک شاهدا وفی غیبه ان غاب صاب و علقم

اسی طرح دوغلا آدمی ہوتا ہے جو تمہارے سامنے تم سے راضی ہوتا ہے اور اگر موجود نہ ہوتو عدم موجودگی میں تیر مارتا اور کڑوی باتیں کرتا ہے۔

بداخلاق کے اخلاق میں تبدیلی کی وجہ:

اور بعض اوقات کسی عارضی سبب کی وجہ سے خوش اخلاقی اور شرافت فحش کلامی اور بد اخلاقی میں بدل جاتی ہے نرم دل سخت دل ہو جاتا ہے خوشگوار چہرہ ناگوار ہو جاتا ہے اور خوش کلامی سخت گیری میں بدل جاتی ہے۔

لہٰذا یہ تبدیلی جس سے حسن اخلاق بداخلاقی میں اور خوش کلام فحش کلامی میں بدل جاتی ہے اس کے کچھ اسباب بھی ہوتے ہیں مثلاً طبعی کمینگی یا کم ظرفی وغیرہ۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''جو اپنے منصب میں بالکل ہی مشغول ہو گیا اور اس سے دل لگا بیٹھا تو معزولی کے وقت وہ ذلیل ہو جائے گا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''علیحدگی کی ذلت منصب کی مشغولی پر ہنستی ہے''

اخلاق بدلنے کی ایک وجہ منصب کی وجہ سے علیحدگی ہے

انہی اسباب میں سے ایک علیحدگی بھی ہے جس سے آدمی بداخلاق یا کم ظرف ہو جاتا ہے وجہ خواہ غم کی شدت ہو یا صبر کی کمی۔

حمید الطّویل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو منصب سے معزول کر دیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ پر یہ بات گراں گذری تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''میں نے اس کے دودھ پلانے کی مٹھاس بھی چکھی اور دودھ چھڑوانے کی کڑواہٹ بھی''

اور انہی اسباب میں سے ایک ''مالداری'' بھی ہے جس سے اخلاق کمینگی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ آدمی بداخلاقی کے راستوں پر چل پڑتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''جس نے پالیا اس نے اس کو ہمیشہ کے لئے سمجھ لیا''

ریاشی نے کہا ہے کہ

غضبان یعلم ان المال ساق لہ ۔۔۔ مالم یسقہ لہ دین ولا خلق

غضبناک آدمی یہ جانتا ہے کہ مال اس کو وہ کچھ دے گا جو دین اور اخلاق نہیں دے سکتا

فمن یکن عن کرام الناس یسالنی ۔۔۔ فاکرم الناس من کانت لہ ورق

لہٰذا اگر کوئی مجھ سے معزز ترین لوگوں کے بارے میں پوچھے تو میں اسے بتاؤں کہ معزز وہ ہوتا جس کے پاس دولت خوب ہو۔

اور کسی شاعر نے کہا ہے کہ

لئن تکن الدنیا انا لتک ثروۃ ۔۔۔ فاصبحت ذایسیر وقد کنت ذاعسر

اگر دنیا تجھے مالدار بنا دے تو پھر تو تو سہولتوں والا ہو جائے گا حالانکہ اس سے پہلے تو تنگ دست تھا۔

لقد کشف الاثراء منک خلائقا ۔۔۔ من اللئوم کانت تحت ثوب من الفقر

تحقیق مالداری نے تیرے برے اخلاق ظاہر کر دیئے ہیں جو تیری فقیری کے کپڑوں کے نیچے چھپے ہوئے تھے۔

دماغ درست کرنے کے لئے عطایا کم کردیں:

اور جتنا مالداری فساد پیدا کرتی ہے فقر اتنا ہی اس کی اصلاح کرتا ہے۔

قتیبہ بن مسلم نے ایک مرتبہ حجاج بن یوسف کو لکھا کہ ''اہل شام اس کے ساتھ مفاد پرستی کا برتاؤ کرنے لگے ہیں''۔ حجاج نے جواب میں لکھا کہ ان کے وظیفے بند کردو۔ لہٰذا قتیبہ بن مسلم نے ایسا ہی کیا، تو اہل شام کی حالت خراب ہونے لگی۔ تو وہ سب جمع ہوکر قتیبہ کی خدمت میں پہنچے اور درخواست کی کہ ہم پر سختی کم کردیجئے۔ قتیبہ نے دوبارہ حجاج سے مشورہ کیا، حجاج نے جواب دیا کہ ''اگر تم سمجھتے ہو کہ ان کو عقل آ گئی ہے تب تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ان کے ساتھ جو چاہو معاملہ کرو''۔

غربت اچھے اچھوں کا دماغ درست کردیتی ہے:

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ فقر اور تنگ دستی اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جو بڑے بڑے زبردستوں اور متکبروں کو ذلت کا مزا چکھا دیتا ہے۔

روایت کیا گیا ہے کہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کے بیٹے (یعنی انسان) کو تین چیزوں کے ساتھ ذلیل نہ کرتا تو وہ (انسان) کبھی سر نہ جھکاتا''۔ (۱) فقر۔ (۲) بیماری اور (۳) موت''۔

اسی طرح طبیعت کو بدل دینے والے اسباب میں سے ایک سبب فقر بھی ہے جس سے انسان کے اخلاق بدل جاتے ہیں یا تو اپنی سابقہ حالت کو ذلت کی طرف جاتا دیکھ کر یا پھر مالداری چھوٹ جانے کی وجہ سے اسی لئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قریب تھا کہ فقر (تنگدستی) کفر بن جاتا اور قریب تھا کہ حسد تقدیر پر غلبہ پالیتا''۔

ابو تمام الطائی نے کہا ہے کہ۔

واعجب حالات ابن آدم خلقه   يضل اذا فكرت فی كنهه الفكر

انسان کے اخلاق نے اس کے حالات کتنے عجیب کردیئے ہیں کہ اگر ''فکر'' اس کی حقیقت کے بارے میں سوچنے لگے تو خود راستہ بھول جائے۔

فیفرح بالشی القلیل بقاوہ ویجزع مماصار وھو لہ ذخر

تھوڑی سی چیز کے باقی رہنے سے خوش ہو جاتا ہے اور ذرا سے نقصان سے پریشان ہونے لگتا ہے حالانکہ وہ اس کی آخرت کے لئے ذخیرہ بن جاتا ہے۔

بعض اوقات ایسے حالات میں انسان ''خواہشات اور تمناؤں'' سے تسلی پاتا ہے خواہ ان میں سچائی کم ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''خواہشات کم ہی پوری ہوتی ہیں لیکن غم سے قدرے سکون اور امید کی خوشی ضرور پیدا کرتی ہیں۔ ابوالعتاھیہ نے تو کہا ہے کہ۔

حرک مناک اذا اغتممت فانھن مراوح

اپنی خواہشات سے کام لو جب تم غمزدہ ہو، کیونکہ وہ راحت وسکون فراہم کرتی ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے کہ۔

اذا تمنیت بت اللیل مغتبطا ان المنی راس اموال المفالیس

جب میں کوئی خواہش کرتا ہوں تو ایسی حالت میں رات گذارتا ہوں کہ لوگ مجھ پر رشک کرتے ہیں۔ کیونکہ مفلسوں کا سرمایہ ہی خواہشات اور تمنائیں ہوتی ہیں۔

غم بھی طبیعت بدل دیتا ہے:

اخلاق بدل دینے والے انہی اسباب میں سے ''غم'' بھی ایک اہم سبب ہے جو عقل کو بے کار اور دل کو مصروف کر دیتا ہے لہٰذا دل غم سے بچنے کے امکانات پر بھی غور نہیں کر سکتا اور صبر کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے کہ غم اپنے اثر میں زہر کی طرح ہے۔

کسی ادیب نے کہا ہے کہ ''غم ایسی چھپی ہوئی بیماری کی طرح ہے جو دل کے خزانوں میں چھپی ہوتی ہے''۔

کسی شاعر نے کہا ہے کہ۔

ھموک بالعیش مقرونۃ فما تقطع العیش الابھم

تیرے غم تو زندگی کے ساتھ ہی ملے ہوتے ہیں اور ان کے بغیر تو زندگی گذاری ہی نہیں جا سکتی۔

اذا تـم امـر بـدا نـقـصـه تـرقـب زوالا اذاقيـل تـم

جب کوئی کام پورا ہوجاتا ہے تو وہ گھٹنا شروع ہوجاتا ہے لہٰذا جب کسی معاملے میں کہہ دیا جائے کہ پورا ہوگیا تو اس کے زوال کی راہ دیکھتے رہو۔

اذا كـنـت فـی نعمة فارعها فـان الـمـعـاصـی تـزيل النعم

جب تجھے کوئی نعمت مل رہی ہو تو اس کا پورا پورا خیال رکھ کیونکہ گناہوں سے نعمتیں ضائع ہوجاتی ہیں۔

وحـام عـلـيهـا بشـكـرالا لـه فـان الالـه سـريع الـنـقـم

اور اللہ کا شکر ادا کر کے اس نعمت کی حفاظت کر کیونکہ اللہ تعالیٰ فوری گرفت کرنے والے ہیں۔

حلاوة دنيـاک مسمومة فـمـا تـاكـل الشهـد الابسـم

تیری اس دنیا کی مٹھاس بہت زہریلی ہے لہٰذا شہد کو زہر کے ساتھ ملا کر مت کھا۔

فـكـم قـدر رب فـی مهـلة فـلـم يـعـلـم الـنـاس حتی هجم

سو کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ تقدیر اپنا کام کر جاتی ہے اور لوگوں کو اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ مبتلا ہوجاتے ہیں۔

امراض بھی اخلاق بدلتے ہیں:

طبیعتوں کو بدل دینے والے انہی اسباب میں سے ایک سبب امراض و بیماریاں بھی ہیں جس طرح انسان کے جسم میں بیماری سے بہت تبدیلی آجاتی ہے اسی طرح اخلاق میں بھی تبدیلی آجاتی ہے، لہٰذا اعتدال کا دامن چھوٹنے لگتا ہے اور آدمی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔

مشہور عرب شاعر متنبی نے کہا ہے کہ۔

آلة الـعـيـش صحة و شـبـاب فـاذا ولـيـا عـن الـمـرء ولـی

صحت اور جوانی زندگی گذارنے کے آلات ہیں جب یہ کسی آدمی سے منہ موڑ لیتے ہیں تو زندگی منہ موڑ لیتی ہے۔

واذا الشیخ قال اف فمام   للّ حیاۃ ولکن الضعف ملا

جب کوئی بوڑھا آدمی اف کہتا ہے تو اصل میں زندگی نہیں تھکی ہوتی بلکہ اس کا بڑھاپا اور کمزوری تھک جاتی ہے۔

و اذا لم تجد من الناس کفئا   ذات خدر ارادت الموت بعلا

اور جب کوئی پردہ نشین لوگوں میں اپنا کفونہ پائے تو موت کو شوہر بنانے کا ارادہ کر لیتی ہے

ابدا تسترد ما تھب الدند......   سیا فیا لیت جودھا کان بخلا

کیونکہ دنیا جو بھی دیتی ہے واپس مانگ لیتی ہے اے کاش دنیا کی سخاوت اس کی کنجوسی ہوتی

بڑھاپا اخلاق میں تبدیلی لاتا ہے:

ان میں سے عمر کا زیادہ ہونا اور آلۂ جسم میں تاثیر کی وجہ سے بڑھاپے کا آجانا بھی ہے۔ اسی طرح عمر کی اخلاق نفس میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔ تو جس طرح جسم قابل برداشت بوجھ اٹھانے سے کمزور ہو جاتا ہے اسی طرح نفس بھی موافقت کی مخالفت اور برداشت کی تنگی اور تنگدلی کو برداشت کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔

بہر حال یہ سات اسباب ہیں جو عام برے اخلاق پیدا کرتے ہیں۔ یہاں ایک سبب خاص اور بھی ہے جو برے اخلاق یا سوء خلقی پیدا کرتا ہے۔ وہ ہے بغض جس کی وجہ سے نفس میں نفرت آجاتی ہے جس کے باعث وہ جس سے بغض ہے اس سے نفرت پیدا کر دیتی ہے جو کہ سوء خلقی پر منتج ہوتی ہے مگر یہ خاص اسی شخص سے ہوتی ہے کسی اور سے نہیں چنانچہ اگر سوء خلق کسی سبب سے پیدا ہوا ہو تو اس کا زوال اور خاتمہ اس سبب کے خاتمے سے پھر اس کی ضد سے مقرون (ملا) ہوتا ہے۔

تیسری فصل:

حیاء کا بیان

جان لیجئے کہ خیر اور شر کے کچھ خفیہ پہلو ہوتے ہیں جو اپنی بعض دلالت کرنے والی علامات کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں۔ جیسا کہ عرب اپنی امثال میں کہتے ہیں کہ اس کا آئینہ اس کے اندر کی خبر دیتا ہے اور اسی طرح شاعر مسلم بن عمرو نے کہا ہے کہ

لا تسال المرء عن خلائقه   في وجهه شاهد من الخبر

(ترجمہ) کسی شخص سے اس کی طبیعت کے بارے میں مت پوچھ اس کے چہرے میں بتانے والا ایک گواہ موجود ہے۔

حیاء خیر کی اور بے حیائی شر کی علامت ہے:

چنانچہ خیر کی علامت شرم وحیاء اور شر کی علامت بے شرمی اور فحش گوئی ہے اور حیاء کے خیر ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ خیر کی دلیل ہے اور فحش گوئی و بے شرمی کے شر ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ شر کی طرف راستہ ہوتی ہے۔

حیاء اور عاجزی ایمانی کا حصہ ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ

حیاء اور عاجزی ایمان کے دو شعبے ہیں اور فحش گوئی اور بیان نفاق کے دو شعبے ہیں۔

یہاں مناسب یہ ہے کہ عاجزی ''خاموشی'' کے معنی میں اور بیان زیادہ بولنے کے معنی میں ہو۔ جس طرح کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ مجھے زیادہ ناپسند لوگ بہت زیادہ بولنے والے فحش گو اور ہر قسم کی باتیں کرنے والے لوگ ہیں''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ

حیا ایمان میں سے ہے اور ایمان جنتی ہے اور فحش گوئی جفا ہے اور جفا جہنمی ہے''

بعض حکماء کا قول ہے کہ ''جو شخص حیا کو اپنے کپڑے پہنا دے لوگ اس کے عیب نہیں

دیکھ پاتے"

ایک بلیغ کا قول ہے کہ چہرے کی زندگی اس کے حیاء سے ہے"۔ جیسا کہ درخت وغیرہ کی زندگی پانی سے ہے۔

ایک بلیغ عالم کا قول ہے کہ "تعجب ہے کہ تو بہت زیادہ بے شرمی سے شرم نہیں کرتا اور خدا سے بہت زیادہ وقت نہ ڈرنے سے نہیں ڈرتا۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

اذا اقل مـاء الـوجـه قل حياء ہ   ولا خير في وجـه اذا قل ماء ہ

حيـاء ک فاحفظه عليک و انما   يـدل عـلـى فعل الكريم حياء ہ

(ترجمہ) جب چہرے کا پانی کم ہو جائے تو اس کی حیاء بھی کم ہو جاتی ہے اور اس چہرے میں کوئی خیر نہیں جب اس کا پانی کم ہو جائے۔ اپنی حیاء کی اپنے لئے حفاظت کرو کیونکہ کریم شخص کے فعل پر اس کی حیا دلیل ہوتی ہے۔

حیاء چھن جانا برائی کا محور ہے:

جس شخص کی حیا چھن جائے اسے برائی سے روکنے والا اور فعل ممنوع پر ڈانٹنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ تو وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہر خواہش پوری کرتا ہے۔ اسی بارے میں حدیث میں ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

پہلی نبوتوں کی جو بات لوگوں نے پائی ہے وہ یہ ہے کہ "اے ابن آدم جب تو حیا نہ کر سکے تو جو جی چاہے کر"

یہ ارشاد حیاء کے کم ہونے کے وقت گناہوں کے کام کرنے پر عذر کی دلیل نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل لوگوں نے اس کا یہ معنی سمجھا ہے۔ یہ وہ ہیں جو کلام کے معانی اور خطاب کے مواضع نہیں سمجھتے۔

اہل علم نے اس حدیث کے معانی بیان کئے ہیں چنانچہ ابوبکر بن محمد شاشی نے "اصول الفقہ" میں بیان کیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص حیاء نہیں کرتا اسے حیاء کا ترک اس کی دعوت دیتا ہے کہ وہ جو چاہے عمل کرے اسے کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا انسان کو حیا

کرنی چاہئے کیونکہ وہ اسے برائی سے باز رکھتی ہے۔

اور میں نے ابوبکر رازی رحمتہ اللہ علیہ کا جو کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں قول کسی سے سنا کہ اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ جب تجھ پر تیرے افعال جن کو تو کرنا چاہتا ہے پیش کئے جائیں اور ان کے حسن و جمال کی وجہ سے تو حیاء نہ کرسکے تو تیرا جو جی چاہے کر"۔ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے حیاء کو انسان کے افعال پر حکم قرار دیا ہے۔ یہ دونوں قول اچھے ہیں لیکن پہلا قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کلام "مذمت" میں وارد ہوا ہے "مدح" میں نہیں۔

لیکن امام رازی کے قول کے مشابہہ بھی ایک اور حدیث موجود ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

جس بات کو تیرے کان سننا پسند کریں وہ کام کرلے اور جو تیرے کان سننا پسند نہ کریں اس سے باز رہ"

اس حدیث کو اس کے صریح معنی پر محمول کرنا بھی جائز ہے اور یہ کہ پہلی تاویل پہلی حدیث میں زیادہ صحیح ہو کیونکہ یہ لازمی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث متفقۃ المعانی ہوں (جن کے معنی پر سب کا اتفاق ہو) بلکہ احادیث کے معانی کا اختلاف بھی حکمت میں زیادہ دخل رکھتا ہے اور فصاحت کے اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ معانی ایک دوسرے کے متضاد نہیں ہوتے۔

حیاء کی تین صورتیں:

جان لیجئے کہ انسان میں حیاء تین طریقوں پر ہوتی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے حیاء (۲) انسانوں سے حیاء (۳) اپنے آپ سے حیاء

اللہ تعالیٰ سے حیاء:

چنانچہ اللہ تعالیٰ سے حیا اس کے احکام کی بجاآوری کے لئے اور مناھی سے بچنے کے لئے ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ سے حیاء کرو جیسا کہ اس سے حیاء کرنے کا حق ہے۔ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے حیاء کیسے کریں جیسا کہ اس سے حیاء کا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سر اور اس کے اندر موجود (زبان آنکھ کان) کی اور پیٹ اور اس کے اندر موجود کی حفاظت کی۔ دنیاوی زندگی کی زینت کو ترک کیا موت اور بوسیدگی کو یاد رکھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے ایسی حیاء کی جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے'' (یہ حدیث وصایا میں سب سے زیادہ بلیغ ہے)

علامہ ماوردی رحمتہ اللہ علیہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں کلام:

مصنف کتاب علامہ ماوردی کہتے ہیں کہ

میں نے ایک مرتبہ خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت فرمائیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرو جیسا کہ حیاء کرنے کا حق ہے۔ پھر فرمایا کہ لوگ بدل گئے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیسے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بچے کو بھی دیکھتا تھا تو اس کے چہرے پر کشادہ روئی اور حیاء نظر آتی تھی اور آج کل میں دیکھتا ہوں تو اس کے چہرے میں یہ کچھ نظر نہیں آتا''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں جن کو میں نے دیکھا مگر خوشی کے مارے وہ یاد نہ رہ سکیں۔ میری خواہش رہی کہ کاش میں انہیں یاد رکھ سکتا۔

بہرحال اس خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت سے پہلے اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا ذکر فرمایا اور بچے سے کشادہ روئی اور حیاء کے چھن جانے کو لوگوں کے بدل جانے کا سبب قرار دیا اور بچے کا اس لئے خاص ذکر فرمایا چونکہ وہ جو کرتا ہے بغیر تکلف طبعی طور پر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ درود وسلام بھیجے اس پر جس نے امت کی رہنمائی کی اسے ڈرایا اس کے اعذار کو کاٹ دیا اور اس کی تہذیب کی حفاظت کی اور ہر دور کو اپنے زواجر (وعیدوں) کا

اور اپنے احکام کا کچھ حصہ عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان احکامات کو عمل کے ساتھ قبول کرنے پر ہماری مدد فرمائے اور ہمیشہ اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کی کیفیت:

حضرت علقمہ بن علاثہ نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نصیحت فرمایئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جیسی تم اپنی قوم کے ہیبت رکھنے والوں سے حیا کرتے ہو''۔ (یہ حیاء دین کی قوت اور یقین کی درستگی سے ہوتی ہے) اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''حیاء کی کمی کفر ہے''۔ (یعنی اللہ تعالیٰ سے حیاء میں کمی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ''حیا ایمان کا نظام ہے اور جب کسی چیز کا نظام ختم ہوتا ہے تو اس میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ٹوٹ پھوٹ اور برباد ہو جاتا ہے''

لوگوں سے حیا کرنا:

لوگوں سے حیاء انہیں تکلیف دینے سے باز رہنے اور کھلم کھلا بری بات کرنا چھوڑ دینے سے ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''تقویٰ (یعنی) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ایک قسم لوگوں سے ڈرنا بھی ہے''

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ بن یمان جمعہ کے دن آئے تو دیکھا کہ لوگ جاچکے ہیں تو وہ راستے سے ہٹ کر چلے اور فرمایا کہ اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو لوگوں سے حیا نہ کرے۔

حیاء کی یہ قسم مروت کے کامل ہونے اور تعریف کئے جانے کو پسند کرنے سے ہوتی ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص حیاء کی چادر اتار دے اس کی کوئی غیبت نہیں'' یعنی اس کی مروت کی کمی اور خواہش کے ظہور کی وجہ سے (واللہ اعلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ

''انسان کی مروت وحیثیت میں اس کا چلنا' اس کا داخل ہونا' نکلنا' بیٹھنا اس کے تعلق

دار اور ہمنشین سب داخل ہیں"

اپنے آپ سے حیا کرنا:

اپنے آپ سے حیا کرنا عفت اور تنہائی کو (مکروہات و بے حیائی سے) محفوظ رکھنے سے ہوتا ہے۔ بعض حکماء کہتے ہیں کہ تمہارا اپنے آپ سے حیا کرنا دوسرے سے حیا کرنے سے زیادہ ہونا چاہئے۔ ایک ادیب کا قول ہے کہ جس نے تنہائی میں کوئی ایسا عمل کیا جس کو وہ سب کے سامنے کرنے سے شرماتا ہے تو اس شخص کے نزدیک اپنے نفس کی کوئی قدر نہیں"

ایک شخص کی کچھ لوگوں نے دعوت کی جوان سے تعلق رکھنا چاہتا تھا مگر اس نے دعوت قبول نہ کی اور کہا کہ کل میری عمر چالیس سال ہوگئی اور مجھے اپنی عمر سے شرم آرہی ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے۔

فسری کاعلانی و تلک خلیقتی وظلمة لیلی مثل ضوء نهاریا

(ترجمہ) تو میری تنہائی محفل کی طرح ہوتی ہے اور یہی میری طبیعت اور رات کا اندھیرا میرے لئے دن کے اجالے کی طرح ہے۔

حیاء کی یہ قسم نفس کی فضیلت اور دل کی پاکیزگی واچھائی میں سے ہے چنانچہ جب انسان کی حیا ان تینوں اعتبار سے کامل ہو جائے گویا اس میں خیر کے سب اسباب کامل ہوگئے اور شر کے اسباب ختم ہوگئے اور وہ صاحب فضل مشہور ہوگیا اور اچھے کاموں میں اس کا نام لیا جاتا ہے۔

اگر وہ حیا کی ان تینوں صورتوں میں سے کسی میں بھی کوئی کمی کرے گا تو اس میں بھی اتنی ہی کمی رہ جائے گی بالکل اس طرح جیسے حیاء کے کامل ہونے سے اس کی شخصیت میں فضیلت کامل ہو جاتی ہے"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

و انـــی لأری من لاحیـاء لـه ولا امانة وسط القوم عریانا

(ترجمہ) اور بیشک میں اس شخص کو جس میں حیا اور امانت نہ ہو، قوم کے درمیان ننگا سمجھتا ہوں۔

چوتھی فصل:

بردباری اور غصے کا بیان

محمد بن حارث ھلالی نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے پاس دنیا وآخرت کے بلند اخلاق لے کر آیا ہوں"۔ (پھر یہ آیت سنائی) عفو کو اختیار کیجئے اچھی باتوں کا حکم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم حتی کہ میں جاننے والے سے پوچھ آؤں۔ پھر جبریل علیہ السلام دوبارہ آئے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا رب تمہیں حکم دیتا ہے کہ آپ توڑنے والے سے صلہ رحمی کریں اور محروم کرنے والے کو عطا کریں اور آپ پر ظلم کرنے والے سے درگذر کریں۔

ہشام نے حسن سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

کیا تم میں کوئی اتنا بھی عاجز ہے کہ وہ ابوضمضم کی طرح ہو جائے؟ وہ جب اپنے گھر سے نکلتا ہے تو کہتا ہے "اَللّٰھُمَّ انی تصدقت بعرضی علی عبادک" اے اللہ میں نے اپنی عزت تیرے بندوں پر صدقہ کردی ہے۔

بردبار اور باحیا شخص رب کو پسند ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ

بیشک اللہ تعالیٰ بردبار اور باحیاء شخص کو پسند کرتا اور بے حیاء اور فحش گو شخص کو ناپسند کرتا ہے۔

ایک اور ارشاد ہے۔

"جو بردباری اختیار کرے سردار بنے گا اور جو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے فہم میں اضافہ ہوتا ہے"

عزت کی حفاظت بردباری میں ہے:

ایک ادیب کا قول ہے جو بردباری کا درخت لگائے گا امن وسلامتی کا پھل پائے گا''۔ایک بلیغ کا کہنا ہے کہ درگذراور نظرانداز کرنے کی طرح کوئی چیز عزت کی حفاظت نہیں کرتی''۔کسی نے خوب کہا ہے۔

احب مکارم الاخلاق جهدی — واکره ان اعیب وان اعابا

واصفح عن سباب الناس حلما — وشر الناس من یهوی السبابا

ومن هاب الرجال تهیبوه — ومن حقر الرجال فلن یهابا

(ترجمہ) میں بلند اخلاق کے حصول میں محنت کو پسند کرتا ہوں اور مجھے ناپسند ہے کہ میں عیب لگاؤں یا کوئی مجھے عیب لگائے۔ میں لوگوں کی گالیوں پر بردباری سے درگذر کرتا ہوں اور بدترین لوگ ہیں جو گالیوں کو پسند کرتے ہیں۔ جو شخص لوگوں سے ہیبت کھاتا ہے لوگ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور جو لوگوں کو حقیر سمجھے اس سے کوئی نہیں ڈرتا۔

بردباری:

بردباری سب سے زیادہ عزت والا اخلاق ہے اور عقلمندوں کے شایان شان ہے کیونکہ اس میں عزت کی سلامتی جسم کی راحت اور تعریف کا حصول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ بردباری پر بردبار کو پہلا بدلہ یہ ملتا ہے کہ لوگ اس کے مددگار بن جاتے ہیں''۔اور بردباری کی حد یہ ہے کہ غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو رکھے اور یہ کسی باعث اور سبب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

بردباری کے اسباب:

چنانچہ غصہ کے وقت نفس پر قابو رکھنے پر آمادہ کرنے والے اسباب دس ہیں۔

پہلا سبب: جاہلوں پر رحم کھانا:

یہ بھلائی ہے جو وقت کے مطابق ہے۔ منثور الحکم میں لکھا ہے کہ بردباری کے پکے

اسباب میں سے جاہلوں پر رحم کھانا ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جس نے انہیں کوئی بات سنائی تھی فرمایا۔ اے بھائی ہمیں ہماری برائی کی بات میں غرق مت کر اور صلح کے لئے کوئی جگہ چھوڑ دے کیونکہ ہم اس شخص سے جو ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس سے زیادہ بدلہ نہیں لیتے جتنی ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت شعبی کو برا بھلا کہا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ایسا ہی ہوں جیسا کہ تو نے کہا تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے اور اگر ایسا نہیں ہوں تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے''

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ایک خادم پر ناراض ہوئیں تو خود ہی نادم ہوکر فرمانے لگیں تقویٰ کی بھی کیا بات ہے۔ تو نے غصہ والے کے لئے شفا بھی نہ چھوڑی''۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چادریں تقسیم کیں تو ایک چادر دمشق کے ایک بوڑھے کے حصے میں آئی وہ اسے اچھی نہ لگی تو اس نے قسم کھائی کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر پر دے مارے گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو انہوں نے فرمایا کہ آؤ بھائی اپنی نذر پوری کرلو مگر ایک بوڑھے کو دوسرے بوڑھے سے نرمی برتنی چاہئے۔

دوسرا سبب: بدلہ لینے کی طاقت ہونا:

ایسی صورت میں برداشت کرنا بڑی وسعت قلبی اور پر اعتمادی ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم اپنے دشمن پر قابو پالو تو اس پر قابو پانے کے شکر میں اس سے درگذر کرو''

ایک دانا کا قول ہے کہ جو شخص ظلم سے بچنے کی راہ نہ پاسکے اس کو سزا دینا کرم (بھلائی) نہیں ہے۔ ایک بلیغ کا قول ہے طاقت والے کا درگذر کرنا اور محتاج کا سخاوت کرنا سب سے بلند اخلاق ہے۔

تیسرا سبب: ناگوار باتوں کو نظر انداز کرنا:

ناگوار باتوں کو نظر انداز کرنا نفس کے شرف اور ہمت کی بلندی سے ہوتا ہے جیسا کہ حکماء نے کہا ہے کہ نفس کا شرف یہ ہے کہ تم ناگوار باتوں کو برداشت کرو جیسا کہ اخلاق کا بوجھ برداشت کرتے ہو''۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان کی بردباری کی وجہ سے ''سید'' سردار کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔

لایبلغ المجد اقوام و ان کرموا حتی یذلوا و ان عزو. لاقوام

ویشتموافتری الالوان مسفرة لاصفح ذل ولکن صفح احلام

(ترجمہ) قومیں بزرگی تک نہیں پہنچتیں اگرچہ معزز ہو جائیں۔ جب تک کہ وہ دوسری قوموں کے لئے جھک نہ جائیں اگرچہ ان سے بلند ہوں اور انہیں گالیاں دی جائیں تو تو رنگوں کو چمکتے دیکھے گا وہ ذلت کی وجہ سے درگذر نہیں کرتے لیکن بردباری سے معاف کرتے ہیں۔

چوتھا سبب: گناہگار کو بے وقعت سمجھنا:

جس شخص نے غلطی (جرم) کی ہو اسے بے وقعت سمجھنا بڑے پن اور تکبر کی ایک قسم ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ جب عراق کے گورنر بنے (ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر خلیفۃ المسلمین تھے) تو انہوں نے ایک دن فوج کو وظائف دینے کے لئے مجلس لگائی تو منادی کو حکم دیا اس نے آواز لگائی ''عمرو بن جرموز کہاں ہے؟ یہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا تو کسی نے جواب دیا کہ وہ بہت دور کہیں چلا گیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کیا وہ جاہل یہ سمجھتا ہے کہ میں اسے ابوعبداللہ (حضرت زبیر کی کنیت ہے) کے قتل کے جرم میں پکڑونگا؟ اسے امن کے ساتھ ظاہر ہونا چاہئے وہ آئے اور اپنا وظیفہ لے جائے'' حضرت مصعب کی اس بات کو لوگوں نے ایک مستحسن کبر شمار کیا۔

اسی بات کو بعض زعماء نے شعر میں بیان کیا ہے۔

او کلما ظن الذباب طردتہ   ان الذباب اذن علی کریم

(ترجمہ) کیا جب بھی مکھی بھنبھنائے گی تو میں اسے جھڑکوں؟ اس وقت مکھی مجھ پر معزز ہوگی۔

ایک شخص نے احنف بن قیس کو بہت ہی زیادہ برا بھلا کہا مگر انہوں نے اسے جواب نہیں دیا تو کہنے لگا کہ واللہ اسے مجھے جواب دینے سے صرف اس بات نے روکا کہ ان کی نظر میں میں غیر اہم بے وقعت ہوں۔

ایک مرتبہ ابن ھبیرہ کو ایک شخص کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ اس سے منہ پھیرتے رہے تو اس نے کہا کہ میں تمہیں کہہ رہا ہوں۔ تو انہوں نے جواب دیا میں تجھ سے ہی منہ پھیر رہا ہوں۔

پانچواں سبب: جواب کا بدلہ ملنے سے شرمانا:

یہ عمل نفس کو بچانے اور کمال مروت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض حکماء کہتے ہیں ''بے وقوف کو برداشت کرنا اس کی صورت کی طرح ہنسنے سے بہتر ہے اور جاہل سے اعراض کرنا اس کی مشابہت اختیار کرنے سے بہتر ہے۔ ایک ادیب کا قول ہے بردبار کبھی بے حیاء نہیں ہوتا اور نہ معزز (کریم) شخص وحشت زدہ ہوتا ہے۔

چھٹا سبب: گالیاں دینے والے پر مہربانی کرنا:

یہ کرم احسان اور جوڑ رکھنے کو پسند کرنے کی بناء پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ سکندر اعظم کو کسی نے کہا کہ فلاں فلاں شخص آپ کی تنقیص شان کرتے اور برا بھلا کہتے ہیں آپ انہیں سزا دیں۔ تو سکندر اعظم نے کہا کہ سزا کے بعد تو وہ مجھے برا بھلا کہنے میں حق بجانب ہوں گے (ان کے پاس بہانہ موجود ہوگا) یہ سکندر کی طرف سے ان پر مہربانی اور جوڑ تھا۔

احنف بن قیس سے مروی ہے کہ جو شخص بھی مجھ سے دشمنی اختیار کرتا ہے میں اس کے معاملے میں تین باتوں میں سے ایک اختیار کر لیتا ہوں۔ کہ اگر وہ مجھ سے اعلیٰ مرتبے کا ہو تو میں اس کی قدر پہچانتا ہوں اگر مجھ سے کم ہوتا ہے تو میں خود اپنی قدر اس سے بلند کر دیتا ہوں اور اگر میرے برابر میری مثل ہوتا ہے تو میں اس پر مہربانی کر دیتا ہوں۔

ساتواں سبب: برا کہنے والے کو روکنا اور گالیاں ترک کرنا:

یہ بڑے حزم سمجھ داری وظرف سے ہوتا ہے۔ مروی ہے کہ ایک شخص نے ضرار بن قعقاع سے کہا کہ اگر تم ایک کہو گے تو دس سنو گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر تو دس کہے گا تب بھی ایک بھی نہیں سنے گا۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عامر بن مرہ سے فرمایا کہ بتاؤ سب سے بڑا احمق کون ہے؟ اس نے کہا کہ جو خود کو سب سے بڑا عقلمند سمجھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ پھر پوچھا کہ سب سے بڑا عقلمند کون ہے؟ اس نے کہا کہ جو جاہل کو سزا دینے میں خاموشی کی حد سے نہ بڑھے۔

شعبی کا قول ہے میں نے اپنی والدہ کو نہیں دیکھا کہ میں ان سے حسن سلوک کر سکتا لیکن میں کسی کو گالیاں نہیں دیتا کہ کہیں وہ جواباً میری والدہ کو گالی نہ دے۔

ایک دانا کا قول ہے کہ تیرے نظر انداز کرنے میں تیری عزت کی حفاظت ہے۔

آٹھواں سبب: جواب پر سزا کا خوف:

یہ خوف نفس کی کمزوری سے ہوتا ہے اور کبھی کبھار رائے اسے واجب کرتی ہے یا سمجھ داری کا تقاضا ہوتا ہے "منثور الحکم" میں لکھا ہے کہ بردباری آفات کے سامنے رکاوٹ ہے۔

نواں سبب: کسی پرانے احسان کی رعایت اور احترام لازم کا ہونا:

یہ عمل وفا کا عمل ہے اور عہد کی اچھی پاسداری ہے۔ منثور الحکم میں لکھا ہے اچھے خصائل والا شخص وہ ہے جو مذمت کرنے والے کی رعایت کرے۔

دسواں سبب: حیلہ کرنا اور خفیہ موقع کی تلاش:

یہ عمل چالاکی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ منثور الحکم میں لکھا ہے کہ جس کا غصہ ظاہر ہو جائے اس کا حیلہ کم ہو جاتا ہے۔ ایک ادیب کا قول ہے کہ جاہل کا غصہ اس کی بات میں اور عقلمند کا غصہ اس کے فعل میں ہوتا ہے۔ ایک دانا کا قول ہے کہ جب تو جاہل کے جواب میں خاموش

رہے تو تو نے اسے جواب میں گنجائش دے دی اور سزا کا درد بھی دے دیا۔

یہ دس اسباب جو بردباری کی طرف بلاتے ہیں اور بعض اسباب دوسروں سے افضل ہیں۔ اور ایسا نہیں ہے کہ جس سبب سے دوسرا سبب افضل ہے اس پر عمل کرنے کا نتیجہ مذموم ہو اور انسان کے لئے بہتر تو یہی ہے کہ بردباری کی طرف کوئی افضل سبب ہی داعی ہو۔ اگر چہ بردباری پوری ہی فضل ہے اور اگر کوئی عمل بردباری ان اسباب سے بالکل عاری ہو جائے تو وہ ذلت ہوگی حلم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ہم نے حلم (بردباری) کی تعریف میں ذکر کیا ہے کہ وہ غصہ کے ہیجان کے وقت نفس پر قابو رکھنے کا نام ہے۔ اگر غصہ دلانے والی بات کے سننے پر غصہ نہ آئے تو یہ نفس کی ذلت اور حمیت کی کمی ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ تین افراد تین مواقع پر پہچانے جاتے ہیں۔ سخی کو تنگدستی میں پہچانا جاتا ہے بہادر کو جنگ میں اور بردبار کو غصے کے وقت پہچانا جاتا ہے۔

غصہ کا آنا قابل مذمت نہیں:

کسی کو اگر غصہ دلانے والی باتوں پر غصہ نہ آئے اور غصہ سے پہلے اور بعد کی حالتیں یکساں رہیں تو ایسا شخص نفس کے فضائل شجاعت خوداری، حمیت، غیرت، دفاع اور بدلہ انتقام لینے وغیرہ سے محروم ہے کیونکہ یہ تمام خصائل غصہ سے مرکب ہیں اگر انسان میں یہ فضائل نہ ہوں تو اسے حقیر سمجھا جاتا ہے اور اس کے باقی فضائل کی بھی لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں رہتی اور نہ ہی اس کے بہت زیادہ حلم کی کوئی وقعت رہتی ہے۔

منصور کا قول ہے کہ جس وقت بردباری مفسدہ ہو جائے تو اس وقت درگذر کرنا بھی عاجزی ہوتی ہے۔ ایک دانا کا قول ہے کہ کمینے سے درگذر کرنا نیک آدمی سے درگذر کرنے کے اچھا ہونے کے بقدر ہی خراب ہے۔

بے وقوفوں کا اکرام کرو:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اپنے بے وقوفوں کا اکرام کرو کیونکہ وہ تمہیں عار اور بے عزتی سے بچاتے ہیں۔ مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس

قوم میں بے وقوف کم ہوں وہ ذلیل ہو جاتی ہے۔۔۔ابو تمام طائی کا شعر ہے۔

الحرب ترکب راسهافی مشهد عدل السفیه به بالف حلیم

جنگ میدان میں اس کے سر پر سوار ہوتی ہے اس میں ایک بے وقوف ہزار بردباروں کے برابر ہوتا ہے۔

یہ قول غصہ کے سوار ہونے کو جائز نہیں کہتا اور غصہ دلانے پر غصہ کے تابع چلنے پر اکساتا نہیں ہے ورنہ تو غصہ کے تابع چلنے سے جو برائیاں حاصل ہوتی ہیں وہ غصہ نہ کرنے کی صورت میں حاصل ہونے والے فضائل سے زیادہ ہیں لیکن جب غصہ دلانے والی باتوں کے زیادہ ہونے پر غصہ آ جائے تو اپنی سمجھ داری سے اس کے انتقام کو روکا جا سکتا اور اپنے حلم کے ذریعے اس کی آگ کو بجھایا جا سکتا ہے اور مقابلے کے مستحق کو دوسری طرف دھکیلا جا سکتا ہے۔ برا کرنے والا بدلہ لینے سے خالی نہیں ہو سکتا جیسا کہ احسان کرنے والا جزاء دینے سے خالی نہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ گھر میں وہی چیز داخل ہوتی ہے جو اس سے نکلتی ہے یعنی اگر اس سے خیر نکلے تو خیر ہی داخل ہوتی ہے اور اگر اس سے شر نکلے تو شر ہی داخل ہوتا ہے۔

ابن درید نے ابو حاتم کے اشعار نقل کئے ہیں۔

اذا امن الجهال جهلک مرة فعر ضک للجهال غنم من الغنم

فعم علیه الحلم و الجهل والقه بمنزلة بین العداوة والسلم

اذا انت جاریت السفیه کماجری فانت سفیه مثله غیر ذی حلم

ولا تغضبن عرض السفیه وداره بحلم فان اعیا علیک فبا لصرم

فیرحوک تارات ویخشاک تارة ویا خذ فیما بین ذلک بالحزم

فان لم تجد بدا من الجهل فاستعن علیه بجهال فذاک من العزم

(ترجمہ) جب جہال تمہارے جہل سے ایک مرتبہ مامون ہو جائیں تو تمہاری عزت جاہلوں کے لئے بڑی غنیمت بن جاتی ہے لہٰذا اس پر بردباری اور جہالت کو عام رکھو اور اس سے دشمنی اور سلامتی کے درمیانی رویے کے ساتھ ملا کرو اگر تم بے وقوف سے ایسا معاملہ رکھو گے جیسا وہ رکھتا ہے تو تم بھی اس کی طرح بے وقوف ہو جس میں حلم نہ ہو بے وقوف کی عزت

اور اس کے گھر پر حلم کے ساتھ غصہ مت کرو اگر وہ تم پر دشوار ہونے لگے تو سختی سے پیش آ ؤ تو وہ تمہاری کئی مرتبہ امید کریں گے اور ایک مرتبہ تم سے ڈریں گے اور اس کی درمیانی حالت کو سمجھداری سے لے گا اگر جہالت کے رویئے کے بغیر چارہ کار محسوس نہ کرو تو جاہلوں کے خلاف جہالت سے مدد حاصل کرو کیونکہ یہ بھی سمجھداری کا ہی عمل ہے۔

یہ اشعار بردباری اور غصہ کے انتقام اور تدبیر کے بارے میں بڑے ہی محکم ہیں۔ یہ تدبیریں اس وقت استعمال ہوتی ہیں جب انسان کا اس غصہ کو اپنائے بغیر چارہ کار نہ ہو اور غصے کو دور کرنے اور اتار پھینکنے کا کوئی راستہ نہ ہو چاہے ایسا خوف شر کی بناء پر ہو یا اس کی بات کے لزوم کی وجہ سے ہو چنانچہ جس غصہ کو اتار پھینکنا ممکن ہو اور غصہ پی لینے میں کوئی نقصان نہ ہو تو غصہ والی بات کو حقیر سمجھنا ہی بہتر اور اس سے اعراض کرنا ہی زیادہ درست ہے۔ چنانچہ جب وہ بات ایسی ہو جیسی میں نے بیان کی تو غصہ کو تحریک دے کر اس کے فضائل حاصل کئے جا سکتے ہیں اور غصہ کے تابع چلنے سے باز رہ کر اس کے رذائل سے بچا جا سکتا ہے اور حلم غصہ والی باتوں کا اس قدر منتظم ہو سکتا ہے کہ جتنی مقدار میں اسے غصہ نہ آنے کی وجہ سے عیب یا کوئی کمی زیادتی لاحق ہو سکے۔

بردباری نہ اپنانے والا بھٹک جائے گا:

لیکن اگر انسان بردباری نہ اپنا سکے اور غصے کے تابع ہو جائے تو وہ درشتگی کے راستے سے بھٹک جائے گا اور بھلائی کے اسباب و دواعی کی طرف سے اس کی رائے کمزور پڑ جائے گی حتی کہ وہ بے کار اور غلط رائے والا غلط فکر، حجت مقطوع، تسلی چھنا ہوا، کم تدبیر والا شخص ہو جائیگا اور اس کے ساتھ ساتھ ان خراب صفات کا اثر اس کے نفس اور جسم میں بھی ہوگا اور جس چیز پر اسے غصہ آئے گا وہ اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ ایک دانا کا قول ہے کہ جس شخص کی سرکشی زیادہ ہو جائے اس کی غلطیاں بھی بہت ہو جاتی ہیں۔

مروی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کونسی بات مجھے اللہ تعالیٰ کے غصے سے دور کر سکتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تو غصہ نہ کیا کر"

بعض سلف سے منقول ہے کہ وہ حالت جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے نزدیک ہوتا ہے وہ اس کے غصے کی حالت ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ جس شخص نے اپنے غصے کو لوٹا دیا گویا اس نے غصہ دلانے والے کو بوڑھا کر دیا۔

ایک ادیب کا قول ہے کہ تیرے دل کو اس غصہ سے زیادہ کوئی چیز مضطرب نہیں کرتی جیسے غصہ اسے مضطرب کرتا ہے۔

ایک دانا سے کسی نے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے اس نے کہا ''غصہ مت کیا کر''

بردباری سے غصہ کا مقابلہ کیجئے:

بہرحال ایک سیدھی عقل والے اور مضبوط سمجھ والے شخص کو چاہئے کہ غصے کی قوت کا اپنے حلم کے ذریعے مقابلہ کر کے اسے روکے اور اپنی تیزی کی عادتوں کا اپنی سمجھ کے ساتھ مقابلہ کرے اور اسے لوٹائے تا کہ حیرت واضح ہونے سے محفوظ ہو اور قابل تعریف انجام سے خوش نصیبی حاصل کرے۔ ایک ادیب کا قول ہے نظر انداز کرنے میں تیرے جسم کو راحت ہے۔

غصہ کا سبب:

غصہ کا سبب دوسرے کی طرف سے ناپسند باتوں کا جمع ہونا ہے رنج کا سبب اس سے فوقیت والے شخص کی طرف سے ناگوار باتوں کا جمع ہونا ہے اس لئے رنج انسان کو مار ڈالتا ہے غصہ نہیں مار ڈالتا کیونکہ غصہ ظاہر ہو جاتا ہے اور رنج دل کے اندر رہتا ہے اس لئے غصہ کے ظاہر ہونے کی وجہ سے نتیجہ دوسرے پر تشدد یا انتقام کی صورت میں اور رنج کا نتیجہ اس کے چھپے رہنے کی وجہ سے بیماریوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اسی لئے رنج موت تک لیجاتا ہے مگر غصہ موت تک نہیں لیجاتا۔ یہ رنج اور غصہ کا فرق ہے''۔

غصہ کی تسکین کے اسباب:

جان لیجئے کہ جب غصہ خوب ہو جائے تو اس کی تسکین کے چند اسباب ہیں جن سے

بردباری پر مدد لی جا سکتی ہے۔

غصہ کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیجئے:

ان میں سے ایک یہ ہے غصہ کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرلیا جائے چنانچہ اس کی یاد اللہ تعالیٰ کے خوف کی طرف نشاندھی کرے گی اور خوف اس کی فرمانبرداری کی ترغیب دیگا۔ لہٰذا وہ ادب کی طرف رجوع کریگا اور مندوب عمل کو اختیار کرے گا چنانچہ اس وقت غصہ زائل ہو جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور اپنے رب کو یاد کر جب تو بھول جائے''۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یعنی جب تو غصہ میں ہو۔ اسی طرح ارشاد باری ہے کہ جب تجھے شیطان کی طرف سے وسوسہ ستائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ''۔ یہاں شیطانی وسوسے کا معنی ''غصہ دلانے'' کا ہے۔ بیشک وہ سمیع اور علیم'' ہے۔ سمیع یعنی جاہل کے جہل کو سننے والا اور ''علیم'' تیرا غصہ جس چیز سے جائیگا اسے جاننے والا ہے۔

مروی ہے کہ تورات میں لکھا تھا کہ

اے ابن آدم! جب تو غصے میں ہو تو مجھے یاد کر تو جب میں غصے میں ہونگا تجھے یاد رکھوں گا، جن کو مٹاؤنگا ان میں تجھے نہ مٹاؤنگا''

مروی ہے کہ فارس کے کسی بادشاہ نے ایک خط لکھا اور اسے وزیر کے حوالے کیا اور کہا کہ جب میں غصے میں ہوں تو مجھے یہ خط دے دینا۔ چنانچہ اس میں لکھا تھا کہ ''تیرا غصے سے کیا کام؟ تو تو محض انسان ہی ہے زمین والوں پر رحم کر تجھ پر آسمان والا رحم کریگا''۔

ایک دانا کا قول ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت کو یاد رکھے وہ اپنی طاقت کو کبھی اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم میں استعمال نہیں کریگا۔

ہارون رشید کا عمل:

عبداللہ بن مسلم بن محارب نے ہارون رشید سے کہا۔ اے امیر المومنین میں تم کو اس ذات کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں جس کے سامنے تم اس سے بھی زیادہ کمتر ہو جتنا کہ میں تمہارے سامنے ہوں اور جو تمہیں سزا دینے پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنا کہ تم مجھے

سزا دینے کی قدرت رکھتے ہو اگر تم مجھے معاف نہ کرو۔ چنانچہ اس نے ہارون کو جب اللہ تعالیٰ کی قدرت یاد دلائی تو اس نے عبداللہ کو معاف کر دیا۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سخت دلی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ قبروں کے حال کو جان اور مر کر دوبارہ جی اٹھنے کا خیال کر"۔

مروی ہے کہ ایک بادشاہ جب غصے ہوتا تھا تو اسکے سامنے بادشاہوں کے مقبروں کی چابیاں ڈال دی جاتی تھیں تو اسکا غصہ ختم ہو جاتا تھا۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد کرے وہ دنیا میں بہت تھوڑے پر راضی ہو جاتا ہے۔

غصے میں اپنی حالت بدل لیجئے:

ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ غصے کے وقت جس حالت میں ہو اس حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت میں چلا جائے تو حالت تبدیل ہونے اور ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کی وجہ سے اس کا غصہ ختم ہو جائے گا۔ مامون کا غصے کے وقت یہی طریقہ تھا۔ فارس کے لوگ کہتے ہیں کہ جب کھڑا ہوا شخص غصہ کرے تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہوا غصہ کرے تو کھڑا ہو جائے۔

غصہ کا انجام یاد رکھئے:

ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ غصے کے نتائج وعواقب یعنی ندامت اور انتقام کی مذمت کو یاد کرے۔

خسرو پرویز (ملعون) نے اپنے بیٹے شیرویہ کو لکھا تھا کہ تیرا ایک لفظ خون بہا سکتا ہے لہٰذا اپنے الفاظ کی غصے کے وقت نگرانی کیا کر کوئی خطا نہ ہو جائے اور رنگ بدل نہ جائے جسم خوف نہ کھائے کیونکہ بادشاہان اپنی طاقت کی وجہ سے سزا دیتے اور بردباری کی وجہ سے معاف کرتے ہیں۔

ایک دانا کا قول ہے کہ اس پر غصہ کرنا جس کا تو مالک نہیں عجز ہے اور جس کا مالک ہے

اس پر غصہ کرنا لعنت ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ

اذا مااعترتک فی الغضب العز ـة فاذکر تذلل الاعتذار

(ترجمہ) جب غصہ میں تجھے عزت سامنے آ جائے تو اس وقت معذرت کرنے کی ذلت کو یاد کر۔

معاف کرنے کا ثواب یاد کیجئے:

ان اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ معاف کرنے اور درگذر کرنے کے ثواب کو یاد کرے اور ثواب کی رغبت میں اور مذمت وعقاب سے خوف کھا کر اپنے نفس کو غصہ دبانے پر جبر کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی آواز دیگا جس کا اللہ تعالیٰ کے ذمے اجر باقی ہو وہ کھڑا ہو جائے تو لوگوں سے درگذر کرنے والے کھڑے ہو جائیں گے پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ.

توجو شخص درگذر کرے اور نیکی کرے اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔

رجاء بن حیوہ نے ابن الاشعث کے قیدیوں کے بارے میں عبدالملک بن مروان کو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے من پسند کامیابی عطا فرمائی ہے لہٰذا اب تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پسندیدہ عفو دے دے۔

بھلائی کی تین خصلتیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بھلائی کی تین خصلتیں ہیں وہ جس شخص میں ہوں اس کا ایمان کامل ہو گیا۔ جو شخص خوش ہوا سے اس کی خوشی کسی باطل کام میں داخل نہ کرے' اور جب غصے ہو تو اس کا غصہ اسے حق سے باہر نہ نکال دے، اور یہ کہ جب وہ قادر ہو تو درگذر کرے۔

ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو کوئی بات کہی تو انہوں نے فرمایا

کہ تو چاہتا ہے کہ بادشاہت کی عزت کے بہانے مجھے شیطان بہکا دے تو میں تجھ سے وہ چیز پالوں جو تو مجھ سے کل پائے گا جالوٹ جا اللہ تجھ پر رحم کرے۔

لوگوں کے اپنی طرف جھکاؤ کو یاد کیجئے:

ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ وہ اپنے لئے لوگوں کے دلوں کی نرمی جھکاؤ اور اپنی طرف لوگوں کے میلان کو یاد کرے چنانچہ وہ اس میلان اور جھکاؤ کے ضیاع کو لوگوں کی نفرت اور دوری کا سبب سمجھے گا لہٰذا غصہ کے تابع ہونے سے رک جائے گا اور پھر محبت سے جوڑنے اور اچھی تعریف کئے جانے میں رغبت کرے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص جتنی زیادہ درگذر کرتا ہے اس کی عزت بڑھتی ہے لہٰذا درگذر کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا فرمائیں گے''

ایک بلیغ کا قول ہے کہ جلدی انتقام لینا معزز لوگوں کی عادت نہیں اور نہ ہی نعمت کا ختم کرنا کرم واحسان کا کام ہے۔

مامون کے چچا کا بے مثل قول:

''مامون نے ابراہیم بن مہدی (اپنے چچا) سے کہا کہ میں نے آپکے معاملے میں مشورہ کیا ہے تو ساتھیوں نے آپ کے قتل کا اشارہ کیا ہے لیکن میں اپنی طاقت آپ کے گناہ سے زیادہ دیکھتا ہوں لہٰذا آپ کی لازمی عزت کی وجہ سے قتل کو ناپسند سمجھتا ہوں۔ تو ابراہیم نے کہا کہ مشیروں نے جو مشورہ دیا ہے وہ طریقہ سیاست میں جاری وساری ہے لیکن آپ نے اس سے انکار کر دیا ہے کہ آپ مدد صرف وہاں سے طلب کریں گے جو درگذر کی عادت سے آئی ہو۔ اگر آپ مجھے سزا دیں تو آپ کی مثال موجود ہے اگر معاف کر دیں تو آپ کی مثال موجود نہیں''

پانچویں فصل:

سچ اور جھوٹ کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور وہ کہنے والوں میں سب سے زیادہ سچا ہے۔ ''ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ '' پھر ہم عاجزی سے رب کو پکاریں اور اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر کریں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے ''إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ ''۔

جھوٹے الزام وہ لوگ لگاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو انہوں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو فرمایا تھا کہ ''جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے اس کی طرف چھوڑ دو جس میں شک نہیں بیشک جھوٹ شک ہے اور سچ اطمینان ہے''۔

ایک اور ارشاد ہے کہ

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنی زبان کو درست کرے دوسروں کی جھانک تانک کم کرے اور اپنی بات کے لئے حق کا طریقہ استعمال کرے اور اس کا کوئی جوڑ غلطی کو دوبارہ نہ دہرائے۔

مومن جھوٹا نہیں ہوتا:

صفوان بن سلیم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا مومن بزدل ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جی ہاں''۔ کسی نے پوچھا کیا بخیل ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جی ہاں''۔ کسی نے پوچھا۔ کیا وہ جھوٹا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد باری تعالیٰ ''وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ '' کہ حق کو باطل سے مت ملاؤ'' کے ذیل میں فرمایا ہے کہ یعنی سچ کو جھوٹ کے ساتھ مت ملاؤ''

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ گونگا شخص جھوٹے سے بہتر ہے"۔ اور سچی زبان پہلی خوش نصیبی ہے" ایک بلیغ کا قول ہے سچا عزت والا بچا ہوا ہے اور جھوٹا بے وقعت اور ذلیل ہے۔

ایک ادیب کا قول ہے کہ حق کی طرح کوئی تلوار نہیں اور سچ کی طرح کوئی مددگار نہیں کسی شاعر نے کہا ہے۔

وماشئی اذا فکرت فیہ   باذھب للمروءۃ والجمال

من الکذب الذی لاخیر فیہ   وابعد بالبھاء من الرجال

(ترجمہ) جب تو غور کرے تو کوئی چیز مروت اور خوبصورتی کو جھوٹ سے زیادہ ختم کرنے والی نہیں جس میں کوئی خیر نہیں اور مردوں کی وجاہت و کشش کو دور کرنے والی (جھوٹ سے زیادہ کوئی چیز نہیں)

جھوٹ سب برائیوں کا جامع ہے:

" جھوٹ تمام برائیوں کو جمع کرنے والا ہے اور ہر مذمت کی اصل اس کا برا انجام اور گندے نتائج ہیں کیونکہ یہ چغلی پر منتج ہوتا ہے اور چغلی نفرت پر اور نفرت دشمنی تک لیجاتی ہے اور دشمنی کے ساتھ نہ امن ہے نہ راحت۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جو سچ کم بولتا ہے اس کے دوست بھی کم ہو جاتے ہیں اور سچ اور جھوٹ گذرے زمانے کی باتوں پر داخل ہوتے ہیں جس طرح کہ وفاء اور بدعہدی مستقبل کے وعدوں پر داخل ہوتے ہیں۔

سچ کیا ہے؟:

چنانچہ سچ کسی چیز کے بارے میں خبر دینا ہے کہ جس حال پر وہ واقعی ہے اور جھوٹ کسی چیز کے بارے میں اس کے حال کے برخلاف خبر دینے کا نام ہے سچ اور جھوٹ دونوں کے دواعی ہوتے ہیں سچ کے دواعی لازمی اور جھوٹ کے دواعی عارضی ہوتے ہیں کیونکہ سچ کی طرف عقل موجب اور شریعت موکدہ داعی ہوتی ہے اور جھوٹ سے عقل منع کرتی اور شریعت روکتی ہے اس لئے یہ جائز ہے کہ سچی خبریں جاری رہیں حتی کہ وہ متواتر بن جائیں البتہ جھوٹی خبروں کا مستقل جاری رہنا جائز نہیں کیونکہ لوگوں کا سچ جھوٹ میں اتفاق دواعی کے اتفاق

کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ سچ کے دواعی کے لئے جائز ہے کہ اس پر بڑا مجمع متفق ہو جائے اور وہ کوئی خبر نقل کریں اور وہ اتنی بڑی تعداد ہو کہ اس جیسی تعداد سے جھوٹ منتفی ہو سکے تو دل میں اس کا سچا ہونا بیٹھ جاتا ہے کیونکہ اس کی طرف جو دواعی ہیں وہ فائدہ مند ہیں اور لوگوں کا فائدہ مند دواعی میں متفق ہونا ممکن ہے اور اس بڑی تعداد کا متفق ہونا جائز نہیں جنکا کسی بات کو نقل کرنے میں موافقت کرنا ممکن نہ ہو کہ یہ خبر اس طرح ہے۔ کیونکہ اس کی طرف دواعی فائدہ مند نہیں ہیں بلکہ کبھی تو نقصان دہ بھی ہوتے ہیں اور عادت اس طرح جاری نہیں ہے کہ بہت بڑی تعداد غیر نافع دواعی پر متفق ہو جائے اس لئے لوگوں کا سچ پر متفق ہونا جائز ہے کیونکہ ان کے دواعی کا متفق ہونا درست ہے مگر یہ جائز نہیں کہ لوگ جھوٹ پر متفق ہو جائیں کیونکہ سب کے دواعی (خیالات) کا متفق ہونا ممکن نہیں ہے۔

پھر جب یہ طے ہے کہ سچ اور جھوٹ کے دواعی (اسباب) ہوتے ہیں تو دل میں ان کے لئے جو داعیہ اٹھتا ہے ان میں سے کچھ دواعی کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

سچ کے اسباب ودواعی:

سچ کے دواعی میں سے ایک عقل ہے کیونکہ وہ جھوٹ کی قباحت کو واجب کرتی ہے خاص طور پر جبکہ جھوٹ سے کوئی فائدہ نہ ہو اور نقصان دور نہ ہو سکے اور عقل اس فعل کی طرف بلاتی ہے جو اچھا ہو اور عقل قباحت والے فعل کو کرنے سے روکتی ہے اور جو شاعروں کے مبالغے صحیح سمجھے جاتے ہیں اگرچہ وہ صریح جھوٹ ہو جاتے ہیں مگر ان کا صحیح سمجھا جانا اس لئے نہیں ہے کہ عقل کی نظر میں جھوٹ کو اچھا سمجھا جاتا ہے جیسے کہ شاعر کا یہ قول (جھوٹ کے سوا کچھ نہیں) ہے۔

توھمہ فکری فاصبح خدہ وفیہ مکان الوھم من فکرتی اثر

وصافحہ کفی فآلم کفہ فمن لمس کفی فی اناملہ عقر

ومر بقلبی خاطرا فجرحتہ ولم ار شیئا قطہ یجرحہ الفکر

(ترجمہ) میری فکر نے اس کا خیال کیا تو اس کے گالوں میں جہاں میری سوچ کی جگہ

تھی میری فکر کا نشان موجود تھا اور میرے ہاتھ نے اس سے مصافحہ کیا تو میری ہتھیلی کے لمس سے اس کی انگلیوں میں گڑھے پڑ گئے تھے اور میرے دل میں خیال گذرا تو میں نے اسے زخم لگا دیا اور میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جسے خیال زخمی کر دیتا ہو۔

کیونکہ اس قسم کے اشعار تشبیہ میں مبالغے اور شعر بنانے کے ملکہ کے اظہار کے طور پر نکل آتے ہیں اگرچہ شواہد حال انہیں جھوٹ کی تلبیس کے طور پر نکالتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کے اشعار شعر کی صنعت میں جائز اور عقل اسے قبیح نہیں سمجھتی اگرچہ جھوٹ عقل کی نظر میں قبیح ہے۔

دین سچ کہلواتا ہے:

(۲) سچ کا ایک اور داعی دین ہے جو سچ کی اتباع اور جھوٹ سے منع کا حکم لے کر آیا ہے اس لئے کہ شریعت اس کام کو جائز نہیں کہتی کہ جسے عقل نے منع کیا ہو اس کی اجازت دے دے۔ بلکہ شریعت تو اس سے بھی زائد احکام لائی ہے جتنا کہ جھوٹ کی ممانعت کا عقل تقاضا کرتی ہے کیونکہ شریعت جھوٹ کو اس وقت بھی منع کرتی ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہو یا نقصان دور ہو رہا ہو جبکہ عقل اس جھوٹ کو منع کرتی ہے جس سے نہ کوئی فائدہ ہو نہ کوئی نقصان دور ہو۔

مروت سچ کا باعث ہے:

(۳) ان ہی دواعی میں سے ایک مروت بھی ہے کیونکہ یہ جھوٹ سے روکتی اور سچ بولنے کی ترغیب دیتی ہے اس لئے کہ مروت ناگوار فعل کو کرنے سے منع کرتی ہے تو قبیح فعل سے بطریق اولیٰ منع کرے گی۔

سچائی کے حوالے سے شہرت کو پسند کرنا:

(۴) ان ہی دواعی میں سے ایک سچائی کے حوالے سے شہرت کو پسند کرنا بھی ہے۔ چنانچہ نہ اس کی بات رد کی جاتی ہے نہ ندامت اس کے حصے میں آتی ہے''۔ ایک بلیغ کا قول ہے کہ تیرا مرجع حق ہونا چاہئے اور چھٹکارا سچ کی طرف ہونا چاہئے کیونکہ حق سب سے زیادہ

طاقتور مددگار ہے اور سچ سب سے افضل ساتھی ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔

عود لسانک قول الصدق تحظ به ان اللسان لما عودت معتاد

موکل بتقاضی ماسننت له في الخير و الشرفا نظر كيف ترتاد

(ترجمہ) اپنی زبان کو سچ بولنے کی عادت ڈالو تم اس سے محفوظ ہو گے بیشک زبان کو اس کی عادت پڑ یگی جو تم عادت ڈالو گے وہ بھلائی اور برائی میں تمہاری ڈالی ہوئی عادت اور طریقے پر مجبور ہے چنانچہ دیکھو وہ کیسے فرمانبردار ہوتی ہے۔

جھوٹ کے دواعی واسباب:

(۱) فائدہ حاصل کرنا اور تکلیف سے بچنا۔ ایسا کرنے والا سمجھتا ہے کہ جھوٹ زیادہ محفوظ اور غنیمت ہے لہٰذا وہ دھوکے سے فریب کھا کر اور لالچ میں اپنے لئے گنجائش نکال لیتا ہے حالانکہ کبھی کبھار جھوٹ اس کی امیدوں سے بہت دور اور اس کے خوف کے بہت قریب ہو جاتا ہے کیونکہ بری چیز کبھی اچھی نہیں ہو سکتی اور شر بھلائی نہیں بن سکتا نہ کانٹوں سے انگور توڑے جا سکتے ہیں اور نہ ہی حنظل (کڑوا پھل ہے) حاصل کیا جا سکتا ہے۔

سچ کو تلاش کرو:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سچ کو تلاش کرو اگر چہ تمہیں اس میں ہلاکت نظر آئے اور جھوٹ سے دور رہو اگر چہ اس میں تمہیں نجات نظر آئے کیونکہ (حقیقتاً) اس میں ہلاکت ہے''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر مجھے سچ نیچا کر دکھائے (اگر چہ وہ کم ہی نیچا دکھاتا ہے) تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ جھوٹ مجھے بلند کرے (جو کہ بہت کم بلند کرتا ہے)

ایک دانا کا قول ہے کہ سچ تجھے نجات دلانے والا ہے اگر چہ تمہیں اس سے خوف محسوس ہو اور جھوٹ ہلاک کرنے والا ہے اگر چہ تم اسے محفوظ سمجھو۔

جاحظ کہتے ہیں کہ سچ اور وفا امن دیتی ہیں صبر اور حلم امن دیتے ہیں ان میں پورا دین ہے اور دنیا کی اصلاح ہے ان کی اضداد پر ٹوٹ پھوٹ اور جدائی کا سبب اور ہر فساد کی جڑ ہیں۔

جھوٹ کا دوسرا سبب:

انسان ترجیح اسے دے کہ اس کی گفتگو اچھی اور کلام و بیان مزیدار ہو اور وہ سچ کو اچھا اور شیریں اور اپنی بات کو مزیدار نہ سمجھے تو یہ جھوٹ کو خوب بنا کر بیان کرے اور جھوٹ کے نہ تو عجائب کسی کو پناہ دیتے ہیں اور نہ لطائف کسی کو عاجز کرتے ہیں۔

یہ قسم پہلے والی قسم سے زیادہ بری ہے کیونکہ یہ نفس کی بے وقعتی اور کم ہمتی سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ جاحظ نے کہا ہے کہ جو شخص جھوٹ بولتا ہے وہ اپنے نفس کی قدر کم ہونے کی بنا پر بولتا ہے۔ ابن مقفع کہتے ہیں کہ جھوٹ بول کر مذاق مت کرو (مذاق میں بھی جھوٹ مت بولو) کیونکہ یہ حق کو بہت جلد باطل کر دیتا ہے۔

جھوٹ بولنے کا تیسرا سبب:

(۳) ان اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جھوٹ بول کر اپنے دشمن سے تشفی حاصل کرے یعنی اس کے خلاف اپنی بھڑاس نکالنا مقصود ہو چنانچہ اس کے خلاف گندی باتیں گھڑ کر اس کے خلاف رسوا کن باتیں جوڑ دے اور یہ سمجھے کہ جھوٹ کا یہ پلندہ غنیمت ہے اور دشمن کے خلاف کہہ کر اسے تیر مار رہا یا زہر پلا رہا ہے۔

یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے زیادہ بری ہے کیونکہ اس نے اس قسم میں جھوٹ کا گناہ اور نقصان دہ شر (دونوں) جمع کر لئے ہیں۔ اسی وجہ سے شریعت نے دشمن کی دشمن کے خلاف گواہی کو رد کیا ہے (قبول کرنے سے انکار کیا ہے)۔

جھوٹ بولنے کا چوتھا سبب:

(۴) ایک سبب یہ ہے کہ جھوٹ کے دواعی اس کے سامنے بار بار آتے رہیں حتی کہ اسے جھوٹ بھانے لگے اور اس کی عادت بن جائے اور نفس اس کا تابع ہو جائے۔ اس طرح کہ اگر وہ جھوٹ سے بچنا چاہے تو اس کے لئے مشکل ہو۔ کیونکہ عادت طبیعت ثانیہ

بن جاتی ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ جسے جھوٹ کا دودھ پینے میں مزہ آنے لگے اسے جھوٹ چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے منثور الحکم میں لکھا ہے جھوٹا جس چیز کو لازم کرے وہ اس پر غالب ہو جاتی ہے۔

جھوٹے کی پہچان:

جان لیجئے کہ جھوٹے کی پہچان سے پہلے اس کی چند علامات ہوتی ہیں جو اس کی نشاندھی کر دیتی ہیں۔

پہلی پہچان:

آپ اسے کوئی بات سمجھائیں تو وہ جلدی سمجھ جاتا ہے لیکن جو آپ نے بات سمجھائی اور جو بات وہ کہے اسکے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

دوسری پہچان:

اگر آپ اسے کسی بات میں شک پیدا کریں تو وہ شک کرنے لگے گا حتی کہ وہ اپنی بات سے پھرنے پر بھی تیار ہوگا اگر آپ شک نہ دلاتے تو اسے شک کا خلجان بھی نہ ہوتا۔

تیسری پہچان:

اگر آپ اس کی کسی بات کو رد کریں تو وہ بات کہنے سے بند ہو جائے اور پھنس جائے اس کے پاس اپنی بات ثابت کرنے کی دلیل نہ ہو نہ سچوں کی طرح برھان ہو۔

اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''جھوٹ سراب کی مانند ہے''۔

چوتھی پہچان:

اس پر جھوٹوں کے سے دھوکے کا ظہور ہوتا ہے اور وہم کرنے والوں کی سی ذلت چغلی کھاتی ہے کیونکہ یہ باتیں ایسی ہیں کہ انسان اسے اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتا کیونکہ طبیعت میں ان کا اثر ہوتا ہے۔ اسی لئے حکماء کہتے ہیں کہ آنکھیں زبان کی چغلی کھاتی ہیں۔ ایک بلیغ کا قول ہے کہ چہرے آئینہ ہوتے ہیں جو اندر کے راز کھول دیتے ہیں۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔

تـربـک اعیـنـهـم مافی صدور هم ان الـعیـون یـؤدی سـرهـا النظر

آنکھیں ان کے دل کی بات ظاہر کرتی ہیں نظر آنکھوں کے راز تک پہنچ جاتی ہیں۔

جھوٹ کا ایک عیب:

جو شخص جھوٹ کی وجہ سے مشہور ہو جائے اس کے بارے میں کئی مجہول جھوٹ اور مختلف جھوٹی باتیں منسوب ہو جاتی ہیں اس طرح جھوٹا شخص مکذوب علیہ (جس پر جھوٹ بولا جائے) بن جاتا ہے اور وہ جھوٹ کے گناہ اور جھوٹ کے نقصان کو جمع کرنے والا بن جاتا ہے پھر اگر وہ سچ کو ڈھونڈے تو اس پر جھوٹ کی تہمت ہی لگتی ہے اور اگر جھوٹ سے بچنا چاہے تو جھٹلایا جاتا ہے حتی کہ اس کی سچی بات بھی نہیں مانی جاتی اور نہ جھوٹ کو عیب سمجھا جاتا ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔

اذا عرف الکذاب بالکذب لم یکد یصدق فی شئی و ان کان صادقا

(ترجمہ) جب جھوٹا شخص جھوٹ سے معروف ہو جائے تو اس کو کسی بارے میں سچا نہیں کہا جائیگا اگرچہ وہ سچا ہی کیوں نہ ہو۔

ومن آفة الـکـذاب نسیان کذبه وتـراه ذا حـفـظ اذا کان حاذقا

(ترجمہ) جھوٹے کی مصیبت یہ ہے کہ وہ جھوٹ کو بھول جاتا ہے اور تم اسے یادداشت والا دیکھو گے اگر وہ ماہر ہو۔

جھوٹ بولنا کب جائز ہے:

حدیث میں جنگ کے دوران جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے اسی طرح دو جدا ہونے والوں میں اصلاح کی غرض سے توریہ کی طرز پر تصریح کئے بغیر جھوٹ کی رخصت دی گئی ہے کیونکہ حدیث میں جھوٹ بولنا مباح نہیں کیا گیا کیونکہ اباحت میں فیصلہ ہوتا ہے اور یہ عمل توریہ اور اشارے کنایہ کی طرز پر ہی اجازت یافتہ ہے۔

جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا جس وقت آپ چادر کی اوٹ میں صحابہ رضی اللہ عنھم سے الگ تشریف رکھتے تھے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ''ممن انت ؟'' آپ کس سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''من ماء'' پانی سے۔لہٰذا آپ نے تو اپنے نسب کے بارے میں بتانے سے توریہ کیا جو ایک احتمال والے لفظ (اور معاملے) کے ذریعے تھا پوچھنے والے نے سمجھا کہ یہ قبیلہ کا نام ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی سے مراد وہ پانی لیا جس سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نسب کو بیان کرنے سے چھپالیا اور جواب سچی خبر پر مشتمل دیا۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب ہجرت کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہے تھے تو کچھ عرب لوگ ان سے ملے جو انہیں جانتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جانتے تھے۔انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ صاحب کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ شخص مجھے راستہ دکھاتا ہے (ھذا یھدینی السبیل) تو ان لوگوں نے جملے کا مطلب سفر کا راستہ دکھانا سمجھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھلائی کا راستہ مراد لیا۔لہٰذا انہوں نے سچی بات کہی اور اپنی مراد چھپالی۔

اشارے جھوٹ سے آزاد ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''بیشک اشارے جھوٹ سے آزاد ہیں''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اشاروں میں وہ بات موجود ہوتی ہے جو کسی شخص کو جھوٹ سے بچاسکے۔

بعض مفسرین نے '' لَاتُؤَاخذنِي بِمَا نَسِيتُ.

(ترجمہ) جو میں بھول جاؤں اس پر میرا مواخذہ مت کرنا''۔ کے بارے میں فرمایا کہ وہ بھولے نہ تھے لیکن مراد کلام میں اشارے ہیں'' ابن سیرین کا قول ہے کہ کلام میں اس

سے زیادہ وسعت ہے کہ اس میں جھوٹ کی تصریح کی جائے''

بعض وہ سچ جن کا کہنا ناجائز ہے:

جان لیجئے کہ بعض سچ ایسے ہیں کہ جو برائی اور گناہ میں جھوٹ کے قائم مقام ہیں اور تکلیف اور مضرت میں جھوٹ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ ہیں غیبت، چغلی، وغیرہ۔

غیبت کے عیوب:

غیبت، خیانت اور پردہ دری ہے اور یہ دونوں حسد اور دھوکے کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے'' (الحجرات)

یعنی جس طرح مردہ بھائی کا گوشت کھانا حلال نہیں اسی طرح زندہ کی غیبت کرنا بھی حلال نہیں۔ مروی ہے کہ دو عورتوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں روزہ رکھا ہوا تھا اور وہ لوگوں کی غیبت کر رہی تھیں جب اس کی خبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے حلال سے روزہ رکھا اور حرام سے توڑ دیا''

غیبت نہ کرنے والا جنتی ہے:

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اپنے بھائی کے گوشت سے دور رہا اللہ تعالیٰ پر اسکا یہ حق ہے وہ جہنم کی آگ پر اس کا گوشت حرام کر دے''

غیبت عورتوں کا پھل اور کمینوں کی چراگاہ ہے:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''غیبت کمینوں کی چراگاہ ہے''۔

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ''غیبت عورتوں کا پھل ہے'' ایک شخص نے ابن سیرین سے عرض کیا کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے تو مجھے وہ حلال کر دیجئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے میں اسے حلال کرنا پسند نہیں کرتا۔ ابن سماک کا

قول ہے کہ اپنے عیب پر اپنی بری غیر موجودگی سے لوگوں کی مذمت کرو“

شاعر کہتا ہے کہ

لاتلتمس من مساوی الناس ماستروا فیھتک اللہ سترا عن مساویکا

واذکرمحاسن مافیھم اذا ذکروا ولا تعب احدامنھم بما فیکا

(ترجمہ) لوگوں کی چھپی برائیاں مت تلاش کر ورنہ اللہ تعالیٰ تیری برائیوں کا پردہ چاک کر دیں گے اور جب انکا ذکر ہو تو ان کی اچھائیاں ذکر کر اور ان میں سے کسی کا وہ عیب بیان نہ کر جو تجھ میں بھی موجود ہے۔

غیبت کرنے والوں کے عذر:

کبھی کبھار غیبت کرنے والا اپنا عذر پیش کر کے کہتا ہے کہ وہ سچ تو کہہ رہا ہے کیونکہ غیبت جسکی کی ہے وہ شخص اعلانیہ گناہ کرتا ہے اور اس پر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل بھی پیش کرتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین افراد ایسے ہیں جن کی غیبت غیبت نہیں۔ ظالم حکمران، شراب خور، علانیہ فسق کرنے والا“۔ چنانچہ وہ یہ کہہ کر صحیح بات سے بہت دور اور ادب سے پرے ہو جاتا ہے کیونکہ اگرچہ وہ غیبت میں سچی بات کہہ رہا ہے لیکن پردہ دری کر رہا ہے کہ جسے بچانا بہتر تھا اور ایسی بات کھلم کھلا کہہ رہا ہے جو چھپی ہوئی اور خفیہ ہے۔

کبھی کبھار مغتاب (جس کی غیبت کی جائے) کو چھپی بات ظاہر کرنے اور کھلم کھلا کہنے کی دعوت دیتا ہے لیکن اس سے سوائے اخلاق کی خرابی کے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا کسی کی بھلائی نہیں ہوتی کسی نے نوشیروان سے پوچھا کہ وہ کون سی بات ہے جس میں کوئی بھلائی نہیں؟ اس نے کہا کہ وہ بات جو مجھے نقصان دے اور دوسرے کو فائدہ نہ دے یا دوسرے کو نقصان دے اور مجھے فائدہ نہ دے میں ایسی بات میں کوئی بھلائی نہیں دیکھتا۔

کسی کے عیوب ظاہر مت کرو:

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ ان عیوب کو مت ظاہر کرو جنہیں علام الغیوب نے چھپا رکھا

ہے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے بارے میں وہ بات کہے جو اس میں ہے اگر تو سچا ہے تو تو نے غیبت کی اور اگر جھوٹا ہے تو تو نے بہتان لگایا۔

مسلمان کا استہزاء علانیہ فسق ہے:

عبدالرحمٰن بن زید قرآن کریم کی اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

"یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ"۔

اے ایمان والو تم میں کچھ لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق نہ اڑائیں" (الحجرات)

یعنی مسلمان کا استہزاء ان اعمال میں سے ہے جسے "علانیہ فسق کرنا" کہتے ہیں۔

غیبت حقیقت پر مبنی ہوتی ہے:

ایک عورت خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی اور کوئی مسئلہ پوچھا جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسکا قد بہت چھوٹا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیبت مت کرو' تو انہوں نے کہا میں نے وہ بات کہی ہے جو اس میں تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اسی لئے (تو غیبت ہے) ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بہتان ہوتا۔

کمینے کے اوصاف:

ایک ادیب سے پوچھا گیا کہ کمینے کے اوصاف کیا ہوتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جب وہ غائب ہوتا ہے تو عیب جوئی کرتا ہے اور جب حاضر ہوتا ہے تو غیبت کرتا ہے۔

مذکورہ حدیث ان افعال کی نکیر پر مبنی ہے اور اس طرح نکیر کرنا غیبت نہیں کیونکہ وہ منکر سے منع کرنا ہے اور کھلم کھلا نکیر کرنے اور چھپ کر غیبت کرنے میں فرق ہے۔

چغلی کرنا:

یہ ہے کہ غیبت کی مذمت کے ساتھ شر اور خرابی کو بھی جمع کر دیا جائے اور اس کی ملامت کے ساتھ نیچ پن اور غداری کو بھی ملا دیا جائے پھر دو محبت کرنے والوں ملنے والوں اور قریبی لوگوں کو توڑنے کی طرف رخ کر دیا جائے۔

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنھا سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کیا میں تمہیں تمہارے شریر لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا۔ تمہارے شریر لوگ چغلی لے کر چلنے والے جو محبت کرنے والوں میں خرابی ڈالتے اور عیوب تلاش کرتے ہیں''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''دو چہروں والا شخص ملعون ہے دو زبانوں والا ملعون ہے ہر شغار ملعون ہے، ہر چغلخور ملعون ہے احسان جتانے والا ملعون ہے''

یہاں دو چہروں والے شخص سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے درمیان باتیں کر کے ایک دوسرے کے خلاف اکسائے اور ان کے درمیان دشمنیاں ڈالے۔ چغلخور (قتات اور نمام) میں تفصیل یہ ہے کہ نمام وہ شخص ہے جو لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ لگائے اور پھر ان کی باتوں کی چغلخوری کرے اور قتات وہ شخص ہے جو چھپ کر باتیں سنے اور پھر ان کی چغلخوری کرتا پھرے منان۔ وہ ہے جو احسان کر کے جتلائے۔

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ ''چغلی قاتل تلوار ہے''۔ ایک ادیب کا قول ہے کہ کوئی چلنے والا چغلخور سے زیادہ برا نہیں ہوتا۔

سعایہ چغلخوری کی ایک قسم:

یہ تینوں برائیوں کا شر ہے کیونکہ اس میں غیبت کی مذمت، چغلوری کی ملامت اور

جان و مال کا دھوکا اور مرتبے اور احوال میں عیب لگانا سب جمع ہے۔

ابن قتیبہ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جنت میں دیوث (بے غیرت) اور قلاع (حکام کے ہاں لوگوں کی غیبت کرنے والا) داخل نہ ہوں گے''۔

دیوث وہ شخص ہے جو بدکاری کے لئے عورتوں اور مردوں کو جمع کرتا (ملاتا) ہے اسے دیوث اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان دلالی کرتا ہے۔

قلاع (کے لفظی معنی اکھیڑنے والا ہے) یہ وہ شخص ہے جو حکام کے پاس جا کر لوگوں کی غیبت کرتا ہے اور ایسے شخص کی کرتا ہے جو حاکم کے نزدیک کسی مرتبے پر ہوتا ہے وہ اس کی چغلی وغیبت کر کے اسے اس مرتبے سے اکھیڑ دیتا ہے۔

بعض حکماء کا کہنا ہے کہ

سعایہ کرنے والا شخص دو برے کرداروں کے درمیان ہوتا ہے۔ کہ اگر اس نے غیبت میں سچ کہا ہو تو اس نے امانت میں خیانت کی (خائن کا کردار ادا کیا) اور اگر جھوٹ بولا تو اس نے مروت کے خلاف کام کیا۔

ایک دانا کا قول ہے سچ ہر ایک کو مزین کرتا ہے سوائے چغلخوروں کے کیونکہ چغلخور سب سے زیادہ قابل مذمت اور سچ بولنے پر گناہگار بھی ہوتا ہے۔

ایک بلیغ کا قول ہے چغلخوری (نمیمہ) نیچ پن ہے اور سعایہ کمینہ پن ہے اور یہ دونوں غداری کے شر کی اساس ہیں ان کے راستے سے ہٹ کر چلو اور ان کے اہل (چغلخوروں) سے دور رہو۔

فضل بن سہل نے ایک چغلخور کے بارے میں جس نے اس سے کسی کی چغلی کی تھی کہا کہ ہم اس کی چغلی قبول کرنے کو اسی کا شر سمجھتے ہیں کیونکہ چغلخوری دلالت اور اسے قبول کرنا جازت ہے لہٰذا چغلخور سے بچو کیونکہ اگر وہ چغلخوری میں سچا ہو تو اپنی سچائی میں بھی گناہگار تھا کیونکہ اس نے عزت کی حفاظت نہیں کی اور عیب کو چھپایا نہیں۔

سکندر اعظم نے ایک چغلخور کو کہا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ہم تو جو اس شخص کے بارے

میں کہتا ہے وہ اس شرط پر قبول کرلیں کہ وہ جو تمہارے بارے میں کہتا ہے وہ قبول کرلیں؟ اس نے کہا جی نہیں۔ تو سکندر نے کہا تو پھر تو شر سے باز آجا شر بھی تجھ سے دور رہے گا۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو وحی فرمائی کہ تمہارے شہر میں ایک چغلخور ہے اور جب تک وہ تمہاری سرزمین پر ہے میں بارش نہیں برساؤں گا۔ تو حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے اللہ مجھے اس شخص کی نشاندھی کر دے تاکہ میں اسے شہر سے نکال دوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام میں چغلخوری کرنا ناپسند کرتا ہوں تو کیا میں بھی چغلی کروں؟

چھٹی فصل:

حسد اور مقابلہ بازی کا بیان

جان لیجئے کہ حسد بہت بری صفت ہے ساتھ ساتھ بدن کے لئے نقصان دہ اور دین کے لئے مفسد ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے حسد سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا۔

"وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ". (سورۃ الفلق)

(ترجمہ) (کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں) حاسد کے شر سے کہ جب وہ حسد کرے۔اور حسد کے شر ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

حسد سابقہ اقوام کی بیماری ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ تمہاری طرف گذشتہ اقوام کی ایک بیماری رینگتی آتی ہے وہ ہے نفرت اور حسد یہ حالقہ (مونڈنے والی) ہے دین کو مونڈتی ہے بالوں کو مونڈنے والی بیماری نہیں ہے۔قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے تم امن میں نہیں ہو جب تک کہ آپس میں محبت نہ رکھو گے۔کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں کہ جسے کر کے تم کو آپس میں محبت ہو جائے گی۔سلام کو اپنے درمیان عام کرو"

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد کا حال بیان فرما دیا اور یہ کہ آپس کی محبت اس کو دور کر دیتی ہے اور سلام کرنا آپس کی محبت کو بیدار کرتا ہے۔چنانچہ سلام حسد کو دور کرنے والا قرار پایا۔

قرآن کریم میں بھی اسی سے ملتی جلتی آیت بھی ہے۔ارشاد ہے کہ

دور کر اس کے ذریعے جو سب سے اچھا طریقہ ہے تو اس وقت وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائیگا گویا وہ گہرا دوست ہے" (حم السجدہ)

مجاہد اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں کہ یعنی سلام کے ذریعے برے آدمی کی برائی کو دور کرو"

حسد آسمان وزمین کا پہلا گناہ ہے:

بعض سلف کا قول ہے کہ حسد وہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعے آسمان میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی۔ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور زمین میں کیا جانے والا پہلا گناہ بھی یہی ہے یعنی قابیل نے ہابیل سے حسد کیا حتی کہ اسے قتل کر کے چھوڑا۔

ایک دانا کا قول ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو اسے کوئی ناراض نہیں کرسکتا اور جو اللہ تعالیٰ کی عطاء پر راضی ہو اس میں حسد داخل نہیں ہوتا۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ لوگ حاسد اور محسود ہیں اور نعمت سے حسد کرنے والا ہوتا ہے

ایک ادیب کا قول ہے میں نے کسی ظالم کو حسد کے شکار شخص کے جیسا مظلوم نہیں دیکھا کہ وہ ہمیشہ کڑوے گھونٹ لیتا لازمی غم اور پریشان دل کے ساتھ رہتا ہے۔

حسد کی برائی بہت زیادہ ہے:

اگر حسد کی برائی صرف اتنی ہی ہو کہ وہ بری اور رذیل صفت ہے جو ہمسروں اور قریبی لوگوں کا رخ کرتی ہے اور مصاحب اور ملنے جلنے والے سے ہی خاص ہے تب بھی خود کو اس سے پاک رکھنا بھلائی اور اس سے بچنا غنیمت ہے اور کیسے نہ ہو وہ نفس کے لئے مصر اور غم دینے پر مصر ہے حتی کہ کبھی کبھار حاسد کو ہلاک بھی کر دیتا ہے بغیر اس کے کہ دشمن کو کوئی نقصان پہنچائے یا محسود کو کوئی ضرر دے۔

حسد حاسد کا قاتل ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ برائی کے خصائل میں سے حسد سے زیادہ کوئی منصف نہیں وہ حاسد کو محسود تک پہنچنے سے پہلے ہی مار ڈالتا ہے۔

ایک دانا کا قول ہے حاسد کے لئے یہی سزا کافی ہے کہ وہ تمہاری خوشی کے موقع پر غم میں مبتلا ہوتا ہے۔

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ حاسد کو سزا خود اس کے نفس سے مل جاتی ہے۔

اصمعی کا قول ہے کہ میں نے ایک اعرابی کو کہا کہ تمہاری لمبی عمر کا راز کیا ہے؟ تو اس

نے کہا کہ میں نے حسد کو چھوڑ دیا تو میں زندہ رہا۔

ایک شخص نے قاضی شریح سے کہا کہ آپ جتنی گہرے احکام کی سمجھ رکھتے ہیں اور مقدمہ کے فریق کی باتوں پر جتنا صبر کرتے ہیں اس کی وجہ سے میں آپ سے حسد کرنے لگا ہوں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اس حسد سے نہ تو تجھے فائدہ پہنچائیں گے اور نہ مجھے کوئی نقصان پہنچائیں گے۔

عبداللہ بن معتز کا شعر ہے۔

اصبر علی کید الحسو د فان صبرک قاتلہ

فالنار تاکل بعضھا ان لم تجد ماتا کلہ

(ترجمہ) حاسد کے مکر پر صبر کر کیونکہ تیرا صبر اس کو قتل کر دے گا کیونکہ آگ کو جب کھانے کو کچھ نہ ملے تو وہ اپنے کو ہی کھا جاتی ہے۔

حسد کی حقیقت:

حسد کی حقیقت یہ ہے کہ بافضیلت لوگوں کو جو بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں ان پر شدت سے افسوس ہو منافسہ (مقابلہ) اس کے علاوہ ہے۔ کبھی کبھار کچھ لوگوں کو غلطی سے یہ شبہ لگ جاتا ہے کہ خیر اور بھلائی کے حصول کی دوڑ اور دوسرے سے آگے نکلنے کی تگ و دو (یعنی منافسہ) ہی حسد ہے حالانکہ معاملہ ان کے اس گمان کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ منافسہ بافضیلت لوگوں کو نقصان پہنچائے بغیر ان جیسا بننے کی کوشش کا نام ہے۔

اور حسد نقصان کی طرف راجع ہوتا ہے اس لئے حسد کا مقصد بافضیلت لوگوں کا فضل ختم کرنا ہوتا ہے بغیر اس کے کہ حاسد کو وہ فضل بھلائی ملے۔ چنانچہ حسد اور منافسہ میں یہ فرق ہے۔ چنانچہ منافسہ ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ فضائل حاصل کرنے کی اور بافضیلت لوگوں کی اقتداء کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے''

حسد کے دواعی واسباب:

حسد کا پہلا سبب: محسود (جس سے حسد کیا جائے) سے نفرت وناراضگی ہو۔ چنانچہ اس کی کوئی فضیلت ظاہر ہو یا کوئی قابل تعریف بات نظر آئے تو اس پر افسوس کرے تو یہ افسوس حسد جس میں نفرت کی آمیزش ہو فراہم کرتا ہے اور یہ قسم اگرچہ سخت نقصان دہ ہے لیکن عام نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ نفرت کا شکار نہیں ہوتے۔

حسد کا دوسرا سبب:

محسود کی کوئی اچھی صفت یا کارنامہ ظاہر ہو جس سے یہ حاسد عاجز ہو تو اس میں اس کے تقدم اور اختصاص سے اسے ناگواری ہوتی ہے اس سے حسد پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس کا یہ کارنامہ نہ ہوتا یہ حسد سے باز رہتا۔ یہ درمیانی قسم ہے کیونکہ ہمسر اپنے سے کمتر شخص سے حسد نہیں کرتے بلکہ حسد سے برتر لوگ خاص ہیں۔ اس قسم میں کبھی کبھار منافسہ کی آمیزش ہوتی ہے لیکن وہ عاجزی اور محرومی کے ساتھ ہوتی ہے اسی لئے حسد بن جاتی ہے۔

حسد کا تیسرا سبب:

حاسد میں فضائل سے تنگدلی اور نعمتوں سے بخل ہوتا ہے اسے نہیں ملتی تو یہ ان سے روکتا ہے اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتے اس لئے ان سے دور ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ تو انعامات ہیں جو اللہ تعالیٰ جسے چاہے عطا کرتا ہے لہٰذا حاسد اللہ تعالیٰ پر اس کے فیصلے پر ناراض ہوتا ہے اور اسکے عطیئے سے حسد کرتا ہے اگرچہ خود اس کے پاس اللہ کی دی ہوئی نعمتیں بہت ہوتی ہیں اور اس کو کی گئی عطا واضح ہوتی ہے۔

حسد کی یہ قسم بہت عام اور بہت زیادہ بری ہے کیونکہ جو اس میں مبتلا ہوا سے آرام نہیں آتا اور نہ اس کی خوشی کی کوئی انتہا ہوتی ہے چنانچہ اگر اس حسد کو شر اور طاقت حاصل ہو جائے تو وہ بربادی اور انتقام بن جاتا ہے اور اگر اس کو عاجزی اور بے وقعتی حاصل رہے تو یہ مشقت اور بیماری بن جاتا ہے۔

مفکر عبدالحمید کا قول ہے غم کا مارا حاسد زہر پینے والے کی طرح ہے اگر اس کا زہر اثر

کر جائے تو اس کا غم بھی ختم ہو جائے۔

حسد فضیلت کے بقدر ہوتا ہے:

جان لیجئے کہ انسان کے فضل وکمال اور نعمت کے ظہور کے بقدر اس سے لوگوں کا حسد ہوتا ہے اگر فضل وکمال زیادہ ہو حاسدین بھی زیادہ ہوتے ہیں اگر کم ہو تو کم ہوتے ہیں کیونکہ فضل وکمال کا ظہور حسد کو جوش دلاتا ہے اور نعمت کا ملنا غم کو دوگنا کرتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے میں انہیں چھپانے سے مدد لو یعنی اپنی نعمتوں کو چھپا کر رکھنا بھی مدد ہے کیونکہ ہر نعمت والے کا کوئی نہ کوئی حاسد ہوتا ہے''۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس کسی پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کی طرف حاسد رخ کر لیتا ہے اور اگر کوئی شخص عیب جوئی سے محفوظ ہو جائے تو آنکھوں کے اشاروں سے نہیں بچ پاتا۔

اور کبھی حسد محسود کی فضیلت اور حاسد کی کمتری کی دلیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ابو تمام طائی کا شعر ہے۔

و اذا اراد اللہ نشر فضیلة — طویت اتاح لها لسان حسود

لولا اشتعال النار فیما جاورت — ما کان یعرف طیب عرف العود

لولا التخوف للعواقب لم یزل — للحاسد النعمی علی المحسود

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ جس کسی لپٹی فضیلت کو پھیلانے کا ارادہ کریں تو اسکے لئے کوئی حاسد زبان مقرر کر دیتے ہیں۔ اگر کسی چیز سے مل کر آگ کا بھڑکنا نہ ہو تو عود کی خوشبو پہچانی نہ جائے۔ اگر انجام کا خوف نہ ہوتا تو حاسد شخص کو محسود کے اکرام کے لئے ہمیشہ حسد کرنا ہوتا۔

حسد کا علاج:

جس شخص پر حسد غالب ہو اور اسکی طبیعت اس پر مائل رہتی ہو تو حسد دور کرنے اور اس سے

رکنے کے لئے اس کے نقصان اور دشمنی سے بچاؤ کے لئے چند امور پر عمل کرنا ضروری ہے۔

علاج نمبرا:

اسے حسد سے اجتناب کرنے کے لئے دین کی اتباع کرنا اور دین کے آداب میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنا ضروری ہے تا کہ وہ اپنے نفس کو اسکے برے اخلاق کی وجہ سے سرزنش کرے اور اسے کمینی طبیعت سے ہٹائے اگرچہ طبیعت کا بدلہ مشکل کام ہے لیکن محنت وریاضت اور بتدریج اقدام کرنے سے مشکل کام آسان ہو جاتا ہے اور اپنے نفس میں اس کے مشکل کام کی محبت پیدا کرے اگرچہ کسی کا قول ہے کہ جس کو رب نے بنایا ہے وہ اپنے طبعی اخلاق کس طرح بدل سکتا ہے" لیکن جو شخص اپنے نفس کو بناوٹی اخلاق سے سنوارنے کی محنت کرے اخلاق کو بنانے کے بجائے بناوٹی اخلاق سے انہیں درست کرے اور اچھائی پر لائے پھر نفس کو اچھائی (بناوٹی اخلاق) کی عادت ڈالے اس طرح وہ طبعی اخلاق کی طرح ہو جائیگا۔

علاج نمبر۲:

عقل کے ذریعے حسد کے ناپسندیدہ نتائج کو سمجھے اور اس کی برائیوں کی وجہ سے اس سے باز رہے اپنے نفس کو دبائے ذلیل کرے اور حمیت سے اسے پاک کرنے کی کوشش کرتا رہے تو نفس اس کی ہدایت کے تابع ہو جائے گا اور اصلاح کی جانب اس کی بات مان کر چلے گا یہ سب سرکش نفس اور بلند ہمت نفس کے لئے صحیح ہوگا۔ اگر ہمت والا ہوگا تو وہ حسد سے بیزاری اختیار کرے گا۔

علاج نمبر۳:

حسد کے ضرر کو دور کرے اور اس کے اثر سے بچنے کی کوشش کرے اور اس بات کو جان لے کہ اس کی حیثیت اس کے اپنے نفس میں ابلغ اور حسد سے دور ہوگی۔ چنانچہ حسد کی مشکلات اور غم کو دور کرنے میں اپنی سمجھ کو استعمال کرے تا کہ نفس پاکیزہ اور ستھرا ہو اور زندگی خوش وخرم گذرے۔ کہا جاتا ہے کہ "حاسدوں کی غفلت پر تعجب ہے کہ جسموں کی سلامتی کی

فکر نہیں''

علاج نمبر۴:

وہ لوگوں کی خود سے بیزاری اور دوری پر غور کرے اور اپنے آپ سے ان کی دشمنی یا ملامت پڑنے سے خوف کرے اور اپنے نفس پر محنت کر کے ان لوگوں کو خود سے جوڑنے اور محبت دلانے کی کوشش کرے اور ان کو اگر وہ اس سے صحیح ہو جائیں تو اپنے لئے فائدہ مند اور خالص محبت کرنے والا جانے۔۔۔مومل بن امیل کا شعر ہے کہ۔

لا تحسبونی غنیا عن مودتکم انی الیکم و ان ایسرت مفتقر

(ترجمہ) مجھے تمہاری محبت سے مستغنی مت سمجھو میں اگرچہ آسانی میں ہوں مگر مجھے تمہاری ضرورت ہے۔

علاج نمبر۵:

اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلے کو مانے اور تسلیم کرے اور یہ نہ سمجھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر غالب آسکتا ہے ورنہ مغلوب لوٹے گا اور نہ یہ کہ اس سے کسی معاملے میں مقابلہ کرے ورنہ محروم ہوگا اور نعمتیں بھی چھن جائیں گی۔اردشیر بن بابک کا قول ہے کہ

جب تقدیر ہماری مدد نہیں کرتی تو ہم اسکے مددگار ہو جاتے ہیں۔

اگر ان اسباب میں سے کسی ایک کے ذریعے وہ اپنے نفس کو خوش نصیبی دلا دے اور صحیح رخ کے استعمال سے اسے صحیح راستہ دکھا دے تو وہ اپنی بیماری سے شفا پائے گا اور اس کے بوجھ سے چھٹکارہ پالے گا اپنے نقص کو فضل سے بدل لے گا اور مذمت کے عوض تحسین حاصل کرلے گا اور جو شخص اپنے نفس کو مذمت سے ہٹائے اور ملامت سے دور کر دے وہ ہی واضح سمجھدار اور مضبوط عزم والا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو فتنہ میں مبتلا ہو پھر توبہ کرلے۔

حسد کی چار برائیاں:

اگر خواہش نفس اسے صحیح راستے سے روک دے اور محرومی اسے اس کے مقاصد سے بھٹکا دے اور وہ کمینی طبیعت کے تابع ہو جائے اور اس پر برے اخلاق غالب ہو جائیں حتی کہ اس کا حسد ظاہر ہو جائے اور دل کا غم سخت ہو جائے تو چار برائیاں اسے لاحق ہو جاتی ہیں۔

(الف) حسد کی حسرتیں اور جسم کی بیماریاں لاحق ہوں گی اور پھر حسرتوں کی کوئی انتہا نہ ہوگی نہ ایسے مریض کی شفایابی کی امید ہوتی ہے۔ ابن المعتز کا قول ہے کہ حسد جسم کی بیماری ہے"

(ب) مرتبہ گھٹ جاتا ہے قدر گر جاتی ہے کیونکہ لوگ اس سے منحرف اور دور ہو جاتے ہیں۔ منثور الحکم میں لکھا ہے کہ "حاسد سردار نہیں بن سکتا"

(ج) لوگ اسے عیب لگاتے ہیں ناراض رہتے ہیں حتی کہ اسکے لئے ان کے دل میں محبت نہیں رہتی دشمنی رہ جاتی ہے ان میں اس کا کوئی دوست باقی نہیں رہتا چنانچہ وہ مسلسل دشمنی کا شکار اور لوگوں کی ناراضگی کا دھتکارا ہوا رہتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہے جو لوگوں سے نفرت کرے اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں۔

(د) اس کے مقابلہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور مخالفت کی بناء پر گناہوں کا بوجھ اس کے حصے میں آتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو عدل نہیں سمجھتا اور لوگوں کو اس کی نعمتوں کا حقدار نہیں مانتا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو"۔

حاسد بغیر گناہ کسی سے دشمنی کرتا ہے:

عبداللہ بن معتز کا قول ہے کہ حاسد اس شخص سے غصہ کر رہا ہوتا ہے جس کا کوئی گناہ نہیں ہوتا اور اس چیز پر بخل کرتا ہے جس کا وہ مالک نہیں۔ ایسی چیز کا طلبگار رہتا ہے جو اسے نہیں ملتی۔ جب انسان حاسد ین نعمت کے حسد کا شکار ہو جائے اور فضل کا دشمن ہو جائے تو

اللہ تعالیٰ سے حاسد کے شر سے پناہ مانگے اور اس کے مکر کے حیلوں سے بچے اور اس کے حسد کی چالوں اور مکاریوں سے خود کو بچائے۔ اس کے شبہات اور کمینگی سے دور رہے کیونکہ اس کی بیماری خطرناک اور دوا کے بغیر ہے۔

حسد کرنے والا بہت نقصان دہ ہے:

کہا جاتا ہے کہ نعمت سے حسد کرنے والا اس کے زوال کے سوا کسی اور بات پر راضی نہیں ہوتا۔ ایک دانا کا قول ہے کہ جو شخص اپنی طبیعت سے ہی نقصان دہ ہو اس کی قربت سے انس حاصل مت کرو کیونکہ لوگوں کا دل بڑا سخت ہوتا ہے۔ عبدالحمید کا قول ہے کسی شیر کے قریب جانا کسی حاسد کے ساتھ بیٹھنے سے بہتر ہے۔۔۔ محمود وراق کہتے ہیں۔

اعطیت کل الناس من نفسی الرضا　　الا الحسود فانہ اعیانی

ما ان لی ذنبا الیہ علمتہ　　الا تظاھر نعمۃ الرحمن

وابی فما یرضیہ الا ذلتی　　وذھاب اموالی وقطع لسانی

(ترجمہ) میں نے تمام لوگوں کو خود سے راضی کرلیا مگر حاسد نے مجھے عاجز کر دیا۔ میں نے اس کے حق میں نہ معلوم کیا گناہ کیا سوائے یہ کہ وہ اللہ کی نعمت سے دور ہو گیا اور انکار کیا اسے میری ذلت مال کا خاتمہ اور زبان کا کٹنا ہی راضی کرسکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تین چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی نہیں بچتا بدشگونی، بدگمانی، اور حسد۔ جب تم بدشگونی لو تو واپس مت جاؤ، بدگمانی کرو تو تحقیق مت کرو، جب حسد کرو تو اسے مت چاہو۔

فصل: مواضعت (کسی امر پر موافقت) اور اصطلاح کے آداب کی دو قسمیں ہیں

(۱) مواضعت اس کی فروع میں ہو اور عقل اس کے اصول کی موجب ہو۔

(۲) مواضعت اصول و فروع میں ہو۔ اس کو ہم چند فصول میں واضح کریں گے۔

فصل اول:

کلام اور خاموشی کا بیان

یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کلام ترجمان ہے جو چھپی ہوئی باتوں اور رازوں کو بیان کرتا ہے اس سے نکلی ہوئی مناسب اور نامناسب باتوں کو لوٹانا ممکن نہیں اس لیے عقل مند پر لازم ہے کہ وہ کلام کی لغزش سے بچے یا تو کلام نہ کرے یا کم کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رحم کرے اس شخص پر جو خیر اور بھلائی کی بات کرے اور فائدے میں رہے یا خاموش رہے اور نجات پائے''۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے معاذ جب تک تم خاموش ہو سلامتی میں ہو اور جب تم نے کلام کیا تو اس کا وبال تم پر ہوگا''۔ ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ''زبان پیمانہ ہے جسے جہل جوش دلاتا ہے اور عقل اسے معتدل رکھتی ہے''

خاموشی کا نقد فائدہ:

بعض حکماء نے فرمایا کہ چپ رہا کرو اس سے تمہیں حکیم اور عاقل سمجھا جائے گا چاہے تم جاہل ہو یا عالم۔

بعض ادیبوں کا قول ہے کہ نیک بخت ہے وہ شخص جس کی زبان خاموش ہو اور جس کا کلام بقدر ضرورت ہو'' بعض علماء نے فرمایا ''جو عاقل شخص کی طرح کلام کرنا چاہتا ہے تو وہ کلام نہ کرے مگر ضرورت یا حق کو ثابت کرنے کے لئے کرے اور اس کا غور وفکر صرف انجام اور آخرت کے بارے میں ہو''۔

خاموشی کے مزید فوائد:

بعض بلغاء نے فرمایا کہ ''خاموش رہا کرو کہ اس سے تمہیں خالص محبت حاصل ہوگی اور برے انجام سے امن میں رہو گے اور خاموشی کی وجہ سے وقار حاصل ہوگا اور معذرت کرنے کی مصیبت سے بھی بچو گے''

بعض فصحاء کا قول ہے کہ اپنی زبان قابو میں رکھ مگر یہ کہ حق کو واضح کرنا ہو یا باطل کو دفع کرنے کے لئے یا حکمت اور علم یا نعمت کے پھیلانے یا تذکرے کے لیے (کھول سکتے ہو) شاعر کا قول ہے۔

رایت العزفی ادب و عقل — وفی الجهل المذلة والهوان
وما حسن الرجال لهم بحسن — اذا لم یسعد الحسن البیان
کفی بالمرء عیباان تراه — لهوجه و لیس له لسان

(ترجمہ) عزت ادب اور عقل میں ہے اور جہل ذلت ورسوائی کا سبب ہے۔
''مردوں کی خوبصورتی میں کوئی حسن نہیں ہے جبکہ بیان میں حسن نہ ہو''۔
آدمی کے عیب کے لیے یہی کافی ہے کہ تم اس کا چہرہ دیکھو لیکن اس کی زبان نہ ہو (جو اچھا بولے)

شرائط کلام:

بولنے کی چند شرائط ہیں کہ اسی کے ذریعے کلام کی لغزشوں اور نقصان سے بچا جا سکتا ہے اور یہ شرائط چار ہیں:

(۱) شرط اول: کہ کلام کسی ضرورت کی وجہ سے ہو یا اس سے نفع حاصل کرنا ہو یا ضرر یا تکلیف کو دور کرنا مقصود ہو۔

(۲) شرط دوم: کہ کلام اپنے موقع اور جگہ میں ہو اور اس کے ذریعے صحیح چیز طلب کی جائے۔

(۳) شرط سوم: کلام بقدر ضرورت ہو۔

(۴) شرط چہارم: صحیح الفاظ کا انتخاب کیا جائے۔

یہ چار شرائط ہیں جن میں سے کوئی شرط اگر کم ہوئی تو کلام کی خوبی اور فضیلت میں بھی اتنی کمی ہوگی اب ہر شرط کی تفصیل ذکر کی جائے گی''

گفتگو ضرورت کے تحت ہو:

(۱) پہلی شرط کہ کلام کسی ضرورت کی بنا پر ہو اس لئے کہ بلاضرورت بولنا بکواس ہے یا بلا سبب کلام کرنا بدگوئی ہے اس لئے کہ جس نے بولنے میں سخاوت کی اور کلام کی ضرورت اور معانی کی صحت کی رعایت نہیں کی تو اس کا کلام بے کار اور رائے بے وزن ہوگی۔ جیسا کہ ابن عائشہ نے قصہ نقل کیا ہے کہ ایک نوجوان کا بیٹھنا احنف بن قیس کے ساتھ تھا اور نوجوان ہر وقت چپ رہتا احنف کو ان پر تعجب ہوا تو ایک دن جب لوگ چلے گئے تو احنف بن قیس نے اس سے کہا اے بھتیجے تم بھی بولو اس نے کہا اے چچا مجھے بتایئے کہ اگر کوئی شخص اس مسجد کی اونچائی سے گرے کیا اسے کوئی نقصان پہنچے گا؟ احنف بن قیسؒ نے فرمایا کاش اے بھتیجے ہم تمہیں پوشیدہ ہی رہنے دیتے (کیونکہ بولنے سے اس کی بیوقوفی ظاہر ہوگئی) پھر احنف نے شاعر اعور الشنی کے اشعار سے مثال بیان کی۔

اشعار اور ان کا ترجمہ۔

وکائن من تری من صامت لک　　معجب زیادته او نقصه فی التکلم

لسان الفتی نصف و نصف فواده　　فلم یبق الاصورة اللحم والدم

(ترجمہ) جب تو کسی خاموش شخص کو دیکھے جو تمہیں تعجب میں ڈالنے والا ہو اور اس کے کلام میں زیادتی یا عیب ہو تو یہ سمجھ لے کہ جوان کی زبان نصف ہے اور نصف اس کا دل ہے چنانچہ اس کی زبان گوشت اور خون کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

ایک بے وقوف شخص اور امام ابو یوسف کا قصہ:

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ سے قصہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص کا ان کے ساتھ بیٹھنا تھا وہ خاموش رہتا امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا تم سوال کیوں نہیں کرتے؟ اس شخص نے کہا کیوں نہیں بتایئے روزے دار افطار کب کرے گا؟ امام ابو یوسفؒ نے جواب دیا جب سورج غروب ہو اس نے پھر سوال کیا کہ اگر آدھی رات تک سورج غروب نہ ہو تو امام ابو یوسفؒ اس پر مسکرانے لگے اس قصے کی مثال خطفی کے دو شعروں میں بیان کی

گئی ہے۔

عجبت لازراء العیی بنفسه   وصمت الذی قد کان بالقول اعلما
وفی الصمت ستر للعیی وانما   صحیفة المرء ان یتکلما

مجھے تعجب ہوا عاجز اور بے وقوف کی بدگوئی سے اور حیرت ہوئی اس شخص کی خاموشی سے جو عاقل اور عالم ہے۔

بلاشبہ خاموش رہنا بے وقوف کا پردہ ہے کیونکہ آدمی کی عقل کا پتہ اس کی گفتگو سے ہوتا ہے

مصنف رحمتہ اللہ علیہ کا ایک بے وقوف سے سابقہ اور برتاؤ:

مصنف کہتے ہیں کہ میں ایک دن بصرہ کی مجلس میں تھا اور میں اپنے ساتھیوں کو درس دے رہا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک عمر رسیدہ شخص آیا جس کی عمر اسی سال سے بھی متجاوز تھی اس نے مجھے کہا کہ میں نے ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے آپ کا انتخاب کیا ہے میں نے کہا پوچھئے اللہ تمہیں عافیت میں رکھے''۔ میرا گمان تھا کہ یہ اپنے اوپر گزرے ہوئے کسی حادثے یا واقعے کے بارے میں سوال کرے گا چنانچہ اس نے پوچھا کہ مجھے ابلیس اور آدم علیہ السلام کے ستارے کے بارے میں بتائیے کہ ان کا ستارہ کیا ہے؟ کیونکہ ان دونوں کی عظمت شان کی وجہ سے یہ سوال علماء دین سے ہی کیا جاسکتا ہے؟ مصنف فرماتے ہیں کہ میں یکدم حیران سا ہو گیا اور جو لوگ میری مجلس میں تھے وہ بھی اس کے سوال سے حیرت میں پڑ گئے اور اسے برا بھلا کہنے لگے مگر میں نے لوگوں کو روکا اور بوڑھے کو ایسا جواب دیا جو اس کے سوال کے مناسب تھا چنانچہ میں نے بوڑھے کو جواب دیا کہ نجومی کہتے ہیں کہ لوگوں کے ستارے ان کی ولادت کا وقت (تاریخ) معلوم ہونے سے پہچانے جاتے ہیں اگر تمہیں اس کا علم ہو جائے تو پھر سوال کرنا اس وقت بوڑھا میری طرف متوجہ ہوا اور کہا اللہ تمہیں جزائے خیر دے پھر خوشی کے ساتھ لوٹ گیا پھر چند دنوں کے بعد اس نے آکر کہا کہ مجھے اب تک ایسا شخص نہیں ملا جسے ان کی ولادت کی تاریخ معلوم ہو۔

ان لوگوں کی طرف نظر کریں کہ انہوں نے کلام کو جہل اور بدگوئی سے جدا نہیں کیا اور

نہ سوال کو نقصان اور عیب سے بچایا اس لیے کہ گفتگو اور سوال بلاضرورت تھے اور کلام بغیر سمجھ کے کیا اگر گفتگو ضرورت کی بنا پر ہوتی تو یہ عیب نہ پائے جاتے۔

عقل مند کی زبان دل کے پیچھے ہے:

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عقل مند کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے چنانچہ جب وہ بولنا چاہتا ہے تو دل کی طرف رجوع کرتا ہے اگر اس کا نفع ہوتا ہے تو بولتا ہے ورنہ خاموش رہتا ہے اور جاہل بے وقوف کا دل زبان کے پیچھے ہوتا ہے اس لیے وہ بغیر سوچے سمجھے بولتا رہتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے اپنی گفتگو کو اپنے عمل میں سے شمار نہ کیا اس کی غلطیاں بہت زیادہ ہونگی۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ آدمی کی عقل اس کی زبان کے نیچے چھپی ہے اور بعض بلغاء کا قول ہے کہ اپنی زبان کو مقید کردو قبل اس کے کہ زبان تمہیں قید کرے یا تمہیں ہلاک کردے۔

چنانچہ اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ اپنی زبان کو بند رکھا جائے جو صحیح بات کہنے سے کوتاہی کرے اور جواب دینے میں جلدی کرے ابوتمام الطائی کا شعر ہے۔

(ترجمہ) بعض حکماء کے اقوال میں سے ہے کہ آدمی کی زبان اس کے دل کے تابع ہوتی ہے۔

بعض حکماء نے کلام کی بالکل اجازت نہیں دی وہ فرماتے ہیں کہ جب تم جاہلوں میں بیٹھو تو خاموش رہو کہ تمہاری خاموشی سے بردباری میں اضافہ ہوگا اور جب علماء میں بیٹھو تو خاموش رہو کیونکہ اس سے تمہارے علم میں اضافہ ہوگا۔

گفتگو موقع محل کے مطابق ہو:

گفتگو کی دوسری شرط: یہ ہے کہ گفتگو اپنے موقع اور محل میں ہو اس لیے کہ بغیر موقع کے کلام کرنا نفع نہیں دیتا اور جب کلام کا نفع نہ ہو تو وہ بکواس اور بے کار ہے اس لیے کہ جس بات کا موقع بعد میں ہے اسے پہلے کرنا جلد بازی اور قطع کلامی ہے اور جس بات کا موقع

پہلے ہے اسے موخر کرنا سستی اور عجز کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ ہر موقع کی بات اور ہر حال کے لیے ایک عمل ہے جیسا کہ شاعر کا شعر ہے۔

تضع الحدیث علی مواضعه فکلا مها من بعدها نزر

(ترجمہ) گفتگو اپنے موقع میں کرو کیونکہ اس کے بعد بات کرنا بے کار ہے۔

کلام بقدر ضرورت ہو:

شرط سوم: کلام کی تیسری شرط یہ ہے کہ بقدر ضرورت ہو اگر کلام بقدر ضرورت و کفایت نہ ہو اور نہ اس کی کوئی انتہاء ہو تو پھر کلام کی دو حالتیں ہیں اگر ضرورت سے کم ہے تو یہ کلام سے عاجزی کو ظاہر کرتا ہے اور اگر ضرورت سے زائد ہے تو یہ بکواس اور ھذیان ہے روایت میں آیا ہے کہ ایک دیہاتی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے طویل کلام کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تمہاری زبان کے کتنے پردے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے دونوں ہونٹ اور میرے دانت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل زیادہ بولنے کو ناپسند کرتے ہیں پھر فرمایا کہ اللہ اس شخص کو تروتازہ وخوش رکھے جس نے مختصر اور بقدر ضرورت کلام کیا۔

کسی حکیم نے ایک شخص کو کثرت سے باتیں کرتے دیکھا تو حکیم نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دو کان اور ایک زبان بنائی تا کہ تمہارا سننا بولنے سے زیادہ ہو ایک حکیم کا قول ہے جس کا کلام زیادہ ہوگا اس کے گناہ زیادہ ہونگے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں فضول بولنے سے ڈراتا ہوں کسی بلیغ کا قول ہے کہ آدمی کا کلام اس کے فضل کا بیان اور عقل کا ترجمان ہے چنانچہ خوبی یہ ہے کہ کلام مختصر کر اور ایسے کلام سے بچ جو حاکم کو ناراض کرے اور بھائیوں اور دوستوں کو وحشت زدہ کرے اس لیے کہ حاکم کو ناراض کرنا موت کو دعوت دینا ہے اور دوستوں کو وحشت زدہ کرنا نالائقی ہے کسی شاعر کا شعر ہے۔

وزن الکلام اذا نطقت فانما یبدی عیوب ذوی العیوبْ المنطق

(ترجمہ) بولتے وقت اپنے کلام کا وزن کر کیونکہ بولنا عیب ظاہر کردیتا ہے۔

ضرورت سے زائد گفتگو کی دو صورتیں:

جو کلام بقدر حاجت نہ ہو اس کی دو حالتیں ہیں کہ کلام ضرورت سے کم ہو یہ عاجزی کو ظاہر کرتا ہے اور ضرورت سے زائد یہ ھذیان ہے اور دونوں عیب ہیں لیکن زیادہ بولنا بہت برا ہے اور خوفناک بھی ہے حدیث میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کی زبان کی کھیتیاں ان کو جہنم میں منہ کے بل دھکیل دیں گی۔

کسی حکیم کا قول ہے کہ آدمی کے قتل کا ذریعہ اس کے جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) کسی بلیغ کا قول ہے کہ قدر حاجت سے کم بولنا زیادہ بولنے سے بہتر ہے اس لیے کہ کم بولنا دلیل کو کمزور کرتا ہے اور زیادہ بولنا یہ کلام کی رونق ختم کردیتا ہے۔ کسی شاعر کا شعر ہے۔

رایت اللسان علی اهله اذا ساسه الجهل لیثا مغیرا

(ترجمہ) زبان کا جھل کے ساتھ چلنا پھاڑنے والے شیر کی طرح ہے۔

زبان تلوار کی طرح ہے:

بعض ادیبوں کا قول ہے کہ بعض زبانیں تلوار کی طرح ہوتی ہیں جو اپنے بولنے والوں کی گردنیں کاٹ دیتی ہیں اور جب لوگوں کا ھیجان اور اضطراب کم ہوتا ہے تو ان کے کلام کی رونق اور ان کی عقل میں زیادتی ہوتی ہے۔

بعض گفتگو حلال جادو ہیں:

بعض نے کہا کہ گفتگو جب ضرورت اور کفایت سے زیادہ ہو ان میں غلطی کا شائبہ نہ ہو اور لغزش سے پاک ہو تو یہ بیان ہے اور ایسا جادو ہے جو حلال ہے۔

سلیمان بن عبدالملک نے جب اس کی مجلس میں کلام کی مذمت کی گئی فرمایا کہ اچھے کلام کی خوبی خاموشی سے بڑھی ہوئی ہے اور خاموشی عمدہ کلام کے برابر نہیں ہوسکتی۔

بعض نے منشی اور محرر کے بارے میں کہا ہے کہ منشی وہ ہے جس کا بالشت بھر کلام کافی ہو

جاتا ہے اور اگر وہ بڑی سے بڑی کاپی بھی دیکھے تو اسے بھر دیتا ہے۔

ایک شاعر نے ایاد کے کسی خطیب کے بارے میں کہا۔

یرمون بالخطب الطوال وتارہ　　وحی الملاحظہ خیفۃ الرقباء

(ترجمہ) وہ طویل خطاب کرتے ہیں اور کبھی محافظوں کے ڈر کی وجہ سے آنکھ کا اشارہ کرتے ہیں۔

زیادہ بولنا ہمیشہ نقصان دہ ہے:

ھیثم بن صالح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے پیارے بیٹے جب تو کم بولے گا تو اس میں درستگی زیادہ ہوگی بیٹے نے جواب دیا ابا جان اگر میں زیادہ بولوں اور اس میں درستگی بھی ہو تو؟ ھیثم بن صالحؒ نے فرمایا بیٹے میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جسے تم سے زیادہ مناسب نصیحت کی گئی ہو۔

ابوالفتح بستی کا شعر ہے۔

تکلم و سید دما استطعت فانما　　کلامک حی والسکوت جماد

فان لم تجد قولا سدیدا تقولہ　　فصمتک عن غیر السداد سداد

(ترجمہ) اپنی استطاعت کے مطابق درست کلام کر کیونکہ بولنا زندگی ہے اور خاموشی بے جان چیز کی طرح ہے پس اگر درست بات نہ پاؤ تو تمہارا خاموش رہنا ہی درست ہے۔

بھلائی کی کثرت بھی بھلائی ہے:

ایاس بن معاویہ سے کہا گیا کہ آپ کے اندر سوائے زیادہ بولنے کے کوئی عیب نہیں ہے انہوں نے پوچھا کیا تم نے کوئی غلط بات سنی؟ لوگوں نے جواب دیا نہیں بلکہ درست بات ہی سنی ایاس بن معاویہ نے فرمایا کہ بھلائی میں زیادتی بھلائی ہے۔

جاحظ رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

ابوعثمان الجاحظ نے فرمایا کہ بولنے کی ایک حد ہے اسی طرح سننے والوں کی تازگی اور شوق کی بھی ایک انتہاء ہے اب جو کلام اس سے زیادہ ہو جس کی وجہ سے بوجھ اور بیزاری ہو تو

یہ کلام زائد ہے ابوعثمان نے سچ کہا اس لیے کہ کلام اگرچہ درست ہو لیکن اس کی کثرت سننے والے کو تھکا دیتی ہے اور دل کو بوجھل کرتی ہے اور کثرت کلام عجب کی وجہ سے ہوتی ہے کہ بولنے والا اپنے کلام کو عمدہ سمجھتا ہے اگر یہ خود پسندی نہ ہو تو بولنا مختصر ہو جائے اب جو اپنے بولنے کو اچھا سمجھے گا وہ زیادہ بولے گا جس کی وجہ سے کلام لغزشوں اور غلطیوں سے پر ہوگا۔

اپنی گفتگو پسند کرنے والا دماغ خراب ہے:

بعض حکماء کا قول ہے کہ جسے اپنا بولنا پسند ہو اس کی عقل فاسد ہو جاتی ہے اور زیادہ بولنے کی خوشی اس کے خوف کے مقابلے میں کم ہے اور بولنے کا نفع اس کے نقصان کے برابر نہیں کیونکہ بولنے والا لغزشوں اور سننے والے تھکن اور بیزاری میں مبتلا ہوتے ہیں اور لغزش اور بیزاری کے مقابلے میں نہ بولنے کی ضرورت ہے نہ نفع کی امید ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو بات پھیلانے والا کثرت سے بولنے والا ہو اور جو اصرار کرنے والا بے کار بولنے والا ہو

کسی شخص نے ایک حکیم سے سوال کیا کہ میں کب بولوں؟ حکیم نے جواب دیا جب تو خاموش رہنا چاہے اس شخص نے پھر سوال کیا کہ میں کب خاموش رہوں؟ حکیم نے جواب دیا جب تیرا دل بولنے کو چاہے"۔

جعفر بن یحییٰ کا قول ہے جب مختصر کلام کافی ہو تو زیادہ بولنا یہ عاجزی کو ظاہر کرتا ہے اور اگر زیادہ بولنا ضروری ہے تو تفسیر اور وضاحت کرنا عاجزی ہے۔

کتاب منثور الحکم میں لکھا ہے کہ جب عقل تام ہو جاتی ہے تو بولنا کم ہو جاتا ہے۔

بعض ادیبوں کا قول ہے کہ "جس کی خاموشی طویل ہو اس کو ایسی ہیبت ملتی ہے جو اس کے لیے نافع ہے اور ایسی تنہائی جو اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہے"

بعض بلغاء نے فرمایا بولنے سے رکنا جس سے سلامتی حاصل ہو ایسے بولنے سے بہتر ہے جس پر ندامت ہو چنانچہ اتنے کلام پر اکتفاء کر جس سے حجت قائم ہو اور ضرورت پوری ہو جائے اور فضول کلام سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اس سے قدم لغزش کھاتے ہیں اور

ندامت پیدا ہوتی ہے''۔

بعض فصحاء نے فرمایا کہ عاقل کا منہ بند رہتا ہے جب وہ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو رک جاتا ہے اور جاہل کا منہ کھلا رہتا ہے جب چاہتا ہے بولتا ہے کسی شاعر کا شعر ہے۔

(ترجمہ) کلام کی رونق لوگوں کو دھوکے میں ڈالتی ہے حتی کہ کلام میں عاجزی اور کثرت داخل ہو جاتی ہے۔

ان الکلام یغر القوم جلوتہ حتی بلج بہ عیی و اکثار

شرط چہارم:

بولنے اور کلام کی چوتھی شرط یہ ہے کہ الفاظ کا انتخاب جس کے ذریعے بولا جائے کیونکہ زبان انسان کا عنوان ہے جس سے آدمی کا پتہ چلتا ہے اور نا معلوم کا علم ہوتا ہے اور معلوم کی وضاحت ہوتی ہے اس لیے مناسب ہے کہ الفاظ مہذب ہوں اور زبان کا استعمال درست ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تمہارے جمال نے مجھے تعجب میں ڈال دیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدمی کا جمال کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اس کی زبان۔

خالد بن صفوان نے فرمایا کہ انسان زبان کے بغیر چوپایہ ہے یا بنائی ہوئی بے جان تصویر کی طرح ہے۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ زبان انسان کی وزیر ہے اور کسی بلیغ کا قول ہے کہ آدمی کا قول اس کی عقل پر دلالت کرتا ہے اور اس کا فعل اس کی اصل کا پتہ دیتا ہے۔

کسی کا شعر ہے۔

(ترجمہ) اگر آدمی میں عقل نہ ہو تو زبان اس کے عیوب کا پتہ دیتی ہے۔

کلام کا انتخاب اس شخص کے لیے درست ہے جس نے بلاغت وفصاحت کو لازم کر لیا ہو اور اسے اس کی مشق اور عادت ہو جس کی وجہ سے کلام ناپسندیدہ الفاظ اور معنی کے خلل

سے محفوظ رہے گا اس لیے کہ بلاغت یہ نہیں کہ کلام الگ الگ معانی پر مشتمل ہو یا الفاظ زیادہ ہوں بلکہ بلاغت یہ ہے کہ معانی درست ہوں اور الفاظ فصیح ہوں تا کہ الفاظ کی وضاحت صحت معانی کے ساتھ ہو۔

کسی یونانی دانشور سے پوچھا گیا کہ بلاغت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کلام کا صحیح انتخاب ہے رومی دانشور سے پوچھا گیا کہ بلاغت کیا ہے؟ تو اس نے کہا فوری گفتگو کے وقت عمدہ اختصار اور طویل کلام کے وقت بہترین کثرت'۔ ہندی دانشور نے جواب دیا کہ ''بلاغت'' کلام کے توڑ جوڑ کو پہچاننا ہے عربی نے کہا کہ بلاغت یہ ہے کہ جس کا اختصار عمدہ ہو اور مجاز کم ہو۔

بدوی نے جواب دیا کہ بلاغت یہ ہے کہ جو سحر سے کم اور شعر سے اوپر ہو جو رائی کو کوٹ دے اور چٹان پر نقش کر دے''

شہری سے پوچھا گیا کہ بلاغت کیا ہے؟ جواب دیا جس کا اعجاز زیادہ ہو اور ابتدا اور انتہاء میں مناسبت ہو''

ابن المقفع فرماتے ہیں بلاغت کہتے ہیں کلام میں رکاوٹ کا نہ ہونا اور جرأت کا ہونا۔

حجاج نے ابن القریہ سے پوچھا کہ ایجاز (اختصار) کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بولنے میں سستی نہ ہو اور کلام غلطی سے پاک ہو۔

شاعر کا شعر ہے۔

خیر الکلام قلیل   علی کثیر دلیل
والعی معنی قصیر   یحویہ لفظ طویل
وفی الکلام فضول   وفیہ قال وقیل

(ترجمہ) تھوڑا سا بہتر کلام کثرت پر دلیل ہے اور طویل گفتگو اچھے کلام سے عاجزی کی دلیل ہے اور ایسا کلام بھی ہوتا ہے جس میں فضولیات ہوتی ہیں۔

معنی کا صحیح ہونا:

معنی کا صحیح ہونا تین قسموں پر ہے۔

(۱) کلام واضح ہو۔

(۲) کلام غیر ضروری چیزوں سے خالی ہو۔

(۳) مقابلہ درست ہو اور مقابلے کی دو قسمیں ہیں۔(۱) الفاظ معانی کے مطابق ہوں۔(۲) الفاظ اپنے مقصد کے مطابق ہوں۔

فصاحت الفاظ:

فصاحت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اجنبی اور مشکل الفاظ سے اجتناب کرنا۔

(۲) گھٹیا لفظ سے بچنا اور حقیر کلام سے اعراض کرنا تا کہ عالی فہم کے مرتبے کے برابر ہو اور عام آدمی کی سمجھ سے اونچا نہ ہو جیسا کہ جاحظ نے کتاب البیان میں لکھا ہے ''کہ میں نے بلاغت میں کاتبین اور منشیوں جیسی قوم کا طریقہ نہیں دیکھا کہ یہ گھٹیا اور اجنبی الفاظ استعمال نہیں کرتے۔

(۳) الفاظ اور معانی میں مناسبت ہو اور آپس میں مطابقت اور موافقت پائی جائے۔

مطابقت کی تعریف:

مطابقت کہتے ہیں کہ الفاظ معانی کے لئے لباس اور جسم کی طرح ہو جائیں اور الفاظ معانی سے کم یا زیادہ نہ ہوں۔

بشر بن معتمر نے اپنی وصیت میں بلاغت کے بارے میں فرمایا کہ جب تو ایسا لفظ نہ پائے جو اپنے موقع پر واقع ہو سکے بلکہ اپنی جگہ سے دور ہو تو اس لفظ کو جبراً دوسری جگہ پر استعمال نہ کر۔ اس لئے کہ جب تو شعر میں مشغول نہیں اور نہ تو منتشر کلام کو یکجا کر رہا ہے تو اس کے ترک کرنے کی وجہ سے تو عیب دار نہیں ہوگا اور جب تو نے ان دونوں چیزوں کا ارادہ کیا اور تجھے اس میں مہارت نہیں تو عیب تجھے وہ شخص لگا دے گا جو زیادہ عیب دار اور

حقیر ہے اور تجھ پر تنقید وہ کرے گا جو درجے میں تجھ سے کم ہے۔

مناسبت:

مناسبت کہتے ہیں کہ معنی الفاظ کے مناسب ہوں یا لوگوں کے عرف کے مطابق ہوں اس طور پر کہ معنی کو ان الفاظ کے علاوہ ذکر کیا جائے تو پھسپھسا محسوس ہو اگر چہ الفاظ کتنے ہی فصیح اور واضح ہوں۔

کسی بلیغ کا قول ہے کہ بلیغ کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کلام کا معنی سنتے ہی سمجھ میں آ جائے باقی اعراب اور لحن یعنی کلام میں خطا کرنے سے اجتناب کلام کی درستگی کی صفات میں سے ہیں اور بلاغت کا مرتبہ اس سے بہت اونچا ہے کیونکہ جس کے بولنے میں غلطی ہو وہ ادیب ہی نہیں ہے چہ جائیکہ اس کا شمار بلغاء میں ہو'۔

آداب تکلم:

بولنے کے کچھ آداب ہیں اگر متکلم اس سے ناواقف ہو تو کلام کی رونق نہیں رہتی اور بیان کا مزہ نہیں رہتا اس کی وجہ سے لوگ کلام کی خوبی سے محروم رہتے ہیں۔

تعریف و مذمت میں حد سے تجاوز نہ کریں:

کلام کے آداب میں سے ہے کہ تعریف اور مذمت میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے اس لیے کہ مذمت سے رکنا کرم ہے اور مدح وتعریف میں تجاوز چاپلوسی ہے جو خدمت اور چمچہ گیری سے پیدا ہوتی ہے اور مذمت میں تجاوز یہ انتقام ہے جس کا سبب برائی ہے اور دونوں عیب ہیں اگر چہ جھوٹ سے خالی ہوں۔

روایت میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنوتمیم کا وفد آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن الاھتم سے قیس بن عاصم کے بارے میں سوال کیا انہوں نے قیس بن عاصم کی تعریف کی قیس نے کہا اللہ کی قسم یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) معلوم ہوا کہ میں اس کی بیان کی ہوئی تعریف سے بہتر ہوں لیکن اسے مجھ سے حسد ہے اس کے فوراً بعد عمرو بن اھتم نے قیس کی مذمت کر دی اور کہا واللہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں نے پہلی مرتبہ سچ کہا تھا اور دوسری مرتبہ مذمت میں جھوٹ نہیں کہا اس لیے کہ پہلی مرتبہ میں راضی تھا چنانچہ جو خوبی معلوم تھی بیان کر دی اور دوسری مرتبہ میں ناخوش تھا تو جو برائی معلوم تھی وہ کہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بعض بیان جادو ہوتے ہیں''۔

علاوہ اس کے کہ تعریف و مذمت میں جھوٹ سے بچنا مشکل ہے خاص طور پر جبکہ تعریف تقرب کے لیے اور مذمت غصے کی وجہ سے ہو۔

احنف بن قیس فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے اس فکر میں جاگ کر گزاری کہ ایک بات ایسی ہو جس سے بادشاہ کو خوش کروں اور اس سے میرا رب بھی ناراض نہ ہو ایسی بات مجھے نہ ملی ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی بادشاہ کے پاس اپنے دین کے ساتھ داخل ہوتا ہے لیکن نکلتے ہوئے اس کا دین نہیں رہتا۔'' پوچھا گیا کہ یہ کس طرح ہوتا ہے؟ تو جواب دیا کہ وہ بادشاہ کو ایسی بات سے راضی کرتا ہے جس سے اللہ جل شانہ ناراض ہوتے ہیں ابن الرومی نے ایک شخص کو کہتے سنا جو کسی کی تعریف میں مبالغہ کر رہا تھا اس نے کہا۔

اذا ما وصفت امرء الامری   فلا تغل فی وصفہ واقصد

فانک ان تغل تغل الظنو   ن فیہ الی الامر الابعد

فیطئول من حیث عظمتہ   لفضل المغیب علی المشھد

(ترجمہ) جب تو کسی شخص کی کسی خوبی کی تعریف کرے تو میانہ روی رکھ اور غلو نہ کر کیونکہ اگر تو نے غلو اور مبالغہ کیا تو لوگوں کے گمان اس میں بہت زیادہ غلو کریں گے پس وہ شخص تمہاری عظمت کے باوجود حقیر ہو جائے گا اس لیے کہ غائب کو حاضر پر فضیلت ہوتی ہے۔

جھوٹا وعدہ اور کھوکھلی دھمکی نہ دیں:

کلام کے آداب میں سے ہے کہ رغبت و شوق اور خوف کی وجہ سے کوئی وعدہ یا دھمکی نہ دی جائے کہ جس سے عاجز ہو اور اس کے پورا کرنے پر قدرت نہ ہو چنانچہ جس نے اپنی زبان کی لگام وعدہ اور وعید کے ساتھ کھلی چھوڑ دی تو بات ہلکی ہوتی ہے لیکن عمل کرنا بھاری

ہو جاتا ہے اس وجہ سے وعدہ ناقص رہ جاتا ہے اور وعید اور دھمکی پر عمل کرنا ممکن رہتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ایک چڑے کے پاس سے ہوا جو ایک چڑیا کے گرد چکر کاٹ رہا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ اس نے چڑیا سے کیا کہا؟ ساتھیوں نے جواب دیا اے اللہ کے نبی ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ چڑے نے چڑیا کو اپنے ساتھ نکاح کا پیغام دیا اور کہا کہ تو مجھ سے نکاح کر لے میں تجھے دمشق میں جہاں چاہے گی ٹھکانہ دوں گا اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ چڑے نے جھوٹ بولا اس لیے کہ دمشق میں گھونسلے چٹانوں پر بنے ہوئے ہیں اور اس کو قدرت نہیں کہ چڑیا کو وہاں ٹھکانہ دے لیکن بات یہ ہے کہ پیغام نکاح دینے والا جھوٹا ہوتا ہے۔

جو کہا ہے اسے عمل سے ثابت کریں:

کلام کے آداب میں یہ ہے کہ قول کو اپنے فعل سے ثابت کرے اور اپنے کلام کی عمل سے تصدیق کرے کیونکہ بات کرنا آسان اور عمل کرنا مشکل ہے اس لیے بات کے مقابلے میں کام کرنا صرف باتیں کرنے سے بہتر ہے کسی حکیم کا قول ہے کہ بہترین کلام وہ ہے جس میں بولنے کی حاجت نہ رہے بلکہ کر کے دکھایا جائے۔ محمود الوراق کے اشعار ہیں۔

(ترجمہ) قول وہی ہے جس کی فعل تصدیق کرے اور فعل وہ ہے جس کی عقل سے تائید ہو قول اپنی اصل اور جڑ کے بغیر قائم نہیں رہتا (یعنی فعل کے بغیر) بلکہ حقیر ہو جاتا ہے۔

گفتگو کے مقاصد اور مقصد کے رعایت کریں:

آداب میں یہ بھی ہے کہ کلام کے مقام و مقصد کی رعایت کی جائے اگر رغبت مقصود ہے تو کلام نرمی اور مہربانی سے ہو اگر ترہیب یا ڈرانا مقصود ہو تو کلام سختی سے کیا جائے اگر ترہیب میں نرمی اور ترغیب میں سختی ہوئی تو مقصد اور غرض فوت ہو جائے گی اور کلام بے کار ہوگا۔

ابوالاسود الدولی نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے پیارے بیٹے اگر تو کسی قوم میں ہو تو ان کی سمجھ سے اونچی بات نہ کر ورنہ وہ تجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور نہ گھٹیا کلام کر کہ وہ تجھ پر

عیب لگائیں۔

آواز بے چین اور بلند نہ کریں:

آداب میں یہ ہے کہ بولتے ہوئے بری طرح آواز بلند نہ ہو اور نہ بری طرح بے چینی کا اظہار ہو اور ایسی حرکت سے بچا جائے جس سے بے وقوفی یا عاجزی ظاہر ہو کیونکہ غلطی کا کم ہونا بلاغت میں اضافہ کرتا ہے حجاج نے ایک اعرابی سے پوچھا کیا میں خطیب ہوں؟ اس نے جواب دیا ہاں اگر زبان میں لڑکھڑاہٹ زیادہ نہ ہو اور آپ ہاتھ سے اشارہ کریں اور امابعد کہیں۔

بری اور گندی بات سے پرہیز کریں:

آداب گفتگو میں سے یہ بھی ہے کہ برے اور قبیح کلام سے بچا جائے اور بری اور قبیح بات اشاروں اور کنایوں میں بیان کی جائے تا کہ غرض معلوم ہو اور زبان محفوظ رہے اور ادب کا لحاظ رہے محمد بن علی رحمتہ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں۔ (ترجمہ) ''اور جب وہ بے ہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں''۔

''فرمایا۔ وہ بری چیزوں کا ذکر کنایوں میں کرتے ہیں اور جس طرح زبان کا اس سے بچانا ضروری ہے کانوں کی حفاظت بھی ضروری ہے چنانچہ نہ فحش بات سنی جائے نہ ہی اس کی طرف کان لگائے جائیں کیونکہ برائی کا سننا اس کے اظہار کی دعوت دیتا ہے پھر جب فحش بات سے اعراض پایا جائے گا تو کہنے والا رک جائے گا کیونکہ اعراض رکنے کا ذریعہ ہے جس طرح سننا ابھارنے کا سبب ہے''

ابوالحسن بن الحارث الہاشمی کے اشعار ہیں۔

تحر من الطرق اوسا طها — وعد عن الموضع المشتبه

وسمعک صن عن قبیح الکلام — کصون اللسان عن النطق به

فانک عند استماع القبیح — شریک لقائله فانتبه

(ترجمہ) تو میانہ روی اختیار کر اور شبہ کی جگہ سے دور رہ اور اپنے کانوں کو برے کلام کے سننے سے بچا جس طرح زبان کو اس کے بولنے سے بچایا جاتا ہے اس لیے کہ تو بری بات سنتے وقت کہنے والے کا شریک بن جاتا ہے چنانچہ تو ہوشیار رہ۔

بے ہودگی کے شبہ والی گفتگو سے اجتناب:

اسی طرح اگر گفتگو بیہودہ اور فحش نہیں ہے لیکن اس میں بیہودگی کا شبہ ہے تو اس سے بھی اجتناب پرہیز ضروری ہے اگرچہ بظاہر وہ درست کیوں نہ ہو جیسا کہ ازدی نے الصولی سے کسی شاعر کے اشعار نقل کیے ہیں۔

انت ربی والٰھی رازق الطفل الصغیر　　انننی شیخ کبیر کافر باللہ سیری

(ترجمہ) بلاشبہ میں بوڑھا عمر رسیدہ کافر ہوں اللہ کی قسم تم چلو تم میری (معاذ اللہ) رب اور معبود ہو چھوٹے بچے کو روزی دینے والی ہو۔

یہاں لفظ کافر کے معنی چھپانے والا ہے کافر کو کافر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتا ہے رب کے معنی ہیں کہ تو اپنے بچے کی تربیت کرتی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ روزی دینے والا ہے تو بھی بچے کو روزی دینے والی ہے۔

اب یہ تکلف انتہائی ناپسندیدہ اور برا ہے اگر فکر درست ہوتی تو بلا سوچے کلام صادر نہ ہوتا اس کے بارے میں حسن ظن ملامت کا سبب ہے اور یہ برا اور مشکوک کلام قابل مذمت ہے ایسا کلام بہکنے یا شک کی وجہ سے واقع ہوتا ہے رہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''لاتصلوا علی النبی'' وہ اس قسم کی تلبیس اور شک سے خارج ہے اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ ابھری ہوئی اونچی جگہ پر نماز مت پڑھو کیونکہ نبی نبوہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی ابھرا ہوا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی سے مراد راستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں کو انبیاء کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب راستے ہیں۔

گھٹیا اور کمینے لوگوں کی مثال مت دیجئے:

کلام کے آداب سے ہے کہ گھٹیا اور کمینے لوگوں کی مثالوں سے اجتناب کیا جائے اور ادیب دانشوروں کی مثالوں کو استعمال کیا جائے کیونکہ لوگوں کی مثالیں انہی جیسی ہوتی ہیں آپ کمینے آدمی کی مثال کمینی ہی پائیں گے جیسا کہ صنوبری کا شعر ہے۔

اذا ما کنت ذابول صحیح   الا فاضرب بہ وجہ الطبیب

(ترجمہ) جب تم درست پیشاب کرنے والے ہوتو اسے طبیب کے منہ پر مار دیجئے۔

ان قبیح اور بری مثالوں کی دو وجوہات ہیں۔

(۱) نفس کے برے اور پراگندہ خیالات کی وجہ سے کہ عقل جب پراگندہ ہوتو ایسی ہی مثالیں وارد ہوتی ہیں۔

(۲) لوگوں کی مثالیں ان کے احوال کے مطابق ہوتی ہیں۔

یہ تو عام لوگوں کی امثال ہیں بسا اوقات اچھا مہذب شخص بھی عامی مثال یا تشبیہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور یہ ایسے لوگوں سے اختلاط کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ امام اصمعی سے ہارون رشید نے بعض عربوں کے نسب کے بارے میں پوچھا انہوں نے جواب دیا امیر المومنین آپ نے ایک جاننے والے شخص سے سوال کیا ہے۔ لیکن اس نے عربی میں الفاظ یوں استعمال کئے۔ علی الخبیر سقطت یا امیر المومنین جو یوں سنے گئے آپ ایک باخبر آدمی پر گرے ہیں۔

اس پر ہارون رشید کے وزیر فضل بن ربیع نے اصمعی کو کہا کہ اللہ تمہیں ہلاک کرے کیا امیر المومنین سے اس طرح خطاب کیا جاتا ہے حالانکہ فضل بن ربیع علم میں کم تھے لیکن بادشاہوں سے کلام کرنے کا سلیقہ جانتے تھے اور امام اصمعی لغت کے امام تھے۔

اچھی مثالیں کانوں کو بھلی لگتی ہیں:

بیان میں اچھی مثالیں کانوں میں رس گھولتی ہیں اور دلوں پر اثر کرتی ہیں اور مثالوں کے بغیر کلام موثر نہیں ہوتا اور مثالوں کے ساتھ معانی واضح ہوتے ہیں اور مشاہدہ کھلتا ہے

نفوس میں رغبت ہوتی ہے دلوں میں یقین اور عقول میں موافقت پیدا ہوتی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں مثالیں بیان فرمائیں اور مثالوں کو اپنے رسولوں کے لئے دلائل بنایا اور اس کے ذریعے اپنی مخلوق پر حجت بیان کی اس لیے کہ مثالیں عقل قبول کرتی ہے اور دل قبول کرتے ہیں۔

مثالوں کے لیے چار شرائط ہیں۔

(۱) تشبیہ درست ہو۔

(۲) مثال سے پہلی بات کا علم ہو اور مثال اس کے مطابق ہو۔

(۳) مثال جلد سمجھ میں آنے والی ہو۔

(۴) مثال مخاطب اور سامع کے حال کے مناسب ہو تاکہ اثر زیادہ ہو ان چار شرائط کی وجہ سے کلام مزین اور معانی واضح ہونگے اور عقول میں تدبر پیدا ہوگا۔

دوسری فصل:

صبر اور غم کے بیان میں

مصائب پر صبر کرنا بہترین توفیق اور سعادت کی نشانیوں میں سے ہے اور مصائب میں ثابت قدم رہنے کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت میں حکم آیا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ (ترجمہ) ''اے ایمان والوں صبر کرو اور دشمنوں کے مقابلے میں صبر کرو اور ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ''

صبر ماحی الذنوب ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتے اور درجات بلند کرتے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور بتائیں فرمایا سختی کے وقت وضو کو مکمل کرنا، مسجد کی طرف چھوٹے چھوٹے قدم رکھنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ رباط ہے (رباط اسلامی سرحد پر پہرہ دینا)

چنانچہ قرآن کریم میں صبر کی تاکید آئی ہے اور یہ تقویٰ میں سے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ صبر غموں سے رکاوٹ اور مصائب پر مددگار ہے۔

صبر کی اہمیت:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ''صبر ایسی سواری ہے جو منہ کے بل نہیں گرتی اور قناعت ایسی تلوار ہے جو اچٹتی نہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اگر صبر اور شکر دو اونٹ ہوتے تو میں پرواہ نہ کرتا کہ کس پر سوار ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ افضل توشہ سختی اور شدت میں صبر کرنا ہے کسی ادیب کا قول ہے تیری بہترین عادت یہ ہے کہ تو مصیبت پر صبر کرے۔ منثور الحکم میں لکھا ہے جو زندگی کو محبوب رکھے اسے چاہیے کہ مصائب کے لیے صبر کرنے والے دل تیار رکھے ایک دانشور کا قول ہے سختی کے

مواقع میں صبر سے مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔

گھٹیا شخص کے جسم اور کریم شخص کے دل میں صبر ہوتا ہے:

ابن المقفع نے اپنی کتاب الیتیمہ میں لکھا ہے کہ صبر دو قسم کا ہے کہ گھٹیا لوگ جسم کے اعتبار سے صبر والے ہوتے ہیں اور کریم لوگوں کے دلوں میں صبر ہوتا ہے وہ صابر شخص قابل تعریف نہیں جو مشقت برداشت کرنے اور کام کرنے میں قوت والا ہو اس لیے کہ سختی جھیلنا اور کام کرنا تو گدھے کی صفات میں سے ہے لیکن وہ صابر شخص قابل تعریف ہے جو اپنے نفس پر غالب ہو اور معاملات میں تحمل رکھتا ہو اور اپنے نفس کی نگرانی رکھتا ہو۔

صبر کی اقسام:

صبر کی چھ اقسام ہیں اور ہر قسم قابل تعریف ہے۔

(۱) صبر کی پہلی قسم کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرنا اور ممانعت والے احکامات سے رکنا۔ اس لیے کہ اس وجہ سے اطاعت میں خلوص پیدا ہوتا ہے اور اطاعت میں خلوص کی وجہ سے دین خالص اور درست ہوتا ہے اور فرائض کی ادائیگی اور ثواب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(ترجمہ) صبر کرنے والوں کو بغیر حساب اجر و بدلہ دیا جائے گا اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر کا مرتبہ ایمان میں ایسے ہے جیسے سر کی حیثیت بدن میں ہے"۔

جس میں صبر نہیں وہ اطاعت اور خیر کا حصہ نہیں پا سکتا اور جو اپنے اندر صبر نہیں دیکھتا وہ ثواب کس طرح حاصل کر سکتا ہے اور عذاب کو اپنی جان سے کس طرح دور کر سکتا ہے اس صبر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہدایت سے دور ہوتا ہے اور گمراہی کے پیچھے چل پڑتا ہے"۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے وہ شخص جو دنیا سے ایسی چیز طلب کرتا ہے جو تجھے نہیں ملی۔ کیا تو یہ امید کرتا ہے کہ آخرت میں وہ چیزیں تجھے مل جائیں گی جو تو نے طلب نہیں کیں؟ اس موقع پر ابو العتاھیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ہیں۔

اراک امرء اترجو من اللہ عفوہ   و انت علی مالا یحب مقیم

تدل علی التقوی و انت مقصر　　فیا من یداوی الناس وھو سقیم

(ترجمہ) میں تمہیں ایسا آدمی دیکھتا ہوں جو اللہ سے معافی کی امید کرتا ہے حالانکہ اللہ کے ناپسندیدہ کاموں کو تو انجام دیتا ہے تو تقویٰ کی دعوت دیتا ہے حالانکہ خود عمل نہیں کرتا اے ایسے شخص جو لوگوں کی دوا کرتا ہے اور خود بیمار ہے۔

صبر کی یہ قسم زیادتی غم اور خوف کی شدت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے چنانچہ جو اللہ جل جلالہ سے خوف کرتا ہے اسے اطاعت پر صبر اور استقامت حاصل ہوتی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا غم ہوتا ہے وہ اوامر واحکام کو پورا کرتا ہے۔

صبر کی دوسری قسم:

حوادثات پر صبر کرنا یعنی کسی نقصان کی وجہ سے جس پر غم نے نڈھال کر دیا ہے یا حادثہ پر کہ فکر نے تھکا دیا اس پر صبر کی وجہ سے راحت حاصل ہوتی ہے اور ثواب بھی ملتا ہے جبکہ خوشی سے صبر کیا ہو ورنہ غم تو لازم ہے اور مجبوراً صبر کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو میرے فیصلے پر راضی نہیں اور میری مصیبت پر صبر نہ کیا تو اسے چاہئے کہ میرے علاوہ کسی اور کو رب بنائے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس سے فرمایا اگر تو نے اللہ کی تقدیر پر صبر کیا تو تجھے اجر دیا جائے گا اور اگر تو نے اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر بے صبری کی تو تو گناہ گار ہوگا۔ اس کو ابوتمام نے شعر میں ذکر کیا ہے۔

وقال علی فی التعازی لاشعث　　وخاف علیه بعض تلک المآثم

اتصبر للبلوی عزاء　　وخشیته فتوجر اوتسلو سلوالبهائم

(ترجمہ) ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشعث سے تعزیت کی کہ ان کو اشعث پر گناہ کا خوف تھا کہ تم مصیبت پر خوف کے سبب صبر کرو کہ تمہیں اجر دیا جائے گا ورنہ چوپایوں کی طرح مجبوراً صبر کرنا پڑے گا''

شبیب بن شبۃ نے مہدی سے کہا جس چیز کو دور کرنے کی قدرت تجھ میں نہیں اس پر

صبر کرنا زیادہ مناسب ہے اور یہ شعر کہا۔

ولئن تصبک مصیبته فاصبر لها　　عظمت مصیبته مبتلی لایصبرا

(ترجمہ) اگر تجھے مصیبت پہنچے تو صبر کر کیونکہ جس مصیبت پر صبر نہ کیا جائے وہ بڑی ہو جاتی ہے۔ ایک اور شاعر کا شعر ہے۔

تصبرت مغلوبا وانی لموجع　　کما صبر الظمآن فی البلدالقفر

ولیس اصطباری عنک صبر استطاعة　　ولکنه صبر امر من المصبر

(ترجمہ) میں نے مغلوب ہو کر صبر کیا حالانکہ میں غم زدہ تھا جس طرح پیاسا صحرا میں صبر کرتا ہے اور میرا رکنا تجھ سے؟ اس صبر کی مجھ میں طاقت نہیں اور بات یہ ہے کہ صبر ایلوے سے زیادہ کڑوا ہے۔

صبر کی تیسری قسم:

صبر کی تیسری قسم یہ ہے کہ مرغوب ومحبوب چیز کے فوت ہونے پر صبر کرنا اور جس مسرت اور خوشی کی امید ہو وہ نہ ملے تو اس پر صبر سے تسلی ہوتی ہو اور نا امید ہو کر افسوس کرنا بے کار ہے۔ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے ملنے پر شکر کیا اور نہ ملنے پر صبر اور ظلم ہونے پر معاف کیا اور ظلم کرنے پر معافی طلب کی انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں''

بعض حکماء کا قول ہے کہ جو چیز تو نے دنیا سے طلب کی اور تجھے نہیں ملی تو اس طرح سمجھ لے کہ ایک بات تیرے دل میں آئی اور تو نے نہیں کہی۔ کسی کا شعر ہے۔

(ترجمہ) جب تقدیر نے تیرے خلاف کوئی فیصلہ کیا تو تقدیر ہی اسے ختم کرسکتی ہے چنانچہ تجھے کیا؟ کیونکہ دنیا ذلت کی جگہ ہے اور عزت کا گھر وسیع ہے۔

ایک دانا کا قول ہے اگر تو فوت ہونے والی چیز کا غم کرتا ہے تو اس کا بھی غم کر جو تجھے نہیں پہنچی''۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

لاتطل الحزن علی فائت　　فقلما یجتری علیک الحزن

سیان محزون علی فائت　　و مضمر حزنا لمسایکن

(ترجمہ) فوت شدہ شے پر طویل غم مت کر کیونکہ ایسا کم ہوتا ہے کہ غم تمہیں وہ شے دلا دے دونوں شخص برابر ہیں ہاتھ سے نکلنے والی چیز پر غم کرنے والا اور نہ ملنے والی شے پر غم چھپانے والا''۔

صبر کی چوتھی قسم:

صبر کی چوتھی قسم آئندہ آنے والے حوادث کے خوف یا مصیبت سے صبر کرنا اس لیے کہ جو چیز واقع نہیں ہوئی اس کی فکر بے کار ہے کیونکہ اکثر خیالات جھوٹے ہوتے ہیں اس لیے خوف کو دور کرنا چاہئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''صبر سے کشادگی ملتی ہے اور جو مستقل دروازہ کھٹکھٹاتا رہے وہ داخل ہوتا ہے۔ حسن بصریؒ نے فرمایا اپنے آج کے دن پر کل کا غم سوار مت کر کیونکہ ہر دن کا غم ہی کافی ہے۔ جاحظ نے حارثہ بن زید کے بارے میں شعر کہا۔

(ترجمہ) جب غم پکا ہو جائے تو وہ بیماری ہے اس لیے غم کو دور کرو اور تم نے غم کو سوار کر لیا ہے تو اسے دور نہیں کر سکتے۔ جب آدمی غم کرتا ہے تو اس پر کوئی بڑی مصیبت نہیں اترتی اور غم ایسا معاملہ ہے جسے ملامت کرنے والے روک نہیں سکتے اگر تمہارا دل خوف کی وجہ سے دھڑکے تو دل سے کہو کہ خوش ہو جاؤ کیونکہ اکثر غم بے کار ہوتے ہیں۔

پانچویں قسم:

کسی نعمت کے ملنے کی توقع پر صبر کرنا جس میں امید حیران ہوتی ہے اور نظر اسی طرف لگی رہتی ہے اور پانے کے راستے بند ہو جاتے ہیں لیکن امیدوں کے مزین ہونے کی وجہ سے وہ اسے ہلکا سمجھتا ہے چنانچہ یہ شخص اپنی امید سے بہت دور ہے اور عظیم مصیبت میں مبتلا ہے ہاں اگر آدمی میں رغبت کے ساتھ وقار بھی ہے اور طلب کے ساتھ صبر بھی ہے تو حیرت کا اندھیرا چھٹ جائے گا اور وہ ہلاک کرنے والے غم سے نجات پائے گا اب اسے ہدایت نظر آئے گی اور اپنے مقصد کو پہچانے گا'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبر روشنی ہے''

اس کے ذریعے غم کے پردے دور ہوتے ہیں اور معاملات کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

اکثم بن صیفی کا قول ہے کہ جس نے صبر کیا وہ کامیاب ہوا" ابن المقفع نے فرمایا کہ اردشیر کے محل پر لکھا ہوا تھا کہ صبر کامیابی کی کنجی ہے کسی حکیم کا قول ہے اچھے انتظار وصبر کی وجہ سے مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں کسی بلیغ کا قول ہے جس نے صبر کیا اس نے مقاصد پالئے اور جس نے شکر کیا اس نے نعمتوں کو محفوظ کر لیا محمد بن بشیر کے اشعار ہیں۔

(ترجمہ) جب معاملات کی تکمیل بند ہو جائے تو صبر بند راستوں کو کھول دیتا ہے تم مایوس مت ہو اگر چہ طلب طویل ہو جائے جب تو نے صبر سے مدد طلب کی تو کشادگی دیکھے گا صبر کرنے والے کو بتاؤ کہ وہ اپنا مقصد پائے گا کیونکہ مسلسل دروازہ کھٹکھٹانے والا داخل ہوتا ہے"

صبر کی چھٹی قسم:

کسی ناپسندیدہ چیز یا خوف زدہ کرنے والے معاملے پر صبر کرنا کیونکہ صبر کی وجہ سے آراء سمجھ میں آتی ہیں اور دشمنوں کی تدبیروں کو دور کیا جا سکتا ہے چنانچہ جس شخص میں صبر نہ ہو گا اس کی رائے بے فائدہ اور غم شدید ہو گا گویا فکر اور غم نے اسے پچھاڑ دیا ہے اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

(ترجمہ) "اور صبر کرو اس مصیبت پر جو تمہیں پہنچی" بلاشبہ یہ بڑے کاموں میں سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد نقل کیا ہے اگر تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ اللہ کی رضا کے لئے یقین کے ساتھ عمل کرو تو کر لو اور اگر نہیں کر سکتے تو صبر کرو کیونکہ ناپسند چیزوں پر صبر کرنا خیر کثیر کا سبب ہے اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور کشادگی تنگی کے ساتھ ہے اور آسانی مشکل کے ساتھ ہے"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "صبر مصائب کو ختم کرتا ہے اور غم مصائب کو کھینچتا ہے"

ایک حکیم کا قول ہے صبر کی صفت کے ساتھ بند معاملات کو کھولا جا سکتا ہے کسی خطیب نے کہا جب تمام راستے بند ہوں تو پھر کشادگی اور فراخی کی کھڑکیاں کھلتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب جنات کو تعمیر کے کام میں تھکا دیا تو جنات نے ابلیس سے شکایت کی تو ابلیس نے کہا کہ کیا تم کام سے فارغ ہو کر نہیں جاتے؟ جنات نے جواب دیا کیوں نہیں جب فراغت ملتی ہے جاتے ہیں ابلیس نے کہا ''اس میں تمہاری راحت ہے''۔ یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کو پہنچی تو انہوں نے جنات کو آتے اور لوٹتے ہوئے بھی مشغول کر دیا چنانچہ جنات نے دوبارہ ابلیس سے شکایت کی تو ابلیس نے پوچھا کیا تم رات میں آرام نہیں کرتے جنات نے جواب دیا ''کرتے ہیں''۔ ابلیس نے کہا اس میں تمہاری راحت ہے۔ آدھے وقت کی یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کو پہنچی تو آپ نے جنات کو دن اور رات کاموں میں مشغول کر دیا پھر جنات نے ابلیس سے شکایت کی ابلیس نے جواب دیا کہ اب تمہارے اوپر آسانی وکشادگی ہوگی چنانچہ کچھ زمانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی''۔ بہر حال یہ سب اللہ کے اس نبی کے ساتھ ہوا کہ جس کے حکم سے کام ہوتا تھا اب قدرت کی طرف سے خود ان پر فیصلہ مسلط ہو گیا اور قدرت کی طرف سے حوادث ان پر بھی آ گئے۔ کثرت سے لاتعداد نعمتوں کا نزول یکدم ختم بھی ہو جاتا ہے اور انتہاء پر پہنچنا حسرت بن جاتا ہے۔

کسی شاعر نے حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں اشعار کہے۔

خليلى لا والله مامن ملمة تدوم على حى و ان هى جلت

فان نزلت يوما فلا تخضعن لها و لا تكثر الشكوى اذ النعل زلت

فكم من كريم قدبلى بنوائب فصابرها حتى مضت وانحلت

وكم غمرة هاجت بامواج غمرة تلقيتها بالصبر حتى تجلت

وكانت على الايام نفسى عزيزه فلما رات صبرى على الذل ذلت

فقلت لها يا نفس موتى كريمة فقد كانت الدنيا لنا ثم ولت

(ترجمہ) میرے محبوب خدا کی قسم کوئی مصیبت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو آدمی پر ہمیشہ نہیں رہتی بلکہ ختم ہو جاتی ہے۔ اگر کسی دن مصیبت آئے تو غم مت کر اور زیادہ شکوہ مت کر اس

لیے کہ جوتا بھی لغزش کھاتا ہے۔

کتنے ہی کریم وشریف لوگ حوادث میں مبتلا ہوئے لیکن انہوں نے صبر کیا تو حوادث کمزور ہو کر ختم ہو گئے۔

کتنی ہی اندھیریاں اندھیرے کی موجوں کو جوش دلاتی ہیں لیکن میں نے ان کا مقابلہ صبر کے ساتھ کیا حتی کہ وہ اندھیرے دور ہو گئے۔

میرا نفس حوادثات پر غالب ہے اور میرے صبر نے حوادثات کو ذلیل ہوتے دیکھا ہے۔

میں نے حوادثات کے بارے میں اپنے نفس سے کہا کہ موت بہتر ہے ابھی دنیا ہماری ہے لیکن یہ ہم سے پیٹھ پھیر لے گی۔

صبر کس طرح کیا جائے:

مصائب کو آسان اور ہلکا کرنے کے کچھ اسباب ہیں وہ یہ کہ سمجھداری سے کام لیں اور ارادہ مضبوط ہو تو مصائب کا وقوع ہلکا اور اس کی تاثیر اور ضرر کم ہو جاتا ہے۔

اس میں یہ ہے کہ نفس کو یہ یقین ہو کہ یہ حادثہ دائمی نہیں بلکہ فنا ہونے اور گزرنے والا ہے اور اس کی مدت مقرر ہے اس لیے کہ دنیا کے تمام احوال دائمی نہیں اور نہ مخلوقات کو دوام حاصل ہے"۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے ارشاد ہے کہ میری مثال اور دنیا کی مثال ایک سوار اور مسافر کی طرح ہے جو گرمی کے دن میں درخت کے نیچے سائے کے لیے رکا پھر روانہ ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ دنیا کیا ہے؟ جواب دیا دھوکہ دینے والی ضرر پہنچانے والی اور کڑوی ہے۔

خلفاء بنی عباس میں سے کسی نے اپنی مجلس میں دنیا کے بارے میں پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ جب سامنے ہوتی ہے تو منہ پھیر لیتی ہے۔ عمرو بن عبید کا قول ہے کہ دنیا عارضی اور آخرت دائمی ہے" نوشیروان بادشاہ نے کہا اگر تجھے یہ پسند ہو کہ غم زدہ نہ ہو تو جتنی تیاری یا اہتمام کیا ہے اسے کم مت سمجھ۔ کسی شاعر کا شعر ہے۔

الم تران الدھر من سوء فلعہ یکدر ما اعطی و یسلب ما اسدی
فمن سرہ ان یری مایسوءہ فلا یتخذ شیئا یخاف لہ فقدا

(ترجمہ) کیا تو نہیں دیکھتا کہ زمانہ اپنے برے فعل کی وجہ سے عطایا کو خراب اور موجود چیز کو چھین لیتا ہے۔ جو چاہتا ہے کہ زمانے کا برا سلوک نہ دیکھے تو ایسی چیز نہ رکھے جس کے گم ہونے کا اندیشہ و خوف ہو۔ کسی دانشور کا شعر ہے۔

(ترجمہ) ''ہمارے حکیم بقراط کی نہایت اچھی وصیت ہے جو پرانے اور پکے غموں کو ختم کرنے والی ہے بقراط نے کہا کہ غم مخلوق کی طبیعت میں ہے تو جو چیز طبیعت میں ہے اسے فنا کر دو کیونکہ جب تو شیشے کو ٹوٹنے کے قابل سمجھتا ہے تو اسے توڑ دے اور رنجیدہ نہ ہو''

کسی نے سعید بن مسلم کو یہ شعر سنایا۔

انما الدنیا ھبات وعوار مستردہ شدۃ بعد رخاء ورخاء بعد شدۃ

(ترجمہ) دنیا ھبہ اور استعمال کے لئے لی ہوئی چیز ہے جسے لوٹایا جاتا ہے۔ اس میں فراخی کے بعد تنگی اور تنگی کے بعد فراخی ہوتی ہے۔

بزرجمہر کی جیب کا رقعہ:

نوشیروان کے دور کا دانشور بزرجمہر جب قتل ہوا تو اس کی جیب سے ایک رقعہ ملا جس میں لکھا ہوا تھا۔ ''جب قسمت میں کوئی چیز نہیں تو محنت و کوشش کیا کرنا۔ جب کسی چیز کو دوام نہیں تو خوشی کس بات کی؟ اور جب اللہ نے کوئی امر دائمی نہیں رکھا تو تدبیر سے کیا حاصل؟ ابن الرومی کے اشعار ہیں۔

(ترجمہ) میں نے دیکھا کہ آدمی کی زندگی موت کے پاس رہن ہے اور آدمی کی صحت بیماری کے پاس رہن ہے جب میری زندگی اچھی ہوئی تو میری طبیعت تنگ ہوگئی اس یقین کی وجہ سے کہ یہ زندگی خواب کی طرح ختم ہو جائے گی۔

''جو شخص اپنی زندگی میں زوال کو پیش نظر رکھے گا وہ پریشان رہے گا اگرچہ وہ نعمتوں میں گھرا ہوا ہو''

مصائب کو ختم ہونے والا تصور کریں:

مصائب کو ہلکا کرنے کے لیے یہ تصور کرے کہ یہ زائل ہونے والے اور غم ختم ہونے والے ہیں اور ان کا ایک وقت مقرر ہے جس سے پہلے یہ ختم نہ ہونگے لیکن ہمیشہ نہیں رہیں گے مصائب غم کرنے سے کم اور صبر کرنے سے طویل نہ ہونگے ہر دن جو گزر رہا ہے یہ مصائب کا حصہ لے کر کم کر رہے ہیں یہاں تک کہ مصائب ختم ہونگے اور آدمی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔

ہارون الرشید کا قیدی:

ہارون رشید نے کسی شخص کو قید میں ڈالا اور پھر کافی وقت کے بعد ہارون رشید نے قیدی کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ قیدی نے جیل کے داروغہ سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ ہر دن آپ کی نعمتوں میں گزرتا ہے اور نعمتوں کے برابر مصائب بھی آتے ہیں لیکن موت قریب ہے اور حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اس معنی کو کسی شاعر نے بیان کیا ہے۔

(ترجمہ) تم جس حال میں ہو اگر وہ ہمیشہ رہے گا تو میرا گمان ہے کہ میں اپنے حال میں ہمیشہ رہونگا لیکن مجھے معلوم ہے کہ میں اور تم کل کے دن اپنے احوال کو تبدیل پائیں گے۔ایک شاعر کا شعر ہے۔

(ترجمہ) ناپسندیدہ احوال کا انجام پسندیدہ ہے اور برے دنوں کا نقصان ہمیشہ نہیں رہتا نہ نقصان باقی ہے نہ انعام اور فائدے باقی رہتے ہیں جب دن اور رات گزرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اشعار:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت یہ اشعار پڑھے۔

الم ان ربک لیس تحصی ایادیہ الحدیثة والقدیمة

تسل عن الھموم فلیس شئی یقوم ولا ھمومک بالمقیہ

لعل اللہ ینظر بعد ھذا الیک بنظرة منہ رحمیہ

(ترجمہ) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تیرے رب کی جدید اور قدیم نعمتیں بے شمار ہیں تو

فکروں کو چھوڑ دے اس لیے کہ کوئی چیز باقی رہنے والی نہیں اور نہ تیرے فکر و غم ہمیشہ رہیں گے امید ہے کہ اللہ اس کے بعد تیری طرف نظر رحمت کرے۔

مصائب کو ہلکا کرنے کا ایک اور طریقہ:

مصائب کو ہلکا کرنے میں یہ بات بھی ہے کہ کتنے مصائب اور حوادثات سے میری حفاظت کی گئی یا زیادہ سے زیادہ مجھ پر کون سا حادثہ گزرا؟ اس سے معلوم ہوگا کہ اس پر اللہ کا انعام ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کی طرف سے جو مصائب ہیں ان میں نعمت بھی موجود ہے۔

امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کسی مصیبت میں مبتلا تھے پوچھا گیا کہ کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ دو نعمتوں کے درمیان ہوں پھیلی ہوئی خیر اور چھپے ہوئے شر کے درمیان۔

کسی شاعر کا شعر ہے۔

(ترجمہ) مصیبت کے وقت کرامت مت کرو کیونکہ انجام مختلف ہوتا ہے کتنی ہی نعمتیں شکر کے باوجود قائم نہیں رہتیں اور مصائب کے ختم ہونے کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

مصائب ہلکے کرنے کا ایک اور طریقہ:

اسی طرح جن لوگوں کے احوال بدل گئے ہیں ان لوگوں کے حال سے صبر حاصل کرے اور عبرت کی باتوں سے مطمئن ہو اور یہ جان لے کہ مصیبت زدوں کی تعداد زیادہ ہے اس سے تسلی حاصل ہوگی جو اس کے غم کو ہلکا اور کم کر دے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "مصائب زدہ لوگوں کے ساتھ رہو تمہارے دلوں میں وسعت پیدا ہوگی انہی باتوں پر شعراء کے کچھ مرثیے بھی ہیں"

بحتری کے اشعار۔

فلا عجب للاسدان طفرت بها کلاب الاعادی من فصیح و اعجم

فحربة وحشي سقت حمزة الردی و موت علی من حسام ابن ملجم

(ترجمہ) ان شیروں پر کوئی حیرت و تعجب نہیں اگر ان پر بولنے والے اور گونگے کتوں

نے حملہ کر کے ختم کر دیا کیونکہ وحشی کے نیزے نے حمزہ کو شہید کیا اور علی کی شہادت ابن ملجم کے خنجر سے ہوئی۔

ابونواس کے اشعار۔

المرء من مصائب لا تنقضی حتی یواری جسمه فی رمسه

فمؤجل یلقی الردی فی اهله ومعجل یلقی الردی فی نفسه

آدمی پر مصائب ختم نہیں ہوتے حتی کہ اس کا جسم مٹی میں چھپ جاتا ہے۔

آدمی کی موت اپنے گھر والوں میں کچھ تاخیر سے ہوتی ہے لیکن اس کا نفس بہت پہلے ہی مر چکا ہوتا ہے۔

مصائب پر تسلی کا ایک اور طریقہ:

مصائب سے تسلی کے لیے یہ جاننا چاہیے کہ آئی ہوئی نعمتوں کا زائل ہونا ضروری ہے اور آئی ہوئی خوشی کا ختم ہونا لازمی ہے اسی لئے کسی چیز کی زیادہ خوشی نہ ہو کہ اس کے جانے کی وجہ سے غم اٹھانا پڑے کیونکہ خوشی کے برابر غم بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ منثور الحکم میں لکھا ہے جس چیز کے ساتھ فرحت ہو اس پر رنج بھی ہوتا ہے"

کسی دانشور کا قول ہے کہ" جو شخص کسی چیز کی محبت کی انتہاء پر ہے اسے نفرت کی بھی امید ہونی چاہیے کسی حکیم کا قول ہے کہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ ہر مصیبت کی انتہاء ہے تو مصیبت کے وقت صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے"

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ دنیا کی مصیبت کی امید نے مجھے اس کی خوشی سے دور رکھا۔ اس بات کو ابو العتاهیہ نے شعر میں بیان کیا ہے۔

(ترجمہ) "اگر خوشی میسر ہو تو حوادثات کی شدت خوف کی وجہ سے خوشی باقی نہیں رہے گی۔ گویا سرور و مسرت خوف کے موقع میں ہی واقع ہیں"

اسی طرح یہ جاننا چاہئے کہ آدمی کی خوشی دوسرے شخص کے غم کی وجہ سے ہے اور آدمی

کا رنج کسی اور کی خوشی کا سبب ہے اس لئے کہ دنیا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی عصا پر دوسرا عصا نہیں مارا جاتا مگر اس کی وجہ سے ایک قوم خوش ہوتی ہے اور دوسری غم زدہ۔

بحتری کا شعر ہے۔

متی ارت الدنیا نباهة خامل　　فلا ترتقب الاخمول نبیه

(ترجمہ) جب دنیا کسی کمزور کو ہوشیار کرتی ہے اسی کے ساتھ ہوشیار کو کمزور بھی بنا دیتی ہے

متنبی کا شعر ہے۔

بذا فضت الایام مابین اهلها　　مصائب قوم عندقوم فوائد

(ترجمہ) ''اسی کے ساتھ حوادثات دنیا والوں کے درمیان گزر گئے کہ کسی قوم کے مصائب دوسری قوم کے لئے فوائد ہیں''

کسی ادیب کے اشعار ہیں۔

(ترجمہ) بلاشبہ دنیا فراخی کا درخت ہے جب ایک جانب ہری ہوگی دوسری جانب خشک ہو جائے گی چنانچہ دنیا کی کسی فائدہ مند چیز سے خوش مت ہونا کیونکہ ایک دن یہ چلی جائے گی جیسے تو جانے والا ہے۔ دنیا کے دن تو بھوکے ہیں اور اس کی زندگی اور لذتیں مصائب ہیں۔

مصائب پر تسلی کا ایک اور طریقہ:

اسی طرح جاننا چاہئے کہ انسان کے مصائب اس کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی مشقتیں اس کی شرافت پر گواہ ہیں اس کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ کمال محتاج بناتا ہے اور نقصان اس کے ساتھ لازم ہے جب فضیلت اور کمال بڑھے گا تو دوسری چیزوں میں نقص آئے گا جیسا کہ کسی کا قول ہے کہ جو شخص عقل میں بڑھا ہوا ہو۔ اس کا رزق کم ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جب آدمی کا کوئی نقصان ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کی عقل میں اضافہ کر دیا جاتا ہے''۔ ابوالعتاھیہ کا شعر ہے۔

ماجاوزالمرء من اطرافه طرفا الاتخونه النقصان من طرف

(ترجمہ) جب آدمی اپنی خوبیوں میں کسی جانب تجاوز کرتا ہے تو دوسری جانب ناقص ہو جاتی ہے۔

کسی نے ابراہیم بن ھلال الکاتب کے بارے میں اشعار کہے۔

(ترجمہ) جب صنعت اور مہارت دو آدمی جمع کردے تو آپ ان میں سے زیادہ ماہر آدمی کو جاننا پسند کریں گے۔ چنانچہ مہارت کو تم عادت کے خلاف نہیں پاؤ گے کہ ان دونوں کے لیے رزق فراوانی سے ہو بلکہ جو مہارت اور عقل میں کم ہوگا اس کا رزق وسیع اور جو فضل میں زیادہ ہوگا اس کا رزق تنگ ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صاحب فضل محسود ہوتا ہے یعنی اس سے حسد کیا جاتا ہے اور قصداً اسے ایذاء دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ باوجود نیکی کے دشمنی اور مخالفت سے محفوظ نہیں رہتا چنانچہ صنوبری کا شعر ہے۔

محن الفتی یخبرن عن فضل الفتی کالنار مخبرة بفضل العنبر

(ترجمہ) جوان کی مشقتیں اس کی فضیلت کا پتہ دیتی ہیں جیسا کہ آگ عنبر کی خوبی بتاتی ہے۔

بہت کم فاضل شخص دشمن سے تکلیف اٹھاتا ہے اور عالم کی مصیبت جاہل کے ہاتھ سے ہوتی ہے اس لیے کہ دونوں میں عداوت مستحکم ہے اور انتقام کا سبب فضیلت ہے۔

(ترجمہ) کوئی حرج نہیں کہ عالم کی گرفت جاہل کی وجہ سے ہو بھلا اژدھے کی دم سورج کو چھپا سکتی ہے؟

مصائب پر صبر کے لیے ضروری ہے کہ حوادثات سے نصیحت اور تجربہ حاصل کرے تاکہ بنیاد مضبوط ہو اور ہلکی شدت اور فراخی سے کمال حاصل ہو۔

امام ثعلب ایک مرتبہ عبداللہ بن سلیمان کے پاس گئے ثعلب کہتے ہیں کہ میں ان کے سامنے کھڑا ہوا اور اس وقت وہ مصیبت زدہ تھے تو انہوں نے مجھے کہا اے ابوالعباس میری بات سنو پھر انہوں نے اشعار پڑھے۔

نوائب الدھر ادبتنی — وانما یوعظ الادیب
قدذقت حلوا و ذقت مرا — کذاک عیش الفتی ضروب
لم یمض بؤس ولا نعیم — الاولی فیھما نصیب
کذاک من صاحب اللیالی — تغذوہ من درھا الخطوب

(ترجمہ) زمانے کے حوادث نے مجھے ادب سکھایا اور نصیحت تو ادیب کو ہی کی جاتی ہے میں نے میٹھا اور کڑوا دونوں چکھا اور جواں مرد کی زندگی اسی طرح ہوتی ہے نعمت اور مصیبت پر ایک سے مجھے حصہ ملا۔ اسی طرح مصائب زدہ شخص حوادث سے غذا لیتا ہے۔''
میں نے پوچھا یہ اشعار کس کے ہیں تو جواب دیا کہ میں نے کہے ہیں۔

مصائب پر تسلی حاصل کرنے کا ایک اور طریقہ:

مصائب سے تسلی حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ زمانے کے امور کا امتحان کرے اور اپنے حال کی اصلاح پر متوجہ ہو فراخی سے دھوکے میں نہ پڑے اور خوشحالی کی طمع میں نہ پڑے نہ یہ امید رکھے کہ دنیا ایک حالت پر رہے گی اور تبدیلی نہیں آئے گی چنانچہ جس نے دنیا اور اس کے احوال کو پہچانا اس پر دنیا کی مصیبت اور نعمت سہل ہوگی۔

جب مصیبت زدہ ان اسباب کو اختیار کرلے تو رنج وغم ہلکے ہوں گے اور دکھوں کا جھیلنا آسان ہو جائے گا اور جلد تسلی پالے گا ایک دانا کا قول ہے جس نے پرہیز کی وہ غم زدہ ہوگا اور صبر کرنے والا رنجیدہ نہیں ہوتا اور امید رکھنے والا دکھی نہ ہوگا۔

تسلی کے اسباب سے غافل مت ہوں:

اگر آدمی تسلی کے اسباب سے غافل ہوا تو غم بڑھ جائے گا جس پر اسے صبر کی طاقت نہ رہے گی اور نہ تسلی پائے گا اور غم کے اسباب اختیار کرنے کی وجہ سے اس کا غم طویل ہوکر اسے موت کے کنارے پہنچا کر ہلاک کردے گا۔

غم کے اسباب:

غم کے اسباب میں سے یہ ہے کہ مصیبت کو یاد کرنا کہ بھلائی نہ جاسکے اور اس کے

تصور کی وجہ سے سکون حاصل نہیں ہوتا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مصائب کو یاد کر کے آنسو مت بہاؤ''۔

غم کرنے سے مصیبت نہیں ٹلتی:

اسی طرح غم اور شدید حسرت کرنے سے مصیبت نہیں ٹلتی اور نہ کھوئی ہوئی چیز کا بدل ملتا ہے اس لیے زیادہ غم اور حسرت بے کار ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(ترجمہ) ''تا کہ تم افسوس مت کرو اس چیز پر جو تم سے چلی گئی اور آنے والی چیز پر اتراؤ مت''

غم کا ایک اور سبب:

غم کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ بہت زیادہ شکوہ شکایت اور غم کیا جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(ترجمہ) پس تم صبر کرو اچھا صبر (جس میں ذلت ظاہر نہ ہو) ایسا صبر جس میں شکوہ نہ ہو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شدت سے غم کیا اس نے صبر نہ کیا۔ کعب احبارؒ نے نقل کیا ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ جسے کوئی مصیبت پہنچی اور اس نے لوگوں سے اس کا شکوہ کیا تو گویا اس نے اپنے رب کا شکوہ کیا''

ایک اعرابی عورت دیہات میں آئی تو اس نے کسی گھر سے چیخ کی آواز سنی اس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اسے بتایا گیا کوئی آدمی مر گیا ہے تو عورت نے کہا کہ میں تو ان کو دیکھتی ہوں کہ وہ اپنے رب سے مدد طلب کرتے ہیں اور اس کے فیصلے پر راضی نہیں ہیں اور اس کے ثواب سے اعراض کر رہے ہیں۔ منثور الحکم میں لکھا ہے کہ جس کا دل تنگ ہو جاتا ہے اس کی زبان کھل جاتی ہے۔

ناامیدی کے اسباب میں سے یہ ہے کہ مصیبت اور نقصان کی تلافی سے مایوسی اور مراد کا پوری نہ ہونا چنانچہ حادثے کے غم کے ساتھ مایوسی جمع ہو جاتی ہے اور ان دونوں کی وجہ

سے صبر باقی نہیں رہتا اور نہ سینے میں اس کی برداشت رہتی ہے اور جیسا کہ مقولہ ہے مصیبت کے ساتھ صبر دو مصیبتوں میں سے بڑی مصیبت ہے ابن الرومی کے اشعار ہیں۔

(ترجمہ) اے نفس صبر کر کیونکہ صبر عقلمندی ہے بسا اوقات امید ناکام رہتی ہے اور ایسی چیز آتی ہے جس کی امید نہیں ہوتی۔

غم تازہ ہونے کا سبب:

اسی طرح غم کو تازہ کرنے کے اسباب میں سے ہے کہ ایسے لوگوں کی طرف نظر کرنا جو عمدہ احوال اور نعمتوں میں گھرے ہوئے ہیں اور ان سے نفع اٹھا رہے ہیں اور اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ میں مصائب میں پھنسا ہوا ہوں اس سے صبر اور شکر کی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور اگر مصائب میں مبتلا لوگوں کی طرف نظر کرے تو اس سے مصائب ہلکے ہو جاتے ہیں کیونکہ اسے دونوں معاملے ایک جیسے نظر آتے ہیں اور اس وجہ سے یہیں سے فراخی کا آغاز ہوتا ہے اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ آدمی کسی حادثے پر صبر کر لیتا ہے یا مصیبت پر جم جاتا ہے تو مصیبت جلد ہی ختم ہو جاتی ہے اور فراخی کے احوال قریب ہو جاتے ہیں۔

یہ جان لینا چاہئے کہ جس نے کسی حادثے پر صبر کیا اور مصیبت میں ثابت قدم رہا تو مصیبت زائل اور کشادگی اور وسعت قریب ہو جاتی ہے۔

ایک دانشور نے مجھے بتایا کہ ابو ایوب کاتب جیل میں پندرہ برس قید رہے حتیٰ کہ چھٹکارہ مشکل اور صبر ختم ہو گیا تو اس نے اپنے کسی ساتھی کو خط لکھا جس میں اپنی طویل قید کی شکایت کی تو اس نے خط کے جواب میں یہ اشعار لکھ بھیجے۔

(ترجمہ) ابو ایوب تکلیف دہ صبر برداشت کر اگر تو حوادثات سے عاجز ہوا اب یہ حوادث کس کے لیے ہیں؟ بلاشبہ وہ ذات جس نے تمہیں مصائب کا ہار پہنایا وہی اسے اتارے گا صبر کر کیونکہ صبر کے بعد راحت ہے اور یقیناً مصائب زائل ہو جائیں گے"

ان اشعار کے جواب میں ابو ایوب نے اشعار کہے۔

(ترجمہ) آپ نے مجھے صبر کا کہا اور نصیحت کی کہ مصائب میرے لیے ہیں میں یہ

نہیں کہتا کہ یقیناً مصائب دور ہونگے بلکہ جس نے یہ مصائب دیے ہیں وہ اپنے کرم سے اسے ختم کردے گا۔

چنانچہ چند ہی دنوں میں وہ قید سے عزت کے ساتھ رہا ہو گئے۔

مشورے کا بیان:

ہر عقلمند کے لیے احتیاط اس میں ہے کہ جب تک ذی رائے اور خیر خواہ لوگوں سے مشورہ نہ کرے کسی معاملے کو طے نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورے کا حکم دیا باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی اور تائید کی ضمانت لی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

(ترجمہ) ''اور آپ صحابہ رضی اللہ عنھم سے معاملات میں مشورہ کیجئے''

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم ان کی دل جوئی اور تالیف قلب کے لیے دیا ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ مشورے کا حکم بہتری کو جاننے کے لیے دیا اور حسن بصریؒ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورے کا حکم اس لیے دیا تاکہ مسلمان اور مومنین آپ کا اتباع کریں اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورے سے مستغنی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشاد ہے کہ ''مشورہ پشیمانی اور ملامت سے محفوظ رکھتا ہے''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مشورے سے مدد لینا بہترین بات ہے اور سب سے بری بات اپنی رائے کو ترجیح دینا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آدمی تین قسم کے ہیں ایک وہ آدمی جس پر معاملات پیش آتے ہیں لیکن وہ اپنی رائے میں مستقل اور مضبوط ہے دوسرا وہ آدمی جو رائے میں مستقل نہیں لیکن وہ اہل الرائے کے مشورے سے امور حل کرتا ہے تیسرا وہ آدمی جو رائے میں مستقل نہیں اور نہ مشورہ کرتا ہے بلکہ وہ متحیر ہے اس لیے نہ صحیح راہ پاتا ہے نہ کسی کی ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشورہ اور بحث رحمت کے دروازے اور برکت کی دو چابیاں ہیں ان دو

چیزوں کے ساتھ رائے نا کام نہیں رہتی اور نہ عقل گم ہوتی ہے۔

سیف بن ذی یزن کا قول ہے کہ جس کی اپنی رائے اسکی پسندیدہ ہو وہ مشورہ نہ کرے اور جو اپنی رائے کو ہی ترجیح دے وہ صحیح راستے سے دور ہوتا ہے''۔ شیخ عبدالحمید کا قول ہے کہ اپنی رائے میں مشورہ کرنے والا اپنے پیچھے نظر رکھنے والا ہے۔

منثور الحکم میں ہے کہ مشورہ تیرے لیے راحت اور غیر کے لیے تھکاوٹ ہے''۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ مشورہ عین ہدایت ہے اور اپنی رائے پر اکتفاء کرنے والا خطرے میں ہے کسی ادیب کا قول ہے کہ استخارہ کرنے والا نا کام نہیں رہتا اور جس نے مشورہ کیا وہ نادم نہیں ہوتا۔ کسی دانشور کا قول ہے کہ عاقل کا یہ حق ہے کہ عقلمندوں کی آراء کی نسبت اس کی رائے کی طرف کی جائے اور حکماء کی عقل اس کی عقل کے ساتھ جمع ہو''

چنانچہ تنہا رائے بسا اوقات لغزش کھا جاتی ہے اور صرف اکیلی عقل بسا اوقات گمراہ ہو جاتی ہے۔

مشورہ کن لوگوں سے کیا جائے؟:

جب کسی کا مشورہ کرنے کا ارادہ ہو تو ایسے شخص سے مشورہ کرے جس میں یہ پانچ قسم کی خصلتیں ہوں۔

(ا) عقل کامل رکھنے والے سے مشورہ کیجئے:

عقل کامل ہو یہ تجربے سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ طویل تجربات سے فکر درست ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ ''عقل مند سے رہنمائی طلب کرو کامیاب رہو گے اور اس کی نافرمانی ندامت کا سبب ہے''

حضرت عبداللہ بن حسن نے اپنے بیٹے محمد سے فرمایا ''تم جاہل کے مشورے سے بچو اگرچہ وہ خیر خواہ ہو جس طرح کہ تم عقل مند کی دشمنی سے بچتے ہو کیونکہ جاہل تمہیں اپنے مشورے کی وجہ سے ہلاکت میں ڈال دے گا''

بنو عبس کے ایک شخص سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے کہ تم اکثر صحیح رائے پر ہوتے ہو؟

اس نے جواب دیا کہ ہم ایک ہزار آدمی ہیں اور ہم میں ایک عقل مند ہے ہم اس کی بات مانتے ہیں تو گویا ہم ایک ہزار عقل مند ہیں۔

کہاوت ہے کہ دو قسم کے لوگوں کے مشورے سے بچو ایک وہ نوجوان جو خود پسند اور ناتجربہ کار ہو دوسرا وہ بوڑھا کہ جس کی عمر نے اس کی عقل ختم کردی ہو جس طرح اس کا جسم کمزور کر دیا ہے۔ منثور الحکم میں لکھا ہے کہ ہر چیز عقل کی محتاج ہے اور عقل تجربوں کی محتاج ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ زمانہ تیرے لیے چھپے رازوں سے پردے ہٹادے گا۔

کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ تجربوں کی کوئی انتہا نہیں اور عاقل تجربوں سے عقل میں بڑھ جاتا ہے کسی حکیم کا قول ہے کہ جو شخص عقلمندوں سے مدد مانگتا ہے وہ مقصود پالیتا ہے۔

(۲) متقی اور دیندار شخص سے مشورہ کیجئے:

دوسری خصوصیت تقویٰ اور دینداری ہے کیونکہ یہ ہر خیر کی بنیاد ہے اور ہر کامیابی کا دروازہ ہے جس پر دین غالب ہے وہ نیت کا صاف اور ارادے میں پختہ ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کام کا ارادہ کیا تو اس کام میں مسلمان شخص سے مشورہ کرے اللہ تعالیٰ اسے درست بات کی توفیق عطا کر دیتے ہیں۔

(۳) ناصح اور خیر خواہ سے مشورہ کیجئے:

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ مشورہ دینے والا خیر خواہ اور محبت کرنے والا ہو اس لیے کہ خیر خواہی اور محبت فکر اور سوچ کو درست رکھتی اور رائے کو کھوٹ سے خالی کرتی ہیں کسی حکیم کا قول ہے کہ مشورہ مت کر مگر ایسے شخص سے جو عاقل ہو لیکن حاسد نہ ہو لائق ہو اور کینہ پرور نہ ہو اور عورتوں کے مشورے سے بچو کیونکہ ان کی رائے کمزور اور ارادہ ضعیف ہے۔ ایک دانشور کا قول ہے شفیق عقلمند کا مشورہ کامیابی ہے اور بے عقل کا مشورہ ناکامی ہے۔

(۴) سلیم الفکر شخص سے مشورہ کریں:

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ مشورہ دینے والا سلیم الفکر ہو اس کی فکر رنج وغم سے فارغ ہو کیونکہ رنج وغم سے فکر خراب ہوتی ہے اور رائے درست نہیں رہتی' منثور الحکم میں لکھا ہے کہ

ہر چیز عقل کی محتاج ہے اور عقل تجربوں کی محتاج ہے۔

شاہ کسریٰ کو جب کوئی سخت معاملہ پیش آتا تو اپنے گورنروں سے مشورہ کرتا اگر وہ اپنی رائے میں کوتاہی کرتے تو ان کو گورنری سے ہٹا کر مالیات کا نگران مقرر کر دیتا تھا اور کسریٰ ان سے یہ کہتا کہ تم نے لوگوں کی روزی دینے میں سستی کی اس وجہ سے تمہاری آراء میں غلطی ہے۔

(۵) بے غرض شخص سے مشورہ کریں:

جس معاملے اور مشکل میں مشورہ لیا جا رہا ہے اس میں مشورہ دینے والے کی کوئی غرض نہ ہو کیونکہ اغراض اور خواہشات رائے اور مشورے کے ساتھ مل جائیں تو رائے فاسد اور خراب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ جب یہ پانچ خصوصیات کسی شخص میں جمع ہوں تو وہ شخص مشورے کا اہل ہے اس کے مشورے سے اپنی رائے اور فکر کو اچھا سمجھ کر اور اس پر اعتماد کرنے کی وجہ سے اعراض نہ کریں کیونکہ بے لوث اور بے غرض شخص کی رائے زیادہ درست ہوتی ہے اس لئے کہ اس کی سوچ میں خلوص ہوتا ہے اور وہ خواہش اور شہوت سے پاک ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عقل کی بنیاد اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد لوگوں سے ''محبت کرنا'' اور اپنی رائے پر اکتفاء نہ کرنا ہے'' اور کوئی بھی شخص مشورے کی وجہ سے ہلاکت میں نہیں پڑتا جب اللہ تعالیٰ بندے کی ہلاکت کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس کی رائے کو خراب کر دیتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مشورہ طلب کرنا عین ہدایت ہے اور اپنی رائے پر اکتفاء کرنے والا شخص خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تجربے کار لوگوں سے مشورہ کرو اس لئے کہ وہ تمہیں ایسی رائے دیں گے جس کی انہوں نے قیمت ادا کی تھی اور تم اسے مفت لے لو گے۔ کسی حکیم کا قول ہے کہ ''تمہاری آدھی رائے تمہارے بھائی یا دوست کے ساتھ ہے چنانچہ اس سے مشورہ کرو تاکہ تمہاری رائے مکمل ہو جائے'' ایک دانشور کا قول ہے کہ جس شخص نے اپنی رائے پر اکتفاء کیا وہ گمراہ ہو گیا اور جس شخص نے اپنی عقل پر اعتماد کیا لغزش کھائی کسی خطیب کا قول ہے کہ

رہنمائی طلب کرنے کے ساتھ خطا کرنا بغیر رہنمائی کے درست کام کرنے سے بہتر ہے"

ایک غلطی کا ازالہ:

آدمی دل میں یہ نہ سوچے کہ اگر کسی معاملے میں مشورہ کیا تو لوگوں کے سامنے میری رائے کی کمزوری ظاہر ہو گی یہ بے وقوفی کے اعذار ہیں رائے سے مقصود فخر کرنا نہیں ہوتا بلکہ مقصود نفع حاصل کرنا اور غلطی سے محفوظ رہنا ہے اور جو چیز درستگی تک پہنچائے اور غلطی سے بچائے اس میں عار کس طرح ہو سکتی ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مذاکرے اور بحث سے اپنی عقلوں میں اضافہ کرو اور اپنے معاملات پر مشورے کے ذریعے تعاون حاصل کرو"

ایک دانشور کا قول ہے کہ تمہاری عقل کا کمال یہ ہے کہ تم اپنی عقل پر مدد طلب کرو کسی دانشور نے کہا کہ جب تم پر معاملات مشکل ہوں اور اکثریت تمہارے مخالف ہو تو عقلمندوں کی رائے کی طرف رجوع کرو اور علماء سے مشورہ طلب کرو اور رہنمائی حاصل کرنے سے دور مت ہٹو اور مدد طلب کرنے سے اعراض مت کرو کیونکہ تم سوال کرو گے تو سلامتی پاؤ گے یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ اپنی رائے پر عمل کر کے پشیمان ہو"

ایک سے زائد افراد سے مشورہ کریں:

مناسب یہ ہے کہ اہل عقل و دانش سے کثرت سے مشاورت کرے خاص کر اہم معاملات میں کیونکہ بہت سارے لوگوں سے مشورہ ناقص نہیں رہتا اور صواب اور صحت ان سے فوت نہیں ہوتی اس لیے کہ روشن خیالات اور سچی فکر سے کوئی ممکن پوشیدہ نہیں رہتا منثور الحکم میں لکھا ہے کہ اکثر مشورہ کرنے والا درست کام کرنے کے ساتھ قابل مدح اور غلطی میں معذور سمجھا جاتا ہے اگرچہ جماعت کثیر سے غلطی ہونا مشکل ہے"

ایک مشکل کا حل:

جب آدمی جماعت سے مشورہ طلب کرے گا تو ہر ایک کی رائے میں اختلاف ہو گا اور ہر شخص کی رائے الگ ہو گی۔

چنانچہ اس میں اہل فارس کا طریقہ یہ ہے کہ اجتماع میں رائے لینا بہتر ہے تا کہ فکر اور سوچ واضح ہو اور ہر ایک اپنے دل کی بات ذکر کرے اور اپنی فکر کا نتیجہ بتائے اگر اس میں کوئی خامی ہو تو اسے متوجہ کیا جائے یا اعتراض ہو تو اسے ختم کیا جائے اس بحث کی طرح جس میں مناظرہ مقصود ہو لیکن اس میں جھگڑا ہو جائے اب اجتماعی رائے کی بنا پر جو خلل اور عیوب ہونگے وہ ظاہر ہو جائیں گے۔

البتہ ان کے سوا دوسری اقوام کا مشورے میں یہ طریقہ ہے کہ ہر ایک سے پوشیدہ مشورہ کیا جائے تا کہ ان میں سے ہر ایک کی سوچ مشورے میں واضح ہو اور ان میں سے ہر ایک کی طمع اور خواہش درست مشورہ دینے کی طرف ہوگی کیونکہ طبائع جب منفرد اور الگ ہوں تو ان پر فکر کا بوجھ پڑتا ہے اور محنت ان کو ہر چیز سے فارغ کر دیتی ہے اور طبائع جمع ہو جائیں تو وہ فکر کو دوسرے کے حوالے کرتی ہیں اور پہلے طریقے کی جو اہل فارس کا ہے ابتدا میں اسی کی اتباع کی جاتی تھی اور ہر طریقے کی اپنی دلیل اور وجہ ہے لیکن دوسرا طریقہ زیادہ ظاہر ہے۔

مصنف کی رائے:

لیکن میں ان دونوں طریقوں کے علاوہ بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ شوریٰ پر غور کیا جائے اگر شوریٰ ایک حالت پر ہے کہ یہ خیال درست ہے یا غلط؟ تو اجتماعی مشورہ لینا بہتر ہے اس لئے کہ شوریٰ کا اس بارے میں تردد ہے کہ یہ چیز فاسد ہے یا بہتر؟ گویا فساد پر اعتراض ہے یا اس کی بہتری پر دلیل کو ظاہر کرنا ہے اور اس طرح اجتماع میں ہونا زیادہ بہتر ہے اور بحث کے وقت زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے اگر شوریٰ اس حالت پر ہے کہ مشورے کا درست ہونا ان پر واضح نہیں اور اس کا جواب دینے سے وہ قاصر ہیں بعض پوشیدہ امور یا احوال کی بنا پر جن کی تعداد معلوم نہیں یا وہ منقسم امور کو جمع نہیں کر سکتے اور نہ ان امور کا جواب معلوم ہے جس کی وجہ سے مشورے کی صحت یا خطا کا علم ہو جب اجتماعی مشورے کی صورت حال اس طرح ہو تو بہتر یہ ہے کہ ہر ایک سے الگ الگ مشورہ کیا جائے تا کہ وہ جواب میں کوشش

کریں پھر اس کی سوچ سے یہ ظاہر ہو کہ یہ درست ہے یا غلط؟ اس طریقے میں جواب دینے کی محنت ہر ایک کی الگ الگ ہوگی اور درستگی سب کی طرف سے واضح ہوگی اس لیے کہ انفراداً کوشش میں زیادہ وضاحت ہے اور بحث اور مناظرہ کے لیے اجتماع بہتر ہے''

اہل مشورہ کے اوصاف:

''اہل مشورہ کا حسد سے پاک ہونا ضروری ہے اس لیے کہ حسد درست بات کو تسلیم کرنے سے روکتا ہے مشورے کرنے کے بعد مشورہ لینے والا اہل شوریٰ کی آراء کو جانچے تاکہ اس کے اصول اور اسباب واضح ہوں اور آراء کے نتائج اور انجام میں غور کرے محض تابع نہ بنے بلکہ غور وفکر کر کے ان سے استفادہ کرے''

مشورہ لینے والے کے اوصاف:

غور وفکر کے لیے مشورہ طلب کرنے والے میں تین خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) اپنی عقل کو پہچانے اور فکر کو درست کرے۔

(۲) جس سے مشورہ لیا ہے اس کی عقل کی معرفت اور رائے کے درست ہونے کا علم ہو

(۳) جن احوال کی بنا پر رائے نہیں دی گئی ان احوال کی وضاحت اور جن امور کی بنا پر صحت کا باب بند ہے اس کو کھولنا۔

مشورہ لینے کے بعد کیا کریں؟:

مشورے کے طالب کے سامنے جب رائے ثابت ہو اب اس کام کو کر لینا چاہئے اگر کام میں کوئی کوتاہی ہے تو اس کا مواخذہ مشورہ دینے والوں پر نہیں ہوگا اس لیے کہ ان کے ذمے کوشش اور فکر ہے وہ کامیابی کے ضامن نہیں اس لیے کہ تقدیر غالب رہتی ہے اور پھر جب مشورہ لینے والے کا مشیر کے پیچھے پڑنے کا پتہ چل جائے تو وہ خود اپنی رائے کے سپرد اور اپنے آپ کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کی مدد کسی رائے یا مشورے سے نہیں کی جاتی۔

اہل فارس کی حکمتوں میں لکھا ہے کہ کمزور تدبیر سختی سے بہتر ہے اور ہلکی تاخیر اور سستی

بہت زیادہ عجلت سے بہتر ہے اور حکومت تقدیر کا قاصد ہے۔

بادشاہ جب اپنی رائے پر بھروسہ کرتا ہے تو ہدایت کے راستے اس کے لئے بند ہو جاتے ہیں جب آدمی کو کسی کمزور شخص سے صحیح مشورہ مل جائے (جو اس کا اہل نہیں) تو اس مشورے کو غنیمت جانے کیونکہ مشورہ گمشدہ شے کی طرح ہے جہاں سے ملے اٹھالی جاتی ہے اس لئے مشورہ دینے والے کی کمزوری کی وجہ سے مشورے کو پھینکا نہ جائے کیونکہ موتی اٹھانے والے کی حقارت کی وجہ سے پھینکا نہیں جاتا اور گمشدہ شے پانے والے کے نقص کی وجہ سے چھوڑی نہیں جاتی اس لیے مشورے دینے والے کے مرتبے کی وجہ سے رائے کو رد نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی قدر کی جائے گی اس لیے کہ مقصد مشورہ لینے والے کا ''نفع'' ہے۔

آج کا کام کل پر مت چھوڑیئے:

پھر کوئی وجہ نہیں کہ مشورے کے ثبوت کے بعد اس پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ وقت گزر جاتا ہے اور فرصت تھوڑی ہے اور اس پر اعتماد کرنا کمزوری ہے۔ کسی بادشاہ سے پوچھا گیا کہ ''تمہاری حکومت کس طرح ختم ہوئی؟ تو اس نے جواب دیا آج کا کام کل پر چھوڑنے کی وجہ سے''

جسے مشورے کیلئے منتخب کیا جائے اسے خیر خواہ اور ہمدرد ہونا چاہئے کہ اس سے کامیابی کی امید کی جائے اور اس سے بہتر آرزو کی جائے کہ یہ مشورے کی نعمت کا حق اخلاص باطن کے ساتھ ادا کرتا ہے اور خیر خواہی کا پورا بدلہ دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''مسلمان کا مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب وہ نصیحت اور خیر خواہی طلب کرے تو اسے نصیحت کی جائے''

دشمن کو بھی مشورہ دیجئے:

بسا اوقات مشاورت میں سستی خود پسندی کی وجہ سے ہوتی ہے پھر آدمی مشورہ سے دور ہوتا ہے اور مشورہ نہیں دیتا اس لئے خود پسند کی رائے اور رویہ درست نہیں ہوتا اور بسا

اوقات مشورہ دینے کی حرص دشمنی یا حسد کی وجہ سے کی جاتی ہے اور مشورہ دینے والا مکر اور فریب سے کام لیتا ہے اس لیے حاسد پر اعتماد نہ کیا جائے اور مشورہ دینے والے کے لیے کوئی عذر رائے چھپانے کا نہیں۔ چاہے مشورہ طلب کرنے والا دشمن ہو یا دوست ہو۔ کیونکہ اس سے رہنمائی حاصل کی جارہی ہے اور امانت دار کے لیے مناسب نہیں کہ وہ خیانت کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشورہ طلب کرنے والا لائق امانت ہے اور مشورہ دینے والا امانت دار ہے۔

مشورہ مانگے بغیر نہ دیں:

یہ مناسب نہیں کہ مشورہ طلب کرنے سے پہلے مشورہ دیا جائے البتہ جہاں ضروری ہو اور خود رائے نہ دے مگر جہاں لازم ہو وہاں ضرور دیں کیونکہ اس طرح رائے دینے میں تہمت کا اندیشہ ہے یا رائے کو ویسے ہی پھینک دیا جائے گا اور دونوں صورتیں عیب کی ہیں رائے اس وقت مقبول ہوتی ہے جب کہ رغبت اور طلب سے مانگی جائے۔''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ''اے پیارے بیٹے جب تجھ سے گواہی طلب کی جائے تو گواہی دے اور جب مدد طلب کی جائے تو مدد کر اور جب مشورہ طلب کیا جائے تو جلدی مت کر بلکہ سوچ سمجھ کر مشورہ دے''

چوتھی فصل:

راز کے چھپانے کا بیان

رازوں کا چھپانا کامیابی کے قوی اسباب میں سے ہے اور اس سے بہتری اور بھلائی کے احوال قائم دائم رہتے ہیں۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ضروریات پر چھپانے کے ذریعے مدد طلب کرو کیونکہ ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے"۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تیرا راز تیرا قیدی ہے جب تم نے راز کسی سے کہہ دیا اب تو اس کا قیدی بن گیا"۔

ایک دانشور نے اپنے بیٹے سے کہا اے پیارے بیٹے تم درست جگہ پر سخاوت کے ساتھ مال خرچ کرو لیکن رازوں کے بارے میں تمام مخلوق سے بخل سے کام لو کیونکہ آدمی کی قابل تعریف سخاوت یہ ہے کہ حق راستے میں خرچ کرے اور بخل راز کے چھپانے میں کرے"۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ "جس نے اپنا راز چھپایا اس کا اختیار اسی کے پاس ہے اور جس نے راز ظاہر کیا اس کا اختیار دوسرے کے پاس چلا گیا۔ ایک خطیب کا قول ہے کہ جس چیز نے تمہیں پوشیدہ رکھا (یعنی راز نے) تو تو نے اپنے راز کو نہیں چھپایا ایک خطیب کا مقولہ ہے کہ جس راز کو پسلیوں نے یعنی دل نے نہیں چھپایا وہ کھلا اور ضائع ہونے والا ہے"

کتنے ہی ایسے راز ہیں جن کے اظہار نے صاحب راز کی جان لے لی اور خون کے مطالبے سے روک دیا اگر راز پوشیدہ رکھتا تو مامون رہتا اور سلامتی رہتی اور اپنی حاجت میں کامیاب ہوتا۔

بادشاہ نوشیروان کا قول ہے جس نے اپنا راز محفوظ رکھا اس میں دو بھلائیاں ہیں۔ (۱) اپنی ضرورت میں کامیابی۔ (۲) اور مصائب سے سلامتی۔ آدمی کا کسی غیر کے راز کو فاش کرنا اپنے راز کے فاش کرنے سے زیادہ برا ہے کیونکہ اس میں دو عیب ہیں اگر یہ امانت دار تھا تو اس نے خیانت کی یا چغلخوری کی اور ان دونوں برائیوں کی وجہ سے نقصان دونوں کو پہنچتا ہے چاہے برابر ہو یا کمی زیادتی کے ساتھ اور دونوں صورتیں مذموم اور قابل ملامت ہیں

راز کھولنے والے کے تین مذموم حالات:

راز کے ظاہر کرنے سے تین احوال مذمومہ پر دلالت ہوتی ہے۔
(۱) سینے کی تنگی اور قلت صبر آدمی کا سینہ راز محفوظ نہیں رکھ سکتا اور نہ صبر پر قادر ہوتا ہے
(۲) عقلاء نے جس سے ڈرایا ہے اس سے غفلت اور بھول۔
کسی حکیم کا مقولہ ہے راز اپنے پاس محفوظ رکھو کسی عاقل کو مت بتاؤ کہ وہ لغزش کھا جائے اور نہ جاہل کو کہ وہ خیانت کر جائے۔
(۳) غفلت کا ارتکاب کر کے ہلاکت میں پڑ جانا کسی حکیم نے کہا ہے کہ تیرا راز تیری جان ہے جب تو نے وہ کہہ دیا تو جان سے جائے گا۔
بعض راز ایسے ہوتے ہیں جنہیں خاص دوست یا خیر خواہ مشورہ دینے والے سے بیان کرنا پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ عقلمند شخص اپنے راز کے لیے امانت دار شخص کا انتخاب کرتا ہے جبکہ راز کو چھپانے کا راستہ نہ رہے اور امین کے انتخاب کے لیے سوچ بچار کرتا ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ مال کا امین راز کا بھی امین ہو' کیونکہ مال کی حفاظت راز کی حفاظت سے زیادہ آسان ہے انسان کبھی اپنا راز سبقت لسانی کی وجہ سے بیان کر دیتا ہے حالانکہ راز کی حفاظت کو بمقابلہ مال کے اہم نہیں سمجھتا باوجود اس کے کہ ضرر اس میں زیادہ ہے اس بنا پر راز کے امین مال کے مقابلے میں کم پائے جاتے ہیں کیونکہ مال کی حفاظت راز کے چھپانے سے زیادہ آسان ہے اس لیے کہ مال کی حفاظت محفوظ جگہ کی جاتی ہے اور راز کی حفاظت کرنے والے ظاہر ہوتے ہیں کہ بولنے والی زبان راز کو ظاہر کرتی اور بات ایسے پھیلا دیتی ہے۔ ''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ ''دل'' رازوں کے برتن ہیں اور ہونٹ اس کے تالے ہیں اور زبانیں چابیاں ہیں ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے راز کی چابی کی حفاظت کرے''

رازوں کے امین کی صفات:

رازوں کا امین عقل والا دین میں پختہ خیر خواہ اور چاہنے والا اور طبعاً راز کو پوشیدہ رکھنے والا ہو یہ خصوصیات راز کو ظاہر کرنے سے مانع ہوتی ہیں اور امانت کی حفاظت کو لازم

کرتی ہیں جس شخص میں یہ صفات جمع ہوں وہ عنقاء مغرب ہے (ایک فرضی پرندے کا نام) یعنی ان صفات کا جمع ہونا مشکل ہے۔ ''منثور الحکم'' میں لکھا ہے کہ عقلمندوں کے دل رازوں کے قلعے ہیں اس لیے راز کا امین ایسے شخص کو بنانے سے ڈرنا چاہیے جسے رازوں پر واقف ہونے کا شوق ہو کیونکہ امانت رکھنے کا طلب گار خائن ہوتا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اپنے رازدار سے نکاح نہ کیا جائے''

اسی طرح بہت سے لوگوں کو راز نہ بتایا جائے یہ راز پھیلنے کا سبب ہے۔

راز کی اشاعت دو وجہ سے ہوتی ہے۔

(۱) ایک اس وجہ سے کہ امین کی شرائط تمام لوگوں میں جمع ہونا مشکل ہے۔

(۲) ہر ایک راز پھیلانے والا ذمے داری دوسرے پر ڈالتا ہے۔

ایک دانشور کا قول ہے کہ رازوں کے محافظ جب زیادہ ہو جاتے ہیں تو راز ضائع ہو جاتے ہیں۔

اس سب کے باوجود اگر راز پھیلنے سے بچ جائے لیکن راز لوگوں کی جرأت اور اس پر واقف ہونے کے شوق سے محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ کوئی شخص اگر تاک جھانک کی وجہ سے راز پر واقف ہو گیا اور اس کو عقل یا شرافت نے اس کام سے نہیں روکا تو یہ انتہائی ذلت اور پستی کی بات ہے اس وجہ سے کسی حکیم کا قول ہے کہ جس نے اپنا راز فاش کیا تو اس کو مشورہ دینے والے زیادہ ہو جاتے ہیں اس لئے اگر آدمی نے کسی کو راز کے لیے منتخب کیا اور راز کو بطور امانت بتانے پر مجبور ہے اب امین پر امانت کا حق واجب ہے کہ راز کی حفاظت کرے اور گویا اسے بھول جائے کہ دل میں اس کا کبھی خیال نہ آئے اور راز کی حرمت اور عزت کا خیال رکھے اور کمینوں کی طرح اسے بیان نہ کرے۔

ایک قصہ نقل کیا گیا ہے کہ کسی شخص نے اپنے دوست کو راز کی بات بتا کر پوچھا کہ کیا تم سمجھے؟ اس نے کہا نہیں سمجھا پھر پوچھا کیا یاد کیا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ بھول گیا۔

کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تم اپنے راز کس طرح پوشیدہ رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ خبر دینے والے کا انکار کرتا ہوں اور خبر لینے والے سے قسم لے لیتا ہوں''

پانچویں فصل:

ہنسی اور مزاح کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ مزاح سے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور یہ قطع رحمی اور نافرمانی کا راستہ ہے مزاح کرنے والا عیب دار ہو جاتا ہے اور جس سے مزاح کیا ہے اسے اذیت پہنچتی ہے مزاح کرنے والے کا عیب اور نقصان یہ ہے کہ اس کی ہیبت اور رونق ختم ہو جاتی ہے اور جاہل اور احمق قسم کے لوگ اس پر جرأت کرنے لگتے ہیں۔

رہی وہ اذیت جو مذاق کا نشانہ بننے والے کو پہنچی ہے گویا اسے تو ایک بری بات سے پھاڑ دیا گیا اور برے فعل سے جلا دیا گیا ہے اگر وہ اس قول سے رکتا ہے تو دل غم زدہ ہو جاتا ہے اور اگر مقابلہ کرے تو ادب چھوٹ جائے گا۔

اس لیے عقلمند پر لازم ہے کہ کسی کی ہنسی اڑانے سے بچے اور اپنی عزت کو اس کی برائی کے عیب سے بچائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مزاح شیطان ہے اور خواہش کا دھوکہ ہے"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مزاح سے بچو یہ ایسی حماقت ہے جس سے کینہ پیدا ہوتا ہے۔ کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ ہنسی اڑانا اور مزاح گالی ہے مگر یہ کہ سامنے والا ہنس لے۔

مزاح کو مزاح اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حق سے دور ہٹاتا ہے (مزاح کا معنی ہٹانے کے ہیں) حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مزاح بے وقوفی یا تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے" "منثور الحکم" میں لکھا ہے کہ مزاح ہیبت کو کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے۔

کسی حکیم کا قول ہے کہ جس شخص کا مزاح کثرت سے ہو۔ اس کی ہیبت زائل ہو جائے گی اور جو کثرت سے اختلاف کرے گا اس کا غائب رہنا اچھا سمجھا جائے گا۔ ایک خطیب نے فرمایا کہ جس کی عقل کم ہوتی ہے اس کی بکواس زیادہ ہو جاتی ہے۔

خالد بن صفوان کہتے ہیں کہ مزاح کی مثال یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کو

چٹان سے زیادہ زوردار تھپڑ لگاتا ہے اور رائی کے دانے برابر ایک حرف اٹھاتا ہے اور ہنڈیا سے زیادہ گرم کر کے اس پر انڈیلتا ہے اس کے بعد کہتا ہے کہ میں تم سے مذاق کر رہا تھا۔

کسی حکیم نے کہا بہترین مزاح موجود نہیں اور برا مزاح کیا نہیں جاتا۔

مزاح کب جائز ہے؟

نرم طبیعت لوگ مزاح سے خالی نہیں رہتے اس لیے عقلمند کے لیے ضروری ہے کہ مزاح دو حالتوں میں اختیار کرے۔

(۱) ساتھیوں کو مانوس کرنے اور مخاطبین سے بطور محبت کے اور یہ چیز اچھی بات اور اچھے فعل سے حاصل ہو جاتی ہے''۔ سعید بن العاص نے اپنے بیٹے سے فرمایا اپنے مزاح میں میانہ روی رکھو کیونکہ زیادتی رونق ختم کر دیتی ہے اور بے وقوف جری ہو جاتے ہیں اس میں کوتاہی محبت کرنے والوں کو دور اور دوستوں کو وحشت میں ڈال دیتی ہے۔

(۲) دوسری حالت کہ بوریت یا غم دور کرنے کے لئے مزاح کرنا جیسا کہ کہاوت ہے کہ غم اور بوریت کو دور کرنا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقے پر مزاح فرماتے تھے آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے میں مزاح کرتا ہوں اور حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔'' جیسا کہ انصار میں سے ایک بڑھیا آئی اس نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ جنت میں بوڑھی عورتیں داخل نہیں ہونگی؟ اس کی چیخ نکل گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور ارشاد فرمایا'' کیا تو نے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھا۔

(ترجمہ) ''ہم ان کو نئے سرے سے پیدا کریں گے اور ان کو کنواریاں (ہم عمر) بنائیں گے''

اسی طرح ایک عورت اپنی ایک ضرورت کے لئے آئی جو اسے اپنے شوہر سے تھی

آپ نے پوچھا تیرا شوہر کون ہے؟ اس عورت نے جواب دیا کہ فلاں شخص آپ نے فرمایا وہ شخص جس کی آنکھ میں سفیدی ہے عورت نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں (یعنی آنکھ میں تو سفیدی ہوتی ہے) وہ عورت جلدی سے اپنے شوہر کے پاس گئی اور اس کی آنکھوں کو غور سے دیکھنے لگی شوہر نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ عورت نے جواب دیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں سفیدی ہے شوہر نے کہا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آنکھوں کی سفیدی سیاہی سے زیادہ ہوتی ہے؟

دوسرے حضرات کے مزاح:

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے خواب میں اپنی ماں سے زنا کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے سائے پر کوڑے لگاؤ (کیونکہ خواب میں سایہ ہی ہوتا ہے)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کیا شیطان گوشت کھاتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے بارے میں خاموشی پر راضی ہیں اس طرح ان سے سوال کیا گیا کہ شیطان کی بیوی کا کیا نام ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس کے نکاح میں ہم حاضر نہیں تھے۔

ایک شخص نے کسی لڑکے سے پوچھا میرے ساتھ کتنی اجرت پر کام کرو گے؟ اس نے جواب دیا اپنے کھانے کے عوض اس شخص نے کہا اس سے کم کرنا بہتر ہے تو لڑکے نے جواب دیا کہ میں پیر اور جمعرات کو روزہ رکھونگا۔

ابو صالح بن حسان ایک محدث ہیں ایک دن مزاح میں آکر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ سب سے بڑا فقیہ ''وضاح ایمن'' شاعر ہے۔

جس نے یہ شعر کہے۔

(ترجمہ) جب میں نے کہا کہ آ اور مجھے بخش دے تو اس (محبوبہ) نے تنگ ہو کر کہا کہ میں حرام کاموں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس نے بخشش نہیں دی حتی کہ میں نے اس کے سامنے عاجزی کی اور اس کو بتایا جو اللہ نے چھوٹے گناہوں میں رخصت دی ہے''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بڑی بے تکلفی سے مزاح فرمالیا کرتے تھے۔

خلیفہ مروان بسا اوقات شہر پر کسی کو نائب بنا کر خود گدھے پر سوار ہو کر نکلتا اگر آدمی سامنے آتا تو کہتا کہ راستہ چھوڑ دو امیر آئے ہیں اگر بچوں پر گزر ہوتا جو کھیل میں مصروف رہتے تو مروان بچوں کے درمیان اچانک جا کر زور زور سے زمین میں پاؤں مارتا جس سے بچے ڈر کر بھاگ جاتے۔

قابل برداشت مزاح:

اتنے مزاح کی اجازت ہے اور اسے برداشت کیا جاتا ہے حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ مزاح فرماتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم کھجور کھاتے ہو حالانکہ تمہاری آنکھ دکھ رہی ہے؟ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں جو درست ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو مزاح کا جواب دینے کی اجازت تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایسی بات فرماتے جس میں مزاح ہوتا کسی غرض کی بنا پر یا تقرب قلب کے لیے ورنہ کسی کے لیے جائز نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب مزاح میں دے کیونکہ مزاح ایک لغو چیز ہے اور جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام مخلوق تک پہنچائے جواب مزاح میں دے اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور صہیب تو اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ فرمانبردار تھے اور نافرمانی سے دور تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سابق العرب ہوں اور صہیب سابق الروم ہیں اور سلمان سابق الفارس اور بلال سابق الحبش ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

اور مستحسن مزاح اور جائز دل لگی کی ایک مثال وہ ہے جو زبیر بن بکار نے نقل کی ہے کہ قشیری کے پاس ایک دیہاتی بوڑھا آ کر کھڑا ہو گیا اس نے پوچھا کہ اے دیہاتی بابا۔ کون سے قبیلے سے ہو؟ اس نے کہا کہ بنی عقیل سے قشیری نے پوچھا کونسے بنی عقیل؟ اس نے کہا کہ بنو خفاجہ۔ تو قشیری نے کہا کہ رأیت شیخا من بنی خفاجہ (ترجمہ) کہ میں نے بنی

خفاجہ کے ایک بوڑھے کو دیکھا بوڑھے نے پوچھا اس بوڑھے کا حال کیا ہے قشیری نے کہا۔ له اذا جن الظلام حاجه۔ (ترجمہ) جب رات ہوتی ہے تو اس کی ایک ضرورت ہوتی ہے۔ بوڑھے نے پوچھا کہ وہ کیا؟ قشیری نے کہا کحاجة الديک الى الدجاجة۔ (ترجمہ) جیسی ضرورت مرغے کو مرغی کی طرف ہوتی ہے۔ دیہاتی شرما گیا اور اس نے کہا کہ اللہ تجھے قتل کرے تجھے قوم کے رازوں کی کتنی پہچان ہے۔

دشمن سے مذاق مت کریں:

دشمن سے مزاح کرنے سے ڈرنا چاہیے کہ اس کی برائیوں کو بطور مزاح کے بیان کرنے کی وجہ سے دشمن سخت ہو جائے یا مزاح کو وہ حقیقت سمجھنے لگے"۔ ایک حکیم نے فرمایا جب تو نے اپنے دشمن سے مزاح کیا تو تیرے عیب اس کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے"۔

ضحک اور ہنسی کا بیان:

ضحک یا ہنسی کی عادت اہم امور سے غافل بنا دیتی ہے اور بڑے حادثات سے فکر اور سوچ کو ہٹا دیتی ہے اور اس کی وجہ سے ہیبت اور وقار قائم نہیں رہتا اور نہ عزت وقدر باقی رہتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "زیادہ ہنسی سے بچو کہ اس سے دل مر جاتا ہے اور چہرے کا نور چلا جاتا ہے"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول (مَالِهٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا) کی تفسیر میں منقول ہے کہ صغیرہ سے مراد ہنسی ہے اور کبیرہ سے مراد قہقہہ ہے"۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص کی ہنسی کثرت سے ہوگی اس کی ہیبت کم ہوگی۔

عالم کی ہنسی کا نقصان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب عالم ایک مرتبہ ہنستا ہے تو اس کے علم سے کچھ حصہ کم ہو جاتا ہے"۔ "منثور الحکم" میں لکھا ہے کہ مومن کا ہنسنا اس کے دل کی غفلت

کی وجہ سے ہے''

ضحک اور ہنسی میں بھی وہی بحث ہے جو مزاح میں تھی کہ اگر انسان اس سے خالی ہو تو وحشت ہونے لگے اور اگر زیادہ ہو تو نقصان دہ ہے اس لئے اسے چاہئے کہ انسیت کے لیے تبسم اور مسکراہٹ سے کام لے'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تبسم خوش طبعی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طور پر تبسم فرمایا کہ آپ کے سامنے کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے''

چھٹی فصل:

بدفالی اورخوش فالی کا بیان

بری رائے اور فاسد تدبیر سے بڑھ کر بدفالی کا اعتقاد انتہائی برا ہے جیسے یہ اعتقاد رکھنا کہ گائے کا بولنا یا کوے کا کائیں کائیں کرنا تقدیر کو لوٹائے گا یا تقدیر کو دور کر دیتا ہے ایسا اعتقاد جہالت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''لا عدوی، ولا طیرۃ، ولا ھامۃ، ولا صفر''

عدوی:

مرض کے متعدی ہونے کو کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرض متعدی نہیں ہوتا''۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم خارش کی بیماری ایک اونٹ کے ہونٹ پر دیکھتے ہیں پھر وہ سارے اونٹوں میں پھیل جاتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پہلے اونٹ کو بیمار کس نے کیا؟۔

''ھامہ'' کی بداعتقادی:

''ھامہ'' عرب کے اندر'' جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا کہ مقتول کے خون کا بدلہ جب تک نہیں لیا جاتا اس کی کھوپڑی قبر میں چیختی ہے کہ مجھے خون پلاؤ''۔

صفر کی بداعتقادی:

صفر یہ سانپ کی طرح ہوتا ہے یہ جاہلیت کے اعتقاد کے مطابق چوپایوں اور انسانوں کے پیٹ میں ہوتا ہے یہ بھی ان کے نزدیک متعدی تھا۔

طیرہ کی بداعتقادی:

طیرہ بدشگونی لینے کو کہتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ جب تمہیں گمان ہو تو تحقیق مت کرو اور جب حسد کرو تو ظلم مت کرو اور جب بدفالی لو تو کام کر گزرو اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو''

اہل فارس کی بدشگونی:

اہل فارس اور عجمی بہت زیادہ بدفالی لیتے تھے اور عرب جب سفر کا ارادہ کرتے تو پہلا پرندہ جو وہ دیکھتے اگر دائیں طرف اڑتا تو سفر کرتے اور نیک شگون لیتے اور اگر بائیں جانب پرندہ اڑتا تو بدشگونی لے کر سفر ترک کر دیتے''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں رہنے دو (کیونکہ وہ پرندے کو اڑا کر دیکھتے تھے)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پرندہ چیختا ہوا گزرا کسی شخص نے کہا کہ خیر ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نہ خیر ہے نہ شر ہے''۔

لبید نے اپنے شعر میں کہا کہ

تیری عمر کی قسم نہ تو کنکریاں مارنے والیاں جانتی ہیں اور نہ ہی پرندوں کو ڈانٹنے والیاں کہ اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ بدفالی کا ہر شخص شکار ہے خاص طور پر وہ شخص جس کی امیدوں اور آرزوؤں کے درمیان تقدیر حائل ہو گئی اور وہ پوری نہیں ہوئیں اب وہ مایوسی اور امید کے درمیان ہے لیکن مایوسی اس پر غالب ہے جب اس کی کوئی امید بر نہیں آتی تو وہ بدشگونی کو اپنی ناکامی کا عذر قرار دیتا ہے اور اللہ کی قضاء وقدر سے غافل ہو جاتا ہے بدشگونی کی وجہ سے آگے بڑھنے سے رک جاتا ہے اور کامیابی سے مایوس ہو کر یہ گمان کر لیتا ہے کہ یہ بدشگونی کی ہی وجہ سے ہوا ہے اسی پر اعتبار کرتا ہے پھر یہ اس کی عادت بن جاتی ہے اس کے بعد نہ اس کی کوشش بارآور ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی مقصد پورا ہوتا ہے۔

بدفالی لینا ناکامی کی نشانی ہے:

رہا وہ شخص کہ تقدیر جس کی مددگار ہے اور قضاء وقدر جس کے موافق ہے وہ یہ فالی کے چکر میں کم پڑتا ہے اپنی کامیابی اور ترقی پر اعتماد کرتے ہوئے اسے کوئی خوف اور ڈر لاحق نہیں ہوتا وہ کامیاب اور کامران ہی لوٹتا ہے کیونکہ اس کا سرمایہ پیش قدمی کرنا ہے اور اس

سے رکنا ناکامی ہے چنانچہ بدفالی لینا ناکامی کی نشانیوں میں سے ہے اور فال کو ترک کرنا ترقی کی علامات میں سے ہے۔

بدفالی لینا چھوڑ دیجئے:

اب مناسب یہ ہے کہ جو شخص بدشگونی میں مبتلا ہے وہ اپنی ذات سے اس بے وقوفی ناکامی اور محرومی کے وساوس اور ذرائع کو دور کرے اور اپنے ارادوں کے ٹوٹنے اور تقدیر سے مقابلے کے لیے شیطان کو دلیل نہ بنائے اور یہ بات جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ غالب ہے اور بندے کو اس کا رزق خود تلاش کرتا ہے اور حرکت و کوشش سبب ہے تو ان اسباب کو ان چیزوں کی وجہ سے نہ چھوڑے جو مخلوق کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور نہ تقدیر کو دور کر سکتے ہیں بلکہ اپنے مقصد کو پورا کرنے میں لگے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اگر مقصد پورا ہو تو ٹھیک اگر نہ ہو تو اس پر راضی رہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ انسان میں تین چیزیں ہیں بدفالی لینا، بدگمانی، اور حسد، بدفالی سے بچاؤ یہ ہے کہ کوشش ترک نہ کرے اور بدگمانی سے چھٹکارا اس طرح ہوتا ہے کہ تحقیق میں نہ پڑے اور حسد سے بچاؤ یہ ہے کہ زیادتی نہ کرے اور دوسری حدیث میں ہے کہ بدفالی کا کفارہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے''

''منثور الحکم'' میں لکھا ہے خیر بدفالی کے ترک کرنے میں ہے اگر شک یا وہم لاحق ہو جائے تو وہ بات کہے جو حدیث میں آئی ہے کہ جو بدفالی لے اسے یہ کہنا چاہئے **اللھم لایاتی بالخیرات الاانت ولایدفع السیات الاانت ولاحول ولاقوۃ الاباللہ۔** (ترجمہ) اے اللہ بھلائیاں آپ ہی لاتے ہیں اور برائیوں کو آپ ہی دور کرتے ہیں اور طاقت اور قوت اللہ کی مدد سے ہے''

روایت میں آیا ہے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ایک مکان لیا اس میں ہمارے افراد اور مال کثرت سے تھے پھر ہم

نے مکان بدلا چنانچہ ہمارے اموال اور افراد کم ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ ایسا کہنا بری بات ہے۔

آپ کا یہ قول بدشگونی کے طور پر نہیں تھا بلکہ چھوڑے ہوئے سے تبرک کے حصول اور اس وحشت کو چھوڑ کر مانوس چیز کی طرف لانے کے لئے تھا۔

نیک فال تصور کرنے کا حکم:

جہاں تک فال لینے کا تعلق ہے اس میں ارادے کی تقویت ہوتی ہے جو کوشش پر ابھارتی ہے اور کامیابی پر معاون ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات اور جنگوں میں نیک فال لی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات سنی وہ آپ کو پسند آئی آپ نے فرمایا ہم نے آپ کے منہ سے فال لے لی۔

اس لیے مناسب ہے کہ جو فال لے وہ اس کی بہتر تعبیر کرے اور اپنے اوپر بدگمانی کا راستہ نہ کھولے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ مصیبت زبان کے بول سے آتی ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے لمبی قید کی شکایت کی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی اے یوسف آپ نے خود اپنے آپ کو قید کرایا تھا کیونکہ آپ نے کہا تھا۔ (ترجمہ) میرے رب قید میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے"۔ اگر آپ کہتے کہ عافیت مجھے پسند ہے تو آپ کو عافیت دے دی جاتی"

ایک قصہ نقل کیا گیا ہے کہ مومل بن امیل شاعر نے یوم الحیرہ میں یہ شعر کہا۔

(ترجمہ) یوم الحیرۃ میں نظر مومل کو کمزور کر دے کاش کہ مومل کی آنکھیں ہی نہ ہوتیں"۔ مومل نابینا ہو گیا خواب میں اس کو کسی نے کہا یہی چیز تو نے مانگی تھی اسی طرح کا قصہ ولید بن یزید بن عبدالملک کا ہے کہ اس نے ایک دن قرآن مجید سے فال لی اس میں یہ آیت تھی۔ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ"۔ (ترجمہ) وہ مدد طلب کریں گے اور ہر ظالم اور سرکش شخص ناکام ہوگا۔ اس پر اس نے قرآن مجید پھاڑ دیا اور پھر یہ شعر کہے۔

اتوعد کل جبار عنید   فھا انا ذالک جبار عنید

اذا ماجئت ربک یوم حشر   فقل یارب خرقنی ولید

(ترجمہ) کیا تم ہر ظالم تجاوز کرنے والے کو ڈراتے ہو پھر سن میں وہ ظالم ہوں اور جب تم (یعنی قرآن) اپنے رب کے پاس قیامت کے دن آ ؤ تو کہنا میرے رب مجھے ولید نے ٹکڑے کیا تھا''

چنانچہ وہ چند دنوں میں بری طرح قتل ہوا اور اس کا سر محل کی دیوار پر لٹکا دیا گیا پھر شہر کی دیوار پر لٹکایا گیا اللہ تعالیٰ اس ظلم اور پچھاڑ سے پناہ میں رکھے اور شیطان اور اس کے ساتھیوں سے بچائے۔ اللہ ہمیں کافی ہو اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔

ساتویں فصل:

مروت کا بیان

فضل اور شرافت و کرم کی علامات میں سے مروت بھی ہے جو نفس کی روشنی اور ہمتوں کی زینت ہے۔

مروت کہتے ہیں کہ احوال کی رعایت کرنا جس کی وجہ سے آدمی انتہائی شرافت اور کرم تک پہنچ جائے یہاں تک کہ قصداً کوئی برائی ظاہر نہ ہو نہ عیب کا ظہور ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص لوگوں کے ساتھ معاملات میں ظلم نہ کرے اور گفتگو میں جھوٹ نہ بولے اور وعدہ کر کے نہ توڑے یہ شخص کامل مروت والا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کی عدالت ظاہر اور محبت لازم ہو گی۔

مروت کی شرائط:

ایک خطیب کا قول ہے مروت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ حرام سے بچے گناہوں سے اجتناب کرے فیصلے میں انصاف ہو ظلم سے رکے اور جس چیز پر اسکا حق نہیں اس کی طمع نہ کرے اور جو آدمی نرم نہ ہو اس پر احسان نہ کرے کمزور کے خلاف طاقت ور کی مدد نہ کرے نہ ذلیل کو معزز شریف آدمی پر ترجیح دے اور نہ ایسی بات چھپائے جو گناہ کا سبب ہو اسی طرح نہ ایسا کام کرے جس کا ذکر اور نام برا ہو۔ ایک حکیم سے عقل اور مروت کے درمیان فرق کے بارے میں سوال کیا گیا؟ انہوں نے فرمایا کہ عقل فائدے کا حکم کرتی ہے اور مروت نفع کے ساتھ بہتر چیز کا حکم دیتی ہے۔

ہم نے مروت کی جو تعریف بیان کی ہے آپ اخلاق کو اس کے مطابق ڈھلا ہوا نہیں پائیں گے اور نہ ہی اس کی مراعات سے مستغنی دیکھیں گے اور یہ مراعات (رعایت کرنا) ہی مروت ہے مروت محض وہ نہیں جس میں اخلاق کے فضائل ڈھلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خواہش کا دھوکہ اور شہوت کا جھگڑا یہ دونوں انسانی نفس کو افضل اخلاق اختیار کرنے اور اس کا اچھا راستہ اختیار کرنے سے دور کر دیتے ہیں اگرچہ وہ ان برائیوں سے بچا ہوا ہو اور مروت اس

شخص کے سوا جو اخلاق کے شرف کو کامل طریقے سے حاصل کئے ہو کو عطا ہونا مشکل ہے اور اسے جو نفس کو سنوارنے سے تکلفاً یا طبعاً مستغنی ہو۔

پھر اگر کسی نے طبعاً فضل و کرم حاصل کر لیا اور وہ اخلاق میں بھی کامل ہو گیا لیکن یہ ممکن ہے جب کہ مروت کے حقوق کی رعایت رکھے اور اس کی شرائط پوری کرے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ نفس کے بہترین احوال میں صرف مروت ہی ہے اور اسے حاصل وہ شخص کر سکتا ہے جو مشقتوں کا عادی ہو اور مروت کو اس لئے حاصل کیا جاتا ہے تاکہ تعریف کا مستحق ہو اور مذمت سے بچے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ قوم کا سردار سب سے زیادہ مشقت برداشت کرنے والا شخص ہوتا ہے ابو تمام طائی کا شعر ہے۔

والحمد شهد لايرى مشتاره یجنیه الامن نقیع الحنظل

غل لحامله ويحسبه الذى لم يوه عاتقه خفيف المحمل

(ترجمہ) تعریف وہ شہد ہے جسے حاصل کرنے والے کو تم دیکھو گے کہ وہ اسے حنظل کے رس سے حاصل کرتا ہے۔ یہ اپنے حامل کے لئے بھاری ہے اور وہ شخص جس نے اپنی گردن سے اس کا بوجھ نہیں اٹھوایا، اسے اٹھانے میں ہلکا سمجھتا ہے۔

مروت حاصل کرنے کے اسباب:

مروت فضائل کے حصول کی بنیاد ہے اس کے حصول کے دو طریقے ہیں۔

(۱) ہمت کا بلند ہونا۔ (۲) شرافت نفس۔

ہمت کی بلندی:

بلند ہمتی آگے بڑھنے پر ابھارتی ہے حصول صفات کی دعوت دیتی ہے اور ذلت اور عیب سے نفرت پیدا کرتی ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بلند اور شرافت والے معاملات کو پسند کرتے ہیں اور ذلیل اور گھٹیاں امور کو ناپسند کرتے ہیں"۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اپنی ہمتوں کو حقیر مت جانو کیونکہ کم ہمتی عزت کی چیزوں سے دور کر دیتی ہے"

کسی حکیم کا قول ہے کہ ''ہمت کوشش کی علامت ہے''۔ کسی خطیب نے کہا کہ ہمتوں کی بلندی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے کسی عالم نے فرمایا کہ ''جب دو آدمی کسی مقصد کو تلاش کرتے ہیں تو صاحب مروت اس میں کامیاب ہوتا ہے اسی طرح کسی کا قول ہے کہ ''جو شخص ناامیدی کی وجہ سے بلند مقاصد کی طلب چھوڑ دے وہ عزت نہیں پا سکتا''

شرافت نفس:

اگر طبیعت میں شرافت ہو تو اس کی بدولت آداب کا حصول ہوتا ہے اور نفس میں تہذیب کا ثبوت ہوتا ہے اس لئے کہ انسان کا نفس بسا اوقات بہتر اور افضل چیز کو جانتے ہوئے بھی اس سے دور بھاگتا ہے اور آداب و اخلاق سے نفرت کرتا ہے اس لیے کہ یہ اخلاق اس کی طبیعت میں داخل نہیں ہوئے۔ چنانچہ وہ ان فضائل و اخلاق کی اضداد کو اختیار کرتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اکثر لوگ حق کو پہچانتے ہیں لیکن اسے اختیار نہیں کرتے اور جب انسان کی ذات میں شرافت ہو تو اس کے ذریعے نفس اخلاق و آداب کا طالب ہوتا اور فضائل میں راغب ہوتا ہے چنانچہ جب نفس کے ساتھ اخلاق خلط ملط ہو جاتے ہیں تو وہ طبیعت بن جاتے ہیں اور پھر ان میں اضافہ اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے رہا وہ شخص جس میں بلندی ہمت تو ہے لیکن شرافت نہیں تو وہ ایسی طاقت کی طرح ہے جس کے اوزار بے کار ہو گئے ہوں اور ناواقفی نے فاسد کر دیئے ہوں یہ شخص اس اندھے کی طرح ہے جو کتابت سیکھنا چاہتا ہے یا گونگے کی طرح جو تقریر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے شرافت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی محنت اور طلب رائیگاں جائے گی اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہلاک نہیں ہو سکتا جس نے اپنا مرتبہ پہچان لیا''۔ ایک دانا شخص سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ بدحال کون ہے؟ اس نے جواب دیا جو کم ہمت ہو اس کی آرزوئیں لمبی ہوں کوشش میں کوتاہی ہو اور قوت میں کمی ہو''۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

لاخیر فیما یکذب المرء نفسه   وتقواله للشئی یالیت ذالیا

لعمرک مایدری امرؤ کیف یتقی   اذا هو لم یجعل له الله واقیا

(ترجمہ) اس شخص میں کوئی اچھائی نہیں جو اپنے آپ کو جھٹلائے اور کسی چیز کے لیے یہ کہے کاش یہ میرے لئے ہوتی میری عمر کی قسم آدمی نہیں جانتا کہ وہ کس طرح بچے جب اللہ اس کے لیے بچاؤ کے لئے راہ نہ بنائے۔

آرزو نعمتوں کی ناقدری کرتی ہے:

کسی حکیم کا قول ہے کہ آرزوؤں سے پرہیز کرو اس لئے کہ جو نعمتیں تمہیں دی گئیں ہیں آرزو سے ان کی رونق اور قدر چلی جاتی ہے اور جو انعامات اللہ نے تم پر کئے ہیں ان کی حقارت پیدا ہوتی ہے۔ منثور الحکم میں لکھا ہے آرزوئیں حماقت کا سامان ہے اگر کسی نے اپنی ضرورت کا حصہ پالیا تو دوسرے کی امید کرتا ہے اب وہ حصہ جو اسے ملا اس میں یہ غاصب کی طرح ہے اور جو حصہ اس کے پاس پہنچا اس میں وہ زبردستی قبضہ کرنے والے کے جیسا ہے اس لئے کہ حصوں میں حق کا اندازہ نہیں ہوتا اور نہ ہی مستحق کی تمیز ہوتی ہے کیونکہ یہ حصے بادلوں کی طرح ہیں کہ بادل کبھی درختوں کے بجائے دریاؤں پر برستا ہے اور اچھی اور بری زمین پر بھی برستا ہے اگر زمین اچھی ہوتی ہے تو نفع حاصل کرتی ہے اور اگر زمین خراب ہوتی ہے تو اور خراب ہو جاتی ہے اسی طرح نصیب اور مقدار کا معاملہ ہے اگر شریف آدمی حصہ پاتا ہے تو نفع حاصل کرتا ہے اور وہ نعمت اور نفع عام ہوتا ہے اگر شریر آدمی نصیب پاتا ہے تو اور خراب ہو جاتا ہے اور اس کا نقصان بھی عام ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم پر عذاب کے لیے بددعا کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ ہم نے رذیل لوگوں کو عزت والوں پر مسلط کر دیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے رب میں تو چاہتا تھا کہ ان پر جلد عذاب آئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ کیا یہ سب کچھ فوری دردناک عذاب لانے والے کا عذاب نہیں ہے؟

اگر شرف علو ہمت سے خالی ہو تو؟:

انسانی نفس اگر شرافت کے وصف بلندی ہمت سے خالی ہے تو فضیلت اور خوبی کا حصول مشکل اور قدر و منزلت کا ملنا محال ہے بلند ہمت کے بغیر شرافت ایسی ہے کہ جیسے ایک

شخص طاقت ور ہو لیکن سست اور کاہل ہو یا بزدل اور پیچھے ہٹنے والا شخص ہو کہ جس نے اپنی قوت اور بہادری کاہلی اور بزدلی سے ختم کردی ہو"۔ منثور الحکم میں لکھا ہے جو دائمی سست ہو وہ ناامید رہتا ہے"۔ کسی حکیم نے کہا ہے کہ عاجزی نے سستی سے نکاح کیا تو اس سے "ندامت" پیدا ہوئی اور "نحوست" نے کاہلی سے نکاح کیا اس سے "محرومی" نکلی۔

کسی شاعر کے شعر کا ترجمہ ہے۔

(ترجمہ) "جب تو نے اپنے نفس کا حق نہ پہچانا (اسے حقیر جانتے ہوئے) تو تیرا نفس لوگوں کی نظر میں زیادہ حقیر ہوگا چنانچہ تو اپنے نفس کی عزت کر (اگر مکان تنگ ہے) پھر اپنے نفس کے لیے منزل تلاش کر اور اپنے آپ کو ذلت کی جگہ سے بچا کیونکہ ذلت کی جگہ اچھا آدمی بھی ذلیل سمجھا جاتا ہے"

کم ہمتی کے ساتھ شرافت نفس بہتر ہے:

کم ہمتی کے ساتھ شرافت نفس ہونا اس سے بہتر ہے کہ بلندی ہمت ذلت نفس کے ساتھ پائی جائے اس لیے کہ جس میں بلند ہمت ذلیل نفس کے ساتھ ہوگی وہ ایسی چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جس کا اسے حق نہیں اور جب شرافت کم ہمتی کے ساتھ ہوگی تو آدمی اپنے حق کو ترک کردے گا۔ چنانچہ ان دونوں صورتوں کے درمیان فضیلت ظاہر ہے اگرچہ ان میں سے ہر ایک قابل مذمت ہے۔

ایک دانا شخص سے پوچھا گیا کہ سب سے مشکل کام انسان کے لئے کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے نفس کو پہچاننا اور رازوں کو چھپانا چنانچہ شرافت اور علو ہمت جمع ہو جائیں تو ان کے ساتھ فضل و کرم ظاہر ہوگا اور اخلاق میں اضافہ ہوگا تعریف کے لئے مشقتیں جھیلنا آسان ہوگا اور مروت کی شرائط ان کے ساتھ پوری ہونگی"

جاننا چاہئے کہ مروت کے حقوق شمار سے زیادہ اور ظاہر ہونے سے زیادہ چھپے ہوئے ہیں ان میں سے بعض انسانی خیال میں ہیں اور بعض حقوق کا مشاہدہ حال سے فوری ہوتا ہے اور بعض افعال سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن غفلت کی وجہ سے مخفی رہتے ہیں اس بنا پر مروت کی

شرائط کا حصول مشکل ہے البتہ چند جملے ایسے ہیں جو سمجھ دار کو بیدار اور خبر دار کردیں اور عقلمند اپنے فہم سے اس کی طرف رہنمائی حاصل کر لے اگر چہ تمام وہ چیزیں جو ہماری کتاب میں ہیں وہ مروت کے حقوق اور شرائط ہی ہیں۔ البتہ اس فصل میں ہم اس کے مشہور قواعد اور اصول ذکر کریں گے۔

مروت کی شروط اور حقوق کی اقسام:

چنانچہ اسکی شروط اور حقوق کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مروت کی ان شروط کی تقسیم جو اس میں پائی جاتی ہیں۔

(۲) مروت کی وہ شروط جو اس کے علاوہ میں پائی جاتی ہیں۔

مروت کی شرائط جو اس میں پائی جاتی ہیں۔

شریعت کے احکام کے بعد مروت کی تین شرائط ہیں۔

(۱) پاکدامنی۔ (۲) پرہیزگاری۔ (۳) اور حفاظت۔

عفت یا پاکدامنی:

اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) حرام سے پاک رہنا (۲) گناہوں سے پاکی' پھر حرام سے بچنے کی دو قسمیں ہیں

(۱) شرم گاہ کو حرام سے پاک رکھنا۔ (۲) زبان کو فضولیات سے روکنا۔ چنانچہ جہاں تک شرم گاہ کو حرام سے بچانے کا معاملہ ہے وہ انتہائی اہم ہے اس لئے کہ شریعت کی وعید اور عقل صحیح کے ہوتے ہوئے یہ ایک رسوا کن عیب اور عار کی بات ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے شرم گاہ، زبان اور پیٹ کے شر اور برائی سے بچایا گیا وہ محفوظ رہا۔ اسی طرح ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ پاکدامنی شرم گاہ اور پیٹ کی ہے''۔

مروت کے بارے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کے اقوال:

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروت کے بارے

میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تقوی اور صلہ رحمی ہے'' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے محارم سے بچنا اور حلال پیشہ اختیار کرنا''۔ یزید سے سوال کیا تو اس نے کہا کہ مصائب پر صبر نعمتوں پر شکر اور قدرت کے باوجود معاف کرنا اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری نظر میں تمہارا جواب زیادہ درست ہے''۔ نوشیروان نے اپنے بیٹے ہرمز سے پوچھا کہ کامل المروۃ کون ہے؟ ہرمز نے جواب دیا کہ جس نے اپنا دین محفوظ کیا صلہ رحمی کی اور اپنے بھائیوں کا اکرام کیا کسی حکیم کا قول ہے کہ جو شخص فضائل اور خوبیوں کو پسند کرتا ہے وہ حرام سے بچتا ہے کہاوت ہے کہ رسوائی کا عیب اس کی لذت کو مکدر کر دیتا ہے ایک شاعر نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے لیے شعر کہا۔

الموت خیر من رکوب العار
و العار خیر من دخول النار
واللہ من ھذا وھذا جاری

(ترجمہ) موت عار سے بہتر ہے اور عار جہنم میں داخل ہونے سے بہتر ہے اللہ مجھے ان دونوں سے پناہ دے۔

حرام میں مبتلا ہونے کے اسباب:

حرام میں مبتلا ہونے کے دو اسباب ہیں۔

(۱) نگاہ کا ڈالنا۔ (۲) شہوت و خواہش کی پیروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ مت ڈالو پہلی معاف ہے اور دوسری گناہ ہے۔اس ارشاد کی دو طرح تشریح کی گئی ہے۔

(۱) اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد دل میں خیال نہ لایا جائے۔

(۲) اگر پہلی نظر بھول سے پڑ گئی تو قصداً دوسری مرتبہ نظر نہ ڈالی جائے''

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا ایک نظر کے بعد دوسری نظر سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ یہ دل میں شہوت پیدا کرتی ہے اور صاحب نظر کو فتنے میں ڈالتی ہے'' حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نگاہیں شیطان کے جال ہیں کسی حکیم کا قول ہے کہ جو اپنی نگاہوں کو پھراتا ہے وہ اپنی موت کو دعوت دیتا ہے''

شہوت وخواہش کی تباہ کاری:

بہر حال ''شہوت'' عقل وفہم کو تباہ کرنے والی چیز ہے اور شہوت کی بدولت برائیاں اور رسوائی انسان کی صفات اور اس کے اخلاق بن جاتے ہیں اور پھر یہی چیز ہلاکت کا سبب بنتی ہے اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں چار خوبیاں ہوں اس کے لیے جنت واجب ہے اور وہ شیطان سے محفوظ ہوگا۔ (۱) وہ شخص جس نے رغبت۔ (۲) شہوت (۳) خوف اور (۴) غصے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھا۔

ان نقصانات سے بچاؤ کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) حفاظت نظر (۲) رغبت حلال۔ (۳) تقویٰ اختیار کرنا۔

(۱) نظر کی حفاظت:

نظر کی حفاظت ہلاکت اور مصیبت میں ڈال دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ میری طرف سے چھ چیزیں قبول کرلو میں تمہارے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں صحابہ رضوان اللہ علیھم نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کیا ہیں ارشاد فرمایا۔ (۱) جب بات کرو تو جھوٹ نہ بولو، (۲) وعدہ خلافی نہ کرو۔ (۳) امانت میں خیانت مت کرو۔ (۴) اپنی نظریں جھکائے رکھو۔ (۵) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ (۶) اپنے ہاتھ روکے رکھو''

(۲) حلال کی رغبت:

اپنے آپ کو حلال کی رغبت دلانا اور مباح اور جائز پر قناعت کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی حرام کی ہے تو اسی کی جنس اور قسم میں جائز اشیاء کے ساتھ مستغنی بھی کر دیا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو شہوت کی بربادیاں اور فطرت انسانی کی ترکیب معلوم ہے اور مباح اشیاء کا استعمال اطاعت پر معاون اور نافرمانی سے رکاوٹ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول

ہے اللہ تعالیٰ کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو اس پر اعانت بھی فرماتے ہیں اور جن باتوں سے روکتے ہیں تو ان سے لاپرواہ اور مستغنی بھی فرما دیتے ہیں۔

(۳) تقویٰ اختیار کرنا:

اللہ تعالیٰ کے احکام میں نفس کو تقویٰ کا خوگر بنانا' اللہ کے عذاب سے ڈرانا اور اللہ کی اطاعت کو لازم کر کے اس کی نافرمانی سے بچنا اور دل کو یہ بات سمجھانا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور نہ اس کی پہنچ سے کوئی ذرہ برابر چیز باہر ہے اور اللہ تعالیٰ اطاعت گزار کو بدلہ اور جزا' اور نافرمان کو سزا دینگے۔ یہی بات بتانے کے لیے اس نے کتابیں اتاریں اور اپنے رسولوں کو بھیجا''

آسمانی کتب کی آخری آیات:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آخری آیت قرآن پاک کی یہ ہے''

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْن.

(ترجمہ) اور ڈرو اس دن سے جس میں تمہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا پھر ہر نفس کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور تورات کی آخری آیت یہ ہے (ترجمہ) جب تم حیا نہ کرو تو جو چاہے کرو''۔ اور انجیل کی آخری آیت یہ ہے۔ (ترجمہ) لوگوں میں سب سے براوہ ہے جسے اس بات کی پرواہ نہیں کہ لوگ اسے برائی کرتے ہوئے دیکھیں اور زبور میں سب سے آخر میں یہ نازل ہوا۔ (ترجمہ) جو خیر اور بھلائی بوئے گا وہ رشک کی فصل کاٹے گا (یعنی لوگ اس پر رشک کریں گے) چنانچہ نفس جب تقویٰ اختیار کرے گا اور نافرمانی سے رکے گا تو اس کا دین محفوظ ہوگا اور مروت ظاہر ہوگی چنانچہ یہ شرط ہے۔

زبان کی حفاظت:

زبان کو بری باتوں اور گالی گلوچ سے بچانا ضروری ہے کیونکہ یہ بیوقوفوں کی عادت ہے اور ناکارہ لوگوں کے انتقام کا طریقہ ہے۔'' یہ چیز مصائب کو آسان بناتی ہے اور جب

نفس کواس سے سختی اور ڈانٹ سے نہ روکا جائے تو رسوائی اور مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور غالب گمان ہے کہ لوگ اس کے نفس سے یوں بچیں گے جیسے بخار سے بچا جاتا ہے یا ایسے پہاڑ پر جس پر چڑھنا مشکل ہو چنانچہ یہ شخص خود بھی ہلاک ہوتا ہے اور لوگوں کو ہلاک کرتا ہے''۔ چڑھنے سے دور رہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خبردار تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے اوپر حرام ہیں''۔ یہاں جان اور عزت کو ایک ساتھ بیان کیا کیونکہ انہی میں دلوں کے غصے برائیوں اور فحش گوئی وغیرہ کا اظہار ہوتا ہے اور دشمن کی دشمنی بھی انہی میں ظاہر ہوتی ہے چنانچہ ان عیوب کے ساتھ محبوب کا وزن اور مرتبہ باقی نہیں رہتا اور دوست کے ساتھ مروت باقی نہیں رہتی۔ پھر آدمی ان عیوب کی وجہ سے ناکارہ اور بے کار ہو جاتا ہے چنانچہ ایسے شخص سے کنارہ کشی کر کے اسے برا بھلا کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہے کہ جس کی تعظیم اس کی زبان کے شر سے بچنے کے لئے کی جاتی ہو''۔ ایک دانا کا قول ہے کہ لوگوں کی ہلاکت فضول باتوں اور بے فائدہ مال خرچ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے''

فضول بولنے والا بہت نقصان دہ ہے:

فضول بولنے والا کبھی تو صرف اپنا نقصان کرتا ہے اور اس کی عزت میں کمی آتی ہے جیسے جھوٹ یا فحش گوئی اور کبھی فضول گوئی سے دوسرے کا نقصان ہوتا ہے جیسے غیبت کرنا۔ چغل خوری، مخبری یا کسی کو گالی دینا یا تہمت لگانا وغیرہ۔ بسا اوقات برائی کرنے یا گالی دینے سے دل چھلنی ہو جاتے ہیں اور دلوں میں اس کا اثر بڑا گہرا ہوتا ہے اسی بناء پر تہمت لگانے والے پر اللہ تعالیٰ نے بطور سرزنش حد لگائے جانے کا حکم دیا اور اسے فاسق کہا۔

گالی دینے تہمت لگانے کی وجہ:

گالی دینا یا تہمت لگانا دو وجہ سے ہوتا ہے کبھی انتقام کے طور پر حماقت کی وجہ سے سینے کا غبار نکالا جاتا ہے اور کبھی کمینگی کی وجہ سے بکواس کی جاتی ہے''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن بھولا بھالا اور سیدھا سادا ہوتا ہے اور فاجر دھوکے باز اور کمینہ ہوتا

ہے"۔ ابن المقفع کا قول ہے کہ "زیادہ بولنا زبان کی جہالت ہے اور نفس اور زبان کو اس سے روکنے میں سلامتی ہے۔

گناہوں سے حفاظت:

اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) کھلم کھلا ظلم سے بچنا۔ (۲) نفس کو پوشیدہ خیانت سے روکنا بہر حال کھلے عام ظلم ہلاک کرنے والا گناہ اور انتہائی مہلک سرکشی ہے اور یہ ظلم فتنے اور فساد تک پہنچا دیتا ہے اور کبھی فساد ظالم کو بھی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ظالم کو بالکل ختم کر دیتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (ترجمہ) اور برائی اپنے کرنے والے کا ہی احاطہ کرتی ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فتنہ سویا ہوا ہوتا ہے اور فتنے کو جگانے والا اسے کھاتا ہے"۔ جعفر بن محمدؒ کا قول ہے کہ فتنہ ظالموں کی کھیتی ہے"۔ ایک حکیم نے کہا کہ "فتنہ کرنے والا موت سے قریب اور عمل کے اعتبار سے انتہائی برا ہوتا ہے"۔ کسی شاعر نے کہا۔

(ترجمہ) اور تو بدقسمت بکری کی طرح ہے جو اپنی موت کے لئے خود زمین کے نیچے پڑی چھری کو کھود نکالتی ہے"

ظلم کا ظاہر ہونا:

ظلم کا کھلے عام ہونا ظالم کی قوت کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے ڈھیل ہے۔ چنانچہ ظلم خوب ظاہر ہونے کے بعد فنا ہو جاتا ہے جیسے خشک درخت کی آگ درخت کے ختم ہونے کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے اس طرح ظالم کا حال ہے کہ پہلے وہ مارتا ہے پھر خود مر جاتا ہے۔

ظلم کے دو داعی:

ظلم پر ابھارنے والی دو چیزیں ہیں۔ (۱) جرأت۔ (۲) اور دل کی قساوت اور سختی۔ اسی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرافت اور نیکی میری امت کے رحم کرنے والوں کے پاس تلاش کرو اور ان کے زیر سایہ زندگی بسر کرو"

ظلم سے روکنے والی چیز:

ظلم سے روکنے والی چیز یہ ہے کہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کا کیا حشر کیا اس سے عبرت حاصل کرے ان کے انجام پر غور کرے''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس شخص نے صبح اس نیت سے کی کہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے پہلے جرائم معاف کر دیتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی مظلوم کی بد دعا سے بچو کیونکہ وہ اللہ سے اپنے حق کا سوال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ حق دار کو حق سے منع نہیں کرتے''۔ منثور الحکم'' میں لکھا ہے کے ایام ظالم کی ہلاکت کا سبب ہیں کسی خطیب کا قول ہے کہ ''جس کا حکم ظلم کا ہو اس کا ظلم اسے ہلاک کر دیتا ہے کسی شاعر کا شعر ہے

وما من ید الاید اللہ فوقھا ولا ظالم الاسیبلی بظالم

(ترجمہ) ہر قوت پر اللہ کی قوت غالب ہے اور ظالم پر بڑا ظالم مسلط کیا جاتا ہے۔

پوشیدہ خیانت:

چپکے سے خیانت کرنا اپنے آپ کو ذلیل کرانا ہے کیونکہ انسان خیانت کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہوتا ہے اور اس شخص پر اعتماد بالکل نہیں رہتا''۔ منثور الحکم میں لکھا ہے۔ جس شخص نے خیانت کی وہ ذلیل ہوا''۔ خالد ربعی کہتے ہیں کہ ''میں نے پہلی کتابوں میں پڑھا ہے کہ وہ چیزیں جس کا بدلہ جلدی دیا جاتا ہے اور تاخیر نہیں کی جاتی ان میں سے امانت میں خیانت کرنا، احسان پر ناشکری کرنا، قطع رحمی اور لوگوں پر ظلم کرنا ہے اگر دیانت میں کوئی برائی نہ بھی ہو پھر بھی یہ کافی ہے کہ خائن اپنے اندر ذلت محسوس کرتا ہے یہی اس کی سزا ہے۔ اگر خائن امانت کے انجام اور اس کی وجہ سے اعتماد کا تصور کرے تو یہ جان لے گا کہ امانت وجاہت میں اضافہ کرتی ہے اور لوگوں کا اعتماد قوی ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عزت اور عظمت حاصل ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''امانت کو اس کے مالک کے پاس پہنچاؤ اور جس نے تیرے ساتھ خیانت کی تو اس سے خیانت نہ کر''۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

(ترجمہ) اور اہل کتاب میں سے بعض وہ ہیں اگر آپ مال کا ڈھیر ان کے پاس امانت رکھیں تو وہ آپ کو ادا کر دیں گے اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ اگر آپ ایک دینار بھی ان کے پاس امانت رکھیں تو وہ واپس نہیں کریں گے مگر یہ کہ آپ ان پر مسلسل مطالبہ کریں"۔ چنانچہ اہل کتاب کا خیال یہ تھا کہ عرب کا مال ان کے لیے حلال ہے اس لئے کہ عرب اہل کتاب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ان دشمنوں نے جھوٹ بولا ہے اور جاہلیت کے تمام رواج میرے قدموں کے نیچے ہیں۔۔۔ سوائے امانت کے کہ وہ نیک اور فاجر دونوں کو ادا کی جائے گی"

اسی طرح امانت میں جھوٹ اور دھوکہ نہ ہو کیونکہ جھوٹ اور دھوکہ دونوں ظاہر ہو جاتے ہیں چنانچہ جھوٹ اور دھوکے کا عیب نہایت قبیح اور رسوائی والا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کہ میری امت ہمیشہ خیر پر رہے گی جب تک کہ وہ امانت کو غنیمت اور زکوۃ کو تاوان نہ سمجھنے لگے"

کسی کا قول ہے کہ چار چیزیں چار عادتوں کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتیں۔

(۱) جزاء اور بدلہ ریاء کے ساتھ۔ (۲) لوگوں کی محبت سختی کے ساتھ۔

(۳) وفا بے وفائی کے ساتھ۔ (۴) علم راحت کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

خیانت کے اسباب:

خیانت کے دو سبب ہیں۔

(۱) ذلت اور (۲) قلت امانت چنانچہ جب یہ سبب نفس سے ختم ہونگے تو مروت ظاہر ہوگی"

گناہوں سے حفاظت:

برائی یا گناہ سے حفاظت اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) حقیر و ذلیل خواہشات سے حفاظت (۲) شک اور تہمت کے مقام سے دور رہنا۔

حقیر خواہشات:

طمع اور حرص ذلت اور خسیس عادت کمینگی اور مروت کے حصول کے لئے انہیں دور کرنا ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے۔

(ترجمہ) اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں ایسی طمع سے جو گناہ کی طرف لے جائے“

ایک شاعر نے کہا۔

لاتخضعن لمخلوق علی طمع فان ذلک نقص منک فی الدین

و استرزق الله ممافی خزائنه فانما هو بین الکاف و النون

(ترجمہ) طمع کی خاطر مخلوق کے سامنے ذلیل مت بن کیونکہ یہ دین میں نقصان پیدا کرتی ہے اور اللہ سے اس کے خزانوں میں سب طلب کر کیونکہ اس کے امر ”کن“ سے ہر چیز پیدا ہوتی ہے“

طمع کا سبب:

طمع پر دو چیزیں ابھارتی ہیں ایک لالچ دوسری غیرت اور شرم کا کم ہونا۔ چنانچہ ایسا شخص اپنے مال پر قناعت نہیں کرتا اگر چہ وہ بہت زیادہ ہو اور جس چیز سے روکا جائے اس سے دور نہیں ہٹتا اگر چہ وہ حقیر ہی کیوں نہ ہو اور یہ حالت اس شخص کی ہوتی ہے جو اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا مگر مال کی عظمت اس کے دل میں ہو اس لیے یہ شخص مال کے مقابلے عزت کے ضیاع کو آسان خیال کرتا ہے اس لئے کہ جس کے نزدیک مال کی عظمت اپنے نفس کی عظمت سے زیادہ ہو وہ نہ ڈانٹ کی طرف کان دھرے گا اور نہ حق بات قبول کرے گا

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے وصیت کیجئے آپ نے فرمایا ”لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناامید ہو جاؤ اور طمع سے بچو، وہ ہر وقت کا فقر ہے اور جب تو نماز پڑھے تو یہ سمجھ کہ یہ آخری نماز ہے اور اپنے آپ کو ایسی باتوں سے بچاؤ جس کی وجہ سے معذرت کرنی پڑے“

طمع سے بچانے والی چیزیں:

طمع سے بچانے والی چیزیں دو ہیں۔ (۱) ناامیدی (۲) قناعت۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کسی نفس کو ہرگز موت نہیں آئے گی جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے۔ چنانچہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رزق بہترین طریقے سے طلب کرو اور رزق میں تاخیر تمہیں اللہ کی نافرمانیوں میں نہ لگائے کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اسے اطاعت سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

شک اور تہمت کے مقام:

شک کہتے ہیں کہ دو چیزوں میں ذھن کا متردد ہونا یا ایسی حالت میں قائم ہونا جس میں سلامتی اور نقصان دونوں کا اندیشہ ہو شک کی جگہ میں برے خیال والوں کی توجہ ہوتی ہے اور ایسے مقام کی وجہ سے شک کرنے والے ذلیل کرتے ہیں اس لئے شک کی جگہ کھڑا ہونے والا شخص (چاہے وہ جگہ درست ہو یا نہ ہو) ذلیل اور رسوا ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شک والی چیزوں کو ترک کر اور بغیر شک والی چیز اختیار کر' محمدؒ بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ مروت کیا ہے؟ جواب دیا کہ تنہائی میں ایسا عمل نہ کرو جس کی وجہ سے تم مجلس میں حیا کرتے ہو' حسان بن ابی سنان نے فرمایا میں نے تقویٰ سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں پائی۔ پوچھا گیا کہ کس طرح؟ تو جواب دیا کہ جب مجھے کسی چیز میں شک ہوتا ہے تو اسے ترک کردیتا ہوں۔

شک پر لانے والی دو چیزیں:

شک کے مقام پر دو چیزیں لاتی ہیں بے پرواہی اور اچھا گمان اور دو چیزیں اس سے روکتی ہیں۔ حیا اور خوف بسا اوقات حسن اعتماد کی وجہ سے شک ختم ہو جاتا ہے اور تہمت خبر گیری کی بنا پر اٹھ جاتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے کسی حواری نے ان کو دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام فاحشہ عورت کے گھر سے نکلے اس نے پوچھا اے روح اللہ

آپ کا یہاں کیا کام؟ انہوں نے جواب دیا کہ طبیب تو مریضوں کا علاج ہی کرتا ہے۔

لیکن مناسب نہیں کہ اس میں لاپرواہی اختیار کی جائے بلکہ اس میں ڈر غالب ہو اور تہمت کے ثابت ہونے کی وجہ سے خوف رہنا چاہئے البتہ حسن اعتماد ہر شک کو ختم کرنے والا ہوتا ہے'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شک اور تہمت سے محفوظ پیدا کیا۔ آپ ایک رات مسجد کے دروازے پر اپنی زوجہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے بات کر رہے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معتکف تھے کہ دو انصاری صحابہ کا وہاں سے گزر ہوا جب انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو جلدی جلدی چلنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ٹھہرو یہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی ہیں'۔ ان دونوں صحابیوں نے کہا کہ سبحان اللہ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک ہوسکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو بلاشبہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے اندر گوشت اور خون کی طرح چلتا ہے مجھے اس کا خوف ہوا کہ تمہارے دلوں میں برائی نہ آ جائے''

پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو شکوک سے پر ہو اور بدگمانیاں اس میں بھری ہوئی ہوں؟ تو کیا شک کے مقامات پر ہونے کی وجہ سے کوئی عیب اور ملامت سے محفوظ رہ سکتا ہے؟'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوائے عمل کے اگر آدمی بدبخت نہ ہو تو وہ کامیاب ہے'' چنانچہ جب آدمی عقل کو استعمال کرے اور حفاظت کو لازم کر کے شک کی جگہوں کو ترک کر دے اور ایسی جگہ کھڑا نہ ہو جس کی وجہ سے معذرت کرنی پڑے اور اچھی چیز میں معذرت نہیں جس میں نہ شک پیدا ہوا اور نہ آدمی کی عزت پر جھوٹ کا عیب لگے۔

سہل بن ہارون کہتے ہیں کہ تہمت کے مقام پر ہونے کا بوجھ افسوس کرنے کے تکلف سے زیادہ آسان ہے کسی حکیم کا قول ہے جس نے کسی ایسے شخص سے حسن ظن رکھا جو اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کرتا وہ دھوکے میں ہے''۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

احسنت ظنی باھل دھری　　محسن ظنی بھم دھائی

لا امن الناس بعد ھذا　　ماالخوف الامن الامان

(ترجمہ) میں نے لوگوں سے حسن ظن کیا لیکن میرے حسن ظن نے مجھے مصیبت میں

ڈال دیا۔ اس کے بعد میں لوگوں پر اعتماد نہیں کرتا ہوں کیونکہ خوف اعتماد کی وجہ سے ہے۔

حفاظت:

مروت کی شرائط میں سے تیسری شرط ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) نفس کی حفاظت کہ اس کی کفایت کا سامان پہلے سے لایا جائے۔

(۲) احسان طلب کرنے سے اور مدد حاصل کرنے سے نفس کی حفاظت۔

(۱) نفس کی ۔۔۔ بقدر کفایت اشیاء کے ذریعے حفاظت

اس لئے کہ لوگوں کا محتاج بوجھ اور حقیر شمار ہوتا ہے وہ ذلیل اور بے کار سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ محتاج شخص کی فطرت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کی مدد طلب کرتا ہے تاکہ اپنے آپ کو بچالے اور وقت کی ضرورت پوری کرے اس وجہ سے عرب میں ایک مثال مشہور ہے کہ ''پھرنے والا کتا بیٹھے ہوئے شیر سے بہتر ہے''

مدد طلب کرنے کی دو قسمیں ہیں: لازمی اور غیر لازمی، لازمی وہ مدد ہے جس کے ساتھ ضرورت پوری ہو اس کے طلب کرنے کی تین شرائط ہیں:

(۱) پہلی شرط: ضرورت جائز طریقوں سے پوری کرنا اور حرام سے بچنا کیونکہ حرام مال کی جڑیں خراب ہوتی ہیں اور یہ ختم اور ہلاک ہو جاتا ہے اگر نیکی میں صرف کیا جائے تو اجر نہیں ملتا اور تعریف کی جگہ میں خرچ کرے تو کوئی تعریف نہیں کرتا اور پھر اس کا لینا مخفی گناہ اور انجام عذاب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے وہ شخص تعجب میں نہ ڈالے جس نے مال حرام طریقے سے کمایا اگر وہ خرچ کرے تو قبول نہیں کیا جاتا اگر روکے تو یہ اسے جہنم میں لے جائے گا ایک دانا شخص کا قول ہے کہ برا مال وہ ہے جس کا کمانا گناہ ہو اور خرچ کرنے سے اجر نہ ملے''

کسی خارجی نے بادشاہ کے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ مسکین کو صدقہ کر رہا ہے تو اس نے کہا کہ ان لوگوں کو دیکھو جن کی نیکیاں ان کے گناہ ہیں'' علی بن جہم کا شعر ہے۔

سر من عاش مالہ فاذا حا سبہ اللہ سرہ الاعداہ

(ترجمہ) جو اپنے مال پر خوش ہے جب اللہ اس کا محاسبہ کریں گے تو اس کی خوشی جاتی رہے گی۔

(۲) دسری شرط: کہ مال اچھے راستوں سے طلب کرے جس میں ذلت نہ ہو اور اس کی وجہ سے عزت پر میل نہ آئے کیونکہ مال سے مقصود عزت کی حفاظت ہے نہ کہ عزت کو خراب کرنا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا قول ہے اے مال تو کیا ہی اچھا ہے کہ جس کے ذریعے میں نے اپنی عزت کی حفاظت کی اور اپنے رب کو راضی کیا۔

حضرت ابن عائشہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان۔

(ترجمہ) کہ ''ضرورتوں کو اچھے طریقوں سے حاصل کرو'' کا معنی پوچھا گیا انہوں نے فرمایا کہ وہ طریقے جو جائز ہیں۔

(۳) تیسری شرط: مال اور سامان کی مقدار اور ضرورت کو کفایت کے ساتھ پورا کرنے میں غور کرے تاکہ کوئی خلل اور تکلیف لاحق نہ ہو کیونکہ قلیل مال اگر اندازے اور تدبیر سے استعمال ہو تو زیادہ نفع مند ہوتا ہے اور بہتر جگہ استعمال ہوتا ہے اس کے بالمقابل کثیر مال کو بلا تدبیر اور بغیر اندازے کے استعمال کیا جائے تو فائدہ نہیں ہوتا جیسا کہ زمین میں بیج بو کر تھوڑی رعایت کی جائے تو فصل اگتی ہے لیکن اگر خیال نہ رکھا جائے تو بیج خراب ہو جاتے ہیں محمدؒ بن علیؒ کا قول ہے کمال تین چیزوں میں ہے۔

(۱) دین میں پاک دامنی۔ (۲) مصائب پر صبر اور (۳) معیشت میں حسن تدبیر'' کسی حکیم سے کہا گیا کہ ''فلاں مالدار ہے اس نے جواب دیا کہ میں اس کو نہیں جانتا جب تک کہ میں اس کے مال میں اس کی حسن تدبیر کو نہ جان لوں''

جب یہ شرائط مکمل ہو گئیں تو اس نے مروت کا حق ادا کر دیا۔ احنف بن قیس سے پوچھا گیا کہ مروت کیا ہے؟ فرمایا پاک دامنی اور پیشہ اختیار کرنا۔ کسی حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا اے پیارے بیٹے کسی پر بوجھ مت بننا کیونکہ اس سے ذلت ہوگی اور زمین میں احسان اور بھلائی کرنے کی رسم پیدا کرتے چلو اور جانے والے مال پر افسوس مت کر اور بیماری یا تھکن

کی وجہ سے طلب کرنے سے عاجز مت رہنا یہ ضرورت لازمی کا بیان ہے۔ چنانچہ عالی ہمت اور پختہ نفوس اس مال کو جو انہیں محنت کر کے حاصل ہوا ہے اس مال سے افضل سمجھتے ہیں جو بطور میراث حاصل ہوا ہو"۔ کیونکہ میراث کا مال دوسرے کی محنت کا ہے اور کمایا ہوا مال اپنی محنت کا ہے اور فضیلت کے اعتبار سے دونوں میں فرق صاف ظاہر ہے۔

مال غیر لازم:

جو ضرورت اور کفایت سے زائد ہو اس میں طلب کرنے والے کے حال کا اعتبار ہے اگر طلب کرنے والا رؤساء کے مراتب سے دور اور لوگوں کی نظروں سے کوتاہ ہے اور اپنے ہم مثلوں سے مقابلے میں ہٹا ہوا ہے تو اسے بقدر ضرورت کافی ہے اور زائد اور فضول مال میں سوائے لالچ اور طمع کے کچھ فائدہ نہیں اور یہ دونوں چیزیں مذموم ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہترین رزق بقدر کفایت ہے اور بہترین ذکر ذکر خفی ہے"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا عاقل پر بوجھ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کی طلب کے ساتھ دنیا سے استغناء اس شخص کی طرح ہے جو آگ کو ایندھن سے بجھانے کی کوشش کرے۔ ایک دانا شخص کا قول ہے اپنے چہرے کا پانی قناعت کے ساتھ خرید دنیا سے تسلی حاصل کر اور مالداروں سے دور رہ۔

لیکن اگر کوئی شخص عالی ہمت ہو اور اس میں سخاوت و کرم کی بو بھی ہو اور وہ چاہتا ہو کہ میں سردار بنوں اور لوگوں میں میری عظمت اور بڑائی ہو تو بقدر کفایت مال اس کے لئے کم ہے اسے فاضل اور زائد مال کی ضرورت ہے۔ کسی عرب سے سوال کیا گیا کہ تمہارے لوگوں میں مروت کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کھانا کھلانا، عطیہ دینا اور بہترین اخلاق"

مدد اور احسان کے بوجھ سے حفاظت:

اس لئے کہ احسان آزاد آدمی کو غلام بنا دیتا ہے اس سے ذلت ظاہر ہوتی ہے اور احسان کرنے والے کا غلبہ ظاہر ہوتا ہے اور ہر ایک سے مدد لینا ایک بوجھ ہے اور جو لوگوں پر بوجھ بن جائے وہ حقیر ہو جاتا ہے اور لوگوں کے نزدیک اس کی قدر ختم ہو جاتی ہے۔

کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے بیٹوں نے آپ کی خدمت کی؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بے پرواہ کر دیا ہے'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی'' اے پیارے بیٹے اگر تم میں اتنی طاقت ہے کہ اپنے اور اللہ کے درمیان کسی کو نعمت کا مالک نہ بناؤ تو کر گزر اور کسی کا غلام مت بننا حالانکہ اللہ نے تمہیں آزاد بنایا ہے۔ کیونکہ اللہ کا دیا ہوا قلیل مال زیادہ مکرم اور عظیم ہے اس کثیر مال سے جو کسی غیر کا دیا ہوا ہو'' زیاد نے کسی تاجر سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک مروت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ شک سے بچنا کیونکہ شک کرنے والا شخص معزز نہیں ہوتا اور اپنے مال کی اصلاح کرنا مروت ہے اور آدمی کا اپنی ضروریات اور گھر کی ضروریات کو پورا کرنا بھی مروت ہے'' کیونکہ جو شخص اپنے گھر والوں کا محتاج ہے وہ معزز اور شریف نہیں اور نہ وہ شخص شریف ہے جس کے گھر کے لوگ دوسروں کے محتاج ہوں ثعلب کا شعر ہے۔

من عف خف علی الصدیق لقاء ہ　　واخو الحوائج وجھہ مملول

و اخوک من و فرت مافی کیسہ　　فاذاعشت بہ فانت ثقیل

(ترجمہ)'' جو سوال سے بچا دوست پر اس کی ملاقات آسان ہے اور سوال کرنے والا غمزدہ رہتا ہے اگر تیرے دوست کی جیب بھری ہوئی ہے تو تیرا مانگنا تجھے بوجھل کر دے گا''

بلا ضرورت مدد حاصل نہ کریں:

اگر چہ لوگوں کا آپس میں تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے تعاون اور مدد کی ضرورت رہتی ہے لیکن یہ محبت کا تعاون ہے اس میں برابری ہے اس میں کسی کو فضیلت حاصل نہیں اور بسا اوقات مدد طلب کرنے والا شخص زیادہ فضیلت والا ہوتا ہے اور مدد کرنے والا اس سے کم تر ہوتا ہے جیسے بادشاہ کا اپنے لشکر سے مدد چاہنا اور مالک زمین کا اپنے کاشتکاروں سے مدد مانگنا کیونکہ اس سے تو چھٹکارہ نہیں اور نہ کوئی دوسرے سے بے پرواہ ہے البتہ وہ تعاون جس سے شریف لوگ بچتے ہیں وہ بڑائی کا تعاون ہے اس لئے وہ مدد طلب کرنے سے بچتے ہیں تا کہ ان پر کسی کا احسان نہ ہو اور مدد کرنے میں تیزی دکھاتے ہیں تا کہ ان کا احسان دوسروں

پر ہو جس شخص نے بغیر مجبوری کے قوت یا مال کی مدد چاہی اس نے مروت کو برباد کر دیا اور حفاظت ختم کر دی البتہ اگر کسی کو مصیبت یا حادثے نے مدد مانگنے پر مجبور کر دیا کہ جس کی وجہ سے اس مصیبت سے چھٹکارا اور خلاصی پائے اس پر کوئی ملامت نہیں'' چنانچہ اگر طاقت کی مدد کافی ہو تو مال پیش کرنے کی ضرورت نہیں اور حاجت کو انتظامی معاملات چلانے والوں کے حوالے کرے کیونکہ ضرورت ان کے سانس سے جلد پوری ہوگی اور یہ ان پر آسان ہے وہ اسی کام کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ اپنے برابر کسی کو نہیں دیکھ پاتے اور اس شخص کو چاہیے کہ ان کی تاخیر پر صبر کرے کیونکہ مختلف امور کا ہجوم انہیں مشغول رکھتا ہے مگر یہ کہ کوئی بہت زیادہ الحاح وزاری کرے تو ان کا کام جلدی کر دیتے ہیں اسی لیے کہا جاتا ہے اپنی ضرورت کے لیے تھوڑی سی لجاجت بھی استعمال کیا کرو۔

اگر اس کے لئے حال کی اصلاح بغیر مال کے مشکل ہو جس سے وہ اپنے مصائب پر مدد حاصل کر سکے تو ضرورت کی وجہ سے اس کے لئے گنجائش ہے۔ لیکن اگر وہ اسے لوٹائے جانے والا قرضہ پائے تو اسے صلے اور سخاوت کی مد میں نہ لے کیونکہ قرض مروت کے اعتبار سے معاف ہی ہوتا ہے۔ ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قدر اور فضل تمام مخلوق پر بلند فرما دی ہے انہوں نے بھی قرض لیا ہے پھر قرض اتارا اور نہایت احسن طریقے سے اتارا اور فرمایا کہ

''جسے اللہ تعالیٰ کے رزق حلال کے حصول میں تنگی ہو جائے تو وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض لے لے''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا'

''قرض دینے والا زمین میں اللہ تعالیٰ کا تاجر ہے''

شاعر بحتری کا شعر ہے۔

ان لم یکن کثر فکل عطیة یبلغ بها باغی الرضا بعض الرضا

اولم یکن هبة فقرض یسرت اسبابه و کواهب من اقرضا

(ترجمہ) اگر کثرت نہ ہو تو ہر عطیہ کے ذریعے رضا کا طالب کچھ رضا حاصل کر لیتا

ہے۔ یا اگر ھبہ نہ ملے قرض کے اسباب آسان ہیں اور قرض دینے والا ھبہ کرنے والے کی طرح ہے۔

اور اگر قرض غلامی ہے تو یہ مہربانی کی غلامی سے زیادہ آسان ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو باقی رہنا اور باقی رکھنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ صبح کو جلدی کھانا کھائے اور چادر کو ہلکی رکھے۔ کسی نے پوچھا کہ بقاء میں چادر کے ہلکی ہونے کا کیا مطلب؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''قرض کی کمی'' اور اگر اسے بہت مجبوری ہو تو دوسرا عطیہ بخشش ہی دیگا اور یہ ذلت آمیز غلامی ہے'' اسی لئے کہا جاتا ہے کہ غریب کی کوئی عزت نہیں۔ بعض حکماء کہتے ہیں کہ جس شخص نے اپنا صلہ (بخشش تحفہ) واپس مانگا گویا اس نے اپنی عزت تجھے بیچ دی اور اپنی عزت اور مرتبہ تمہاری قدر کے سامنے جھکا دیا۔

قرض مانگنے میں خودداری کی حفاظت کیجئے:

مجبوراً قرض مانگنے میں رغبت کرنے والوں کو خودداری برقرار رکھنے کے لئے اور بھکاریوں کے سے عیب سے خود کو بچانے کے لئے (اگرچہ ایسے راغب کی خودداری باقی نہیں رہتی اور نہ ہی بھیک کے عیب سے بچ پاتا ہے) چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اول: یہ وہ بھکاریوں کی سی منت واصرار ولجاجت سے اور بامرتبہ لوگوں کی سی نخوت سے خالی ہو کیونکہ وہ لجاجت واصرار سے ذلیل ہوگا اور نخوت دکھانے سے اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا (محروم ہوگا) لیکن ضرورتمندوں کی طرح تقاضائے حال کے مطابق ذرا اچھے طریقے سے (صبر وحیاء کے ساتھ) کام لے۔۔۔ بعض حکماء سے پوچھا گیا کہ نعمت کا زوال کب بہت زیادہ برا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جب اس کے ساتھ تحمل بھی (صبر کرنا اور ذلت کا اظہار نہ ہونے دینا) بھی زائل ہو جائے۔

دوم: جتنی ضرورت اور مجبوری ہے اتنا ہی مانگے۔ یہ نہ ہو کہ قرض مانگنے کو دولت جمع کرنے کا ذریعہ بنا لے کیونکہ ایسی صورت میں بھی محروم ہوگا اور لوگ اس کے (مال دولت یا عادت) کو عذر سمجھ کر نہ دیں گے حکماء کہتے ہیں کہ جو سوال کرنے کو عادت بنا لے اسے محرومی

کی عادت پڑے گی۔

سوم: کوئی نہ دے تو اسے دینے سے معذور سمجھے اور کوئی دے دے تو اس کا شکریہ بجا لائے۔ کیونکہ اگر اسے منع کیا گیا ہے تو اس کی ملکیت سے نہیں کیا گیا اور اگر دیا گیا ہے بغیر استحقاق کے دیا گیا۔

چہارم: قرض کا سوال ایسے لوگوں سے کرے جو اس کے اہل بھی ہوں اور وہاں کامیابی کی امید بھی ہو کیونکہ استطاعت تو بہت لوگوں کو ہوتی ہے مگر مدد کرنے والے ان میں سے کم ہی ہوتے ہیں۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''بھلائیاں بہت ہیں مگر بھلائی کرنے والے کم ہوتے ہیں''

کیسے لوگوں سے سوال کیا جائے:

پھر جن لوگوں سے مانگنے پر عطا کرنے کی امید ہوتی ہے یہ وہ ہیں جن میں تین کامل صفات ہوتی ہیں۔

(الف) نیک اور سخاوت طبع ہو۔ کیونکہ کریم شخص ہی مدد کرتا ہے اور کمینہ عناد برتتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ناکام شخص وہ ہے جسے کمینے سے کوئی ضرورت کا کام پڑ جائے۔

(ب) جس کا دل آپ کے لئے صحیح سلامت ہو یعنی دشمن نہ ہو کیونکہ دشمن تو آپ کی مصیبت پر سب دشمنوں کو متحد کر لیتا ہے اور تمہاری پریشانی میں تم سے ہی جنگ کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے جسکے دل کو آپ نے غضبناک کر دیا اس کے شر کو خود دعوت دی ہے۔ لیکن اگر اس نے بھی اپنی کریم طبیعت کی وجہ سے نرمی کی اور اپنی کامیابی سمجھتے ہوئے آپ پر رحم کیا تو یہ اس کی بہت بڑی آزمائش ہے کہ تمہارا دشمن تمہارے حق میں رحم دلی کا مظاہرہ کرے۔

شاعر کا قول ہے۔

وحسبک من حادث بامرئی ترى حاسديه له راحمينا

(ترجمہ) تیرے لئے کسی شخص پر مصیبت کو اتنا دیکھنا ہی کافی ہے کہ تو اس کے

حاسدین کو اس پر رحم کرتا دیکھے۔

دوسرے کے حق میں خودداری و مروت:

یہ بحث تو اس بارے میں تھی کہ خود اپنے لئے خودداری ہو۔ البتہ دوسرے شخص کے لئے خودداری کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) موازرہ۔ بوجھ بانٹنے والا ہو۔ (۲) میاسرہ (آسانی کرنے والا ہو۔

(۳) افضال (مہربانی کرنے والا ہو)

موازرہ کی دو شکلیں ہیں:

(۱) اپنی حیثیت اور جاہ کے ذریعے مدد کرنا۔ اس قسم کی مدد بڑے مرتبے والے شخص اور صاحب امر شخص کی طرف سے ہوتی ہے۔ یہ سب سے آسان اور سستی نیکی اور احسان کا سب سے لطیف موقع ہوتا ہے جو کہ کبھی کبھار مالی مدد سے زیادہ فائدے مند ہوتا ہے۔ یہ وہ سایہ ہے جس کے مجبور لوگ محتاج اور وہ پناہ گاہ سے جہاں خوفزدہ پناہ لیتے ہیں۔ اگر اس کو لوگوں کے لئے وسیع کر دیا جائے تو خود ایسا کرنے والے کے مددگار اور حمایتی بڑھتے ہیں اور اگر لوگوں کو اس سے فائدہ نہ پہنچایا جائے تو اپنے حاشیہ بردار اور پیرو بھی دور ہو جاتے ہیں۔ ''جاہ'' خرچ کرنے سے مزید بڑھتی اور زیادہ ہوتی ہے اور روکنے سے کم ہوتی اور ختم ہو جاتی ہے۔

چنانچہ جس شخص کو وجاہت عطا ہوئی ہو اسے اس میں بخل کرنے کا کوئی عذر نہیں ورنہ یہ مال خرچ کرنے میں بخل کرنے والے سے زیادہ برے حال والا ہو جائے گا جو کہ اپنے مال کو برے حالات کے لئے بچا رکھتا۔ اس کی لذت باقی رکھتا اور اپنی اولاد کے لئے جمع کرتا ہے۔ اس کی بالکل ضد وہ شخص ہے جو اپنی وجاہت پر بھی بخل کرتا ہے کیونکہ یہ شخص وجاہت میں کنجوسی کر کے اسے ضائع کرتا ہے اور بخل سے ہلاک کرتا ہے اپنے نفس کو اس پر دسترس اور قدرت کی غنیمت سے محروم کرتا ہے چنانچہ اس کو کھو دینے کے بعد اسکے لئے صرف ندامت باقی بچتی ہے اور ضائع کرنے پر افسوس رہ جاتا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اس لئے ناراضگی اور ان کے درمیان اس کی مذمت شائع اور عام ہو جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

''مخلوق اللہ تعالیٰ کا گھرانہ ہے اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو اس کے گھرانے سے نیک سلوک (اور اچھا معاملہ) کرے''

جہاں تک ممکن ہے بھلائی سے کام لیجئے؟:

بعض حکماء کا قول ہے کہ جب ممکن ہو بھلائی کا کام کرلو وہ کام ہونے پر بھی آپ کی تعریف و مدح باقی رہے گی۔ اپنی آسانی کے زمانے کو مصائب کے زمانے کی تیاری بنا رکھو۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ ''سربلندی کی علامت لوگوں کا بھلائی کے کام کرنا ہے''

ایک ادیب کا قول ہے کہ ''وجاہت کو خرچ کرنا بھی ایک عطیہ (ایک نیکی) ہے۔

ابن اعرابی کا قول ہے کہ ''جو شخص کسی چیز کی امید کرتا ہے وہ چیز اسے ڈراتی ہے اور جس چیز سے جاہل رہتا ہے وہ اسے عیب لگاتی ہے''

وجاہت کو استعمال کرنا کرم نفس ہے اور نعمت کا شکر ادا کرنا ہے اور اس کا الٹ اس کا الٹ (ضد) ہے۔ وجاہت کا استعمال اگر بدلہ اور عوض وصول کرنے کی غرض سے ہو تو یہ لائق شکر نہیں کیونکہ اس شخص نے اپنی وجاہت بیچ دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا عوض چاہ رہا ہے اس لئے مذمت کا زیادہ حقدار ہے۔

وجاہت سے مدد کرنے والے کی تین ذمہ داریاں:

جو شخص اپنی وجاہت کے استعمال سے کسی کو سرفراز کرے اس پر تین حق ہیں ان کا خیال رکھ کر وہ شکریہ کا زیادہ مستحق اور اجر کا زیادہ مستوجب بن سکتا ہے۔

(الف) یہ مدد کو آسانی سے خوشی کے ساتھ کرے اور ناپسند سمجھ کر بوجھ تصور نہ کرے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے گویا زچ ہو رہا ہوگا اور اس کے احسان سے ناراض متصور ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

''جس کی نظروں میں اللہ تعالیٰ کی نعمت بوجھ ہو اس کی نظر میں لوگوں کی مدد بھی بوجھ ہوگی'' (چنانچہ جو شخص لوگوں کی مدد پر محنت کو برداشت نہ کرے اس نے اس نعمت کو زوال

کے لئے پیش کردیا۔

(ب) نیکی کا احسان رکھنے اور احسان جتلانے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ ایسا کرنا تنگدلی اور طبیعت کے نیچ ہونے کی علامت ہے اور اس طرح کرنے سے نیکی ضائع اور شکر بے کار ہو جائے گا۔

ایک یونانی دانشور سے کسی نے پوچھا کہ راستے کے اعتبار سے کونسا شخص تنگ اور کم درست والا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جو لوگوں سے چڑھے منہ کے ساتھ ملے اور احسان جتلائے۔

(ج) اپنی اچھی کوشش میں گناہ نہ ملائے اور نہ ہی اس شخص کو اس کی غلطی پر ڈانٹے کیونکہ پھر کامیاب ہونے کے باوجود اس ڈانٹ کا دکھ کم نہ ہو سکے گا جس کی وجہ سے شکر اور تعریف عیب بن جائے گی۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''لوگوں سے ان کی غلطیوں پر درگذر کرو''

نابغہ جعدی کا شعر ہے کہ

الم تعلما ان الملامة نفعها　　قليل اذا ما الشئى ولى فادبرا

(ترجمہ) کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ملامت کا نفع کم ہوتا ہے جو چیز جارہی ہوتی ہے وہ بھاگ جاتی ہے۔

مدد کرنے کی دوسری قسم:

مصائب میں مدد کرنا۔ اس لئے کہ اچھے برے دن آتے جاتے رہتے ہیں مصائب اندھے ہوتے (نامعلوم) ہیں، حوادث پیش آتے اور مصائب اچانک آجاتے ہیں لہٰذا ان میں صرف جاننے والا ہی عذر قبول کرتا اور اس سے صرف بچنے والا ہی بچ پاتا ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

كفى زاجرا للمرء ايام دهره　　تروح له بالواعظات و تغتدى

(ترجمہ) انسان کے لئے اس کی زندگی کے مصائب سرزنش کو کافی ہیں جو نصیحت لے

کر صبح و شام آتے جاتے ہیں۔

جب کوئی نیک شخص دوسرے کو مصائب میں مبتلا دیکھتا ہے تو اس کا کرم اور نعمتوں کا شکرا سے اس شخص کی حتی الوسع مدد کرنے پر ابھارتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔

''بھلائی سے اچھی بھلائی خود بھلائی کرنے والا شخص ہے اور برائی سے بڑی برائی اس برائی کا فاعل ہے''

ایک دانشور سے پوچھا گیا کہ سونا چاندی سے اچھی کوئی چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ (ہاں ہے) سونا چاندی عطا کرنے والا۔

مصائب میں مدد کرنے کی اقسام:

مصائب میں مدد کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ واجب، تبرع و احسان۔

واجب مدد:

یہ مدد تین قسم کے لوگوں کے لئے خاص ہے۔

(۱) اہل خانہ (۲) بھائی بہن۔ (۳) پڑوسی۔

گھر والوں کی مدد اسلئے واجب ہے کہ (رحم) قریبی رشتہ ہونے اور نسب کو بچانے کے لئے ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ شخص کبھی سردار نہیں بن سکتا جس کے گھر والے کسی اور کے محتاج ہوں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر

و ان امرءا نال المنی لم ینل به قریبا ولاذا حاجة لزهیه

وان امرءا عادی الرجال علی الغنی ولم یسال الله الغنی لحسود

(ترجمہ) وہ شخص جسے دولت ملی ہو اور وہ دولت اس کے قریبی لوگوں اور ضرورت مندوں کو نہ مل سکے تو یہ شخص حقیر ہے اور وہ شخص جو لوگوں سے ان کی مالداری کی وجہ سے عداوت رکھے اور اللہ تعالیٰ سے مالداری نہ مانگے تو یہ حاسد ہے۔

دوستوں کی مدد کیوں واجب ہے؟:

ان کی مدد اس لئے واجب ہے کہ محبت مستحکم اور عہد کی تاکید وارد ہے۔ حضرت احنف بن قیس سے خودداری کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ خودداری زبان کی سچائی اور بھائیوں کی خبر گیری اور مدد اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔

ایک دانشور کا قول ہے کہ دوست کی صفت یہ ہے کہ وہ ضرورت کے وقت تمہارے لئے اپنا مال خرچ کرے اور حکمت کے وقت نفس (جان) خرچ کرے۔ پیٹھ پیچھے تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری (عزت وآبرو مال گھرانے وغیرہ کی) حفاظت کرے۔

ایک دانشور نے دیکھا کہ دو آدمی ہمیشہ ساتھ رہا کرتے تھے کبھی جدا نہ ہوتے تھے۔ تو کسی سے پوچھا یہ دونوں کون ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ دونوں دوست ہیں؟ تو دانشور نے کہا اگر دوست ہیں تو ان میں ایک غریب اور دوسرا مالدار کیوں ہے؟

پڑوسی کی مدد کیوں واجب ہے؟:

پڑوسی کی مدد گھر کے نزدیک ہونے اور زیارت وملاقات کی جگہ متصل ہونے کی وجہ سے واجب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ

''اچھا پڑوس ہونے کا حق محض تکلیف سے ہاتھ روکنا نہیں بلکہ تکلیفوں پر صبر کرنا ہے''

بعض حکماء کا قول ہے کہ جس شخص نے اپنے پڑوسی کو بچایا اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا اور اسے بھی بچائے گا۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ جس نے اپنے پڑوسی کے ساتھ بھلائی کی اس نے اپنے حسب نسب کی دلیل پیش کردی۔

مزید حقوق:

ان تینوں جگہوں پر بھلائی کرنے اور مروت کے حقوق میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کا بوجھ اٹھائے ان کی مصائب میں مدد کرے اور خوددار اور مروت والے شخص کے لئے اس کی گنجائش نہیں کہ استطاعت ہوتے ہوئے بھی کسی اور پر چھوڑ دے یا انہیں مدد مانگنے پر مجبور

کر دے۔ بلکہ خود اس کے نفس کا کرم ان کی طرف سے سائل ہونا چاہیے کیونکہ یہ اس کی بھلائی کے محتاج اور مروت کے مہمان ہیں۔ کیونکہ جس طرح اسے اچھا نہیں لگے گا کہ اس کے گھر والے اور مہمان مانگنے اور رغبت پر مجبور ہوں اسی لئے یہ بھی اچھا نہیں لگنا چاہئے کہ جو اس کے کرم و بھلائی کے محتاج ہیں یا اس کی مروت کے مہمان ہیں وہ مانگنے پر مجبور ہوں۔

ان کے علاوہ احسان کرنا سرداری کا مرتبہ ہے:

ان تینوں جگہوں کے علاوہ ان لوگوں پر تبرع احسان کرنا جو دور کے لوگ ہیں جو نہ رشتہ داری کا وسیلہ رکھتے ہیں اور نہ کسی سبب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر اپنی نیکی اور مروت کے فضل سے تبرع کرے تو ان کے مصائب میں اور پریشانیوں میں انکا سہارا بن جائے۔ اگر ایسا کیا تو گویا اس نے مروت کے اوصاف سے بھی زائد وصف اختیار کیا اور سرداروں کی سی صفات کو پہنچ گیا۔

بعض حکماء سے پوچھا گیا کہ لوگوں کے افعال میں کون سی چیز خدا کے افعال سے مشابہہ ہے؟ اس نے جواب دیا لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔

لیکن اگر ان لوگوں کی مدد لازمی مصروفیات کی وجہ سے نہ کر سکے تو کوئی ملامت بھی نہیں جب تک کہ کوئی مجبور خود اس کے پاس نہ آ جائے۔ کیونکہ ہر ایک کا خیال رکھنا بہت مشکل اور تمام لوگوں کی کفالت کرنا ناممکن ہے۔ بوجھ اٹھانے (بانٹنے) کی بحث پوری ہوئی)

میاسرہ (نرمی کرنے کی اقسام):

نرمی کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ بیکار باتوں (غلطیوں) کو درگذر کرنا۔ (۲) حقوق کے معاملے میں کوتاہی کو نظر انداز کرنا۔

(۱) بیکار باتوں سے درگذر کرنا۔ اس لئے کہ بھول اور لغزش سے کہیں بھی مکمل بچاؤ نہیں ہے اور نہ ہی کسی نقص اور کمی سے کوئی بچا ہو سکتا ہے چنانچہ اگر کوئی غلطی و لغزش سے پاک شخص کو ڈھونڈتا ہے تو وہ زمانے پر بہت ہی ظلم کرتا ہے اور خود کو دھوکہ دیتا ہے کیونکہ یہ اپنی خواہش سے بہت دور اور اپنے اس خیالی ایجاد میں فرد واحد ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ اس شخص کا کوئی دوست نہیں جو بے عیب دوست تلاش کرتا ہے''

نوشیرواں عادل سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی ایسا شخص ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں وہ جسے موت نہیں آتی۔

چنانچہ جب زمانہ اس شخص کو اس کا مطلوب ڈھونڈ کر نہ دے اور پسندیدہ شخص نہ ملے اور یہ اکیلا لوگوں سے کٹا ہوا دور وحشت میں رہ جائے تو پھر اسے اپنے زمانے کی اس کے فیصلے میں مدد کرنا اور اپنے بھائیوں سے ان کی غلطیوں پر درگذر کرنا لازم ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کی مدارات کرنے کا حکم دیا ہے جس طرح اس نے مجھے فرائض ادا کرنے کا حکم دیا ہے''

کریم شخص کی تین خصلتیں

ایک ادیب کا قول ہے کہ تین خصلتیں ایسی ہیں جو صرف کسی کریم شخص ہی میں جمع ہوسکتی ہیں۔ (۱) پیٹھ پیچھے اس کی تعریف ہو۔ (۲) لغزش کا احتمال (۳) کم سے کم ملال کی کیفیت ہونا''

چنانچہ جب صبر کرنا (نظر انداز کرنا) لازمی ہوا اور درگذر کرنا نیکی ہوا تو اس کا اظہار بھی غلطی کے اعتبار سے زیادہ ہوگا اور اسی اعتبار سے کم بھی ہوگا۔

غلطیوں کی اقسام:

غلطیوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔۔۔ چھوٹی صغائر کبائر (بڑی)

چھوٹی غلطیاں تو ویسے ہی معاف ہوتی ہیں اور انسانی نفس ان سے نہ بچ سکنے کی بناء پر معذور ہے۔ کیونکہ لوگ اپنے اطوار کے اعتبار سے مختلف اور اخلاق کے اعتبار سے کم زیادہ ہوتے ہیں جو اس قسم کی غلطیوں سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ ان کے لئے غصہ کا پایا جانا قابل ترک اور اس پر ناراضگی بری سمجھی جائے گی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ جو اپنے بھائی سے بغیر کسی گناہ کے قطع تعلق کرے یہ ایسا ہے

جیسے کوئی کھیتی اگائے اور پھر وقت سے پہلے ہی فصل کاٹ لے۔

کبائر کی اقسام:

کبائر یعنی بڑی غلطیوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اس کا ارتکاب بھول چوک یا خطا سے ہو جائے تو اس میں بھی حرج کو دور کیا جائے گا اور ناراضگی کو وضع (ساقط) کر دیا جائے گا۔ کیونکہ خطاء سے ہونے والا گناہ اور غلطی معاف ہے اور اسے ملامت کرنا بیکار بات ہے۔ بعض حکماء کہتے ہیں کہ اپنے بھائی سے قطع تعلق مت کرو تاوقتیکہ اس کی اصلاح کی ہر تدبیر سے عاجز ہو جاؤ۔

دوست کی تین چیزیں برداشت کرو:

حضرت احنف بن قیس کہتے ہیں کہ دوست کا حق یہ ہے کہ اس کی تین چیزوں کو برداشت کرو۔ غصہ، ناز و نخرہ، غلطی۔

ابن عون نے نقل کیا ہے کہ ایک ہاشمی لڑکے نے کچھ لوگوں سے بدتمیزی کی تو اس کے چچا نے اسے سزا دینا چاہی تو وہ کہنے لگا کہ چچا جان اگر میں نے غلطی کی ہے تو میرے پاس عقل نہ تھی لیکن آپ مجھ سے برا کر کے غلطی نہ کریں جبکہ آپ کے پاس عقل موجود ہے۔

اگر شبہ ہو کہ اس کی غلطی خطا نہیں جان بوجھ کر تھی اور غلطی بھول کر نہیں قصداً تھی تو چھان بین کرے محض اپنے توہم کی وجہ سے ملامت نہ کرے اور نہ گمان کی بناء پر کرے ورنہ خود لائق مذمت ہوگا۔۔۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ چھان بین کرنا آدھی معافی ہے۔ بعض حکماء کہتے ہیں کہ تیرا گمان تجھے تیرے اس دوست سے خراب کر کے دور نہ کرے جسے یقین نے تیرے لئے صحیح قرار دیا ہے۔

کبائر کی دوسری قسم اور اس کی اقسام:

(۲) کبائر کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی جان بوجھ کر بڑی غلطی کا ارتکاب کرے اور اس نے اس سے غلطی کے ارتکاب کا ارادہ کیا ہو۔ چنانچہ غلطی کے اس ارتکاب کی چار صورتیں ہیں۔

کبائر کے ارتکاب کی پہلی صورت:

اس کا بدلہ لیا جا سکے اور اس نے اس کا بدلہ لیکر برائی کے مقابلے ویسا ہی سلوک کر لیا ہو۔ چنانچہ جس نے پہل کی ہو اس پر ملامت کی جائے گی بدلہ لینے والے پر نہیں ہوگی کیونکہ بدلہ لینے والا معذور سمجھا جاتا ہے اگر چہ معاف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جھگڑے سے بچو کیونکہ یہ قوم کے معزز کو مار دیتا ہے اور غیرت کو پیدا کرتا ہے''

بعض حکماء کا قول ہے کہ جو شخص جو چاہے وہ کرے تو اسے ایسی باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو وہ نہیں چاہتا۔

ایک ادیب کا قول ہے کہ جس شخص کو تیری طرف سے برائی (تکلیف) پہنچی ہوگی تو اس کی تمام تر کوشش تجھے تکلیف دینے کی ہوگی۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ جس نے کسی کے ساتھ برا معاملہ کیا ہو اسے بھی بدترین چیز کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بہرحال ایسی غلطیوں کو بھی نظر انداز کرنا زیادہ ضروری ہے اگر چہ بدلہ لینا گناہ نہیں۔ کیونکہ وہ شخص اپنی غلطی کا انجام دیکھ چکا ہے اگر وہ برائی تک پہنچا تو اسے بھی بدلہ دینا پڑے گا۔

کسی کا قول ہے کہ تمہارے برائی کو چھوڑنے سے وہ برائی بھی تمہیں چھوڑ دے گی اور اچھے انصاف سے محبت کرنے والے بڑھتے ہیں۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ تم جس شخص کی مصیبت کا سبب بنے ہو تمہیں اس کی مصیبت دور کرنے میں توجہ کے ساتھ محنت کرنی لازم ہے

ارتکاب کبائر کی دوسری صورت:

کبائر کی دوسری صورت یہ ہے کہ بڑی غلطی کرنے والا دشمن ہو جس کی دشمنی مستحکم ہو اور جس کی خوشحالی سخت اور بدحالی کھردری ہو چکی ہو اور وہ تکلیف دینے کے موقع کی تلاش میں ہو اپنی عاجزی کی وجہ سے غصے کے گھونٹ پی رہا ہو چنانچہ اسے کوئی تکلیف یا مصیبت آپ کے لئے نظر آئے گی وہ اس کی مدد لے گا اور اگر آپ کے لئے کوئی نعمت نظر آئی وہ عناد

برتے گا۔ ایسے شخص سے بچ کر دور رہنا زیادہ سلامتی کا باعث ہے اور اس سے جان چھڑا کر رکے رہنا ہی غنیمت ہے کیونکہ اس کی برائی کے انجام سے بچنا مشکل ہے اور اس کے مکرو حیلے سے جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔

دشمن سے اس کی حکومت میں مت ٹکراؤ:

دانشور کہتے ہیں کہ اپنے دشمن سے اس کی حکومت میں مت ٹکرانا، جب حکومت ختم ہو جائے تو اب تمہیں اس کے شر سے کفایت ہو گئی۔

حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ بیٹا۔ جس نے بھی یہ کہا ہے جھوٹ کہا ہے کہ برائی کو برائی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو اسے چاہئے کہ دو جگہ آگ جلائے اور دیکھے کہ کیا ایک آگ دوسری کو ختم کرتی ہے یا نہیں؟ برائی کو تو صرف نیکی اور بھلائی ختم کر سکتی ہے جیسا کہ پانی آگ کو بجھاتا ہے۔

دشمن کا اللہ کی نافرمانی کرنا تمہاری جنت ہے:

حضرت جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ تمہیں اپنے دشمن کے خلاف اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہونے کو اتنا کافی ہے کہ تم یہ دیکھو کہ تمہارا دشمن تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے۔

ایک دانشور کا قول ہے کہ عادل سیرت کے ذریعے دشمنوں کو مغلوب کیا جا سکتا ہے۔

ارتکاب کبائر کی تیسری صورت:

کبائر یعنی بڑی غلطی کرنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ غلطی کرنے والا کمینی طبیعت کا مالک اور خبیث الاصل ہو اسے اس کی ملامتی طبیعت نے دھوکے دیکر بداعتقادی میں ڈال رکھا ہو، اور اصلی خبث نے اسے فساد مچانے پر اکسا رکھا ہو جس کی وجہ سے وہ برائی کو برائی سمجھ ہی نہ سکے اور غلط کام سے باز نہ آ سکے یہ غلطی کا سب سے برا حال ہے کیونکہ اس سے نقصان عام ہے اور اس جیسے شخص سے بچنا سوائے دوری اور برداشت کرنے کے ممکن نہیں اور درگذر اور اعراض کئے بغیر چھٹکارا ممکن ہے۔ یہ تو بکریوں کے ریوڑ کو نقصان پہنچانے والے موذی درندے کی اور سوکھی لکڑیوں کو کھا جانے والی آگ کی طرح ہے۔ اس کے قریب صرف

ضائع ہونے اور ہلاک ہونے والا ہی جاتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ پھلدار درخت کی طرح ہیں اور ہوسکتا ہے کہ وہ کانٹے دار درخت کی مانند ہو جائیں اگر تو ان پر تنقید کرے گا وہ تجھ پر کریں گے اور اگر تو اس۔ سے بھاگے گا تو وہ تجھے ڈھونڈیں گے اگر تو انہیں چھوڑے گا تو وہ تجھ کو نہیں چھوڑیں گے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے چھٹکارا کیسے ہو؟ فرمایا ان کو اپنی عزت فاقے کے دن کے لئے قرضہ میں دیدو"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عقلمند نیک آدمی ہر ایک کا دوست ہوتا ہے سوائے اس کے کہ جو اسے نقصان پہنچائے اور جاہل کمینہ ہر آدمی کا دشمن ہوتا ہے سوائے اس کے جو اسے فائدہ پہنچائے۔۔ اور فرمایا کہ "نیک آدمی میں شر یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی بھلائی تمہیں نہ دے اور کمینے میں ایک یہی خیر ہوتی ہے کہ وہ تم سے برائی کو دور روک دے۔

ایک بلیغ کا قول ہے کہ تمہارے دشمن تمہاری بیماری ہیں ان سے دوری میں تمہاری شفا ہے۔ ایک بلیغ کا قول ہے کہ کریم (نیک شخص) کا شرف یہ ہے کہ وہ کمینہ کی طرف سے۔ تغافل برتتا ہے۔

ایک دانشور نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ میرے بچے۔ اگر لوگ تم سے محفوظ ہیں تو تمہیں کوئی ڈر نہیں کہ تم ان سے محفوظ نہ ہو۔ کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ یہ دونوں نعمتیں ایک ساتھ جمع ہو جائیں۔

ارتکاب کبائر کی چوتھی صورت:

کبائر کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی دوست بدل جائے پلٹ جائے، یا کوئی بھائی جفا اور اجنبیت دکھائے اور ظلم زیادتی کرنے لگے بھائیوں کی محبت کے بجائے دشمنیوں کی سی جفا کی طرف پھر جائے۔ ایسی صورت حال کبھی کبھار سیدھی پکی دوستیوں میں نظر آجاتی ہے

جیسا کہ صحیح سلامت اجسام میں بھی بیماریاں آجاتی ہیں۔ چنانچہ اگر ان کا علاج کیا جائے تو بیماریاں اتر جاتی ہیں۔ اگر یونہی چھوڑ دیا جائے تو جسم بیمار رہ کر ضائع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے بعض دانشوروں نے کہا ہے کہ محبت کی دوا بہت زیادہ ملاقات ہے۔

ایک غلط رائے:

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب (دوست) بھائی دور ہو جائیں تو ان سے ترک تعلق زیادہ بہتر ہے جب وہ خراب ہو جائیں تو ان کو دور پھینک دینا ہی بہتر ہے جیسے اعضائے بدن خراب ہو جائیں تو انہیں کاٹ دیا جانا زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں اور جس طرح کپڑا بوسیدہ ہو جائے تو نیا کپڑا بدن پر لینا پرانے کو پھینک کر زیادہ اچھا رہتا ہے۔

ایک دانشور کا کہنا ہے کہ جو شخص تم سے بے رغبت ہو اور تم اس میں رغبت کرواسے چاہو تو اس میں نفس کی تذلیل ہے اور جو تمہیں چاہے اور تم اس سے بے رغبتی کرو تو یہ کم ہمتی ہے۔

بزرجمہر کا قول ہے جو تم سے اپنی محبت بدل دے تو تم اسے اس طرح چھوڑ دو جیسے جان پہچان سے پہلے تھا۔

مگر ایسا کرنا ان لوگوں کا طریقہ ہے جن کی وفا کم بھائی چارہ کمزور، عادت بری اور اخلاق تنگ ہوں اور اس شخص میں بوجھ لینے کی طاقت نہیں نہ ہی برداشت اور صبر ہے لہٰذا وہ جفاء کا مقابلہ کرتا ہے غلطی پر سزا دیتا ہے اور گذشتہ حقوق کو ایک طرف ڈال دیتا ہے اور ظلم کا جواب ظلم سے دیتا ہے۔ اس نے کرم سے کام نہیں لیا نہ ہی درگذر کی طرف توجہ کی۔ حالانکہ یہ جانتا ہے کہ کبھی کبھی انسان کا نفس بھی سرکشی کر کے اسے ہلاک کر دیتا ہے اور جسم بھی بیمار ہو کر اسے تکلیف اور درد دیتا ہے حالانکہ یہ دونوں اس دوست سے زیادہ اس کے خاص ہیں اور اس پر اس دوست سے زیادہ مہربان ہیں جو الگ شخص ہے اور اپنے لوازمات کے ساتھ بالکل علیحدہ ہے۔ چنانچہ یہ شخص اپنے غیر سے اپنے لئے اس سلوک کی خواہش رکھتا ہے جو خود اس کا نفس اس کے ساتھ نہیں کر پاتا۔ چنانچہ اس کی یہ خواہش عین محال اور جہل محض ہے۔

مزید یہ کہ جو شخص برداشت نہیں کرتا وہ تنہا ہو جاتا ہے اور دوست دشمن بن جاتا ہے اور جو شخص پہلے دوست ہو اس کی دشمنی پرانے دشمن سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے۔

رب تعالیٰ کی سات نصیحتیں:

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

مجھے میرے رب نے سات باتوں کی وصیت کی' (۱) سرا و علانیۃ اخلاص کی (۲) ظلم کرنے والے سے درگذر کرنے کی (۳) محروم کرنے والے کو بھی عطا کرنے کی (۴) توڑنے والے سے بھی جوڑنے کی (۵) یہ کہ میری خاموشی فکر پر مبنی ہو (۶) میری گویائی ذکر الٰہی ہو۔ (۷) میرا غور و فکر عبرت کے لئے ہو"

پہلے دوست کو مت چھوڑیئے:

حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ میرے بیٹے اپنے پہلے دوست کو مت چھوڑنا ورنہ دوسرے سے بھی اطمینان نہ ہوگا۔ میرے بیٹے۔ ہزار دوست بنا لینا ہزار بھی کم ہیں مگر دشمن ایک بھی مت بنانا کیونکہ ایک بھی بہت ہے۔

مہلب بن ابی صفرہ سے پوچھا گیا کہ درگذر اور سزا دینے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ دونوں سخاوت اور بخل کی طرح ہیں دونوں میں سے جسے چاہو اختیار کرلو۔

غلطیوں کا سبب جاننا ضروری ہے:

جب معاملہ اس طرح ہے تو درگذر کرنے کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ غلطی کا سبب جانا جائے تاکہ بیماری کا پتہ چل جائے تو اس کا علاج کیا جائے لیکن اگر بیماری کا پتہ نہ لگے تو دوا بھی معلوم نہیں ہوسکتی۔

پھر غلطی کا سبب یا تو کسی تنگدلی کی وجہ سے ہوگا یا لغزش کی بناء پر ہوگا اگر تنگدلی کی وجہ سے ہو تنگدلی تک لانے والی باتیں بادلوں کے سائے یا نیند کے خواب کی طرح ہیں (جلد چھٹ جاتے ہیں) ''منثور الحکم'' میں لکھا ہے کہ تنگدل سے مطمئن نہ رہنا اگرچہ وہ تحفہ اور

صلہ رحمی سے مزین ہو کر آئے۔ تنگدلی کا علاج یہ ہے کہ اسے اسی تنگدلی پر چھوڑ دیا جائے تو ایک دن وہ جفا سے بھی تنگ ہو جائے گا جس طرح بھائی چارے سے بیزار ہوا تھا۔

لغزش کی تاویل کر دینا بہتر ہے:

اگر غلطی لغزش کی بناء پر ہو تو اس کے اسباب دیکھے جائیں اگر اس سبب کی کوئی تاویل کی جا سکے یا کوئی شبہ اسے کسی اچھی بات کی طرف پھیر دے تو اس کا اچھی تاویل کی طرف پھیرنا اور اچھی جہت کی طرف لوٹانا بہتر ہے۔ جیسا کہ خالد بن صفوان سے مروی ہے کہ اس کے پاس دو دوست آئے ایک نے اس پر اعتماد کیا اور دوسرے نے اس سے بات چھپائی تو خالد بن صفوان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جس نے اعتماد کیا اس نے ہم پر احسان کیا اور جس نے بات چھپائی اس کو جیسا ہم پر اعتماد تھا اس نے کیا۔

تاویل نہ ہو سکے تو ندامت اس کا مداوا ہے:

اگر اس کی لغزش کی کوئی تاویل نہ کی جا سکے تو لغزش کے بعد اس کا حال دیکھے کہ اگر اس سے ندامت ظاہر ہوتی ہے اور وہ خجل نظر آتا ہے تو ندامت اس کی توبہ اور شرمندگی رجوع ہے اور توبہ کرنے والے کا کوئی گناہ نہیں رہتا اور رجوع کرنے والے کو ملامت نہیں کی جاتی اور گذشتہ بات پر اسے عذر کا مکلف نہیں کیا جاتا ورنہ وہ جھوٹی بات بنانے کی ذلت یا جھڑکی کھانے کی شرمندگی میں بھی مبتلا ہو گا۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"معذرت میں مبتلا کرنے والے کاموں سے بچو کیونکہ ان میں سے اکثر فجور ہوتے ہیں"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس بات پر معذرت کرنی پڑے، تہمت کے لئے کافی ہے۔

مسلم بن قتیبہ سے ایک شخص نے معذرت کی تو مسلم نے اسے کہا کہ کوئی کام جس سے تم خلاصی پا چکے ہو تمہیں ایسے کام میں داخل نہ کر دے جس سے تم خلاصی نہ پا سکو۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ گناہ گار کی درخواست اس کا اقرار اور اس کی توبہ معذرت

ہے۔ ایک بلیغ کا قول ہے کہ جو توبہ قبول نہ کرے اس کی غلطی بہت بڑی ہے اور جو توبہ کرنے والے سے حسن سلوک نہ کرے اس کی غلطی بھیانک ہے۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ نیک شخص وہ ہے جو معافی کو عام کردے جبکہ غلطی کی وجہ سے معذرت کرنا کسی کو مشکل ہو جائے۔

اگر کسی نے اس کی توبہ سے پہلے عذر پیش کرنے میں جلدی کی اور اس کے خود رجوع کرنے سے پہلے خود ہی کوئی بات کرلی تو عذر توبہ اور اس کی طرف سے رجوع سمجھ لیا جائے اور اس عذر کی اندرونی بات کھولنے کو نہ کہے اور اس کے ظاہری جھوٹ پر سختی نہ کرے ورنہ کامیابی کے باوجود ناکام اور برابدلہ دینے والا سمجھا جائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ جس پر تیزی غالب ہو اس کی محبت سے دھوکہ مت کھاؤ اور ایک دانشور کا قول ہے کہ غلطی کرنے والے کی شرمندگی کو عذر کی طرف پھیر دو (اسے معذرت سمجھو)

جو غلطی پر مصر ہو اس سے متارکت کرلیں:

اگر ایسا شخص خود کو اس کی لغزش میں مبتلا رہنے دے اور عذر معذرت اور بات بنانے کے ذریعے تدارک نہ کرے اور نہ ہی توبہ ورجوع کے ذریعے لغزش کو مٹائے تو اس کے حال کی رعایت یہ ہے کہ اس سے متارکت کرلی جائے۔ تو بعد میں اس میں تین باتوں میں سے ایک بات ضرور نظر آئے گی۔

(۱) یا تو وہ اپنے برے عمل سے باز آ جائے گا اور سابقہ لغزشوں کو چھوڑ چکا ہوگا چنانچہ یہ باز آ جانا بھی ایک توبہ اور برے عمل کو چھوڑنا بھی ایک عذر ہے۔ لہٰذا آپ خود ہی اس سے درگذر کر کے اس کی معذرت قبول کریں اور اس پر فضل کر کے کوئی بات بنا دیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ غلطی کرنے والے پر احسان کرنے والا سردار ہے۔

(۲) یا پھر وہ اپنی سابقہ غلطی پر قائم ہوگا نہ اس نے بالکل ترک کی ہوگی اور نہ ہی متجاوز ہوا ہوگا۔ کیونکہ مرض کا ایک حد پر رک جانا بھی ایک قسم کی شفا ہے اور اس کا غلطی میں آگے بڑھنے سے باز رہنا بھی ایک قسم کی بھلائی ہے۔ چنانچہ اس نے آگے نہ بڑھ کر اصلاح کا ایک حصہ کرلیا دوسرے حصے کی اصلاح آپ کردیں۔ خبردار اس میں تاخیر نہ کرنا کیونکہ

تاخیر اصلاح شدہ حصے کو بھی خراب کردے گی اور تلافی خراب حصے کو بھی درست کردے گی۔ کیونکہ بیمار حصہ جسم کی بیماری کا علاج نہ کرایا جائے تو وہ صحیح حصہ جسم کو بھی خراب کر دیتی ہے اور علاج کیا جائے تو صحت بیمار حصہ پر چھا جاتی ہے۔

(۳) یا پھر وہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اور بڑھ گیا ہوگا اور لغزش میں اضافہ ہو گیا ہوگا۔ یہ دشوار علاج بیماری ہے اگر اس کا تدارک ممکن ہو اور اصلاح ہو سکتی ہو کہ اسے اس غلطی سے نیچے لایا جائے اگر وہ بہت بڑھا ہوا ہو۔ اگر کم بڑھا ہو تو لعنت ملامت کر کے لایا جائے اور اگر درمیانہ حال ہو تو سزا دی جائے ورنہ بیماری کی انتہا تو مایوسی اور عاجزی ہے اور جس کے اعذار اپنی انتہا کو پہنچ جائیں اس پر کوئی ملامت نہیں اور اپنی بدبختی پر قائم رہنے والا سرکش مرگی زدہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جو شخص بغاوت کی تلوار سونت لے وہ تلوار اس کے سر (کو نیام قرار دے کر اس) میں گھونپ دی جائے۔ بس یہ علاج ہے۔

حقوق میں معافی دینا:

آسانی کرنے کی دوسری قسم حقوق میں (مسامحت) معافی دینا ہے۔ کیونکہ کسی چیز کا پورا ادا کرنا موحش اور انتہاء تک پہنچانا بیزار کرتا ہے جو کوئی اپنا پورا حق ان مشکل نفوس سے کنجوسی یا لالچ کی وجہ سے لینا چاہتا ہو تو وہ حق اس تک بغیر منافرت اور پریشانی کے نہیں پہنچے گا اور یہ اس پر سختی اور بیزاری کے بغیر قادر نہ ہوگا کیونکہ لوگوں کے دلوں میں اس کو مشقت اور تکلیف دینے والے سے بیزاری ہوتی ہے اور جو بیزار کرے اور جھگڑا کرے اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

بالکل اسی طرح دلوں میں آسانی دینے والے اور چشم پوشی کرنے والے کے لئے محبت ہوتی ہے اس لئے مروت کے امور میں لوگوں سے آسانی اور چشم پوشی سے کام لینا ضروری ہے اسی طرح اچھی طرح بات کرنا اور نرمی کرنا بھی۔ حکماء کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے دوستوں سے چشم پوشی کرے گا ان کی محبت اس کے لئے دائمی ہوگی۔ ایک ادیب کا قول ہے

کہ جب تم دلوں کی عمدہ چیز پکڑ لو گے تو تمہاری پیداوار بڑھے گی اور اگر انتہا تک پہنچانا مانگو گے تو پیداوار روک دو گے۔

پھر مسامحت کی دو قسمیں ہیں:

معاملات میں اور حقوق میں

معاملات:

ان میں آسان ادائیگی اور کم سے کم روک ٹوک اور غیر موجودگی میں امن اور مکرو دھوکے سے اجتناب ہونا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

دنیا کی طلب میں اچھا رویہ اختیار کرو کیونکہ ہر شخص کو وہ چیز بآسانی ملے گی جو اس کے لئے لکھدی گئی ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

''کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا ''ضعیف کے ساتھ رعایت''

ابن عون نے نقل کیا ہے کہ عمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری کے لئے ایک تہبند ساڑھے چھ درہم میں خریدا اور تاجر کو سات درہم دیئے تو تاجر نے کہا کہ یہ ساڑھے چھ درہم کا ہے۔ تو عمر بن عبداللہ بولے کہ میں نے یہ تہبند ایسے شخص کے لئے خریدا ہے جو اپنے دوستوں کے لئے درہم توڑتا نہیں ہے۔

معاملات کی ایک بڑی غلطی:

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ معاملات میں سستی عجز ہے اور معاملے کو انتہا تک پہنچانا سمجھ داری ہے حتیٰ کہ وہ معمولی سی چیز کے بارے میں بھی بحث کرتے ہیں اگر بہت بڑی رقم دے چکے ہوں۔ جیسا کہ جناب عبداللہ بن جعفر (صاحب جود وسخا) کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ایک درہم کے لئے جھگڑ پڑے حالانکہ ان کی سخاوت کی تو مثالیں مشہور ہیں۔ تو کسی نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو میرا مال ہے جس سے میں

سخاوت کرتا ہوں اور (جھگڑنے کا مسئلہ) میری عقل تھی جس سے میں بخل کر گیا۔

ہاں جھگڑا کرنا اہل مروت کو وہاں درست ہے جہاں نیچ لوگ ان کو دھوکہ دینے لگیں یا کنجوس لالچی لوگ ان سے دھوکا کریں۔ تو یہی وجہ عبداللہ بن جعفر کے ساتھ بھی ہوئی تھی''۔

البتہ قیمت کم کرانے یا معاف کرانے کے لئے جھگڑنا یہ تو ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ فیاضی اور شان بہروت کے خلاف ہے۔

حقوق کے معاملے میں مسامحت (معافی) کی دو قسمیں ہیں احوال میں، اموال میں

احوال میں مسامحت (رتبہ کا جھگڑا ترک کرنا):

یہ مرتبہ کے جھگڑے کو دور کرنا اور آگے بڑھنے میں رغبت و مقابلے کو چھوڑ دینا ہے کیونکہ دلوں کی اس میں تنگی بہت ہوتی ہے اور عناد بھی بہت ہوتا ہے اگر اس معاملے میں مقابلہ ترک کر دے تو ایسا شخص اچھے اخلاق اپنا کر انہیں بہترین آداب میں استعمال کر کے بہت سا مال دیگر مہربانی کرنے سے زیادہ دلوں میں جگہ بنا سکتا ہے اس طرح رتبہ میں زیادہ اضافہ ہوگا اور یہ عزت بڑھنے میں زیادہ موثر ہے۔

لیکن اگر تنگدلی دکھائی اور جھگڑا کیا تو خشک اخلاق اور ان کے غلط استعمال کی وجہ سے دلوں کو تلوار کی دھار اور نیزے کے زخم سے زیادہ تکلیف دے گا اور پھر ایسا کرنا انسان کے مرتبے کو گراتا ہے اور عزت بڑھنے میں رکاوٹ ہے۔

ایک مرتبہ ابن ابی داؤد کے ہاں ایک ہاشمی نوجوان نے لوگوں کی گردنیں پھلانگیں تو انہوں نے کہا اے نوجوان آداب تو اشراف کی میراث ہوتے ہیں مگر میں تمہارے اندر تمہارے آباء کی میراث کا اثر نہیں دیکھ رہا۔

مال میں مسامحت (مالی حقوق کی معافی):

اس کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) مال نہ ہونے کی صورت میں اپنا حق ساقط کرنا۔ (۲) عجز کی صورت میں اپنے حق کی وصولی میں تخفیف کرنا۔ (۳) تنگدستی کی صورت میں حق معاف کرنا۔ مال کی معافی اپنے اسباب مختلف ہونے کے ساتھ اسلاف سے چلی آرہی

مہربانی اور لائق شکر محبت کا باعث ہے کیونکہ ایک کریم شخص اپنے ہاتھ میں موجود مال کو خرچ کرتا اور سخاوت کر کے ختم کر ڈالتا ہے تو بطریق اولیٰ اپنے ہاتھ سے نکلا ہوا مال سخاوت سے معاف کر دے اور اس کی جدائی کو ہنسی خوشی اور دل کی رضا کے ساتھ اس کے معاف کرنے سے راضی ہو جائے اور کبھی کبھی تو اس قسم کی معافی وہ لوگ بھی کر دیتے ہیں جو نیکی کو نہیں مانتے اور صلہ رحمی سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ تو نیک شخص کے لئے یہ بڑا اچھا اور نیک موقع ہوگا (کہ اسے معافی کا عظیم ثواب حاصل ہو) اور کبھی یہ مسامحت و معافی سائل کو لوٹانے اور منع کر دینے سے بھی خالی ہوتی ہے کیونکہ سائل نے جب آپ سے سوال کرنے کی ہمت کی ہے تو آپ کے منع کرنے کے بعد وہ دوسرے سے سوال کرے گا اور پھر ہر وہ شخص جو آپکے حق کا مقروض اور قیدی ہے وہ آپ سے معافی اور آسانی کا طلبگار اور محتاج نہیں۔ پھر ایسا کرنے سے آپ اچھی تعریف اور بڑے اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔

مہربانی کرنا (کچھ عطا کرنا):

مہربانی کرنے کی دو صورتیں ہیں (۱) نیکی کرنے کے لئے مہربانی کرنا۔ (۲) اپنے آپ کو بچانے عزت محفوظ رکھنے کے لئے مہربانی کرنا۔

(۱) نیکی کرنے کے لئے:

نیکی کرنے کے لئے مہربانی کی بھی دو صورتیں ہیں۔ (۱) جو شکر کرنے والے کو سخاوت کی وجہ سے شکر گذاری کا موقع عطا کرے۔ (۲) دوسری یہ کہ جو ناراض ہونے والے اور نفرت کرنے والے کے دل میں محبت پیدا کرے۔ یہ دونوں صورتیں مروت کی شرطیں ہیں کیونکہ ان سے نیکی کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں دوست احباب کی کثرت ہوتی ہے اور شکر گذاروں پر جس شخص کی مہربانیاں کم ہوں اور وہ ٹوٹنے والے اور ناراض کا دل جوڑنے اور لبھانے سے اعراض برتتا ہو تو وہ ایک دھتکارا ہوا ناقابل اعتناء حقیر شخص بن کر رہ جاتا ہے اور ایسے شخص کی کوئی مروت و خودداری نہیں ہوتی اور نہ ہی حقیر مانے جانے والے شخص کی کوئی قدر رہتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب بھی لوگوں نے میرے کسی دنیاوی حق پر میری دادرسی کی تو میں نے دنیا کا پہلوان کے لئے بچھا دیا۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ کسی منعم کی نعمت کا ادنی سے ادنیٰ حق یہ ہے کہ اس نعمت کو منعم کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے اسحاق بن ابراہیم موصلی کا شعر ہے۔

یبقی الثناء و تذهب الاموال ولکل دهر دولة ورجال

مانال محمدة الرجال و شکرهم الاالجواد بماله المفضال

لاترض من رجل حلاوة قوله حتی یصدق مایقول فعال

(ترجمہ) تعریف باقی رہ جاتی ہے اور مال ختم ہو جاتے ہیں اور ہر زمانے کی حکومتیں اور افراد ہوتے ہیں اور لوگوں کی مدح اور شکر کو صرف اپنے مال سے مہربانی کرنے والے سخی ہی حاصل کرتے ہیں۔ تم کسی شخص کی میٹھی بات سے خوش مت ہونا حتی کی اس کے قول کی تصدیق اس کے افعال نہ کردیں۔

مال کے ذریعے نہ سہی ہمدردی سہی:

اگر مال سے مہربانی و نیکی کرنے سے حال تنگ ہو تو گویا یہ شخص نیکیوں کے آلے کے سہارے سے محروم اور مروت کی مضبوط شرط کو کھو بیٹھا۔ چنانچہ اسے خود اپنے نفس سے مدد کرنے والے کی طرح ہمدردی کرنی چاہئے اور اسے کسی جوڑنے اور محبت کرنے والے کی طرح نکھارنا چاہئے۔ متنبیؔ کا شعر ہے کہ

فلیسعد النطق ان لم تسعد الحال

اگر مال اچھا نہیں ہوتا تو زبان (کی بولی) اچھی ہونی چاہئے۔

اگر وہ مہربانی کرنہ سکے اگرچہ زبانی خوب کوشش کرے مگر مہربان لوگوں کے پیچھے ہی رہے تو لوگ دینے والے اور ہاتھ روکنے والے کو برابر نہیں سمجھتے لوگوں کو صرف عمل کے بجائے میٹھے بول سے قناعت حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی صرف بول مال کا متبادل ثابت ہوتا ہے (نہ لوگوں کو غنی کرتا ہے) لوگ اسے محض رات کو پکارنے والا الو ہی سمجھیں گے جو آواز

نکالتا بھی رہے تو اس کی آواز سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

یجود بالوعد ولکنه یدهن من قارورة فارغه

(ترجمہ) وہ وعدوں کی سخاوت تو کرتا ہے لیکن خالی پیالے سے فریب دیتا ہے۔

چنانچہ لوگوں کے پاس جو مال کے بغیر آئیگا خالی سمجھا جائیگا اور جو مال مہربانی کے سوا ہوگا وہ ان کے نزدیک ذلیل مال ہوگا اور ہم اس سے پہلے مہربانی کرنے کی شروط پر کافی کلام کر چکے ہیں۔

(۲) عزت بچانے کے لئے مہربانی کرنا:

عزت بچانے کے لئے مہربانی (مال دینا) اس لئے کی جاتی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے فضل عطا کیا ہو وہ نعمت کے حاسد اور فضیلت کے منکر معاند سے خالی نہیں ہوتا اور جہالت ان لوگوں سے عناد کا اظہار کراتی رہتی ہے اور بے وقوفی کی وجہ سے ملامت اسے بکواس کرنے پر اکساتی ہے لہٰذا با فضل شخص اگر بے وقوفوں کو روکنے اور بکواس کرنے والے کی طرف سے غافل ہو جائے تو وہ گویا ڈاکوؤں کے لئے اپنی عزت کو ہدف بنا دیتا ہے اور اس کا حال مصائب کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ لیکن جب بے وقوف رک جائے اور بکواس کو دور کر دیا جائے تو عزت محفوظ اور نعمت بچ جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جس مال سے آدمی اپنی عزت بچائے وہ صدقہ ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اپنے اموال کے ذریعے اپنے حسب (ووقار) کی حفاظت کرو'' ایک شخص نے زہری کی مدح کی تو انہوں نے اپنی قمیص اسے دیدی۔ تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ نے شیطانی کلام پر بھی مال عطا کر دیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص بھلائی چاہتا ہو وہ شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص والدین سے نیکی کرنا چاہے وہ شعراء کو کچھ دے دیا کرے''۔ یہ بات بہت صحیح ہے کیونکہ شعر پردہ ہے جس کے اندر مدح اور ہجو دونوں موجود ہیں۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ شاعر سے دوستی مت کرو کیونکہ وہ قیمت

لیکر مدح کرے گا اور ہجو مفت میں کرے گا۔

بے وقوفوں سے مہربانی کی دو شرطیں:

بے وقوفوں کو مہربانی کر کے روکنے کی دو شرطیں ہیں وہ یہ کہ ان کو خفیہ طور پر دے تا کہ بے وقوفوں کی لالچی صفوں میں بات نہ پھیلے ورنہ وہ سب مال کھینچنے کو چلے آئیں گے کہ اگر لفٹ اور مال نہ ملا تو گالیاں دیں گے اور عیب لگائیں گے۔ کہ مال دینے کے لئے خوش معاملگی کی کوئی صورت تلاش کرے اور مال دینے کے لئے کوئی سبب ضرور بنالے تا کہ بے وقوف یہ نہ سمجھے کہ یہ اس کی بے وقوفی اور دائمی بکواس کی بناء پر دیا جارہا ہے۔

جب تک زندہ ہیں اپنے اخلاق کی خبر گیری کیجئے:

یہ بھی یاد رکھئے کہ جب تک آپ زندہ ہیں اپنے محاسن کو ملحوظ رکھئے اور اپنی ذات کی عیوب و نقائص سے حفاظت کرتے رہئے ورنہ اس کے بعد تو بات تو صرف پھسلتی ہے اور پھر نہ تو کوئی دوست مدد کرسکتا ہے اور نہ اس کا بھائی حمایت کرتا ہے لہٰذا ایسا کام کریں تا کہ لوگوں میں آپ کی اچھے نام سے شہرت ہو اور آپ کی اچھائیوں کی لوگوں میں تعریف ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپکا اجر محفوظ ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔ (۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ (۲) صحت کو بیماری سے پہلے۔ (۳) مالداری کو غربت سے پہلے۔ (۴) فراغت کو مصروفیت سے پہلے۔ (۵) زندگی کو اپنی موت سے پہلے

اس فصل میں مروت کا اتنا ہی بیان کافی ہے ورنہ تو ہماری کتاب پوری کی پوری محض اسی کا اور اس کے حقوق کا بیان ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

آٹھویں فصل

متفرق آداب کا بیان

جان لیجئے کہ آداب احوال کے الٹنے پلٹنے اور عادات کے بدلنے سے مختلف ہوتے ہیں ان سب کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے نہ ہی انکا شمار ہوسکتا ہے ہر انسان اپنی استطاعت کے مطابق اپنے زمانے کے آداب کو یاد رکھتا اور اپنے زمانے کی عادات کے عرف کو اچھا سمجھتا ہے۔ اگر سب کو جمع کرنا ممکن ہوتا تو پہلا ادب دوسرے ادب سے مستغنی کر دیتا اور پہلے والا انسان بعد والے کو اس کے اختیار کرنے کے بجائے خود کافی ہو جاتا اور آخر والے کا کام صرف یہ ہوتا کہ وہ ذہن سے نکل جانے والے کو یاد رکھے اور بکھرے ہوئے کو جمع کرے پھر اپنے موجودہ زمانے کی عادات اور حکم کے سامنے اسے پیش کرے جو اس زمانے کے موافق ہوتا اسے ثابت رکھے اور جو مخالف ہوتا اسے رد کر دے پھر اپنے ذہن کو مزید آداب کے استنباط اور فوائد کے استخراج پر لگاتا۔ اگر چیز مددگار ثابت ہوتی تو اس کے حصول میں کامیاب ہوتا اور اس کی فضیلت حاصل کرتا۔ پھر اس سب کی تعبیر اس وقت کی گفتگو اور اہل زمانہ کے عرف کے مطابق کرتا کیونکہ ہر زمانے کی گفتگو میں اپنی عادت اور معروف عبارت ہوتی ہے تاکہ دل میں اچھی طرح اترے اور سمجھ میں جلدی آسکے پھر ان سب کو اس کے اوائل اور مقدمات پر مرتب کرتا اس کے اصول وقواعد پر اسے حسب اقتضائے حسن ثابت کرتا۔ کیونکہ علم کی ہر نوع کا اپنا رخ ہے۔ یہی زیادہ واضح مسلک اور آسان ماخذ ہے یہ کل پانچ شروط ہیں۔ یہ آخری شخص کا کام ہے۔

اسی طرح کی گفتگو اس وقت بھی کی جاتی ہے جب ہر دور کے لئے نئے آداب وقواعد مرتب کئے جاتے۔ تو اس صورت میں پہلے کے اصول وآداب کو اختیار کرنا بیکار محنت اور خوا مخواہ کا قابل نفرت تکلیف ہوتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ان شروط کی ادائیگی پر توفیق مانگنے اور ان حقوق کو پورا کرنے میں مدد کا سوال کرتے ہیں۔ تاکہ ہم تکلیف (مکلّف ہونے) کی مذمت سے بچ جائیں اور کوتاہی

کے عیوب سے بری ہو جائیں۔ اگرچہ تھوڑی بہت غلطی قابل معافی اور خطا کرنے والا معذور ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس نے کوئی کتاب تصنیف کی اس نے ہدف تلاش کیا اور جس نے اچھی طرح انجام دیا اس نے مہربانی کی اگر غلطی کی تو اس نے ظلم کیا۔ اس سے پہلے ابواب گذر چکے جن میں کئی فصول شامل تھیں میں ان کا دوبارہ ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

انسان کے کھانے پینے کے متعلق اور دواعی:

اسی سے انسان کا کھانے پینے کا حال ہے۔ اس کی طرف دو چیزیں داعی ہوتی ہیں۔

(۱) ضرورت۔ (۲) اکسانے والی خواہش۔

پہلا داعیہ ضرورت:

چنانچہ ضرورت انسان کو اس کھانے پینے کی جانب بلاتی ہے جو بھوک کو مٹا سکے پیاس کو بجھا سکے اور یہ انسان کے لئے عقلا و شرعا مستحسن بھی ہے کیونکہ اسمیں نفس کی حفاظت اور جسم کی نگرانی بھی ہے اس لئے شریعت میں دو دن کے متصل روزے رکھنے سے منع کیا گیا ہے (جس میں کوئی فصل رات وغیرہ کی نہ ہو) کیونکہ ایسا کرنا جسم کو کمزور کرنا اور نفس کو مار دیتا اور عبادت سے عاجز کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ شریعت میں منع ہے اور عقل بھی اس سے دور کرتی ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو ضرورت کے مطابق بچا نہیں سکتا اس کا نیکی اور زہد میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ وہ اپنے نفس کو عجز اور ضعف کی بناء پر جن افعال طاعت سے روک رہا ہے ان کا ثواب زیادہ اور اجر بڑا ہے کیونکہ مباح کے ترک میں اتنا ثواب نہیں جو نیک کاموں کے کرنے پر ملنے والے ثواب کا مقابلہ کر سکے اور جو شخص اپنے آپ کو کثیر اجر سے خسارے میں رکھے یا آخرت میں ذخیرہ ہونے والے اجر سے محروم رکھے۔ خیر اور بھلائی میں اس کی بے رغبتی اس کی رغبت سے زیادہ قوی ہے اور اس صورت میں اس کے لئے اس عمل واجب کی ادائیگی میں سوائے خواہش ریاکاری اور شہرت کی تمنا کے کچھ نہیں بچتا۔

(۲) کھانے پینے کی خواہش:

اس خواہش کی دو قسمیں ہیں۔ (الف) اضافے اور کثرت کی خواہش (ب) مختلف النوع اور مختلف مزے والے کھانے کھانے کی خواہش۔

(۱) اضافے اور کثرت کی خواہش:

اس قسم کی خواہش ضرورت سے زائد کھانے اور کفایت کی حد سے زیادہ بڑھنے کی خواہش ہے جو کہ عقل اور شریعت دونوں کی نظر میں ممنوع ہے۔ کیونکہ کفایت سے زیادہ کھانا تکلیف کا باعث ہے اور اس کی حرص نقصان دہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ

''خبردار بسیار خوری سے بچو کیونکہ یہ دین کے لئے مفسد اور بیماری کی مورث اور عبادت میں سستی پیدا کرنے والی ہے''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اگر تو بسیار خور ہے تو خود کو بوڑھا شمار کر''۔

ایک بلیغ کا قول ہے کھانا کم کردو نیند اچھی آئے گی۔

ایک ادیب کا قول ہے''بسیار خوری ملامت ہے اور کھانے کی حرص (ندیدہ پن) نحوست ہے''

ایک دانا کا قول ہے کہ سب سے بڑی دوا غذا کا مناسب مقدار میں ہونا ہے۔

کم من لقمة منعت اخاها   بلذة ساعة اكلات دهر

وكم من طالب يسعى لامر   وفيه هلاكه لو كان يدرى

(ترجمہ) کتنے ہی لقمے ایسے ہیں جو کھانے والے کو ایک گھڑی کی ذلت کی وجہ سے زمانے تک کے کھانوں سے روک دیتے ہیں اور کتنے ہی کسی کام کو چاہنے والے ہیں حالانکہ اس کام میں ان کی ہلاکت ہوتی ہے اگر وہ جان لیں۔

بہت سے کھانے ہیضہ کر دیتے ہیں کھانے پینے سے ہی محروم کر دیتے ہیں ابو یزد مدنی نے عبدالرحمن بن مرقع سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''اللہ تعالیٰ نے پیٹ سے زیادہ شر سے بھرا کوئی برتن نہیں پیدا کیا۔ اگر اس کے بھرے بغیر چارہ کار نہ ہو تو اس کا ایک تہائی کھانے سے ایک تہائی پانی سے اور ایک تہائی ہوا سے بھرو''

(۲) مختلف النوع کھانے کھانے کی خواہش:

کھانے کی خواہش کی دوسری قسم لذیذ اشیاء کی خواہش اور نفس کا شہوت انگیز لذائذ کے حصول کے لئے جھگڑا کرنا ہے۔

چنانچہ ان کے حصول کے لئے لوگوں کے نظریئے مختلف ہیں۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ نفس کو ان سے دور کرنا ہی بہتر ہے اور نفس کو لذتوں کی خواہش کی پیروی سے زبردستی دور رکھنا زیادہ لائق اور بہتر ہے تاکہ نفس پر قابو پانا آسان ہو ورنہ نفس کو اس کی خواہشات پر دسترس دے کر اتراہٹ دینا اس کو سرکش بنا دیتا ہے اور تکبر میں مبتلا ہو کر ہلاک کر دیتا ہے کیونکہ اس کی خواہشات تو لامتناہی ہیں تو جب اسے اپنی پسندیدہ چیز ملے گی تو وہ ان خواہشات کی طرف بڑھے گا جو اس سے نئی پیدا ہوں گی تو انسان اپنی ختم نہ ہونے والی خواہشات کا اسیر اور نہ تھمنے والی نفسانی ہوس کا غلام بن جائیگا اور جس کا یہ حال ہو جائے اس کی درستگی کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی اور نہ اس میں کوئی اچھائی پائی جاسکتی ہے۔

اس طرح کے حال سے خوف رکھنے کے حوالے سے مروی ہے کہ

''ابو حزم رحمتہ اللہ علیہ جب بھی کسی پھل کے قریب سے گذرتے اور انہیں اس کی خواہش ہوتی تو فرماتے کہ تمہارا جنت میں وعدہ کیا گیا ہے''

نفس کی ہر خواہش پوری کریں یا نہ کریں؟

پہلا قول: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نفس کو اس کی من پسند چیزوں پہ دسترس دینا زیادہ بہتر ہے اور اس کو اس کی خواہش کے مطابق جائز چیزیں دینا اس کے زیادہ لائق ہے کیونکہ اپنی من چاہی چیزوں کا حصول نفس کے لئے راحت کا سبب بنتا ہے اور لذتوں کو پانے سے نشاط اور خوشی حاصل ہوتی ہے لہٰذا نفس سے محرومی کی ذلت اور مجبوری کا غم دور ہو جاتا ہے۔ اس لئے حاصل کرنے میں کوتاہی مت کرو، جدوجہد سے پیچھے مت ہٹو اور نہ ہی اس کے لئے مدد حاصل کرنے میں سستی کرو۔

دوسرا قول: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دونوں باتوں میں اعتدال رکھنا ضروری ہے کیونکہ نفس کو اس کی ہر من پسند خواہش عطا کرنا کند ذہنی ہے اور کند ذہن نفس عاجز ہے اور نفس کو اس کی کچھ خواہشات سے باز رکھنا زبان درازی سے روکنا ہے اور بعض خواہشات پر دسترس نہ دینا کند ذہنی کو ختم کرنا ہے''

° (مصنف کہتے ہیں) میری عمر کی قسم یہ تمام مذاہب میں بہترین اور زیادہ محفوظ مسلک ہے کیونکہ تمام معاملات میں اعتدال رکھنا قابل تعریف ہے۔

اب جبکہ کھانے کے بارے میں گفتگو ہو چکی تو ضروری ہے کہ اب لباس کے بارے میں کچھ گفتگو کر لی جائے۔

لباس کے آداب:

جان لیجئے کہ اگرچہ کھانے پینے میں ضرورت زیادہ داعی ہے لیکن لباس میں ضرورت شدید ہے اور اس کی احتیاج بھی ہے کیونکہ لباس میں جسم کی حفاظت تکلیف کا رفع، ستر پوشی اور زینت کا حصول بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

''اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے ستر کو چھپاتا اور تمہارا ذریعہ معاش ہے اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے''

یعنی تمہارے لئے لباس بنایا جو تمہارے ستر کو چھپاتا ہے ستر کو ''عورت'' کہتے ہیں اس لئے کہ اس میں ''برا سمجھنا'' ہے کہ وہ یہ کہ ہر ایک کو اپنے جسم کے ستر کا کھلنا برا محسوس ہوتا ہے

''ریشا'' کی تفسیر:

قرآن کریم میں اس جگہ ''ریشا'' کا لفظ ہے جس کے چار معانی مفسرین نے بیان کئے ہیں۔

(۱) اس سے مراد ''مال'' ہے۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔

(۲) اس سے مراد لباس عیش اور نعمت ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۳) اس سے مراد (ذریعہ) معاش ہے۔ یہ قول معبد ''جہنی'' کا ہے۔

(۴) اس سے مراد خوبصورتی ہے۔ یہ قول عبد الرحمٰن بن زید کا ہے۔

''لباس التقویٰ'' کی تفسیر:

اسی طرح آیت میں لفظ لباس ''التقویٰ'' ہے۔ اس کے چھ معنی مفسرین نے بیان کئے ہیں۔

(۱) لباس التقویٰ سے مراد ''ایمان'' ہے یہ قول قتادہ اور سدی کا ہے۔

(۲) اس سے مراد ''عمل صالح'' ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۳) اس سے ''سمت حسن'' (حلیہ و اطوار صالح) مراد ہے یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

(۴) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی خشیت ہے۔ یہ حضرت عمرو بن زبیر کا قول ہے۔
(۵) اس سے مراد ''حیاء'' ہے معبد جہنی کا قول ہے۔
(۶) اس سے ''ستر عورت'' مراد ہے یہ عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے۔

''ذلک خیر'' کی تفسیر:

اسی طرح آیت میں ''ذلک خیر'' کا لفظ ہے جس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔
(۱) یہ اس سے پہلے اس آیت کے تمام الفاظ کی طرف راجع ہے۔ یعنی پوری آیت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ ''خیر'' ہے۔
(۲) ذلک کا اشارہ ''لباس التقویٰ'' کی جانب ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ تقویٰ کا لباس ریاش اور لباس دونوں سے بہتر ہے۔ یہ قتادہ اور سدی کا قول ہے۔

لباس کے تین کام:

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے لباس کی تعریف بیان کی اور اسے احسان کے طور پر بیان فرمایا تو معلوم ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لباس کی شدت احتیاج کی وجہ سے نعمت اور مدد ہے۔ تو جب اس طرح ہے تو لباس میں تین باتیں ہوئیں۔
(۱) تکلیف کا دور ہونا۔ (۲) ستر پوشی۔ (۳) خوبصورتی اور زینت۔

تکلیف دور کرنا:

(۱) تکلیف کا دور کرنا تو عقل کے ذریعے بھی واجب معلوم ہوتا ہے کیونکہ عقل تکلیف سے دور کا تقاضا کرتی ہے اور فائدے کا حصول مانگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اور اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے سایہ بنایا اور پہاڑوں میں سے حفاظت کی جگہیں بنائیں اور لباس بنایا جو تمہیں گرمی سے اور دوسرا لباس تمہیں لڑائی میں محفوظ رکھتا ہے''
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں بتایا ہے لیکن اسے اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ اس کی ضرورت پر عقل کا تقاضا طبیعت کا رجحان کافی ہے۔ سائے سے مراد ''درخت'' پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ سے رہنے کی جگہ مراد ہے۔ گرمی سے بچانے والے لباس سے کتان اور روئی کا کپڑا (لٹھا) مراد ہے اور لڑائی میں بچانے والے لباس سے لڑائی کا سامان

مراد ہے (جس میں ہتھیار خود زرہیں وغیرہ اور لوہے سے بنے آج کل کے تمام ہتھیار وغیرہ سب شامل ہیں)

اگر کوئی یہ کہے کہ گرمی سے بچانے والے لباس کا ذکر کیا سردی کے لباس کا نہیں کیا؟ اور یہ کہ پہاڑوں کی مشکل رہائش کا ذکر کیا مگر (آسان) زمین کی رہائش کا ذکر نہیں فرمایا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱) یہ قوم پہاڑوں اور خیموں میں رہنے والی تھی اسی طرح گرمی والے علاقے کی باسی تھی لہٰذا جو چیز ان کے لئے خاص نعمت تھی اس کو ذکر کیا۔ یہ عطاء کا قول ہے۔

(۲) یہاں ایک کو ذکر کر کے دوسرے کے ذکر سے اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ جب معلوم ہے کہ لباس گرمی سے بچاتا ہے تو سردی سے بھی بچاؤ ہوگا اور جو پہاڑوں میں رہائش کرے گا وہ زمین کی رہائش بھی اختیار کرے گا۔ یہ جمہور علماء کا قول ہے۔

ستر پوشی کے آداب:

ستر پوشی عقلاً واجب ہے یا شرعاً؟ اس بارے میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ستر پوشی عقلاً واجب ہے کیونکہ اس کے ظاہر ہونے میں قبح ہے اور جو چیز قبیح ہو عقل اس سے مانع ہے۔ دیکھئے حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے منع کردہ درخت کا پھل کھایا تو ان پر سے جنت کا لباس اتر گیا اور انہوں نے اپنے ستر کو جنت کے دوسرے درختوں کے پتوں وغیرہ سے چھپالیا اور یہ صرف ان کی عقل کے ستر کھلنے پر متنبہ ہونے سے کیا اور ستر کھلنے کو برا سمجھا کیونکہ وہ ستر کھلنے اور ستر کھلنے کے بعد بھی اسے چھپانے کے شرعاً مکلف نہیں کئے گئے تھے نہ ہی ستر پوشی سے پہلے۔

ایک گروہ کا کہنا ہے ستر پوشی شرعاً واجب ہے کیونکہ ستر بھی جسم کا حصہ ہے اور عقل اس کے سوا باقی جسم کو چھپانے کا تقاضا نہیں کرتی وہ تو محض ستر کو حکم شرعی کی بناء پر چھپانا واجب کرتی ہے لہٰذا ستر پوشی کو لازم کرنے والا حکم شرعی ہونا ضروری ہوا۔

قریش اور اکثر دوسرے عرب باوجود یکہ بڑے عقلمند اور سمجھدار لوگ تھے لیکن خانہ کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کیا کرتے تھے اور خود پر گوشت اور چربی کو حرام کر لیتے اور اسے قرب الٰہی کا اہم ذریعہ سمجھتے تھے اور قرب الٰہی ہے جو عقل کے نزدیک مستحسن ہے۔ حتی کہ پھر اللہ تعالیٰ

نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اے بنی آدم اپنی زینت کو ہر سجدہ گاہ میں لازم پکڑو اور کھاؤ پیو اور اسراف مت کرو بیشک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سپارہ نمبر ۸)

زینت لازم پکڑنے سے مراد ستر چھپانے والا لباس ہے اور کھانے پینے کا حکم ان چیزوں کے بارے میں ہے جو انہوں نے خود پہ حرام کرلیں اور ''اسراف مت کرو'' کی دو تفسیریں ہیں۔

(۱) حرمت کے معاملے میں اسراف مت کرو۔ یہ سدیؒ کا قول ہے۔

(۲) یعنی حرام مت کھاؤ کیونکہ یہ اسراف ہے۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔

بہرحال اس آیت سے ستر عورت واجب ہوتا ہے اس فیصلے کے بعد کہ عقل ستر عورت کی موجب نہیں ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ستر عورت شریعت سے واجب ہے عقل سے نہیں۔

خوبصورتی و زینت:

خوبصورتی و زینت عرف اور عادت کے اعتبار سے مستحسن ہے عقل یا شرع کے واجب کیئے بغیر ہی اور اس نوع میں تجاوز اور کوتاہی کبھی کبھی واقع ہو جاتے ہیں اور اعتدال مطلوب اس میں دو وجہوں سے معتبر ہے۔

(۱) لباس کی صفت اور کیفیت کے اعتبار سے۔

(۲) لباس کی جنس اور قیمت کے اعتبار سے

پہلی وجہ:

لباس کی صفت کا عرف میں دو وجہوں سے اعتبار کیا جاتا ہے۔ (الف) علاقوں کا عرف۔ کیونکہ اہل مشرق کا اپنا ایک معروف حلیہ و انداز اور اہل مغرب کا اپنا معروف انداز ہے۔ اسی طرح ان کے مختلف علاقوں میں لباس کے مختلف انداز ہیں۔ (ب) جنس کا عرف۔ اس لئے کہ ہر جنس کا اپنا طریقہ و انداز ہے۔ مثلاً تاجروں کا الگ انداز ہے اور انہی کی طرح مختلف اجناس کا لباس میں مختلف انداز ہے لوگوں میں لباس کے انداز ان دو وجہوں سے مختلف ہیں تاکہ ان کا اپنا انداز دوسروں سے انہیں ممتاز کردے یا کوئی علامت ہو جس کی وجہ سے وہ مخفی نہ رہیں لیکن اگر کوئی شخص اپنے شہر اور جنس کے برخلاف لباس پہنتا ہے تو یہ اس کا عمل

عجیب اور حماقت سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "کھلا ننگا پن رسوا کن حلیے سے بہتر ہے"

دوسری وجہ:

اس کے علاوہ لباس کی جنس اور اس کی قیمت دو طرح سے معتبر ہے۔

(الف) تنگدستی یا خوشحالی سے اس جنس و قیمت پر قادر ہونا۔ کیونکہ خوشحال شخص کی ایک الگ حلیے میں شناخت ہوتی ہے اور تنگدست کی دوسرے حلیے میں۔

(ب) مرتبے اور حال کے اعتبار سے۔ کیونکہ بلند مرتبہ شخص کی اپنے حلیہ میں ایک قدر اور اس سے کم درجہ والے کی اپنے حلیے میں دوسری قدر ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے احوال میں تفاضل کے اعتبار سے ایک دوسرے سے برتر و کمتر ہوں اور اسی سے ان کی الگ شناخت ہو کیونکہ اگر مالدار شخص تنگدستوں جیسا لباس پہنے گا تو یہ اس کی کنجوسی اور بخل کی دلیل ہوگی۔ ایک بلند مرتبہ شخص گھٹیا لوگوں کا سا لباس پہنے تو یہ اس کی توہین اور ذلت ہوگی اسی طرح تنگدست شخص مالداروں کا سا لباس پہنے تو اسراف و تبذیر ہے اور اگر گھٹیا شخص بلند مرتبہ شخص کا حلیہ بنائے اس جیسا لباس پہنے تو یہ اس کی حماقت اور جہالت ہوگی۔

متعین عرب کا لزوم اور متعدل حد کا اعتبار کرنا عقل کے شایان شان اور مذمت سے زیادہ مانع ہے اسی لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ

خبردار دو قسم کے لباس پہننے سے بچو۔ (۱) شہرت کا لباس۔ (۲) تحقیر کا لباس بعض حکماء کا کہنا ہے کہ ایسا لباس پہنو جس میں بڑے لوگ تمہیں عیب نہ لگائیں اور نہ ہی حکماء اس کو برا سمجھیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

ان العیون رمتک اذفاجأ تها   علیک شهر الثیاب لباس

اما الطعام فکل لنفسک ماتشا   واجعل لباسک مااشتهاه الناس

(ترجمہ) بیشک نظروں کے تیر تجھے لگتے ہیں جب تو ان کے سامنے اچانک شہرت کے کپڑوں کا لباس پہنے آئے۔ ہاں کھانا تو اپنے نفس کے لئے جیسا چاہے کھا اور اپنا لباس وہ رکھ جو لوگ پسند کرتے ہیں۔

لباس کے معاملے میں اعتدال قائم رکھیں:

جان لیجئے کہ مروت یہ ہے کہ انسان اپنے لباس کی رعایت کر کے معتدل حال میں ہو

نہ تو زیادہ اہتمام کرے نہ ہی لاپرواہی برتے اور اگر اس نے لباس کی رعایت سے لاپرواہی برتی اور اس کا اہتمام بالکل چھوڑ دیا تو یہ توہین اور ذلت کا باعث ہے۔ اسی طرح لباس کی بہت زیادہ رعایت کرنا اور اس کی طرف توجہ کرنے میں ساری ہمت صرف کر دینا نیچ پن اور نقص ہے۔ بعض فضیلت سے خالی اور تمیز سے عاری لوگ لباس کی بہت زیادہ مراعات کو ہی اصلی سیرت کامل مروت سمجھتے ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ لباس کے باعث بہت سوں سے ممتاز ہوتے اور عام کم درجے کے لوگوں سے نکل جاتے ہیں لیکن ان کی نظروں سے یہ بات پوشیدہ رہتی ہے کہ جب اس کا معاملہ حسد سے بڑھ جائے یا اپنی قدر سے تجاوز کر جائے تو یہ لوگوں میں اس کے تذکرے کو قبیح بناتا اور اس کی مذمت پر اکساتا ہے۔

خوشحالی میں سخاوت سے زینت کریں:

مبرد نے حکایت کی ہے کہ ایک قریشی شخص خوشحالی کے دنوں میں بیکار لباس پہنتا اور تنگی کے دنوں میں اچھا لباس پہنتا۔ کسی نے اسے اس کے بارے میں کچھ کہا تو اس نے جواب دیا کہ جب میں خوشحال ہوتا ہوں تو سخاوت سے مزین ہوتا ہوں اور جب تنگدست ہوتا ہوں تو لباس سے مزین ہوتا ہوں۔

ابن رومی نے اس معنی میں زیادہ بلیغ بات شعر کے ذریعے کہی ہے۔

وما الحلی الازینۃ لنقیعۃ　　یتمم من حسن اذا الحسن قصرا
فاما اذا کان الجمال موفرا　　کحسنک لم یحتج الی ان یزورا

(ترجمہ) زیور تو کمی والے کے لئے زینت ہی ہے جو حسن کی کمی کی صورت میں پورا کرتا ہے البتہ جب خوبصورتی بہت ہو جیسے تمہارا حسن تو اسے بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں۔

اسی لئے ایک دانا کا قول ہے کہ
''عزت اچھی ہیئت میں نہیں''

لباس کو اہمیت دینا نفس کی مراعات کاٹ دیتا ہے:

چنانچہ جب کسی کی محنت اپنے لباس کی مراعات پر زیادہ ہو جائے تو اسے اپنے نفس کی مراعات سے کاٹ دیتی ہے اور لباس اس کے نزدیک زیادہ نفیس بن جاتا ہے اور اسی کی مراعات پر وہ زیادہ حریص رہتا ہے۔

منثور الحکم میں کہا گیا ہے کہ ایسا لباس پہنو جو تمہاری خدمت کرے نہ کہ تم سے خدمت لے۔

خالد بن صفوان نے ریاس بن معاویہ سے کہا۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو اس کی پرواہ نہیں کہ آپ نے کیا پہنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ایسا لباس پہننا جس کے ذریعے میں اپنی حفاظت کروں اس لباس سے زیادہ پسند ہے جس کی میں اپنے آپ سے زیادہ حفاظت کروں۔

لباس سے بے پرواہی مت کیجئے:

جس طرح لباس پر بہت زیادہ محنت وکلفت نہیں ہونی چاہئے اس طرح اس سے بہت زیادہ لاپرواہی بھی نہیں ہونی چاہئے۔ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بہت بوسیدگی کی حالت میں دیکھا تو پوچھا کہ تمہارے پاس کتنا مال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کا مال مجھے عطا فرمایا ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ جب وہ کسی کو نعمت عطا کرے تو اس کا اثر اس شخص پر نظر آئے'' (الحدیث)

کہا جاتا ہے کہ ''مروت ظاہرہ پاک کپڑوں میں ہوتی ہے''

خدام کے بناؤ سنگھار میں لگے تو ان کے خادم ہو جائیں گے:

اگر کوئی اپنے خدم وحشم میں اسی طرح بناؤ سنگھار میں بہت زیادہ لگا رہے تو وہ انکا قیم اور خادم بن جائے گا اور اگر ان سے بالکل لاپرواہی برتے تو انکا سدھار کم اور فساد کھل جائے گا اور یہ لوگ اس کی کم بختی کا سبب اور مذمت کا راستہ بن جائیں گے۔ لیکن اسے چاہئے کہ ان کو برے اخلاق سے باز رکھے اور اچھے اخلاق سکھائے تا کہ وہ شاعر کے اس شعر کا مصداق بن جائیں۔

سهل الفناء اذا مررت ببابه طلق اليدين مؤدب الخدام

اچھے مقام والا ہے وہ شخص جب اس کے دروازے سے کشادہ دست اور خدام کو مودب بنانے والے گذریں۔

خدام کی خبر گیری رکھئے:

اور اسے چاہئے کہ خدام کے احوال کی خبر گیری رکھے جس سے ان کے رکھ رکھاؤ اور شکل وصورت کی حفاظت ہوتی رہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تیل لگایا کرو اس سے تمہاری شدت ختم ہوگی، اور لباس پہنو اس سے اللہ تعالیٰ کی تم پر نعمت ظاہر ہوگی، اپنے غلاموں سے نیک سلوک کرو یہ تمہارے دشمنوں کے لئے ہلاکت خیز ہے“

خدام سے برتاؤ کی کیفیت:

خدام وغیرہ سے درمیانے مزاج (سختی ونرمی کے مابین) سے پیش آئے اگر بالکل نرم ہوگیا تو وہ ان کی نظروں میں بے وقعت ہو جائے گا اور بالکل سخت ہوگیا تو وہ اس کے خلاف ہو جائیں گے ان سے ہر وقت خطرہ لاحق رہیگا۔

مروی ہے کہ نوشیرواں کے محل میں موبذ نے غلاموں کے ہنسنے کی آواز سنی تو پوچھا کہ آپ انہیں منع نہیں کرتے؟ نوشیروان نے کہا کہ ان ہی سے تو ہمارے دشمن ڈرتے ہیں۔

نفس کی دو حالتیں اور ان کا حق:

جان لیجئے کہ نفس کی دو حالتیں ہیں۔

(الف) آرام کی حالت جس سے اگر نفس کو محروم کرلیا جائے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے

(ب) تصرف کی حالت اگر اس حالت میں نفس کو آرام دیا جائے تو وہ خالی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ دونوں حالات کو متوازن رکھے۔

یعنی اس کی نیند اور تھکاوٹ کی حالت اور اس کے تصرف اور بیداری کی حالت کو کیونکہ ان دونوں احوال کی ایک محدود قدر اور مخصوص زمانہ ہے جو کسی ایک کے تجاوز اور زمانے کے بغیر سے نفس کو نقصان دیتا ہے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ”صبح کی نیند عاجز کرنے، نفع پیدا کرنے، سستی دلانے، ورم کرنے، ہمت توڑنے، اور ضرورت کا کام بھلانے والی ہے“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما کا قول ہے کہ نیندیں تین ہیں۔

(۱) نوم خرق (بے وقوفی کی نیند) یہ صبح کے وقت کی نیند ہے۔ نوم خلق (توازن و اخلاق کی نیند) یہ قیلولہ ہے نوم حمق حماقت کی نیند یہ عشاء سے پہلے کی نیند ہے۔

میمون بن مہران حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "چاشت کے وقت کی نیند بے وقوفی قیلولہ اخلاق اور عشاء کے وقت نیند حماقت ہے"

اپنے نفس کا حق ادا کرنے والا کامیاب ہے:

منثور الحکم میں لکھا ہے کہ جو سوتا رہے وہ مراد کھو بیٹھتا ہے۔ جو شخص اپنے نفس کو اس کی نیند اور تھکاوٹ میں اس کا حق دے اور تصرف و بیداری میں اس کا حق پورا کرے اس کے عجز اور بیکاری سے اسے آرام دیکر چھٹکارا پالیتا ہے اور محنت کرکے اس کی کمزوری اور فساد سے بچ جاتا ہے۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بیٹا عبدالملک ان کے پاس آیا تو وہ سو رہے تھے تو اس نے انہیں کہا کہ ابا جان آپ سو رہے ہیں اور لوگ دروازے پر ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ بیٹا میرا نفس میری سواری ہے اور مجھے اس کو تھکانا پسند نہیں ورنہ یہ میرے کام نہیں آئے گا۔

نفس کی بیداری کو صحیح استعمال کریں:

انسان کو چاہئے کہ وہ نفس کی حالت تصرف و بیداری کو اس کی ضرورت کے اہم کاموں پر تقسیم کرے کیونکہ انسان کی ضرورت لازمی اور زمانہ اہمیت کے سب کاموں کو مکمل کرنے سے قاصر ہے تو جب اسے غیر اہم کی جانب بڑھا دیا جائے تو پھر کیا ہوگا؟ سوائے اس کے کہ وہ اس پرندے کی طرح ہو جائے جو اپنا انڈہ چھوڑ کر دوسرے پرندے کے انڈے پر اپنا پر بچھا دے۔

رات کو اپنے نفس کا محاسبہ کیجئے:

پھر انسان کو چاہئے کہ رات کو اپنے دن کے افعال پر غور کرے کیونکہ رات میں تمام خیالات جمع ہوتے اور فکریں اکٹھی ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر دن کے کام اچھے رہے ہوں تو انہیں

آئندہ بھی ایسے ہی گذارے اور ان کاموں کے مشابہ ان جیسے کام بھی کرے اور اگر کام قابل مذمت تھے تو حتی الامکان ان کا تدارک کرے اور آئندہ اس جیسے کاموں سے باز رہے۔

اگر اس طرح کرتا رہیگا تو دیکھے گا کہ اس کے افعال چار حال سے خالی نہ ہوں گے۔

(۱) یا تو اپنی غرض مقصود تک پہنچا ہوگا۔ (۲) یا پہنچنے میں خطا کی ہوگی اور اسے اس کی اصل جگہ کے بجائے دوسری جگہ میں رکھ دیا ہوگا۔ (۳) یا اس میں کوتاہی کی ہوگی اور اسے اس کی حدود سے کم کر دیا ہوگا۔ (۴) یا اس میں اضافہ کر دیا ہوگا حتی کہ اس کی حدود سے بڑھا دیا ہوگا۔

رات کو مراقبہ ضرور کیجئے:

رات کو غور وفکر کرنا کام کرنے سے پہلے سوچنے کا عمل پیدا کرنے کا ذریعہ ہے تا کہ اس کے ذریعے صحیح کام کرنے کے مواقع حاصل ہوں اور غلطی کے امکان کو پہلے ہی سے جانچا جا سکے۔ کہا جاتا ہے کہ جو بہت زیادہ غور وفکر کرتا ہے اس کی غلطیاں کم ہو جاتی ہیں۔

پھر انسان جس طرح اپنے احوال پر غور وفکر کرتا ہے دوسروں کے احوال پر بھی غور وفکر کرے کیونکہ کبھی کبھار دوسرے کے احوال سے صحیح راستہ اور رائے مل جاتی ہے اور ھوی پرستی کے شبہ سے نفس کو بچانا آسان اور خوش خیالی سے خیالات کو خالی کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر دوسرے کے احوال میں اسے کوئی صحیح راستہ ملے یا اس کا کوئی عمل اسے اچھا لگے تو اپنے آپ کو اس عمل سے مزین کرے۔ کیونکہ خوش بخت ہے وہ شخص جو دوسروں کے افعال پر غور کر کے اس کی اچھائیوں کی اقتداء اور برائیوں سے اجتناب کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

''خوش بخت ہے وہ شخص جسے دوسرے سے نصیحت حاصل ہو جائے''

شاعر کہتا ہے کہ

ان السعیدلہ من غیرہ عظۃ وفی التجارب تحکیم و معتبر

(ترجمہ) بیشک وہ خوش بخت ہے جسے دوسرے سے نصیحت ملے اور تجربوں میں فیصلہ کرنے اور اعتبار کرنے کی صورت ملے۔

کام کرنے سے پہلے سوچیئے:

پھر انسان جن اعمال کو کرنے کا ارادہ کرے اور اپنے جن مقاصد کی طرف قدم بڑھانا

چاہے تو اسے چاہئے کہ اس کام کو شروع کرنے سے پہلے غور وفکر کرے کہ اگر اس معاملے میں امید زیادہ ہو اور انجام اچھا نظر آ رہا ہو تو اس پر زیادہ آسان طریقے سے چلے اور سب سے لطیف جہت اختیار کرے اور معاملے کے شرف کے بقدر اس پر اقدام کرے۔

لیکن اگر امید کے بجائے مایوسی زیادہ ہو کہ اسمیں دھوکا کھانے کا خوف ہو یا امر مطلوب گھٹیا درجے کا ہو تو اس میں پڑنے سے بچنا چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے انجام میں غور کرو اگر اچھا ہو تو اس کام کو کرو اور اگر برا ہو تو اس سے باز رہو''

حکماء کہتے ہیں کہ جو چیز حاصل نہ ہو سکے اس کی طلب کرنا ''عجز'' بیکار ہے۔

ہر دور میں اخلاق یکساں رکھئے:

یہ جان لینا چاہئے کہ اس کی عمر کا ہر ایک وقت اخلاق اور اس کے زمانے کا ہر دور عمل ہے۔ تو اگر وہ بڑی عمر میں بچوں کے سے اخلاق اختیار کرے گا اور ہنسی مذاق اور ان افعال سے شغف رکھے گا تو اس سے عمر میں چھوٹا انسان اسے چھوٹا سمجھے گا اور جو واقعی حقیر اور کمتر ہو گا وہ اسے حقیر اور کمتر سمجھے گا اور یہ اس ضرب المثل کی طرح ہو جائے گا۔ بقول شاعر

وکل بازیمسه هرم تخرا علی راسه عصا فیر

(ترجمہ) اور ہر باز بوڑھا ہوتا ہے اس کے سر پر چڑیائیں بیٹ کرتی ہیں۔

اپنے حال پر توجہ رکھئے:

چنانچہ اے عقلمند انسان اپنے حال کی طرف توجہ کر اور اپنے زمانے سے راضی رہ اور اہل زمانہ کے لئے امن وسلامتی بن اور اپنے دور کی عادت پر چلتا رہ جو لوگ تمہارے لئے چھوڑ گئے ہیں جن لوگوں نے تمہیں اس عادت تک پہنچایا ان پر مہربانی کرتے ہوئے چل۔ ان سے علیحدگی مت اختیار کر ورنہ لوگ تمہیں ناپسند کریں گے ان کی کھلم کھلا مخالفت مت کرنا ورنہ لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے کیونکہ جس سے نفرت کی جائے اس کی کوئی زندگی نہیں اور نہ ہی دشمن کو آرام ملتا ہے۔

اپنی خیر خواہی کو اپنی عقل کی غنیمت بنالو اپنا عیب چھپا کر عذر کا اظہار کر کے خیر خواہی

سے مداہنت مت کرو۔ ورنہ اپنے نفس کے سرزنش کرنے میں تیرا دشمن تجھ سے بازی لیجائے گا۔ اس لئے کہ تو اپنے اس نفس کا کھلم کھلا انکاری ہے جو صرف تجھ سے خاص ہے تو اپنے اعذار اور غلطیوں سے اسے دھوکا دیتا ہے۔ لہٰذا تیرے لئے کسی شخص کے برے ہونے کو اتنا کافی ہے جو اپنے دشمن کو فائدہ دے اور اپنے آپ کو نقصان پہنچائے۔

بعض حکماء کا قول ہے اپنے لئے اپنے نفس کی اصلاح کرو لوگ تمہارے پیروکار بن جائیں گے۔ ایک بلیغ کا قول ہے کہ جو اپنے نفس کی اصلاح کرلے وہ دشمن کی ناک خاک آلود کر دیتا ہے اور جو خوب محنت سے عمل کرے وہ اپنی تمناؤں کی مجسم صورت دیکھ لیتا ہے۔ ایک ادیب کا قول ہے کہ جو شخص اپنے عیب کو پہچان لے تو وہ اسے عیب لگانے والے کو ملامت نہ کرے۔ ابو ثابت نحوی نے مجھے یہ شعر سنایا۔

و مصروفة عيناه عن عيب نفسه ولوبان عيب من اخيه لا بصرا

ولو كان ذالا نسان ينصف نفسه لامسک عن عيب الصديق وقصرا

(ترجمہ) بعض اپنی آنکھوں کو اپنے عیوب سے پھیرنے والے اگر انہیں اپنے بھائی کا عیب نظر آئے تو وہ اسے دیکھ لیتے ہیں اور اگر وہ انسان اپنے آپ سے انصاف کرے تو اپنے دوست کے عیب سے رک جائے اور تقصیر کر دے۔

تو اے انسان اپنے نفس کو درست کر اپنے عیوب پر غور و فکر کر کے اسے مہذب بنا اور اسے اس طرح فائدہ پہنچا جیسے اپنے دشمن کو پہنچاتا ہے کیونکہ جس شخص کو اپنے نفس سے واعظ نصیب نہ ہو اسے دنیا بھر کے مواعظ و نصائح کچھ فائدہ نہیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی عمل کی بات پر اور نصیحت کو قبول کرنے پر مدد فرمائے (آمین) اور ہمارے لئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہو۔